

فَقُلْ لِلْعَيْنِ الرَّهْمِ اِيَّاكَ اَنْ تَرَى سَنَا الشَّمْسُ فَاسْتَفْشَى ظِلَامَ اللَّيَالِيَا
 گرد آلود آنکھوں سے کہہ دو کہ اگر وہ آفتاب کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتیں تو راتوں کی تاریکیاں اپنے اوپر ڈھریں

مقامِ حیات

المُسْتَعْبِقُ

مَدَارِكُ الْأَذْكِيَاءِ فِي حَيَاةِ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ

مکین گنبد خضر اہل حیاتِ برحق کا بیان

تالیف

ڈاکٹر علامہ عبدالحمود
 ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی ناچپٹر



دارالمعارف

افضل پارکیٹ، اردو بازار، لاہور

حقوق التالیف کاتما محفوظۃ للمؤلف

نام کتاب ————— مقام حیات
 مصنف ————— ڈاکٹر علامہ خالد محمود مانچسٹر
 کتابت ————— محمد حفیظ الحق صدیقی خانیوال
 صفحات ————— ۷۵۲
 ایڈیشن ہذا ————— ۱۴۱۴ھ / ۲۰۱۹ء
 ناشر ————— جامعہ ملیہ اسلامیہ لاہور
 دارالمعارف اردو بازار لاہور
 تعداد ————— گیارہ سو
 قیمت اعلیٰ مجلد ————— ۱۷۰ روپے
 ممالک یورپ ————— ۱۲ پونڈ

ملنے کے پتے

دفتر دارالمعارف پراویس سماج روڈ سنت نگر
 جامعہ ملیہ اسلامیہ توحید پارک نزد امامیہ کالونی لاہور
 پتہ انگلینڈ : اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر

فہرست مضامین

<p>۴۱ { مخالفین کا علمائے دیوبند کو</p> <p>۴۲ حیات فی الدنیا کا لازم قرار دینا۔</p> <p>۴۱ وقت کا موضوع حیات ہے مہمات نہیں</p> <p>۴۱ حیات الانبیاء پر فریقین کا اتفاق</p> <p>۴۲ مخالفین کا اپنا اقرار</p> <p>۴۲ { حیات جسدی کے انکار کے</p> <p>۴۳ خطرناک نتائج۔</p> <p>۴۴ { معتزلہ و دروافض اور اہل سنت کا</p> <p>۴۴ نظریہ آخرت میں اختلاف۔</p> <p>۴۴ اہل سنت حیات جسدی کے قائل ہیں</p> <p>۴۵ { وفات کے بعد روح و بدن میں علاقہ</p> <p>۴۵ نہیں یہ معتزلہ کا مذہب ہے۔</p> <p>۴۵ حضور روح و بدن کے مجموعہ سے رسول ہیں</p> <p>۴۶ حیات جسمانی کے انکار کا دوسرا نتیجہ</p> <p>۴۶ حضور عہدہ و رسول نہ رہیں گے</p> <p>۴۶ کرامیہ کا عقیدہ کہ حضور اب صرف</p> <p>۴۶ حکمی طور پر رسول ہیں۔</p> <p>۴۶ علامہ ابن حزم کرامیہ کے رد میں</p>	<p>تعارف و اعتذار</p> <p>لا دینیت کا محاذ</p> <p>اندرونی اتحاد کی ضرورت</p> <p>دین محمدی کا اہم ترین موضوع</p> <div style="border: 1px solid black; padding: 5px; text-align: center; margin: 10px 0;"> <p>اسلام کا عقیدہ معاد</p> </div> <p>ارکان ایمان کا رکن خامس</p> <p>ایمان بالآخرت</p> <p>منکرین معاد کے استبعادات</p> <p>قرآن کریم کے جوابات</p> <p>جو بدن گناہ کرے وہی سزا پائے</p> <p>سوا و اعظم اہل سنت کا عقیدہ</p> <p>عالم برزخ میں حیات نبویہ</p> <p>نفوذ روح ہو یا اشرف روح</p> <p>روح پاک کا مقراصلی</p> <p>حیات دنیا والے جسد میں</p> <p>حیات کا مدار رزق مادی پر نہیں</p> <p>حیات میں کبھی اختلاف نہیں رہا</p>
--	--

- ۶۱ حضرت انشاء ولی اللہ حضرت علیؑ کی حمایت میں
- ۶۲ مجتہد اور مناظر میں فرق
- ۶۳ مجتہد اور مقلد میں فرق
- ۶۵ کیا مسئلہ حیات النبی یا وفات النبی {
- ۶۶ راحت سے قرآن میں مذکور ہے؟
- ۶۷ آیت حیات شہداء میں تخصیص کا احتمال
- ۶۸ کیا آیت اموات غیر احوالہ مماتی {
- ۶۹ عقیدے پر قطعی الدلالتہ ہے؟
- ۷۰ آیت اموات غیر احوالہ کا موضوع بیان
- ۷۱ آیت اموات غیر احوالہ میں کیا کسی {
- ۷۲ اور معنی کا بھی دخل ہے؟
- ۷۳ آیت اموات غیر احوالہ میں عموم مجاز
- ۷۴ قرآن کریم اور حضورؐ کی وفات شریفہ
- ۷۵ بائبل میں صلیب مسیح کا ذکر کیا بائبل {
- ۷۶ کے اصلی نہ ہونے کی دلیل نہیں؟
- ۷۷ کیا اثبات عقائد کے لیے دلائل ظنیہ سے {
- ۷۸ استشہاد ہو سکتا ہے؟
- ۷۹ علامہ شاطبیؒ کا بیان
- ۸۰ ملا علی قاریؒ کا بیان
- ۸۱ قرآن عزیز کا موت انسانی میں {
- ۸۲ ذہن جاہلیت سے اختلاف۔ {
- ۸۳ حضورؐ کو حقیقی طور پر رسول ماننا چاہیے
- ۸۴ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا اپنا عقیدہ
- ۸۵ کتب عقائد میں نبوت حقیقی کی تصریح
- ۸۶ کرامیہ اپنے اشاعت کے محاذ پر
- ۸۷ امام بیہقی علامہ قشیری اور ابن عساکر سنی محاذ پر
- ۸۸ کرامیہ جھوٹ بولنے کو جائز سمجھتے ہیں
- ۸۹ کرامیہ کے مخصوص عقائد

انکار حیات کا تاریخی پس منظر

- ۹۰ کرامیہ کے خلاف علامہ سبکیؒ کا بیان
- ۹۱ علامہ سبکیؒ کے ہاں صحیح سنی عقیدہ
- ۹۲ امام ابو القاسم قشیریؒ کا سنی عقیدہ
- ۹۳ علامہ ابن عابدین الشامیؒ کا سنی عقیدہ
- ۹۴ انبیاء رسالت سے معزول نہیں ہوتے
- ۹۵ اس غلط عقیدہ سے متاثر ہونے {
- ۹۶ والے دوسرے مسئلے۔ {

مقدمہ

- ۹۷ استدلال بالقرآن کا دلکش نعرہ
- ۹۸ خوارج کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کی
- ۹۹ حضرت ابن عباسؓ کو نصیحت
- ۱۰۰ استدلال بالقرآن کا دلکش نعرہ
- ۱۰۱ خوارج کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کی
- ۱۰۲ حضرت ابن عباسؓ کو نصیحت

موت کی حقیقت

- ۸۸ عربی میں موت کے مختلف نام
- ۸۸ قرآن کا استعمال فقط توفی
- ۸۸ ابانۃ الروح عن الجسد اور
- ۸۸ زوال قوت حیوانیہ۔
- ۸۸ موت کے لیے سبق حیات ضروری نہیں
- ۸۸ مسبقیت حیات موت کے لیے لازم نہیں
- ۸۹ آنحضرتؐ کی موت طیبہ کی شان
- ۸۹ قرآن کی رو سے موت کی حقیقت
- ۹۰ حشر کی حیات بھی طیب موت بھی طیب
- ۹۰ موت اور نیند میں عمل مشترک
- ۹۰ موت کے باوجود بعض آثار حیات کا تسلسل
- ۹۰ آثار حیات کا کچھ دیر باقی رہتا
- ۹۰ آثار حیات جو اجماعاً قائم ہو رہے
- ۹۰ آثار حیات اب تک باقی
- ۹۰ آپ کے احوال آپ کی ملک پر باقی ہے
- ۹۰ صاحب ہدایہ کا موقف عدم تغیر
- ۹۲ موت ایک صفت ہے جو صفت حیات
- ۹۲ آیت اللہ توفی الافرہس کہ
- ۹۲ کے تغیر پر بدن کو لاحق ہوتی ہے
- ۹۲ متشابہات میں شامل کرنا۔
- ۹۳ روح اور حیات میں ملازمہ نہیں
- ۹۳ حدیث صحیح بخاری سے اس کا رد
- ۹۳ موت کا شرعی مفہوم
- ۹۳ نیند والے کے لیے ارسال روح
- ۹۳ اختلاف دارین کا تحقق ہو جائے
- ۹۳ کے علاوہ احیاء کا لفظ بھی وارد ہے
- ۹۳ موت عدم محض اور فنا کے خالص نہیں
- ۹۳ ارسال احیاء کے ساتھ روح کے
- ۹۵ عالم آخرت کی مختصری حیات
- ۹۵ الفاظ بھی حدیث میں وارد ہیں۔
- ۹۶ حشر آخرت ذرات منتشرہ سے کیے
- ۹۶ قرآن کی رو سے موت ایک وجہ دی ہے
- ۹۶ انبیاء کے ابدان ریزہ ریزہ نہیں ہوتے
- ۹۶ امام رازیؒ اور علامہ آکوسیؒ کے بیانات
- ۹۶ صورتحال سے بے خبری عدم حیات کی دلیل نہیں
- ۹۶ موت کا وجود حدیث کی روشنی میں
- ۹۶ عزیر علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام
- ۹۶ موت کے ذبح ہونے کی روایات
- ۹۶ کعبہ ابدان موت کے باوجود محفوظ رہے
- ۹۶ گنہگار جہنمیوں پر ایک اور موت

- ۹۹ حشر کے دن پہلے آنحضرت قبر سے نکلیں گے
 ۱۱۰ اور دل کے لیے لفظ البعث اور آپ کے لیے لفظ خروج
 ۱۱۰ رسالت میں اعتماد اور اسناد کے دو دور
 ۱۰۱ صحت حدیث معلوم کرنے کی دو راہیں
 ۱۰۱ اعتماد علی السلف کو قائم رکھنے کی ضرورت
 ۱۱۰ دنیا کا مثل ہو کر آپ کے سامنے آنا
 ۱۱۰ آپ کا بچا دو دودھ حضرت عمرؓ کی نعمت میں
 ۱۱۰ علم کی ایک برزخی صورت — دودھ
 ۱۱۱ دین کی ایک برزخی صورت — شیش
 ۱۱۱ کنہیں سے نکلنے والے — خلافت
 ۱۱۱ دیا بکھرے بالوں والی عورت کی صورت میں

③ عالم برزخ

- ۱۱۳ قرآن کریم میں اس جہان کی خبر
 ۱۱۳ برزخی زندگی میں روح و حیات میں تلازمہ نہیں
 ۱۱۳ برزخ میں روح و بدن کا تعلق بھی ہو سکتا ہے
 ۱۱۳ عالم برزخ ایک جہت مواصلت دنیوی میں
 ۱۱۳ ہے اور اس میں ارتقاء عمل ہے
 ۱۱۳ مختلف درجوں کے لوگوں کا برزخ مختلف
 ۱۱۳ ۱۔ عام اموات کا برزخ
 ۱۱۳ ۲۔ شہداء کا برزخ
 ۱۱۳ ۳۔ انبیاء کا برزخ
 ۱۱۵ عالم برزخ کو سمجھنے کے لیے ایک دنیوی تجربہ
 ۱۱۵ نیند برزخ کی قریب ترین منزل ہے
 ۱۱۵ قبر کی واردات شرعی حقیقت میں مجاز نہیں
 ۱۱۶ توفی میں موت اور نیند دونوں جمع
 ۱۱۶ حدیث کی رو سے موت نیند کی بہن

تمہید

- ۱۰۳ عالم برزخ کی کبھی کبھی جھلکیاں
 ۱۰۳ حیات النسانی کے چار دور
 ۱۰۳ ① عالم ارواح

- ۱۰۳ عالم ارواح میں ارسال و رسل کی خبر
 ۱۰۵ عالم ارواح کو عالم ارواح کیوں کہتے ہیں
 ۱۰۵ ② عالم دنیا

- ۱۰۶ عالم دنیا میں بدن کے احکام روح پر غالب
 ۱۰۶ تغذیہ و تنمید اس زندگی کے لازم ہیں
 ۱۰۶ یہ دنیا دار التکلیف اور دار العمل ہے

- ۱۰۶ عالم دنیا میں برزخ کی جھلکیاں
 ۱۰۶ جنت اور جہنم کا اس دنیا میں مشاہدہ
 ۱۰۸ اجراء امت اور ذنوب امت کا مشاہدہ
 ۱۰۸ پہلی امتوں اور پہلے انبیاء کو دیکھنا
 ۱۰۹ فتنوں کو بارش کی طرح اترتے دیکھنا

⑤ عالمِ آخرت

۱۱۸

۱۱۸

۱۱۸

۱۱۹

۱۱۹

۱۲۰

۱۲۱

۱۲۱

۱۲۱

۱۲۳

۱۲۴

۱۲۴

۱۲۴

۱۲۵

۱۲۶

۱۲۷

۱۲۸

۱۲۸

۱۲۹

۱۲۹

اسلام کا عقیدہ برزخ

۱۳۱

۱۳۲

۱۳۲

۱۳۲

۱۳۳

۱۳۴

۱۳۴

۱۳۴

۱۳۵

۱۳۵

۱۳۶

۱۳۶

۱۳۷

۱۳۸

۱۳۹

۱۳۹

۱۳۹

۱۳۹

۱۳۹

۱۳۹

چار جہانوں میں کوئی دو متوازی نہیں

ہر دو سر جہاں پہلے سے وسیع ہے

چاروں جہانوں کا آپس میں ایک لطیف ربط

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا بیان

کہ عالمِ قبر اس دنیا کا ہی ایک حصہ ہے

عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت میں ایک کھلا فرق

حکیم الاسلام قادی محمد طیب کا بیان

تین جہانوں میں روحِ مبدن کے تعلق کی نوعیت

عالمِ برزخ کا عالمِ دنیا سے قریبی تعلق

اہلِ برزخ کی اہلِ دنیا سے دلچسپی

اہلِ برزخ اور اہلِ دنیا کی باہمی واقفیت

باہمی واقفیت کے پانچ طریقے

پانچ طریقوں کے فنی اور اصطلاحی عنوانات

استدلال کا شخصیتی درجہ

استدلال کا طبقاتی درجہ

استدلال کا کلیاتی درجہ

کلیاتی استدلال کی مثالی توضیح

ہر سہ استدلال سے برزخ کا اندازہ

المنان کا مستقل دارالقرار

صوفِ آخرت ہے۔

حضرت علامہ قرطبی کا بیان

حضرت علامہ سیوطی کا بیان

حضرت مولانا مہناوی کا بیان

① قرآن کریم میں تین زندگیاں کا ثبوت

یہ صرف ایامِ ثلاثہ ہیں یا مرامِ ثلاثہ

۱۔ علامہ نسفی کی شہادت

۲۔ ابنِ ابی حزمی کی شہادت

۳۔ علامہ قرطبی کی شہادت

۴۔ امام رازی کی شہادت

۵۔ قاضی شہار اللہ کی شہادت

۶۔ تفسیر خازن کی شہادت

قبر میں سلام سے سلامِ تحیہ مراد ہو سکتا ہے

علامہ ابن عطیہ کی شہادت

صلوٰۃ و سلام اسی بنویدنی بدن پر

② قرآن کریم میں قیامت سے پہلے

آلِ فرعون کا عذابِ برزخی زندگی کا ثبوت ہے

حافظ ابن کثیر کی شہادت

③ قومِ نوح پر ڈوبنے سے متصل آگ

کا عذابِ برزخی زندگی کا ثبوت ہے

۱۵۶ ۴ قرآن کی رو سے انسانی زندگی کے تین دور ۱۴۱ صاحب شکوہ کی شہادت

۱۵۶ ۴۲ قبر کے اندر کے چھپے معاملات
روایت برابر پر قرآن کی تلاوت

۱۵۷ ۴۲ ۵ قرآن کریم میں سوالات اخروی
پر ثابت قدمی کی شہادت

۱۶۰ ۴۳ برزخ کا شمار ادھر بھی ادھر بھی

۱۶۰ ۴۴ چالیس صحابہ کرامؓ سے قبر میں کئے

۱۶۲ ۴۴ جانے والے سوالات کا ثبوت

۱۶۲ ۴۴ عذاب قبر کے انکار سے انسان کفر کی سرحد پر

۱۶۳ ۴۵ عذاب قبر کے منکر کے چھپے نماز جائز نہیں

۱۶۴ ۴۵ عذاب قبر کی احادیث تو اثر کے درجہ میں

۱۶۴ ۶ مرنے کے ساتھ عذاب الہی کا سامنا

۱۶۵ ۷ مرنے کی ضرر میں اور عذاب الحرق کا سامنا

۱۶۶ ۸ قیامت سے پہلے ایک برزخی زندگی

۱۶۶ ۱۵۱ حضرت عطاءؒ کا ایمان افروز بیان

۱۶۶ ۱۵۲ اسلام کا چودہ سو سال کا سلسلہ اعتقاد

۱۶۶ ۱۵۲ عذاب قبر محدثین کی نظر میں

۱۶۶ ۱۵۳ امام ابو داؤدؒ کی شہادت

۱۶۸ ۱۵۳ امام مسلمؒ کی شہادت

۱۶۹ ۱۵۳ امام بخاریؒ کی شہادت

۱۶۹ ۱۵۵ امام ترمذیؒ کی شہادت

۱۶۹ ۱۵۵ عذاب قبر محدثین کی نظر میں

قبر کی واردات

۱۶۶ ۱۵۲ اسلام کا چودہ سو سال کا سلسلہ اعتقاد

۱۶۶ ۱۵۲ عذاب قبر محدثین کی نظر میں

۱۶۶ ۱۵۳ امام ابو داؤدؒ کی شہادت

۱۶۸ ۱۵۳ امام مسلمؒ کی شہادت

۱۶۹ ۱۵۳ امام بخاریؒ کی شہادت

۱۶۹ ۱۵۵ امام ترمذیؒ کی شہادت

۱۶۹ ۱۵۵ عذاب قبر محدثین کی نظر میں

دسویں صدی کی شہادت

۱۸۲	علامہ سید طعی کا بیان
۱۸۳	علامہ ودائی
۱۸۴	علامہ شعرانی
۱۸۴	علامہ قہستانی
۱۸۵	علامہ علی القاری

گیارہویں صدی کی شہادت

۱۸۸	۱۔ امام ربانی مجدد الف ثانی
۱۸۹	۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی

بارہویں اور تیرہویں صدی

۱۹۰	۱۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
۱۹۵	۲۔ شاہ عبدالغفریہ محدث دہلوی
۲۰۱	۳۔ قاضی ثناء اللہ ربانی
۲۰۲	۴۔ علامہ شامی
۲۰۳	۵۔ قاضی شوکانی
۲۰۵	۶۔ علامہ آلوسی

چودہویں صدی کی شہادت

امام بیہقی اسفرائینی قشیری
ابن عساکرؒ اور امام غزالیؒ
صاحب ہدایہ کی گراہی

ساتویں صدی کی شہادت

۱۶۲	۱۔ علامہ قسطلانی
۱۶۳	۲۔ امام نووی
۱۶۴	۳۔ علامہ نسفی

آٹھویں صدی کی شہادت

۱۷۵	۱۔ علامہ صدر الدین القونوی
۱۷۵	۲۔ علامہ سبکی شافعی
۱۷۶	۳۔ قاضی عسند الدین الانجلی
۱۷۶	۴۔ حافظ ابن تیمیہ
۱۷۷	۵۔ حافظ ابن قیم

نویں صدی کی شہادت

۱۷۹	علامہ سید شرف البحرانی
۱۷۹	حافظ ابن حجر عسقلانی
۱۸۰	علامہ بدر الدین العینی
۱۸۱	حافظ ابن ہمام الاسکندری

دنوی زندگی نہیں دنیا کی سی زندگی ہے

- ۲۰۹ امام العصر مولانا انور شاہؒ
- ۲۱۰ مفتی عزیز الرحمنؒ
- ۲۱۰ مولانا حسین علی مرحومؒ
- ۲۱۰ نواب صدیق حسن خانؒ
- ۲۱۰ مسک محدثین اور مسک متکلمین
- ۲۱۱ اعادہ روح اور اشراق روح
- ۲۱۳ صحت روایت کا مدار و اعتبار
- ۲۱۴ علامہ ذہبیؒ کی شہادت
- ۲۱۵ امام عبدالرحمن بن المہدیؒ
- ۲۱۵ علامہ سیوطیؒ کی شہادت
- ۲۱۶ حدیث اعادہ روح
- ۲۱۷ راویوں پر کلام
- ۲۱۹ حدیث کی تصحیح کرنے والے
- ۲۱۹ پہلی پانچ صدیوں کی شہادت
- ۲۱۹ چھٹی صدی کی شہادت
- ۲۲۰ ساتویں اور آٹھویں صدی کی شہادت
- ۲۲۱ نویں اور دسویں صدی کی شہادت
- ۲۲۲ گیارہویں صدی کی شہادت
- ۲۲۲ بارہویں صدی کی شہادت
- ۲۲۳ تیرہویں صدی کی شہادت
- ۲۲۵ ایک سوال اور اس کا جواب
- ۲۲۸ دنیوی زندگی کی تعریف
- ۲۲۸ وفات کے بعد اس دنیوی زندگی میں {
- ۲۲۸ ۱۰ ناشیعوں کا عقیدہ رجعت ہے۔ {
- ۲۲۹ حضورؐ کی برزخی زندگی کو دنیوی کہنے کی جہت
- ۲۲۹ نیند کے حالات اور برزخ کی واردات
- ۲۲۹ حضورؐ کا جسد اطہر بالکل تروتازہ
- ۲۳۰ برزخ میں روح کا عود کرنا دنیا کی طرح سے نہیں
- ۲۳۱ علامہ تصاذافیؒ کی شہادت
- ۲۳۱ علامہ عبدالعزیزؒ پر پاڑہ می
- ۲۳۱ حافظ ابن حجرؒ کی تائید
- ۲۳۲ قاسم بن قطلوبغا کی شہادت
- ۲۳۲ ملا علی قاریؒ کی شہادت
- ۲۳۳ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی شہادت
- ۲۳۴ اس دور کے معتزلہ کی اہل حق سے استہزاء
- ۲۳۶ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد دہلویؒ
- ۲۳۷ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ
- ۲۳۷ قبر کی زندگی کس پہلو سے دنیوی زندگی ہے ؟
- ۲۳۸ حاکم ابن ابوزیؒ قبر کی زندگی کو قرآن کے {
- ۲۳۸ حوالے سے دنیوی زندگی مانتے ہیں۔ {

- ۲۵۲ علامہ الدین ابو الحسن الخازنؒ کی شہادت ۲۳۹ انبیائے سابقین کے آنے کی صورت
- ۲۵۳ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی شہادت ۲۳۹ ملاقات انبیاء پر قرآن کی شہادت
- ۲۵۳ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی شہادت ۲۳۹ علامہ قرطبی کی شہادت
- ۲۵۳ برسر مطلب آدمیم ۲۳۷ تفسیر جلالین کا بیان
- ۲۵۵ حیات برزخی کا دنیوی پہلو ۲۴۱ امام فخر الدین رازیؒ کا تفسیری ضابطہ
- ۲۵۲ برزخ کی نفی اور حیات دنیوی کا امتداد ۲۴۲ علامہ لغوی کی شہادت
- ۲۵۲ مجھے قیامت تک رہنے کا اختیار دیا گیا ۲۴۲ حضرت سعید بن جبیرؓ (۵۹۵ء) کی شہادت
- ۲۵۴ دنیوی زندگی اور برزخی زندگی میں فرق ۲۴۴ قاضی شمس الدین صاحب پانی پتیؒ
- ۲۵۴ برزخی زندگی کی آہٹ کہاں تک سنی جا سکتی ہے ۲۴۵ قاضی شمس الدین صاحب پانی پتیؒ کی شہادت
- ۲۵۴ انبیاء کا سلسلہ عمل رکھتا ہے ۲۴۶ علامہ محمود آلوسیؒ کی شہادت
- ۲۵۹ انبیاء کا برزخی پرے میں یہاں آنا ۲۴۶ حضرت قتادہؓ (۸۱۱ء) کی شہادت
- ۲۶۰ حضرتؑ کا حضورؐ سے ملاقات کرنا ۲۴۶ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی شہادت
- ۲۶۱ یہ ملاقات ابدان سے تھی صرف ارواح سے نہ ۲۴۷ ملا علی قاریؒ کی عبارات
- ۲۶۲ پہلے انبیاء یہاں آکر حج بھی کر سکتے ہیں ۲۴۷ حضرت عیسیٰ کی پہلے انبیاء سے ملاقات
- ۲۶۳ حضرت ہود اور حضرت صالح کے گزرنے کی خبر ۲۴۸ حضرت عیسیٰ کی روحہ اطہرہ پر حاضری اور سلام
- ۲۶۳ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے گزرنے کی خبر ۲۴۹ حضرت عیسیٰ فوج روحانہ سے احرام باندھیں گے
- ۲۶۵ قرآن کی خبر کہ آپؐ موسیٰ سے ضرور ملیں گے ۲۴۹ حضرت عیسیٰ بعد نزول اللہ کے رسول ہوں گے
- ۲۶۵ موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے پایا ۲۴۹ حضرت عیسیٰ پر انتظامی امور میں وحی آئے گی
- ۲۶۵ قبر کے اعمال کا احادیث سے ثبوت ۲۵۰ لیکن وحی شریعت نہیں۔
- ۲۶۵ انبیاء کی برزخ میں حیات ارتقاء عمل سے ہے ۲۵۰ عالم برزخ سے سنی بات پر عمل ضروری نہیں
- ۲۶۶ حضورؐ کی پہلے انبیاء سے ملاقات ۲۵۱ اجسام لطافت میں ارواح کے درجے میں

برزخ میں گئے اعمال دنیوی اعمال کے حکم میں ۲۶۱ آثار حیات اگر گھنٹوں مشتقی نہ ہوں تو

۲۶۳ عبادت صرف موت تک کے لیے ہے ۲۶۵ کیا یہ ایک عیدی نورخ کی موت نہ ہوگی

۲۶۳ عالم برزخ کی عبادت تکلیفی نہیں ۲۶۵ معتزلہ کا امساک کا موقف

۲۶۴ جنت میں یاد الہی مکلف کے طور پر نہ ہوگی ۲۶۵ اہل السنۃ والجماعۃ کا جواب

۲۶۴ قرآن پاک کی رو سے جنت میں یاد الہی ۲۶۵ ۱. علامہ آکوسی کی شہادت

۲۶۵ حدیث کی رو سے جنت میں یاد الہی ۲۶۸ ۲. مولانا مٹھانی کی شہادت

۲۶۵ حضور کا برزخ حیات میں اس کے لیے استغفار ۲۶۸ ۳. حافظ ابن قیم کی شہادت

۲۶۶ حضور پر زائین کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ۲۶۸ روح و بدن کا ہر تعلق دنیا کا نہیں

۲۶۶ انبیاء کے وفات کے بعد جو ان کے اعمال باقی رہے ۲۶۹ ریاض الجنۃ سرزمین مدینہ میں ہے

۲۶۶ انبیاء کے وفات کے بعد جو ان کی اہلک باقی ہیں ۲۶۹

قبر کی حقیقت

۲۶۹ { عدت وفات سے امہات المؤمنین کا نکاح ختم نہیں ہوا۔ ۲۷۰

۲۷۰ { ارواح شہداء کی سیر کیا بھی دنیا میں بھی سکتی ہے ۲۷۰

۲۷۰ { اشاعرہ حیات اور اعادہ روح میں تلازم کے قائل نہیں۔ ۲۷۲

۲۷۰ { ۱. صلوٰۃ زکوٰۃ اور حج کے لفظی اور اصطلاحی معنی ۲۸۰

۲۸۰ { ۲. ہیں مگر قبر کی کوئی علیحدہ شرعی حقیقت نہیں۔ ۲۸۰

۲۸۱ قبر — قرآن کریم کی روشنی میں ۲۸۱

۲۸۲ قبر — قرآن اس ظاہری قبر کو ہی قبر کہتا ہے ۲۸۲

۲۸۲ قبر کا دوسرا کنارہ کسی عمار کی نظیر میں ۲۸۲

۲۸۳ قبر — احادیث کی روشنی میں ۲۸۳

۲۸۸ میں احادیث کی شہادت ۲۸۸

۲۸۹ قبر — صحابہ کرام کے ہاں ۲۸۹

آیت اللہ یتوفی الا نفس حین موتہا پر بحث

موت کے لیے دو چیزیں لازم ہیں ۲۸۲

روح کا ٹکٹنا اور آثار حیات کا خاتمہ ۲۸۲

نیند میں روح بھٹکنے کے بعد جو روح کا ۲۸۳

ایک خاص تعلق بدن سے قائم رہتا ہے۔ ۲۸۳

- حضرت ابن عباسؓ کی شہادت ۲۸۹ عالم برزخ کے لیے کسی اور زمین کی تلاش نہ کرو ۳۰۲
- حضرت عمرؓ کی شہادت ۲۸۹ معنی قبر پر سعودی پیشوا کی شہادت ۳۰۴
- حضرت بریدہؓ کی شہادت ۲۹۰ شیخ محمد بن عبد الوہابؒ کے بیٹے کی شہادت ۳۰۵
- حضرت عمرو بن العاصؓ کی شہادت ۲۹۰ سرخیل علماء نجد محمد بن عبد اللطیف ۳۰۵
- حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی شہادت ۲۹۰ آپ قبر مبارک پر سلام سنتے ہیں ۳۰۵
- حضرت جابرؓ کی شہادت ۲۹۱ برزخ کے حالات مشاہدہ میں نہیں آتے ۳۰۶
- ای وہیں کہ حکم ہو بلکہ کہ میت پر تنگ ہو جا ۲۹۱ فرشتوں کا سرمے والوں کو چھٹا ۳۰۶
- معنی قبر پر حضرت امام ابو حنیفہؒ کی شہادت ۲۹۲ ہم نہیں دیکھتے مگر یہ ہوتا ہے ۳۰۶
- مخالفین کا اپنا اقرار کہ قبر یہی ہے ۲۹۲ بعض کا مین پر انکشاف حق ہے ۳۰۶
- شہداء احمد کی انہی زمینی قبروں پر حضورؐ گزے ۲۹۲ کمرۃ ارضی اور عالم بالا کے ارتباطات ۳۰۷
- حضرت مصعب بن زبیرؓ کی قبر پر ۲۹۴ فرشتوں کا حضورؐ کے پاس آنا جانا ۳۰۷
- معنی قبر پر فریقین کا اتفاق ۲۹۵ فرشتوں کا میدان جنگ میں نزول ۳۰۸
- قبر اگر صرف گڑھا ہے تو اس پر دعا کیوں؟ ۲۹۵ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا بیان ۳۰۹
- سیدنا حضرت عثمانؓ کی روایت ۲۹۶ حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلویؒ کا بیان ۳۰۹
- حضرت عبداللہ بن سعودؓ کی شہادت ۲۹۷ فرشتوں کا انسانی شکل میں آنا ۳۰۹
- حضرت عمرو بن العاصؓ کی اپنے بیٹے کو نصیحت ۲۹۸ فرشتے کے اصلی صورت میں نہ آنے کی حکمت ۳۰۹
- سوال و جواب اسی قبر میں ۲۹۸ ۲ محضرت کا برزخ عام درجے کا نہیں ۳۱۰
- علامہ علی قاریؒ کی شہادت ۲۹۸ ۳ محضرت کا طرف طبعی عام درجے کا نہیں ۳۱۰
- قاضی شوکانیؒ کی شہادت ۲۹۹ ۴ محضرت کا برزخ عام لوگوں کی طرح کا نہیں ۳۱۰
- مقرر اموات یہی زمین ہے ۳۰۰ کیا ان چار جہانوں کے سوا ۳۱۱
- مرنے کے بعد ٹھکانہ اسی زمین میں ہے ۳۰۰ کوئی اور جہان بھی ہے ۳۱۱

عالم مثال

اس قبر کو قبر نہ ماننے والے عذابِ قبر
کے لیے کسی اور بدن کی تلاش میں۔

عذابِ قبر کے لیے مثالی بدنوں کا کیا کوئی ثبوت؟

پرنہ دل کو شہداء کے اجساد مثالیہ
قرار دینے والوں کا ذوقِ علم۔

عقائد کی اساس صوفیہ کے مشاہد پر نہ ہونی چاہیے

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے ارشاد

عقائد کی بناء صوفیوں کے مشاہدات اور
ابدان مثالیہ پر رکھنا کوئی شانِ علم ہے؟

صوفیہ نے جو دیکھا فہم کی نہیں اسے صحیح سمجھا ہو

مسئلہ عذابِ قبر کی اساسی حیثیت

انکارِ عذابِ قبر کی ضرورت کیوں پڑی؟

عذابِ قبر پر علماء حق کے بیانات

حضرت امام شاہ ولی اللہؒ کا بیان

معانی کی تصویریں مختلف اشکال میں

حقائق کی تصویریں مختلف صورتوں میں

عالم غیب اور عالم شہادت کے مابین کی منزل

عالم ملکوت اور عالم ناسوت میں تیسری منزل

برزخِ دنیا اور آخرت کے مابین

عالم غیب اور شہادت کے مابین

برزخ اس دوسرے مفہوم میں مستقل وجود

رکھتا ہے یا نہیں اس میں اختلاف

معراج کی رات عالمِ برزخ کے مسافر

حضور کو عالم مثال میں دکھائے گئے۔

قاضی بیضاویؒ اور حافظ ابن حجرؒ کی دوراہیں

رائی اس جہان کا اور دوسری اس جہان کے

اجسادِ اصلیہ اور مثالیہ کے دو احتمال

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مسلکِ ربانہ معراج

علماءِ شرع کے ہاں عالمِ ارواح عالمِ برزخ اور عالم

اجساد ہی ہیں شاید صوفیہ نے برزخ کو مثال کہہ دیا ہو

اسلام میں عالم مثال کا تصور

مقامِ بدن کے تعیین سے مقامِ روح کا تعیین

تفتیح المبحث

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا اقرارِ دفا

موتِ انبیاء اور موتِ عوام میں بڑا فرق ہے

حضور کی حیاتِ جسمانی بھی ہے

روحانی بھی اور برزخی بھی۔

مسئلہ زیرِ نزاع میں اصل مبحثِ مطلقِ حیات

منہیں حیات بعد الوفا ہے۔

ثبوت وفات کے دلائل ہمارے خلاف نہیں ۲۲۵ باعتبار تعلق بالرزق وہ روحانی حیات ہے ۲۲۲

وفات کا وقوع پھر زندہ ہونے کے منافی نہیں ۲۲۵ روح کی حقیقت پر امام العصر حضرت علامہ انور شاہ

جیسی وفات آپ کے لیے مقدر تھی وہ واقع ہوئی ۲۲۵ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کا بیان ۲۲۲

طریاں موت اور عادۃ حیات کے احتمالات ثلاثہ ۲۲۲

کے بعد پھر روح بدن میں یا بدن پر ۲۲۲

۱۔ ابانۃ الروح عن الجسد ۲۲۶ حیات شہداء کا ثبوت حیات انبیاء

۲۔ ابانۃ الروح عن الجسد کے بعد پھر بدن سے تعلق ۲۲۶ ثابت کرنے کے لیے بمنزلہ زینہ ہے۔ ۲۲۵

۳۔ انقباض الروح فی القلب سے ۲۲۶

پورے جسد اطہر میں آثار حیات باقی ۲۲۶

حضرت مولانا نانوتوی کا کسی ایک پر اصرار نہیں ۲۲۸ عامہ امور کی زندگی بذور امتزاج ایک روحانی زندگی ہے ۲۲۶

اصل مبحث حیات البنی قائم ہونا ہے ۲۳۰ شہداء کرام کی زندگی بھری قرآن ایک جسمانی زندگی ہے ۲۲۶

حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب کا بیان ۲۳۶

علامہ ابن الہادی کا حقیقت افرز بیان ۲۳۰

۲۳۸ حیات اور موت دونوں کی اپنی انواع ہیں ۲۳۸

۲۳۱ حیات انسانی کے پانچ انداز ۲۳۸

۲۳۱ قبر کی برزخی زندگی ایک علیحدہ نوع ہے ۲۳۹

۲۳۲ علامہ تفتازانی "حافظ ابن قیم" حافظ ابن حجر

۲۳۲ علامہ ابن الہادی اور علامہ آلوسی کی شہادتیں ۲۳۸

۲۳۲ حیات شہداء قرآن کریم کی روشنی میں ۲۳۲

ایک اہم سوال اور اس کا جواب ۲۳۳

۲۳۳ حیات برزخی کا حیات جسمانی سے تضاد نہیں ۲۳۳ یہاں زندہ کن کو کہا گیا ہے؟ ۲۳۳

حیات شہداء

حیات جسمانی

حیات کا محل جسم ہی ہے

۱۔ شہداء کی جسمانی حیات

۲۔ پرندوں کی جسمانی حیات

۳۔ امتداد موت سو سال تک

۴۔ بستیوں کی زندگی آبادیوں سے

حیات برزخی

حیات برزخی کا حیات جسمانی سے تضاد نہیں ۲۳۳ یہاں زندہ کن کو کہا گیا ہے؟ ۲۳۳

- بل دفعہ اللہ الیہ رفع جسمانی کے لیے ۳۴۵ غدار روح کی ضرورت ہے یا بدن کی؟ ۳۵۸
- یُؤْتِ قُوْنَ کی دلالت حیات جسمانی پر ۳۴۵ علامہ ابو عبد اللہ القریطی کا بیان ۳۵۹
- روح کا دائرہ سیر کرنے کے بعد بڑھ جاتا ہے ۳۴۵ شہداء کی حیات معتزلہ بھی مانتے ہیں ۳۵۹
- حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مدینہ کا ایک مشاہیر ۳۴۵ یونزاقون۔ شہداء سے خاص نہیں ۳۵۹
- جسد اطہر کی شان عالم برزخ میں ۳۴۸ صاعیزادہ ابراہیم کے لیے جنت میں خود پلا نیوالی ۳۵۹
- حضرت شاہ ولی اللہؒ کا سفر معراج پر ایک بیان ۳۴۸ حضورؐ کا لگے جہان کی غذا سے صوم وصال رکھنا ۳۶۰
- ارواح شہداء میں ملکہ تجسد ۳۵۱ آیت حیات شہداء کے تقاضے ۳۶۱
- ارواح شہداء سفید پرندوں کی شکل میں ۳۵۱ اس میں حیات جسمانی کا بیان ہے ۳۶۱
- دد بدنوں سے تعلق ہو اس میں عقلا ۳۵۲ آیت لا تنزعوا زہ کو قبر میں لے جانا ۳۶۲
- و نقل کوئی مانع شرعی نہیں۔ ۳۵۲ شہداء کی حیات روح و جسد سے ہے ۳۶۲
- شہداء کی تمنا دنیا میں لمٹنے کی ہوگی تادم ۳۵۳ علامہ نسفیؒ کی شہادت ۳۶۳
- پھر ایک دفعہ لطف شہادت پائیں۔ ۳۵۳ علامہ سفارینیؒ کی شہادت ۳۶۴
- پرندوں کی شکل میں آنا آیت کی تغیر ۳۵۴ قاضی شوکانیؒ کی شہادت ۳۶۴
- نہیں صرف ارواح کا تجسد ہے ۳۵۴ علامہ آلوسیؒ کی شہادت ۳۶۶
- بائیں ہمہ روح کا تعلق کسی اور جسد ہو سکتا ہے ۳۵۵ روح کسی صورت میں متجسد ہو بائیں ہمہ ۳۶۶
- ارواح کا پرندوں کی شکل پانا کیا یہ انکی زندگی کا بیان؟ ۳۵۵ دنیوی جسد سے تعلق رہ سکتا ہے۔ ۳۶۶
- جہنمی سیاہ پرندوں کے قالب میں ۳۵۶ برزخ سے پردہ اٹھنے کی مثالیں ۳۶۶
- شہداء سبز پرندوں کے روپ میں ۳۵۶ شہداء اور انبیاء کو عالم مردہ کہنے کا انکار ۳۶۰
- کفار سیاہ پرندوں کے روپ میں ۳۵۶ علامہ آلوسیؒ کا ایمان افرز بیان ۳۶۱
- امام اوزاعیؒ کا بیان ۳۵۸ ابدان برزخیہ کا اجسام اصلہ سے تعلق ۳۶۲
- علامہ نسفیؒ کا حوالہ بحر الکلام سے ۳۵۸ شہداء کے علاوہ رزق پانیا لے برزخی افراد ۳۶۳

- یہ عام اموات نہیں بلکہ جمل میں مرغیائے ہیں ۲۷۲ جب سب بڑے قبروں سے اٹھیں گے تو
- متوفی فی سبیل اللہ بھی شہید ہیں ۲۷۳ انبیاء کا احیاء ہو گا یا ان کا بے ہوشی سے افاقہ ہو گا
- احادیث کی رو سے طبعی موت پانچوالے شہداء ۲۷۴ صور موجود زندوں کے لیے پیغام موت ہو گا
- روح من عند اللہ ضروری نہیں کہ روحانی ہو ۲۷۵ الا من شاء اللہ کا استثناء
- پہلا اور دوسرا صفحہ ۲۸۵
- حیات شہداء کے شواہد** ۲۸۵
- حضرت موسیٰ کا خنجر سے پہلے ہوش میں آنا ۲۸۵
- سب سے پہلے حضور سر مٹائیں گے ۲۸۵
- حافظ ابن کثیرؒ کی شہادت ۲۸۶
- حضرت جابرؓ کے والد عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ۲۸۶
- اور حضرت عبد اللہ بن ابی بکرؓ دونوں سالم ۲۸۶
- سید الشہداء حضرت حمزہؓ کا بدن سالم ۲۸۶
- حضرت عبد اللہ بن تائمرؓ کا جسد تازہ خون سے ۲۸۷
- حضرت عمرؓ کا قدم محفوظ دیکھا گیا ۲۸۷
- حضرت حذیفہؓ اور حضرت عبد اللہ بن جابرؓ ۲۸۷
- ۶۱۹ء کا واقعہ صدق ۶۱۹ء سے ۲۸۷
- مانہار تعلیم القرآن کی خبر ناقابل انکار صداقت ۲۸۸
- ایک جرمن فلم ساز کمپنی کی کارروائی ۲۸۸
- یہاں مزارات سے کون سی قبریں مراد ہیں؟ ۲۸۹
- حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی خلافتوں کے حق ہونے کا نشان ۲۸۹
- طاعین صحابہؓ کن صورتوں میں اٹھائے جائیں گے ۲۸۹
- جب صورتوں کا جائزہ لیا جائے اور انبیاء اٹھائے جائیں گے ۲۸۹
- ۲- حضرت ابو جہل شہادت پالے کے بھی زندہ ۲۹۲
- ہیں کیونکہ قرآن شہداء کو زندہ کہتا ہے ۲۹۲
- حضرت ابو بکرؓ کو بھی مرتبہ شہادت ملا ۲۹۲
- ۳- حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ شہادت ۲۹۲
- مسئلہ حیات النبیؐ کا تعارف ۲۹۲

حیات بعد الوفات لیسید الکائنات

الباب الاول وفيه خمسة فصول ۳۹۷

الفصل الاول وفيه حديث اوس بن اوس { ۳۹۷
في حديث اجساد الانبياء

قطعات روایت میں ربط مطالب ۳۹۸

صحابہ کا سوال اُمت اور حضور کا جواب { ۳۹۹
خطہ اجساد اسی جہد عنفری سے متعلق ہیں

مشکین حیات کی کثافت فکر ۴۰۰

مناہید مزید من روایت ابی الدرداء ۴۰۱

روایت ابی الدرداء کی تصحیح کرنے والے ۴۰۲

حديث الفصل الاول وفيه ثمة من المباحث

مبحث اول در احوال روايات ۴۰۳

وتوثيق رجال حديث اوس بن اوس ۴۰۴

مبحث ثانی بتیس محدثین نے تصحیح کی ۴۰۵

گیارہ حوالے اور عبارات ۴۰۸

مبحث ثالث حدیث کا مفہوم حیا النبی ۴۱۳

گیارہ حوالے اور عبارات ۴۱۳

مبحث رابع حدیث ابی الدرداء ۴۱۴

وتوثيق روايته ۴۱۴

مبحث خامس تدقيق الكلام في عرض { ۴۲۸
الصلوة والسلام على سيد الانام

حضور پر درود بزرخی کیفیت سے ارتقا تھا ۴۲۸

معراج کی رات دنیوی جہد اور بزرخی نظارے ۴۲۸

عام حالات میں بھی آپ نے اعمال امت { ۴۲۹
کے بہت سے بزرخی جلوے دیکھے

حدیث عرض اعمال از روایت عبد اللہ بن مسعود ۴۲۹

حضور پر درود پیش سچنے کے خاص اوقات ۴۳۰

عرض صلوة وسلام دنیائے بزرخ تک مسلسل ۴۳۱

ردائے علی روحی کا معنی ردائے علی لفظی ۴۳۱

طبرانی کی روایت الابلاغی صلاتہ ۴۳۲

حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی شرح حدیث ۴۳۲

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کی شرح حدیث ۴۳۳

آٹھویں صدی کے محدث ابن الملقن کی شہادت ۴۳۳

نویں صدی کے محدث حافظ ابن حجر کی شہادت ۴۳۳

نویں صدی کے محدث حافظ سخاوی کی شہادت ۴۳۴

دسویں صدی کے محدث حافظ سیوطی کی شہادت ۴۳۵

گیارہویں صدی کے محدث علامہ خفاجی کی شہادت ۴۳۵

بارہویں صدی کے محدث شاہ ولی اللہ کی شہادت ۴۳۶

تیرہویں صدی کے محدث مولانا محمد قاسم نانوتوی کی شرح ۴۳۶

چودہویں صدی کے محدث سہارنپوری ۴۳۷

علامہ عثمانی اور حضرت شیخ الحدیث کی تصدیقات ۴۲۷

دوسری صدی کے مجدد ملا علی قاری کا بیان کہ
آپ کا جید اطہر عام ابدان سے مختلف تھا۔ ۴۲۸

درد و سلام حضور پر پیش ہونا اس پر
حضرت عبداللہ بن مسعود کی شہادت ۴۲۸

حضرت عبداللہ بن مسعود کی تعلیم درود ۴۲۸

درود پہنچانے والے کارکنان الہی ۴۲۹

حضرت ابوالدرداءؓ کی تصدیق ۴۳۰

سیاحین فی الارض کا دائرہ کار ۴۳۱

حدیث کبیر ملا علی قاریؒ کی شہادت ۴۳۱

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شہادت ۴۳۱

قاضی شوکانیؒ کی شہادت ۴۳۱

اس شبہ کا جواب کہ حدیث کے موقع پر ۴۳۲

حضرت عثمانؓ کا درود آپ پر کیسے نہ آیا۔ ۴۳۲

بحث سادس ۴۳۳

التحقیق المفیدی الذب عن الشیخ الشہید ۴۳۳

ملنے کے متعدد معنی ۴۳۳

۱. ملحق ہونا۔ ۲. ایک ذات ہونا۔ ۳. ۴۳۳

۳. دفن ہونا۔ ۴۳۳

میں کبھی سے کے معنی میں (نزد اللغات) ۴۳۴

حضرت گنگوہیؒ کی طرف سے وضاحت ۴۳۵

فاذا صرف دھین دس (مرقات) ۴۳۵

مولانا شہیدؒ کا عقیدہ خنط جید پاک ۴۳۶

الفصل الثانی وفيه ثلثون حديث

حدیث ابی ہریرہؓ مامن لحدیث علی ۴۳۷

بحث امل چار بنیادی سوالات ۴۳۷

جہاں بدن اطہر ہے وہیں عرض سلام ہے ۴۳۸

ایک روایت میں سلیم علی عند قبری کے الفاظ ۴۳۸

علامہ زین الدین ابوبکر المرغیؒ کی شہادت ۴۳۹

علامہ غزنیؒ شارح جامع صغیر کی شہادت ۴۳۹

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شہادت ۴۳۹

بحث ثانی در تحقیق رواد حدیث ۴۴۰

تفصیح محدثین دس حوالے ۴۴۱

کیا زید بن عبداللہ نے حضرت ابوسہرہؓ کا ۴۴۲

زمانہ پایا ہے؟ مانظ ابن حجرؒ کا جواب۔ ۴۴۲

بحث ثالث کشف الحجاب عن وجہ الاطراب ۴۴۲

درود روز پیش ہوتا ہے یا صرف جمعہ کے دن ۴۴۲

جلال الافہام کی ایک حدیث میں تعجیف ۴۴۸

بلغنی صوته یا بلغنی صلوٰۃ ۴۴۸

بحث رابع فی تفصیح المتقدمین ۴۴۹

امام احمدؒ کی تفصیح امام ابوداؤدؒ کی تفصیح ۴۵۰

- قرآن کریم سے آخرت کے اعمال کا ثبوت ۴۷۴ حدیث الانبیاء احیاء فی قبور ہم یصلون ۴۸۶
- احادیث سے آخرت کے اعمال کا ثبوت ۴۷۵ سب راویوں کا مشترک سلسلہ روایت ۴۸۶
- جنور کا آخرت میں امت کے لیے استغفار ۴۷۶ حافظ ابو بعلی الموصلی کا سلسلہ اسناد ۴۸۷
- حضرت تھانویؒ کا ایک نہایت جامع تبصرہ ۴۷۹ مبحث اہل فی معنی الحدیث ۴۸۸
- مبحث خامس ۴۷۷ انبیاء کے لیے وہی پیرایہ حیات ہے جو ۴۸۸
- حدیث کی سند پر اعتراضات ۴۷۷ قرآن کریم میں شہداء کا پیرایہ حیات ہے ۴۸۸
- مراسیل مجاہدہ خود محبت ہیں ۴۷۸ الانبیاء سے اجساد و ارواح دونوں مراد ہیں ۴۸۹
- مبحث سادس ۴۷۸ حضرت مولانا انور شاہ کی شہادت ۴۸۹
- وادی ازرق یا لیلۃ الاسرار کے ۴۷۹ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی شہادت ۴۹۰
- مشاہدات حقیقی تھے یا مثالی؟ ۴۷۸ حضرت علامہ سمہودیؒ کی شہادت ۴۹۰
- اصل سے مراد اصل ہی ہے جب ۴۷۹ ایک اور جہت سے معنی پر غور ۴۹۱
- تک قرینہ صارفہ نہ ہو۔ ۴۷۹ جو حیات مقصد حیات خالی ہو وہ موت ہے ۴۹۱
- ابدان مثالی کے قائلین پر ایک الزام ۴۸۰ اس معنی و مفہوم پر قرآن پاک کی شہادت ۴۹۱
- حافظ ابن حجرؒ نے دو احتمالات کو جگہ دی ہے ۴۸۰ روح اور جسد کی نسبت سے تین کیفیتیں ۴۹۲
- حافظ نے خود اصل تشریف آوری کو ترجیح دی ہے ۴۸۰ روضہ منورہ کی حیات تیسری قسم کی ہے ۴۹۳
- اللہ کی قدرت کا اقرار کرنے سے ۴۸۱ حضورؐ کی حیات قبریہ کے دو جزو ہیں ۴۹۴
- کوئی مشکل نہیں رہتی۔ ۴۸۱ ۱۔ صرف روح کی زندگی نہیں ۴۹۴
- ۲۔ اشتغال بالاعمال ۴۹۴
- حدیث صلوٰۃ بنی النضر مرسئ پر زہر الہی کا عارضہ ۴۸۳ حضرت مولانا انور شاہؒ کی شہادت ۴۹۴
- عالم برزخ کے حقائق اور کیفیات ۴۸۴ قاضی شوکانیؒ کی شہادت ۴۹۵
- افضل الربیع و فیرتہ من المباحث ۴۹۶ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی شہادت ۴۹۶

- علامہ سندھیؒ کی شہادت ۴۹۷ بحث سادس فی معنی القبر ۵۲۷
- علامہ شعرائیؒ کی شہادت ۴۹۸ ایک غلطی کا ازالہ ۵۲۸
- ما نظر ابن حجرؒ کی شہادت ۴۹۸ ۲ حضرت کے عہد میں قبر کے عام اطلاقات ۵۲۸
- علامہ بدرالدینؒ کی شہادت ۴۹۸ صحابہ ائمہ تابعینؒ کے ہاں لفظ قبر ۵۲۸
- بحث ثانی فی احوال الرواة ۴۹۹ حضرت ابوالیوب انصاریؒ کی [۵۲۱ قبر پر نور کے شعلے]
- عجاج بن الاسودؒ ۵۰۰
- کشف الستار من وجہ النکارہ ۵۰۱
- اس حدیث کا شاہد موجود ہے ۵۰۲
- بحث ثالث ۵۰۳
- حدیث ابی ہریرہؓ من صلی علی عندی ۵۲۲
- راوی حدیث ثابت بنانیؒ کی اپنی دعا ۵۰۴
- راوی حدیث ثابت بنانیؒ کی قبر میں زندگی ۵۰۵
- بحث رابع ۵۰۶
- آپ کو دنیا میں بھی حاصل تھا۔ [۵۲۲
- قبر میں قریب سے سننے کی ایک اور روایت ۵۲۳
- آپ کا حضرت عیسیٰ کو قبر مبارک سے جواب دینا ۵۲۲
- طبرانی کی روایت کہ اس کا درود مجھے پہنچا ہے ۵۲۲
- حوالجات ۲۳ حوالے ۵۰۷
- بحث خامس الکلام علی عالم المثال ۵۲۳
- چار جہاں بالترتیب عالم مثال متوازی ۵۲۴
- حضرت نے جنت اور جہنم کو متوازی سمت میں دیکھا ۵۲۴
- انبیاء کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں ۵۲۵
- عالم مثال کے مختلف اودم (آدم) ۵۲۵
- اس سے مراد سماع حقیقی بلا واسطہ ہے ۵۲۵
- حضرت ابن عمرؓ کی روایت بحوالہ شیخ عبدالحق ۵۲۶
- حضرت مولانا تھانویؒ کی شہادت ۵۲۶
- عالم مثال کی حقیقت [۵۲۷

الفصل الخامس فیہ شہادۃ من الکہانت

- المبحث الثانی ۵۳۸ تحقیق رواتہ سند ابی الشیخ ۵۴۲
- فی بیان الشاہدین الحدیث ۵۳۸ مبحث رابع ۵۴۲
- روایت عبداللہ بن مسعود ان للہ ملئکۃ سیاحین ۵۳۸ جن علمائے اعلام نے اسے تسلیم کیا ہے ۵۴۵
- دونوں سندیں سفیان ثوری تک ۵۳۸ بارہ علمائے کبار ۵۴۶
- فرشتے کیسے پہنچاتے ہیں اور کہاں پہنچاتے ہیں؟ ۵۳۸ جو الحجات از بعض عبارات ۵۴۶
- قبر مبارک پر کیونکہ وہ سیاحین فی الارض ہیں ۵۳۸ ابن تیمیہ، ابن قیم، ماقط ابن حجر، حافظ سخاوی ۵۴۶
- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی سند کا حال ۵۳۹ ابن حجر مکی، ابن کثیر، علامہ خفاجی، المنامی ۵۵۰
- دوسری سند کے راوی محمود بن وکیع بن الجراح ۵۳۹ ملا علی قاری، علامہ طحطاوی، قاضی شہار اللہ ۵۵۳
- یہ حدیث کن کن کتابوں میں پائی جاتی ہے؟ ۵۴۰ شیخ عبداللہ بن محمد بن عبد الوہاب سجستانی ۵۵۴
- کن کن محدثین نے اسے معتمد کہا ہے؟ ۵۴۰ مولانا عبدالحی لکھنوی، نواب صدیق حسن خاں ۵۵۴
- حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا تواتر کا دعویٰ ۵۴۱ علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری ۵۵۵
- مولانا محمد منظور نعمانی کی شرح حدیث ۵۴۱ حضرت مولانا مہتاز دہلوی، مولانا عبدالغفور امرتسری ۵۵۶
- مبحث ثالث ۵۴۱ مبحث خامس ۵۵۷
- تحقیق اسانید ابی الشیخ والبیہقی ۵۴۱ علامہ ابن عبد الہادیؒ کا اسے معنی قبول کرنا ۵۵۷
- ابو الشیخ اور بیہقی کی سندیں اپنی اپنی ہیں ۵۴۱ امام بیہقیؒ اس روایت کو دوسرے شواہد [۵۵۹
- ابو الشیخ کی سند جتید ہے ۵۴۱ صحیح ہو کر کرتے ہیں رد نہیں کرتے] ۵۵۹
- بیہقی کا راوی ابو عبدالرحمن محمد بن مروان ۵۴۲ فروع کے اختلاف اور اصول کے اختلاف ۵۵۹
- منکرین کا رد حدیث کے لیے دوسرے پتیرہ ۵۴۲ کی دو حیثیتیں۔ ۵۶۰
- یہ حدیث قرآن کے خلاف نہیں ہے ۵۴۲ حید اور صحیح میں فرق ۵۶۰
- کیا کسی امام نے اسے قرآن کے خلاف کہا ہے؟ ۵۴۲ دعوت غرابت اور اس کی وضاحت ۵۶۱
- مخالطے کا ایک اور انداز ۵۴۲ صحیح بخاری میں غریب کے الفاظ ۵۶۲

مبحث سادس

۵۶۴

ان آیات کا موضوع کیا صرف انبیاء

۵۶۲

ہیں یا مفسرین ان میں مجاہد بھی ذکر کئے۔

ارشاد احوام لعرض الصلوۃ والسلام

۵۶۴

۵۶۳

مقلت کا معنی علم کی نفی یا دھیان کی نفی

امام مالکؒ کے نزدیک آپ کی حیات نامہ ۵۶۴

۵۶۴

درود و سلام کے سوا کیا کچھ اور بھی سننا ہے

مشہور دسی کتاب نور الایضاح کا حوالہ ۵۶۵

۵۶۵

واقعہ حضرت بلال بن الحارثؓ

ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاءوک

۵۶۵

تحقیق حدیث حضرت بلال بن الحارثؓ

حضرت کی ہمسائیگی تھی ہے کہ آپ قبر میں زندہ ہوں ۵۶۵

۵۶۶

روضہ انور کپہ سلام پیرایہ خطاب میں

شفاعت کے لیے عرض کرنا

۵۶۶

القصل الماؤل بسک خلفائے راشین

علامہ ابن الہمامؒ کی تعلیم طریق زیارت

۵۶۸

نزد دل و جی کے وقت آنحضرتؐ کی حالت

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت

۵۶۸

اس حالت کے پیش نظر وقوع موت میں اختلاف

ماہنامہ تعلیم القرآن راوالپنڈی کا فتویٰ

۵۶۹

حضرت عمرؓ کے انکار وفات کے مختلف احتمالات

حضرت کے حضور صلوٰۃ و سلام کے کلمات

۵۷۰

حضرت عمرؓ انک میت کے وعدہ گئے خبر نہ تھے

گنبد خضریٰ کے سب مکینوں پر سلام

۵۷۰

تغییل حواس ظاہر اور موت میں اشتباہ

شیخین کو نبی کریمؐ کے حضور واسطہ بنانا

۵۷۰

حقیقت الامر اور حضرت صدیق اکبرؓ کا فیصلہ

اوروں کا سلام بھی عرض کر سکتا ہے

۵۸۲

جسد اطہر سے عام قرآن موت ظاہر نہ تھے

فتاویٰ عالمگیری کا ایک حوالہ

۵۸۲

قرآن موت کا تدریجی تتبع

سماع مرتبی میں سلف کا اختلاف بتلاتا ہے کہ

۵۸۲

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حضرت عمرؓ کے

دونوں میں کوئی بات قطعی نہیں۔

۵۸۳

انکار وفات میں ایک گہرائی محسوس کی

پکار دور سے بلانے کو کہتے ہیں

۵۸۳

صحابہؓ نے آپؐ کو دوسری اموات

قرآن کریم میں اموات کے پکار

۵۸۳

کا سامعہ نہ کیا

سننے کی نفی ہے۔

- اختصاصات الوفات لیسۃ الکائنات ۵۸۳ حضرت فاروق اعظمؓ کا اعتقاد ۵۹۲
- تنوع موت پر پہلی شہادت ۵۸۳ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مسئلے کی تائید ۵۹۸
- تنوع موت پر دوسری شہادت ۵۸۴ حضرت عثمان غنیؓ کا اعتقاد ۵۹۹
- بنی کی نیند اور دوسروں کی نیند میں فرق ۵۸۵ مجاورت قبر سے مجاورت رسول کا دعویٰ ۵۹۹
- محدث کبیر مولانا بدر عالم مدنیؒ کی شہادت ۵۸۶ لا اختار مجاور رسول اللہؐ سواہ ۶۰۰
- اعتقاد الصدوقؒ لحیات الرقیق ۵۸۷ حضرت علی المرتضیٰؒ کا اعتقاد ۶۰۱
- جو موت موعود تھی وہ واقع ہو چکی ۵۸۸ جوار قبر رسول سے جوار رسالت کا دعویٰ ۶۰۲
- آپ پر دوسری موت آئندہ نہ آئے گی ۵۸۹ حضورؐ کے روضہ کے پاس بھی شور نہ ہو ۶۰۲
- مفہوم موتین کی تعیین ۵۸۹ ایک اعرابی کی حضورؐ کے روضہ پر حاضری ۶۰۲
- علامہ عینیؒ کا ایمان افروز بیان ۵۹۰ اور روضہ سے آواز روایت حضرت علیؓ ۶۰۲
- قبر میں حیات اور پھر موت دونوں ہیں ۵۹۰ آیت جلاء قبر پر حاضری کو بھی شامل ہے ۶۰۲
- حافظ ابن حجرؒ کا تائیدی بیان ۵۹۰ اس حکم کے باقی ہونے پر علماء دیوبند کی شہادتیں ۶۰۳
- شارح بخاری علامہ نور الحق دہلویؒ کی شہادت ۵۹۱ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شہادت ۶۰۵
- حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شہادت ۵۹۲ (تمتہ الفصل)
- حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عقیدہ حیات النبیؐ ۵۹۲ بیان عقیدہ ائمہ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ ۶۰۶
- مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کا عقیدہ ۵۹۳ سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا تعامل ۶۱۱
- ان شارحین حدیث نے جو کچھ بیان کیا ہے ۵۹۳ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے صیغہ ہائے سلام ۶۱۲
- اسے اہلسنت کا مذہب کہہ کر بیان کیا ہے ۵۹۴ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روضہ اطہر پر حاضری ۶۱۲
- اعتقاد الفاروقؒ الاظمؒ فی حیاة النبیؐ الخاتم ۵۹۵ درود و سلام کی ادائیں احناف کا موقف ۶۱۳
- حضورؐ کی آواز سے اونچی آواز کرنے کا حکم ۵۹۵ حضرت ابوالیوب انصاریؒ کی ۶۱۳
- کیا وفات کے بعد بھی اس آیت پر عمل لازم ہے؟ ۵۹۶ روضہ اطہر پر حاضری۔

۶۲۳

درود و سلام کی ادا میں اخلاف کا موقف ۶۱۴ ملا علی قاریؒ کی عبارت

الفصل الثالث

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی مدونہ اطہر پر حاضری ۶۱۵

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی اپنی قبر کی کرامت ۶۱۶

۶۲۳

اکابر فرقہ اہل حدیث

۶۲۴

قاضی شوکانیؒ کی عبارات

۶۲۴

شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ

۶۲۴

نواب صدیق حسن خانؒ کی شہادت

۶۲۵

حضرت مولانا تذریہ حسین دہلویؒ

۶۲۵

مولانا وحید الزمان حمید آبادیؒ

۶۲۵

مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ

۶۲۶

مولانا عطاء اللہ حنیف

۶۲۶

مولانا فضل الرحمن سہری پوری

۶۲۶

مولانا شمس الحق ملتانی

۶۲۶

علامہ حسان الہی ظہیریؒ

تمتہ الفصل

۶۲۷

علمائے آل شیخ کا متفقہ عقیدہ

۶۲۷

سعودی سفیر عبدالحمید الخطیب کا نصیہ

الفصل الرابع فی موقف المتکلمین

۶۲۸

عقیدہ علامہ قوریشیؒ

۶۲۹

عقیدہ الاستاذ ابو منصور البغدادیؒ

الفصل الثانی فی بیان المذہب الرابع

مالکی مذہب کا بیان

امام مالکؒ اور خلیفہ ابو جعفر منصور کی گفتگو

امام مالکؒ کا فرقہ کہ دیارت قبر نہ کہے

شافعی مذہب کا بیان

طبقات شافعیہ کی عبارت

علامہ یوسف اردوبیلی کی عبارت

حنبل مذہب کا بیان

علامہ ابن عقیلؒ کی عبارت

علمائے نجد کی تصریحات

حنفی مذہب کا بیان

وہبی کتاب نور الایضاح کی عبارت

سراقی الفلاح کا بیان سماع عند القبر

علامہ طحاویؒ کا بیان سماع عند القبر

علامہ ابن ہمامؒ کی عبارت

علامہ ابن عابدینؒ کی عبارت

حضرت علامہ عینیؒ کی عبارت

۶۲۷ ① مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی شہادت

تمتہ الفصل

۶۲۷ { حیات حب جمع علیہ عقیدہ ہے تو
انکار حیات فی القبر کن کا عقیدہ ہے }
۶۲۷

۶۲۷ علامہ عینیؒ کی شہادت

۶۲۷ حافظ ابن حجرؒ کی شہادت

الفصل السابع

۶۲۸ مبحث اول

۶۲۸ حیات فی القبر کا تحقیق

۶۲۹ طریق حیات فی القبر خواہ اعادہ روح
سے ہو یا اشرف روح بر بدن سے

۶۳۰ اعادہ روح کی روایت احمد
اس کی تصحیح کرنے والے ائمہ

مبحث ثانی

۶۳۱ رد الاشتبہات فی تحقیق الروايات

۶۳۲ زاذان کا سماع حضرت برادر سے

۶۳۵ مبحث ثالث

۶۳۵ اعادہ روح کے متعلق مشکوٰۃ کا موقف

۶۳۶ تحقیق المقام - تین مسلک

۶۵۰ مبحث رابع

۶۲۸ اشاعرہ اور ماترید یہ کا متفقہ فیصلہ

۶۲۹ عقائد علمائے دیوبند اور المہند

الفصل الخامس

۶۳۰ شواہد الحیات من بیان الواقعات

۶۳۱ ① واقعہ ترہ

۶۳۰ مسجد نبوی میں حضرت سعید بن مسیبؒ

۶۳۱ روضۃ اطہر سے اذان و تکبیر کی آواز

۶۳۱ قبر سے آواز آنے کی ایک اور مثال

۶۳۲ مولانا نور شاہ صاحبؒ کا بیان

۶۳۲ ② واقعہ سلطان نور الدین زنگیؒ

تمتہ الفصل

۶۳۳ شیخینؒ کو گتہ خفزی سے نکالنے کی سازش

الفصل السادس

شہادات اجماع

① محدث سخاویؒ کی شہادت

② علامہ عینیؒ کی شہادت

③ علامہ محمد عابد ندویؒ کی شہادت

④ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

⑤ نواب قطب الدین صاحب دہلویؒ

اعادۂ روح اور اقبال روح میں موازنہ ۶۵۰ حضرت کے ہاں درودِ موت کا عقیدہ { ضروریات میں سے۔ ۶۶۱

الفصل الثامن

حضرت سے آیت اللہ صوفی الانفس مخفی نہ تھی ۶۶۲

۲۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ۶۶۳

۶۵۳ حیات النبیؐ کے باعث منع دراشت ۶۶۴

۶۵۲ حدیث بنی اللہ عجیبین مرقا کی تصدیق ۶۶۵

۶۵۴ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ کے سوال کے { جواب میں حضرت گنگوہیؒ کا پُر انوار جواب۔ ۶۶۵

۶۵۳ ۳۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ ۶۶۶

۴۔ محدث العصر مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ ۶۶۷

۵۔ شیخ المشائخ حضرت شاہ عبد الرحیم رائیپوریؒ ۶۶۸

۶۔ امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ ۶۶۹

۷۔ حکیم الامتہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ۶۷۰

۸۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ۶۷۱

۹۔ مفتی اقلیم بنہ حضرت مفتی کفایت اللہ دیوبندیؒ ۶۷۲

۱۰۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ۶۷۳

الفصل الثانی

الباب الرابع وفيه فصلان

الفصل الثامن

علمائے دیوبند میں المہند کی مرکزی حیثیت

المہند لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

مسک دیوبند ایک واضح اور {

شخصی صورت میں۔

مسک حیات النبیؐ کا مدار صرف آب حیات نہیں ۶۵۸

دس مرحوم اکابر دیوبند کے عقائد ۶۵۹

۱۔ حجة الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم الصیقی نانوتویؒ ۶۵۹

۲۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب ۶۶۱

حضرت کاہنک میت و انعمیتوں پر ایمان ۶۶۱

دس موجود اکابر دیوبند کا عقیدہ حیات النبیؐ

۱۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب ۶۸۱

۲۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب ۶۸۲

- حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا قاصد ذریعے سلام بھیجا ۶۸۵
 قریب سے سنتے نہیں تو ایسا کیوں تھا؟ ۶۸۹
 حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کے
 مسلک میں کوئی فرق نہ تھا۔ ۶۸۹
 المہند میں جو لکھا ہے وہ صحیح ہے ۶۸۹
 اردو اشتہارات میں یہ بحثیں لانا درست نہیں ۶۹۰
 ۳۔ محدث العصر حضرت مولانا طہر احمد عثمانیؒ ۶۹۱
 ۴۔ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ ۶۹۱
 ۵۔ مفتی اعظم دیوبند مفتی مہدی حسن شاہ بھانپوریؒ ۶۹۳
 ۶۔ خلیفہ اعظم حضرت مولانا حسین علی نصیر الدین غوث شتوتیؒ ۶۹۶
 ۷۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ ۶۹۷
 ۸۔ شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر راسپوریؒ ۶۹۸
 ۹۔ جانشین حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ ۶۹۸
 مولانا عبدالغنی شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی ۶۹۸
 ۱۰۔ مناظر اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی لکھنوی ۶۹۹
- ۵۔ مخدوم العلما مفتی محمد حسنؒ بانی جامعہ شرفیہ لاہور ۷۰۷
 ۶۔ مولانا مفتی محمد صادق جامعہ عباسیہ بہاولپور ۷۰۷
 ۷۔ استاد العلما مولانا خیر محمد صاحب جالندھری ملتان ۷۰۷
 ۸۔ شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی لاہور ۷۰۷
 ۹۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالقدیر راولپنڈی ۷۰۷
 ۱۰۔ حافظ الحدیث مولانا محمد عبدالشکور خواستی خانیپور ۷۰۷

ربیع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے کے بعد
 دارالعلوم دیوبند کا تاریخی فیصلہ ۱۴۰۵ھ

- کیا روضہ میں دنیا کی سی زندگی ہے؟ ۷۱۰
 حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب اور
 شیخ القرآن مولانا غلام الشرحاں کا تصفیہ ۷۱۱
 عقیدہ حیات الانبیاء قرآن کریم میں ۷۱۲
 پانچ آیتوں سے مسئلے کا ثبوت ۷۱۲
 حیات الانبیاء احادیث کی روشنی میں ۷۱۳

- ۱۔ الانبیاء احياء فی قبورهم یصلون ۷۱۳
 حدیث کے صحیح ہونے کی تصریحات ۷۱۴
 ۲۔ رد اللہ علی روحی فارذ علیہ ۷۱۶
 حدیث کے صحیح ہونے کی تصریحات ۷۱۶
 ۳۔ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء ۷۱۷
 حدیث کے صحیح ہونے کی تصریحات ۷۱۸

پاکستان کے کابریسک دیوبند کا متفقہ اعلان

- ۱۔ شیخ الحدیث مولانا محمد لیف بنوریؒ کراچی ۷۰۷
 ۲۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک ۷۰۷
 ۳۔ استاد الاساتذہ مولانا محمد رسول خاں لاہور ۷۰۷
 ۴۔ شیخ الحدیث مولانا شمس الحق افغانی صدوق المدارس ۷۰۷

۵. فہم منکۃ سیاحین فی الارض ۴۰ بزرگان دیوبند اور اقرار اجماع ۴۲
- حدیث کے صحیح ہونے کی تصریحات ۴۰ اصحابِ ظہر کا اقرار اجماع ۴۲
۵. من صلی علی عند قبری سمعته ۴۱ قیاس صحیح اور حیات الانبیاء ۴۲
- حدیث کے صحیح ہونے کی تصریحات ۴۱ منکرین حیات کس فرقے کے لوگ ہیں؟ ۴۴
۱. مسئلہ حیات النبی اور محدثین غلام ۴۳ منکرین حیات کے چھ نماز پڑھنا ۴۵
۲. مسئلہ حیات النبی اور متکلمین کلام ۴۸ حضور کے روضہ پر حاضری کی تاکید ۴۵
۳. مسئلہ حیات النبی اور فقہاء اسلام ۴۹ زیارۃ روضہ اطہر احادیث کی بدستوری میں ۴۶
۱. محدثین دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء ۴۰ زیارۃ روضہ اطہر پر فقہاء کی تصریحات ۴۶
۲. متکلمین دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء ۴۳ منکرین عذاب قبر کا شرعی حکم ۵۰
- انبیاء کی نسبت موت کا اعتقاد ۴۵ { شفاعت، رویت باری کرام کا تبیین اور عذاب قبر کے منکرین کا ایک حکم ۵۰
- بھی ضروری ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم ۴۵
۳. فقہاء دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء ۴۵ زیارۃ روضہ اقدس پر اجماع امت ۴۹
- حیات انبیاء کرام اور اصحابِ ظہر ۴۴ منکرین حیات اہل سنت سے خارج ۴۴
- شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی ۴۹ صاحب خلاصۃ الفتاویٰ کی تصریح ۵۰
- اجماع امت اور مسئلہ حیات الانبیاء ۴۱ حافظ ابن ہمام کی شہادت ۵۱
- علامہ سخاوی کی شہادت ۴۱ فتاویٰ عالمگیری کا فیصلہ ۵۱
- علامہ سندھی کی شہادت ۴۱ علامہ قرطبی کی شہادت ۵۱
- شیخ عبدالحق کی شہادت ۴۴ علامہ سالمی کی شہادت ۵۲
- قواب قطب الدین کی شہادت ۴۲ بحر العلوم عبدالعلی کی شہادت ۵۲
- علامہ داؤد بغدادی کی شہادت ۴۲ مہر دارالعلوم دیوبند

مخدوم العلماء جامع شریعت و طریقت حضرت مولانا

قاری محمد طیب صاحب

کامؤلف مقام حیات نام ۱۹۶۲ء کا ایک خط

حضرت محترم زید محمد کلم السامی

سلام سنون نیاز مقرون۔ گرامی نامہ باعث شرف ہوا۔ میں شعبان رمضان اور اوائل شوال میں مسلسل سفر میں رہا۔ یہی وجہ تاخیر جواب کی ہے۔ اب بھی سفر میں ہی ہوں اور ریل ہی میں جواب لکھ رہا ہوں، کل دیوبند پہنچوں گا انشاء اللہ۔ ”مقام حیات“ جیسے موقر رسالہ سے مستفید ہوا اور حرفاً حرفاً اول سے آخر تک پورا رسالہ دیکھا۔ اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب اب تک میری نظر سے نہیں گذری۔ مسئلہ کا تجزیہ نہایت ہی فاضلانہ اور محققانہ انداز سے کیا گیا ہے۔ طرز بیان انتہائی بلیغ، مؤثر اور دلنشین ہے۔ مسئلہ کے ہر پہلو کا حکم نہایت ہی بالغ نظری کے ساتھ اس کی صحیح کیفیت و حقیقت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کی ایک ایک سطر سے آنکھوں میں نور اور دل میں سرور بڑھتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ حق تعالیٰ آپ کی اس مبارک سعی کو قبول فرماتے اور جس طرح آپ نے اپنے اسلاف کے مسلک کی نصرت و اعانت کر کے اسے نمایاں فرمایا ہے۔ حق تعالیٰ آپ کی نصرت و ارین میں فرما کر آپ کو سر بلند اور رفیع المرتبت بنائے۔ آمین۔ اور اس خدمت کو قبول فرمائے۔

مستدعی دعا ہوں اور احباب کے لیے ہر وقت دعا گو ہوں۔

والسلام

محمد طیب مدیر دارالعلوم دیوبند

۱۳۸۱ھ

منقول از ہفت روزہ دعوت لاہور ۱۴ ستمبر ۱۹۶۲ء

سماعۃ الشیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز کا فتویٰ

”نماز کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین ابو بکرؓ و عمرؓ کی قبروں کی زیارت
کے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے سامنے ادب کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور
دبی آواز کے ساتھ آپ پر اس طرح سلام کرے۔“

السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا،
جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر نوٹا دیتا ہے یہاں تک
کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

اس سے پتہ چلا کہ یہ کہنا درست نہیں کہ وفات کے بعد روح قیامت تک بدن میں
لوٹنے سے روک دی جاتی ہے۔ فیمنک الیٰ قضیٰ علیہا الموت کا مطلب یہ ہے کہ موت والے
کی روح اس دنیا میں اُس کے بدن میں لوٹنے سے روک دی جاتی ہے اور نیند والے کی اسے
نوٹا دی جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ مرنے والے کی روح عالم برزخ میں بھی بدن میں لوٹنے سے روکی
ہوتی ہے۔ شیخ عبد اللہ بن باز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بارے میں فرماتے ہیں:-
اہل علم کے نزدیک یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے لیکن آپ کی یہ موت آپ کی حیات برزخی کے
لیے مانع نہیں جیسے شہداء کی موت ان کی حیات برزخی کے لیے مانع نہیں۔

یعنی اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ حضور پر وفات آئی اور انک میت وانہم میتون
کا وعدہ پورا ہوا۔ لیکن اس آیت کو آپ کی عالم برزخ کی حیات کے لیے مانع سمجھنا اور اس سے
عقیدہ حیات البنی کو رد کرنا کسی صاحب علم کا کام نہیں۔ ایسا ہوتا تو قرآن کریم میں حیات شہداء
پر لفظ وارد نہ ہوتی۔

تعارف و اعذار

اس نازک دور میں، جب کہ عوامی سطح پر مذہب کی گرفت ڈھیلی ہوتی جا رہی ہے۔ تن آسمانیاں اور لذت سامانیاں مذہب سے عام بیزاری پیدا کرنے میں مصروف عمل ہیں۔ ضرورت تھی کہ احترام دین اور فکر آخرت رکھنے والا طبقہ۔۔۔ جسے کہ عام طور پر دینی طبقہ کہا جاتا ہے،۔۔۔ اپنی مجموعی کوششیں اور تمام تر جدوجہد۔۔۔ دین و ملت کے اصولی مسائل کے تحفظ پر لگا دے، لیکن افسوس کہ جو لوگ احترام دین کے احساس میں مشترک تھے، تفصیل فکر و عمل میں خود مختلف راہیں چلنے لگے اور۔۔۔

جن پر تکیہ تھا وہی پتے ہرادینے لگے

لادینیت کا محاذ

مالی قدروں اور عینی لذتوں کا آمیزہ۔۔۔ اسلام کو اپنے رستے میں ایک رُکاوٹ سمجھ کر لادینی کے لیے ایک متحدہ محاذ بنارہا ہے۔۔۔ زمین کہاں تک ہموار ہو چکی ہے، یہ اس کی تفصیل کا موقعہ نہیں۔۔۔ مذہبی راہنماؤں سے مذہب تک پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا۔۔۔ تنگ نظر فرقہ پرستوں کو خوش فہمی ہے۔۔۔

ہنوز وہی دور است

سوادِ اعظم کے مختلف مسائل عمل بے شک ایک ہی جاوہِ شریعت کے نظامِ وسعت اور ایک ہی چسپاں عمل کے مختلف کنارے تھے۔ عقائد کی مختلف تعبیرات بھی پلاریب نزاع لفظی کی محدود سے متجاوز نہ تھیں لیکن افسوس کہ محدود ذہنوں کی تنگ نظری نے انہیں بھی جنگ

کے میدان بنا کر سوادِ اعظم کی مرکزی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ معتزلہ اور کرامیہ خود اہل سنت کی صفوں میں آگئے ہیں۔

اختلاف سے خلاف پیدا ہوا اور معاملہ یہاں تک پہنچا کہ اصول تو درکنار، فروعات اور تعبیرات پر بھی تعصب اور تحزب کی تند ہوائیں چلنے لگیں۔ ایسے حالات میں ہر روز دہمند اور حساس مسلمان کا دل ٹپ اٹھتا ہے اور تڑپنا بھی چاہیے۔

یا الہی یہ ماجرا کیا ہے

جہاں تک اس حقیقت کا تعلق ہے کہ بعض ابواب میں خود شریعت ہی مختلف طریق عمل پیش کر کے اسلام کے نظام و وسعت کا پتہ دیتی ہے، بے شک ایسے اختلافات رحمت ہیں۔ لیکن بیمار عقلیں اور کمزور ذہن جب ان اختلافات سے نا جانہ فائدہ اٹھا کر اجماعیات اور مسائل متفقہ میں بھی کٹرے نکالنے لگیں، تو کون سا حقیقت آشنا دل ہے، جو زخمی نہ ہو، اور کون سی صداقت پسند آنکھ ہے جو اشک بار نہ ہو۔

اندرونی اتحاد کی ضرورت

اندرونی اتحاد کی ضرورت جتنی بیرونی حملے کے وقت ہوتی ہے، شاید ہی اس سے پہلے کبھی محسوس کی گئی ہو۔ ضروری ہوتا ہے کہ داخلی انتشار کے سد باب کے لیے جملہ عوامل بروئے کار لائے جائیں۔ فطرت کا نظام انقلاب اور قومی زندگی کا تدوین جذر اس حقیقت کا نہ صرف پتہ دیتے ہیں، بلکہ یقین دلاتے ہیں کہ وحدت ملی کا مرکز و محور صرف اور صرف اعتماد علی السلف ہے۔ سلف سے مراد نسل و وطن کے پیش رو نہیں، بلکہ علم و معرفت کے وہ ستون ہیں جن سے تاریخ کے مختلف ادوار میں علمِ نبوت — پوری امت کو وراثت میں ملتا رہا ہے۔ فکر و نظر کی وسعتیں اسی حد تک لائق تحسین ہیں کہ اعتماد علی السلف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اور احساس ملی کا یہ چشمہ حیات گدلا نہ ہونے پائے۔

راہ آباد رو کہ اس حقیقت است
معنی تقلید ضبط ملت است
(اقبال)

اسلام کا عقیدہ معاد — دین محمدی کا اہم ترین موضوع

قرآن کریم کا سب سے بڑا موضوع الشرب العزت کی ہستی کا اقرار اور اس کی وحدانیت کا اعتقاد ہے۔ قرآن پاک میں یہ مضمون جگہ جگہ پھیلا ہوا ہے۔ الشرب العزت کے وجود علم حیات قدرت اور یہ کہ وہ ہر جگہ سے سننا ہے اور ہر کسی کو دیکھتا ہے اس کا جگہ جگہ قرار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سب پیغمبر اور فرشتے اس کی تخلیق سے وجود میں آئے اور سب امکان و حدوث کے دائرہ میں ہیں ایک وہی ہے جو واجب الوجود ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں۔ واجب الوجود کی کوئی صفت بھی کسی بندے میں نہیں آتی اور کوئی انسان صفات واجبہ میں سے کسی صفت سے متصف نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے قلب پر ملا اعلیٰ کی کوئی جھلک اترے تو یہ امر دیگر ہے۔

اس عقیدہ توحید کے بعد قرآن پاک کا دوسرا بڑا موضوع اسلام کا عقیدہ معاد ہے، اسے

(حشر جہاد) بھی کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں جس طرح توحید باری

Resurrection

کے دلائل و شواہد جگہ جگہ دیئے گئے ہیں۔ دوسرے نمبر پر اسلام کا عقیدہ معاد ہے مسئلہ اللہ اور یقین آخرت سے رسالت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اسلام کے یہی تین اصول ہیں۔ توحید، آخرت، اور رسالت۔ اسے اس ترتیب سے بیان کرتے ہیں۔ التوحید والرسالة والآخرۃ۔ ایمان محمد میں اللہ تعالیٰ فرشتوں، آسمانی کتابوں اور پیغمبروں کے بعد پانچواں رکن ایمان یہی ہے۔ الروضۃ الندیہ میں ہے :-

هَذَا هُوَ الْوَكْنُ الْحَافِظُ مِنَ ارْكَانِ الْإِيمَانِ وَهُوَ الْإِيمَانُ بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَمْعُهُ

بَنِي آدَمَ يُؤْمِنُونَ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَقَدْ دَلَّ مِنْهُ عَلَى ذَلِكَ الْعَقْلُ وَالْفِطْرَةُ

كَمَا صَرَّحَتْ بِهِ جَمِيعُ الْكُتُبِ السَّمَاوِيَةِ وَفَادَى بِهِ الْأَنْبِيَاءُ وَالْمُرْسَلُونَ

وَالنَّاسُ فِي الْبَرْزَخِ يَفْتَنُونَ وَيُؤْمِنُونَ أَوْ يُعَذِّبُونَ عَلَى ذَلِكَ ۖ

ترجمہ: ارکان ایمان میں سے پانچوں رکن یہی ہے اور وہ آخرت پر ایمان لاتا ہے بنی آدم کی اکثریت اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد پھر اٹھنا ہے عقل اور فطرت اس کی طرف ہمنامی کرتے ہیں تمام آسمانی کتابوں میں اسکی صراحت ہے اور تمام انبیاء و مرسلین اس دن کی آواز دیتے آ رہے ہیں اور لوگ بزرخ ہیں (اس درمیانی زندگی میں) آئینہ نش میں ڈالے جاتے ہیں اور انہیں اس پر نعیم و عذاب میں سے کسی کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔

بولگ منکرین مذہب atheist تھے۔ انہیں سب سے زیادہ مشکل یہ سمجھنے میں تھی کہ موت کا جو نقشہ اس وقت ہمارے سامنے ہے اس کے بعد پھر سے جی اٹھنا کیسے ہوگا، قبریں کیسے کھلیں گی اور پھر جی اٹھنے کی صورت کیا ہوگی۔ وہ جہاں کیسا ہوگا جہاں ہم لوٹیں گے۔ اس کا ایک جواب بہت آسان تھا، وہ یہ کہ انسان بدن اور روح دو چیزوں سے مرکب ہے آخرت کا تعلق روح سے ہے بدن سے نہیں اور وہ ایک روحانی جہاں spiritual world ہے مرنے پر بدن کی ریزگاری اس جہاں سے متعلق ہے روح باقی ہے اور آخرت کے سارے معاملات روح سے متعلق ہوتے ہیں اور اسی پر دنیا کے اعمال کی جزا و سزا مرتب ہوگی قبر میں تم بدن کے مٹی ہونے سے کیوں پریشان ہوئے جلد ہے یہ اس کی بے شک فنا ہے روح ہرگز فانی نہیں سو آخرت برحق ہے۔

قرآن کریم نے یہ آسان اور عام فہم جواب نہیں دیا۔ اگر آخرت کا معاملہ صرف روح سے ہوگا تو اس سے بہتر جواب کوئی نہ تھا۔ قرآن کریم نے اس کا دوسرا جواب دیا ہے — سوال یہ تھا:۔

قال من حی العظام وہی رمیم۔ (پس یسین آیت ۷۸)
ترجمہ: کہنے لگا کون زندہ کرے گا ان ہڈیوں کو جب یہ کھوکھری ہو گئیں۔

جواب میں فرمایا:۔

قل یحییٰ الذی انشاہا اول مرة وہو بکل خلق علیہ۔ (پس یسین آیت ۷۹)

قبر منور کی اس حیات جسمانی کا مدار اس دُنیا کے رزقِ مادی پر نہیں، بلکہ برزخ کے رزقِ روحانی پر ہے۔ حضور کی ایسی حیاتِ برزخی کا، جو باعتبارِ تعلق بالبدن حیاتِ جسمانی اور باعتبارِ تعلق بالرزقِ حیاتِ روحانی ہو۔ آج تک سلف و خلف میں سے کسی نے انکار نہیں کیا، تاہم صحیح کے مختلف ادوار میں، جس نے بھی اس مسئلہ عامہ پر فرسائی کی، اُسے اس متواتر نظریے کے تسلیم کیے بغیر چارہ نہ رہا۔ احناف و شوافع، مالک و حنابلہ، محدثین و متکلمین اور فقہاء و ائمہ ہدٰی میں سے کسی ایک نامور شخصیت کا بھی — باوجود تلاش و جستجو کے پتہ نہیں چل سکا، جس کا یہ عقیدہ ہو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ اطہر روضۂ منورہ میں محض بے جان اور بے حس و بے شعور پڑا ہے اور روح مبارک کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ — من ادعی فعلیہ البیان۔

اس میں تو کچھ خفیف سا اختلاف نظر سے گزرا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدفون ہونے کے بعد آپ کی روح اقدس اعلیٰ علیین سے لاکھ پھر آپ کے جبہ اطہر میں ٹوٹا دی گئی تھی، یا آپ کی وفات شریفہ کے وقت روح مبارک قبض ہو کر آپ کے قلب منورہ ہی میں ٹھہر گئی تھی، جو بعد دفن پھر سارے جبہ اطہر میں پھیلا دی گئی، یعنی روضۂ منورہ کی یہ حیاتِ جسمانی روح ٹوٹانے سے قائم ہوئی، یا روح پھیلانے سے اس کا استقرار ہوا۔ ہمیں یہاں اس بحث میں جانے کی ضرورت نہیں کہ کیفیت وصولِ حیات کیا تھی۔ امر واقع خواہ کوئی ہی صورت ہو، یہ قدر مشترک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آج اپنے روضۂ شریفہ میں حیاتِ جسمانی سے فائز حیات ہیں۔

یہ اختلاف بھی نظر سے گزرا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدفون ہونے کے بعد آپ کی روح اقدس نے اعلیٰ علیین، رفیقِ اعلیٰ یا خلیفۂ قدسیہ میں استقرار پکڑا اور وہاں سے اُس نے روضۂ منورہ میں پڑے ہوئے جبہ اطہر پر اپنی شعاعیں ڈالیں اور اس تاثیر سے پھر آپ کے جبہ اطہر میں حیات کوٹ آئی، یا امر واقع یہ تھا کہ روح اقدس اس خلیفۂ قدسیہ یا اعلیٰ علیین سے تعلق قائم کر کے پھر قبر شریف میں رکھے ہوئے جبہ اطہر میں ٹوٹا دی گئی۔ یعنی روضۂ منورہ کی یہ حیاتِ جسمانی روح مبارک ٹوٹانے سے قائم ہوئی، یا تاثیر روح سے اس کا تقوم ہوا۔ ہمیں اس وقت اس بحث میں جانے کی

ضرورت نہیں کہ اس دُورِ حیات کی کیفیت کیا تھی۔ ضرورت واقعہ خواہ کچھ ہو، یہ حقیقت ہر صورت میں قدرِ مشترک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ شریفہ میں حیاتِ جسمانی سے تشریف فرما ہیں اور وہ جبہ اطہر وہی ہے جو اس دُنیا میں تھا اور وہ آج بھی اسی طرح تروتازہ ہے جیسا کہ قبرِ مبارک میں رکھا گیا تھا۔

اگر اختلاف کی حدود یہی رہیں کہ اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روضہ شریفہ کی حیات ————— کا تقوّم جبہ اطہر میں روحِ مبارک دوبارہ کوٹانے سے ہوا یا روحِ مبارک پھیلانے سے ————— آپ کی یہ حیاتِ جسمانی دُورِ روح سے قائم ہوئی یا یہ حیاتِ تاثیرِ روح سے عمل میں آئی ————— تو اس میں دخل دینے کی ہمیں چنداں ضرورت نہ تھی۔ اس لیے کہ یہ وہ مباحث ہیں، جو خود سوادِ اعظم کے مختلف طبقوں میں پھیلے ہوئے ہیں، نیز جو اختلافات عقائد و احکام پر اثر انداز نہ ہوتے ہوں، اُن پر وقت صرف کرنا فکر و نظر کی کوئی خاص خدمت نہیں۔ ان مباحث میں سے خواہ کوئی موقف اختیار کر لیا جائے، اہل سنت کا یہ اجماعی نظریہ ہرگز متاثر نہیں ہوتا کہ اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ برزخ میں جو حیات حاصل ہے وہ اسی دُنیا والے جبہ اطہر کے ساتھ قائم ہے اور یہ جسمانی حیات ہے اور اُس کا مدار اس دُنیا کے برزخِ مادی پر نہیں، بلکہ عالمِ برزخ کے برزخِ روحانی پر ہے۔ دُنیوی حیات کے صرف اپنی کدازم کو وہاں ثابت مانا جائے گا، جن کے لیے مستقل دلیلِ شریعتِ طاہرہ میں موجود ہو، اس لیے کہ اختلافِ دَارین متحقق ہو چکا اور اب آپ اس دُنیا میں نہیں عالمِ برزخ میں ہیں۔

جہاں ہر صحت مند ذہن اس طریقِ عمل کی شدید مذمت کرے گا کہ فروعی اختلافات اور جُزوی تعبیرات کو فکر و تنقید اور بحث و تَحصّص کی آماجگاہ بنالیا جائے، خصوصاً اس دورِ الحاد میں ————— جب کہ خود مذہب سے ہی تنفر بڑھتا چلا جا رہا ہے اور مالی قدروں کا شمار مذہب کو عہدِ رفتہ کی ایک رسمی یاد سے زیادہ کوئی مقام دینے کے لیے تیار نہیں ————— وہاں اس ضرورت کے تسلیم کرنے سے بھی چلہ نہیں کہ سوادِ اعظم کے اجماعیات کا تحفظ بھی ہر وقت امتحان کی پکار اور ہر تردّد و الحاد کے سامنے علمائے حق کی للکار رہا ہے۔

حیاتِ انبی کا مسئلہ دائرہ اہل سنت میں کوئی اختلافی مسئلہ نہ تھا سب اہل السنۃ والجماعۃ حیاتِ انبی کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اس حیات کو باعتبارِ عالمِ برزخی کہنے والے بھی تھے۔ باعتبارِ جہدِ برزخ میں حیاتِ دنیوی کہنے والے بھی تھے۔ آپ کے عالمِ برزخ میں اپنے آپ کو پوری طرح زندہ محسوس کرنے کے اعتبار سے اُسے حیاتِ حسی کہنے والے بھی تھے، باعتبارِ رزق اُسے حیاتِ قائم بالرزق کہنے والے بھی تھے اور اس پہلو سے اُسے حیاتِ روحانی کہنے والے بھی تھے۔ تاہم اس پر سب کا اتفاق تھا کہ وہ حیات اس دُنیا والوں سے پردے میں ہے۔ یہاں کی آنکھیں اس حیات کو پا نہیں سکتیں۔ اُس جہان میں روح کے اثرات غالب ہیں۔ سو اسے کسی نے روحانی بھی کہہ دیا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ سب ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیرات ہیں۔ حیاتِ انبی کا سب میں اقرار ہے اور معنی یہ سب عنوانِ متقارب ہیں۔

اگر اختلافِ انبی عنوانوں میں رہتا اور ہر حلقہ اپنے اپنے عنوان میں بہتری بتلاتا تو ظاہر ہے بات زیادہ نہ بڑھتی۔ مگر افسوس کہ تحقیق مسئلہ کی بجائے تشغیبِ عوام سے کام لیا گیا جس سے دو فریق بن گئے اور عنوانِ فریقین کے جدا جدا ہو گئے، یہ اہل علم کا انداز نہیں۔ پھر کیا ہوا — شرافتِ سرپٹ کر رہ گئی۔

اس پر تقریریں ہونے لگیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں زندہ نہیں ہیں ورنہ صحابہ آپ کو دفن نہ کرتے اور آپ کے خیمہ کا انتخاب عمل میں نہ آتا۔

خبرِ سوچیں اپنے حلقے میں کوئی اس کا قائل تھا کہ آپ اس دُنیا میں زندہ ہیں؟ — دنیوی جہد کی زندگی میں کیا عالمِ برزخ کی صراحت نہ تھی؟ اگر بات یہی ہے تو آپ ہی بتائیں کہ تقریریں دلوں کا یہ عنوان بات کو گھٹانے کے لیے مٹھایا بات کو بڑھانے کے لیے تشغیبِ عوام اسی کو کہتے ہیں۔

جب فریقین کا محکوم علیہ ہی خدا جدا ہے تو اختلاف کس بات میں رہا اور جب اختلاف ہی سامنے نہ آئے تو اتحاد کس میں ہو اور کون کرائے۔ ان حالات میں قوم کو اختلاف کا نہیں انتشار کا سامنا کرنا پڑا اور اب تک انتشار ہی انتشار ہے اختلاف سامنے نہیں کر اسے سلجھایا جاسکے۔

وقت کا موضوع حیات ہے ممات نہیں

حیات کی آپ جو بھی تشریح کریں اس میں اختلاف زیادہ نہیں بڑھے گا۔ لیکن ممات کو اس وقت کا موضوع نہ بنائیں۔ قاضی شمس الدین صاحب آف گجرانوالہ اپنے عقیدے کے کہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ یہ بعد الوفاۃ حیات الہی کا کھلا اقرار ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

بل احياء ولكن لا تشعرون سے بطور دلالت النص سمجھ میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم

السلام جن کا درجہ شہداء سے بھی بہت بڑا ہے وہ بعد الوفاۃ زندہ ہیں بلکہ

عزیزان من حیات الانبیاء میں نزاع نہیں وہ تو بالاتفاق ثابت ہے بلکہ

اس میں وفات کو پُرانی بات اور حیات کو حال کی بات کہا گیا ہے جس سے صاف سمجھ میں

آتا ہے کہ اس وقت کا موضوع حیات ہے ممات نہیں۔ وفات الہی آج سے چودہ سو سال پہلے

کا واقعہ ہے۔ اس میں سیدنا حضرت عمرؓ اور دوسروں میں اختلاف ہوا تو وہ وہیں ختم ہو گیا۔ سو

مماۃ الہی کا اختلاف محض ایک پُرانا واقعہ ہے۔ آج کا موضوع حیات الہی ہے ممات الہی نہیں

برزخ میں حیات کی تشریحیں جس طرح بھی سلف میں ہوئیں، انہیں اپنے اپنے حلقوں میں بیان کرو

لیکن خدا را ممات الہی کو موضوع نہ بناؤ۔ یہ ایک پُرانا واقعہ ہے، اس وقت آپ کے میت سمجھنے

کا کوئی قائل نہیں ہے۔ قاضی شمس الدین صاحب اپنے دوستوں کو بار بار سمجھاتے ہیں کہ تم نے

مماۃ الہی کو موضوع بنا کر خواہ مخواہ اپنے آپ کو ممتا قی بنالیا ہے۔ اس وقت ہم بھی حیات کے قائل

ہیں، میں لکھ کر دے چکا ہوں کہ انبیاء بعد الوفاۃ زندہ ہیں۔

اگر یہ لوگ محترم قاضی شمس الدین صاحب کی بات مان لیں اور ممات الہی کو موضوع نہ بنائیں

تو آج بھی اختلاف کم ہو سکتا ہے۔ جو بات آج سے چودہ سو سال پہلے واقع ہوئی اور اس کا ہم

انکار نہیں کرتے، اُسے تقریباً ۱۷۰۰ سال کا موضوع بنانا اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے شہداء اور انبیاء کو

جس حیات بعد الوفات سے نواز رکھا ہے اُسے عنوان عقیدہ نہ بنانا کیا یہ اختلاف کو کم کرنے کی طرف قدم ہے یا محض ایک انتشار بڑھانے کی کارروائی ہے۔

آج اگر ایک تقرر اُنک میت و انہم میتون سے تقریر شروع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ حضور اس وقت میت ہیں زندہ نہیں تو کیا وہ قاضی شمس الدین کے عقیدہ حضور کے بعد الوفات زندہ رہنے کی کھلی تردید نہیں کر رہا، کوئی شخص ان انتشار پسندوں سے پوچھے یہ واقعہ وفات جسے تم بیان کر رہے ہو کب کا ہے؟ تو وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے کا — پھر پوچھیں اس تاریخی حقیقت کا اب کوئی منکر ہے، وہ بھی کہیں گے نہیں — پھر پوچھیں آج شہداء کرام اور انبیاء عظام اگلے جہان میں زندہ ہیں یا اموات؟ — تو یہ کیسی دیانت سے اس کا جواب نہ دیں گے۔ یہ وہ باعث ہیں جن سے انتشار بڑھ رہا ہے۔

سو یہ صحیح ہے کہ یہ اختلاف اپنی ابتدائی سطح میں کوئی بنیادی اختلاف نہ تھا۔ لیکن اختلاف کرنے والے اگر اسے اس سطح پر لے آئے ہیں کہ آج بھی تمام شہداء اور انبیاء کو اموات کہا جائے کہ وہ بعد الوفات زندہ نہیں اور وہی اجساد زندہ نہیں جن پر موت وارد ہوئی یا وہ قتل ہوئے۔ تو کیا یہ قرآن سے کھلا تضاد نہیں۔ سوال سنت کے اجماعی عقیدہ کے پیش نظر یہ ایسی بات نہیں کہ اس کی تردید میں احادیث شریفہ کے مدلولات صریحہ میں تاویلات رکیکہ، تضعیف روایات میں ائمہ فن کی تجہیل، قواعد محدثین سے استہزاء، شارحین حدیث و فقہاء اور سلف صالحین سے اعتماد اٹھنے کے صدے کو آسانی سے برداشت کر لیا جائے یا اعتماد اٹھانے کی نہایت خطرناک مہم کو محض اس لیے کہ ابتدائی سطح امور مجتہدین سے نہیں یا یہ مسائل روزمرہ کی زندگی سے متعلق نہیں — یونہی چلنے دیا جائے۔

حیات البنی کے ضمن میں جب "اعتماد علی السلف" کا اصولی مسئلہ پامال ہونے لگا، تو اس تخم خنظل کے برگ و بار بہت دور دور تک پھیلتے نظر آئے۔ راہ گم کردہ قافلہ ہر مقام پر نیا موقف اور ہر طبقے کے سامنے نیا عنوان اختیار کرتا رہا اور یہی اصل باطل کا کوئی نشان ہے کسی بات پر مجتہد نہیں۔

روضہ منورہ کی حیاتِ جمادی کا انکار اور اس سے متعلقہ مفاسد

جو لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر روضہ منورہ میں محض بے جس و شعور پڑا ہے اور فقط جمادی حثیت میں ہے، روحِ اقدس کا اس سے کوئی تعلق نہیں، اُن کا یہ خیال دراصل اس نظریے کا نتیجہ ہے کہ وفات کے بعد ثواب و عقاب کا سارا معاملہ صرف روح سے ہوتا ہے، بدن یا اجزائے بدن کو اس سے کوئی علاقہ نہیں۔

یہ نظریہ اہل سنت کے اس اعتقادی پہلو سے قطعی طور پر متضاد ہے کہ ثواب و عقاب کا معاملہ صرف روح ہی سے نہیں، بلکہ قبر میں پڑا ہوا بدن یا اجزائے بدن بھی لذت و الم کا ادراک کرتے ہیں۔ بنی آدم کی ارواح، وفات کے بعد خواہ وہ علیین اور سچین ہی میں استقرار پذیر کیوں نہ ہوں، اُن کا تعلق اجسادِ مدفونہ سے ضرور قائم کیا جاتا ہے اور قبر میں لذت و الم کا ادراک ضرور ہوتا ہے۔

اس دنیا سے عالمِ برنخ میں انتقال کرنے کے بعد روح و بدن میں کُلّی مفارقت رہتی ہے؟ یا روح و بدن میں کوئی ایسا علاقہ پھر قائم ہو جاتا ہے کہ ہر فوت ہونے والا اپنے اپنے اعمال اور اپنے مقام کے مطابق اپنے جسد میں الم یا لذت کا ادراک کر سکے؟

ادل الذکر نظریہ معتزلہ و روافض کا ہے وہ عذابِ قبر کے قائل نہیں، اُن کے نزدیک جسدِ مدفون محض جمادی حثیت رکھتا ہے۔ ثانی الذکر نظریہ اہل حق اہل السنۃ و الجماعۃ کا ہے۔ فرقہ گرامیہ اور صالحیہ اس کے قائل ہیں کہ اجسادِ مدفونہ میں تو محض جمادی حثیت میں، لیکن عذابِ قبر پھر بھی حق ہے۔ یہ تیسرا موقف ایک وہم اور سفسطہ ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ حق وہی ہے جو اہل سنت کا نظریہ ہے اور قرآن و سنت کے چٹھے اسی عقیدے کی آبیاری کرتے ہیں۔

واعلم ان اهل الحق اتفقوا على ان الله يخلق في الميت نوع حيوة في

له وجوز بعضهم تعذيب غير الحى ولا شك انه سفسطة (خیالی شک) لان الجماد لا حق له فكيف يتصور تعذيبه (حاشیہ مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی)۔

القبور قد رمايتا لعل ويتلذذ. (شرح فقہ اکبر ص ۱۲۱)

ترجمہ۔ جان لیجئے، سب اہل حق اس نظریے پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ میت میں ایک ایسی قسم کی حیات ضرور پیدا فرمادیتے ہیں کہ وہ لذت و الم کا ادراک کرتی رہے۔
ایوبی علی الغیالی میں ہے :-

ان المذاهب فی هذا المقام ثلاثة الاول الميت حق فی قبره فیعذب و
هذا مذهب اهل السنة والحق والثانی انه جماد لا یعذب ولا یدرك
العذاب وهذا مذهب جمهور المعتزله والروافض والثالث انه جماد
یعذب۔

ترجمہ۔ اس مقام پر تین مذاہب ہیں۔ ۱۔ میت اپنی قبر میں پھر زندہ ہوتی ہے پس عذاب
قبر برحق ہے، یہ مذہب اہل سنت کا ہے جو اہل حق ہیں۔ ۲۔ میت قبر میں جماد
محض ہے، پس عذاب قبر کوئی نہیں، یہ مذہب جمہور معتزلہ اور روافض کا ہے۔
۳۔ میت قبر میں ہے تو جماد محض، لیکن عذاب قبر پھر بھی ہوتا ہے (یہ مذہب
کرامیہ کا ہے)۔

ان نظریات کی روشنی میں اہل السنۃ کا عقیدہ ہے کہ جب ہر جسد مدفون کو اپنے اپنے مقام
کے مطابق کسی نہ کسی طرح کی حیات جمادی حاصل ہوتی ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے روحہ مطہرہ
میں بہت قوی قسم کی اور نہایت ارفع و اعلیٰ حیات جمادی کیوں حاصل نہیں۔ انبیائے کرام کے اجداد
دنوی کا تحفظ بھی اسی لیے ہے کہ ان پر نہایت قوی قسم کی حیات جمادی مرتب ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کا مقام جس طرح انتہائی طور پر اعلیٰ ہے، اسی طرح روحہ مطہرہ آپ کی حیات بھی اپنی رفعت و
شان میں نقطہ انتہا پر ہے۔ روح اقدس کا جسد مطہر کے ساتھ ایسا قوی تعلق ہے کہ آپ تلذذ نمازیں بھی
پڑھتے ہیں اور روحہ منورہ پر عرض کئے گئے صلوة و سلام کو بھی سنتے ہیں۔

جسدِ اطہر اور روحِ انور میں کُلّی مفارقت کا عقیدہ رکھنے والوں کو یہ سوچنا چاہیے کہ جب ہریت کو، خواہ اس کا جسم محفوظ ہو، خواہ ریزہ ریزہ ہو چکا ہو ایک جا ہو یا اُس کے اجزائے بدن منتشر ہو چکے ہوں، روح کے ساتھ کسی نہ کسی طرح کا تعلق ضرور حاصل ہوتا ہے اور جسدِ مدفون یا اجزائے جسد اپنے اپنے مقامات کے مطابق لذت و اُلم کا ادراک ضرور کرتے ہیں۔ تو وہ ذواتِ قدسیہ جن کے اُجسادِ مقدسہ کا تحفظ خود پروردگار فرما چکا ہو، اُن میں ان کے مقامات کے مطابق امدادِ مظہرہ کی تاثرات کیوں نہ ہوں گی۔ انبیاء اس اصل کُلّی سے مستثنیٰ کیوں ہوں؟ آخر وہ کون سی دلیل ہے جس کی بنا پر انبیائے کرام کو اس اصل کُلّی سے نکال کر یہ عقیدہ قائم کیا جا رہا ہے کہ اُن کے اُجسادِ مدفون صرف اکرّاماً محفوظ ہیں؟ امدادِ مظہرہ سے انہیں کُلّی مفارقت ہے۔

اگر کہا جائے کہ ہم اس اصل کُلّی ہی کے قابل نہیں کہ وفات کے بعد روح کا بدن یا اجزائے بدن کے ساتھ کسی نہ کسی درجے کا تعلق ضرور قائم رہتا ہے تو پھر یہ مسئلہ اور کھل کر سامنے آجائے گا، کہ یہ مذہب اہل سنت کا ہے یا معتزلہ و روافض کا۔ اور عذابِ قبر کے متعلق واضح صورت اختیار کرنی ہوگی کہ اس کا اقرار ہے یا انکار۔ اس کے بعد صورتِ مسئلہ اس قابل ہوگی کہ اس پر دلائل پیش کیے جاسکیں۔

خلاصۃ المرام اس کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کو مدفنہ منورہ میں محض بے جس و بے شعور اور حجابِ مطلق تسلیم کیا جائے، تو یا تو اُس پر اس اصل کُلّی کے درجے کی قوی دلیل قائم کرنا ہوگی کہ انبیاء اس سے مستثنیٰ ہیں اور مستقل دلیل پیش کرنا ہوگی کہ انبیائے کرام اپنے اپنے روضات میں محض بے جان پڑے ہیں۔ یا معتزلہ کے اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے گا کہ وفات کے بعد روح و بدن میں کوئی تعلق نہیں ہوتا، کُلّی مفارقت رہتی ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث کے پیشِ نظریہ اہل حق کا نظریہ نہیں۔

عقائدِ اہل سنت کی سب کتابوں میں عذابِ قبر کے برحق ہونے کی تصریح ہے اور اس عقیدے کو ضروریاتِ اہل سنت میں شمار کیا گیا ہے۔ جو اس کا قابل نہیں وہ معتزلہ و روافض کے موافق اور

اہل سنت کا مخالف ہے اور اگر بتا دیل قائل ہے تو فرقہ کرامیہ میں سے ہونے میں تو شبہ ہی نہیں۔

روضہ منورہ کی حیاتِ جمدی کے انکار کا دوسرا نتیجہ

ہم ہر نماز میں التحیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اقرار کرتے ہیں۔
اشہدان محمداً عبداً ورسولہ۔

ترجمہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

عبد کسے کہتے ہیں، روح اور بدن کے مجموعہ کو — سبحن الذی اسریٰ بعبدہ میں اللہ تعالیٰ نے سیر معراج کے کرائی؟ عبدہ کو — اسریٰ کا سفر کس نے کیا؟ روح اور بدن کے مجموعے نے — علماء اب تک لفظ عبد سے حضور کے معراج جسمانی پر استدلال کرتے آئے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ حضور اس وقت اللہ کے بندے اور رسول ہیں یا نہیں؟ — صرف روح کو عبد کہیں تو حقیقت نہ ہوگی، صرف روح کو رسول کہیں تو یہ بھی حقیقت نہیں، ایک مجازی تعبیر ہے اگر روح و بدن سے زندہ ہیں تو بے شک عبدہ و رسولہ ہیں۔ حضور کی حیات اپنے حق میں حسی ہے اور وہ عالم برزخ میں یہی محسوس کرتے ہیں کہ آپ روح و بدن کے ساتھ زندہ ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے عالم برزخ کی وسعتیں آپ کے لیے پھیلا رکھی ہیں اور حیات اُسی بدن اطہر میں ہے۔ جو دنیا میں تھا اور اب وہ بدن روضہ مبارکہ میں ہے۔ بایں ہمہ اس کی نقل و حرکت عالم برزخ میں جاری ہے گو وہ ہمیں یہاں دکھائی نہ دے، اس دنیا والوں سے وہ حیات پر دے میں ہو، لیکن آپ کے لیے وہ حقیقی حسی ہو، جسمانی ہو تو نہ آپ کا بندہ ہونا ایک مجاز ہو گا نہ رسول ہونا۔ آپ اب بھی عبدہ و رسولہ کا مصداق ہیں۔

اور اگر ہم کہیں کہ اس وقت آپ کی روح مبارک بدن سے کلی طور پر جدا ہے یا کسی مثالی جہد میں جلوہ پیرا ہے تو آپ کا خدا کا بندہ ہونا اور رسول ہونا حقیقت نہ رہے گا، دونوں تعبیریں مجازی ہوں گی، حقیقت میں آپ نہ بندے نہ رسول — رسول حقیقی ہونا تو تبھی ہے کہ آپ کے

کچھ اعمال رسالت بھی باقی ہوں (مثلاً امت کے حق میں استغفار) اور امت کی آپ کے پاس
 حاضری بھی ہوتی رہے کہ درمیان میں برقع کا پردہ ہو، مگر سلام امت آپ پر ضرور پیش ہوتا رہے۔
 کرامیہ کا عقیدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد صرف حکمی طور پر نبی اور رسول
 ہیں آپ حقیقت میں اس وقت رسول نہیں رہے۔ آپ کا روح و بدن علیحدہ علیحدہ ہے کسی کو کسی
 سے علاقہ نہیں۔ اس عقیدے کے لیے ضروری تھا کہ وہ روضہ اطہر میں دفن جسد اطہر کو بے جان کہیں۔
 اس فاسد عقیدے کو پھیلانے کے لیے انہوں نے روضہ منورہ کی حیات جمائی کہ تختہ مشق بنایا، اور
 احادیث کی یکسر تکذیب کر دی۔

کرامیہ کی بنائے استدلال

نبوت کے لیے شعور لازم ہے۔ علم و احساس کے بغیر اس کا تقوم نہیں۔ نبی سے نبند کی حالت
 میں بھی اس کی نفی نہیں ہوتی۔ اُسے علم ہوتا ہے کہ اس کا وضو باقی ہے یا نہیں، اسے کبھی احتلام نہیں
 ہوتا۔ جب نبی سے اس شعور کا اتنا ہوا کہ نبوت منتفی ہو جائے گی۔ اب اسے رسول کہنا ایک مجازی
 تعبیر ہوگی۔ کرامیہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پانے کے بعد پردہ قبر میں گئے تو وہاں جسد اطہر
 مجاد محض ہے، صرف اکرام محفوظ ہے روح کا اس بدن سے کوئی تعلق نہیں۔

حافظ ابن حزم (۵۴۵ھ) جو عامہ اموات کے باب میں صرف روح کے عذاب کا قائل
 ہے انبیاء کے جسد اطہر کو وہ بھی مجاد محض نہیں مانتا۔ ایسا کہنے کو وہ ایک غیث عقیدہ کہتا ہے۔ اس کی
 وجہ صرف یہ ہے کہ آپ کی روح مقدسہ کو بدن اطہر سے کلیتہً جدا کرنے سے آپ کا اس وقت رسول
 ہونا خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ ابن حزم لکھتا ہے سرخی ملاحظہ ہو۔

الرد علی من ذعم ان الانبياء عليهم السلام ليسوا انبياء اليوم ولا الرسل اليوم رسلاً

حدیث فرقۃ مبتدعہ تزعم ان محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب صلی اللہ علیہ وسلم ليس صولاً

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکن رسول اللہ وسلم وهذا قول ذهب اليه الاشعرية

واخبرني سليمان بن خلف الباجي وهو من متقدميهم اليوم بن محمد بن حسن بن فورك الاصبهاني
 على هذه المسئلة قتله بالسم محمود بن سبكتگين صاحب عاديون وراوا النهر من خراسان
 وهذه مقالة خبيثة متعالفه لله تعالى ولرسوله صلى الله عليه وسلم ولما اجمع عليه جميع
 اهل الاسلام هذا كان لاسلام الى يوم القيمة ... فروح النبي عند هجره قد فنيت وبطلت
 ولا روح له الان عند الله تعالى واما جسده ففي قبره موات فبطلت نبوته بذلك و
 رسالته قال ابو محمد ونعوذ بالله من هذا القول فانه كفر صراح لا ترد ادفيه له
 ترجمه کیا انبياء عليهم الصلوة والسلام آج انبياء و رسل نہیں رہے ایک نیا فرقہ پیدا ہوا
 ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ رسالت مآب علیہ الصلوة والسلام اب رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم نہیں رہے وہ رسول اللہ تھے اور مجھے سلمان بن خلف الباجی نے جو ان لوگوں
 کے متقدمین میں سے ہے خبر دی کہ محمد بن حسن بن فورك کا یہی عقیدہ تھا جس کو محمود
 بن سبکتگین نے زہر دے کر قتل کیا تھا اس فرقہ کا یہ غیث عقیدہ اس کے اس
 فاسد نظریہ پر مبنی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک روضۂ اطہر میں مردہ ہے لہذا
 اس وجہ سے آپ کی نبوت و رسالت باقی رہی۔

روضہ منورہ میں حیات جمادی کی نفی اسے لازم ہے کہ اب آپ نبی نہیں رہے اب آپ کی نبوت
 اس عالم میں صرف اب عکسی طور پر باقی ہے بدن صفت اگر انا محفوظ ہے اس کا مطلب اس کو
 کچھ نہیں ہے کہ اسے مٹی نہ کھائے ہم پوچھ سکتے ہیں کہ اگر وہ زندہ نہیں تو اس میں نرمی خوشبو
 اور پہلے دن کی سی تازگی کہاں سے آرہی ہے اگر یہ روح کے تعلق سے نہیں تو اس کی اور
 کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ روح کے تعلق کا یہ خفیف سا اظہار ہے مرنے باقی سارے مراحل بزرخ
 کے پڑے میں ہیں یہاں یہ ہے کہ آپ کا بدن مبارک آج بھی اسی حالت میں ہے جیسے کہ یہ
 پہلے دن قبر مبارک میں رکھا گیا تھا۔

قاضی شمس الدین صاحب بھی ہدایہ کی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں :-

آپ اپنی قبر میں آج بھی ایسے ہیں جیسے پہلے دن رکھے گئے تھے اور پہلے دن جب رکھے گئے تھے تو کیا کیفیت تھی۔ روح مبارک حسب کلام آخری اللہم الرفیق الاعلیٰ رفیق الاعلیٰ میں پہنچ چکی تھی اور جسم مبارک صحیح و سالم گلاب کے پھول کی طرح تروتازہ تھا، آج بھی یہی کیفیت ہے اور قیامت تک یہی رہے گی۔

یہاں جب کوئی انسان فوت ہوتا ہے تو اس کا بدن فدا نہیں اڑ جاتا، کچھ عرصے تک زم رہتا ہے پھر سخت ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ کیوں؟ یہ اس لیے کہ روح کے اثرات اس کے نکلنے کے بعد کچھ عرصہ تک باقی رہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو بدن مبارک تادفن ترمقانہ رہا۔ معلوم ہوا روح نے اپنے اثرات سلب نہیں کئے اور قبر مبارک میں یہ اثرات اب تک اسی طرح ہیں۔ سو ہم کیسے مان لیں کہ یہ موت عام اموات کی طرح ایک موت تھی۔ یہ تو ایک پردے میں جانا تھا اور آپ چلے گئے، روح کے بزرخ میں جانے کے بعد اگر اس کا تعلق پھر بدن سے قائم ہو جائے، بدن کی پہلی دُنیوی نری ابھی باقی ہو کہ روح بزرخ میں پھر اس بدن پر پتہ تو ڈال دے تو اس کا اثر ظاہر میں یہی ہو گا اور ہے کہ بدن آج بھی اسی طرح تروتازہ ہے جیسا کہ پہلے دن تھا۔

اگر کوئی شخص کسی درجے میں بھی اس جبداظہر کے فائز الحیات ہونے کا اقرار کر لے، روح مبارک کو اعلیٰ علیین میں مانے یا رفیق الاعلیٰ میں، لیکن اس کے اتصال سے آپ کی حیات جسمانی کا قائل ہو تو وہ کلامیہ کے عقیدے سے نکل جاتا ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ میں حضور کو حقیقی رسول مانتا ہوں۔

قاضی شمس الدین لکھتے ہیں :-

اسلام میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ وہ (اس) زندگی میں بھی بنی حقیقی ہیں اور بعد الوفا (زندگی میں) بھی بنی حقیقی ہیں ابدالآباد کے لیے اور

اُن پر کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آتا کہ وہ اس میں نبی حقیقی نہ ہوں بلکہ حکمی یا مجازی ہوں۔
 کرامتیں نے جب عبد اظہر کو حجاب محض کہا، بدن کو صرف محفوظ کہا نرم و نازک نہ مانا تو انہوں نے بڑا
 کہا کہ حنیفہ اب حقیقی رسول نہیں رہے۔ امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) نے ڈٹ کر کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 اب بھی حقیقہ رسول ہیں۔

اہل سنت کا عقیدہ

علم کلام کے مشہور امام علامہ حسن بن عبد الرحمن المشہور بانی غلبہ فرماتے ہیں:-
 قال ابو حنیفۃ انہ رسول الان حقیقۃ وقالت الکرامیۃ لا۔
 ترجمہ۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ اب بھی حقیقی طور پر رسول ہیں اور فرقہ کرامیہ
 والے کہتے ہیں کہ آپ کا رسول ہونا اب حقیقی معنوں میں نہیں ہے۔
 جب آپ روح و بدن میں تقسیم ہو کر رہ گئے تو بتائیے رسول کہاں رہے۔ یہ کرامت کی بناء
 استدلال تھی۔ اہل حق نے اس غلط فک کو بالکل قبول نہ کیا۔ امام ابو الحسن الاشعری (۳۲۴ھ) نے معتزلہ
 اور کرامت کے سارے استدلال کو توڑ کر رکھ دیا۔ ————— ہماری عقائد کی کتابوں میں اسے اس
 طرح بیان کیا گیا ہے:-

هو صلی اللہ علیہ وسلم بعد موتہ باق علی رسالتہ ونبوتہ حقیقۃ کما
 یتقی وصف الایمان للمؤمن بعد موتہ وذلك الوصف باق بالروح و
 الجسد معاً لان الجسد لا تاكله الارض..... انه صلی اللہ علیہ و
 سلم حتی فی قبرہ رسولاً الی الابد حقیقۃ لا مجازاً۔

ترجمہ۔ حضور اکرمؐ اپنی وفات شریفہ کے بعد اب بھی اپنی رسالت اور نبوت پر حقیقی طور
 پر قائم ہیں جیسا کہ مؤمن اپنی وفات کے بعد بھی صفت ایمان سے متصف رہتا ہے

اور حضورؐ کا اپنی رسالت پر حقیقی اعتبار سے قائم رہنا روح اطہر اور حُبید انور کے
مجموعہ کے ساتھ ہے۔۔۔۔۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی اپنی قبر شریف میں زندہ
ہیں اور ہمیشہ تک کے لیے رسول ہیں حقیقی معنی کے لحاظ سے نہ کہ محض حکمی طور پر۔
کرامیہ نے وفاتِ انبی پر انتفائے نبوت کی بنا رکھنے کے لیے روضہ منورہ کی حیاتِ جسمانی
کو تختہ مشق بنایا اور صریح طور پر عقیدہ حیاتِ انبی کا انکار کر دیا اور نہ صرف خود ہی یہ اعتقاد باطل
بنایا بلکہ انتفائے نبوت کے اس عقیدہ باطلہ کو امام اہل سنت امام ابو الحسن (م ۳۲۴ھ) کی طرف
بھی منسوب کر دیا جیسا کہ کتاب الفصل سے ظاہر ہے۔

امام ابو الحسن الاشعری کی زندگی تک کرامیہ کی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب حقیقی رسول نہیں رہے
نہ آپ کی عبدیت باقی ہے، روح و بدن میں منقسم ہیں کہیں نہ جم سکی، اُن کے ساتھ امام ابو المنصور الماتریدی نے
(۳۴۴ھ) عقائد اہل سنت کے گرد حفاظت کا پہرہ دیا۔ محدثین کی طرف سے امام طحاوی (م ۳۲۱ھ) طہسنت
عقائد کی سرحد پر اکھڑے ہوئے تھے اور انہوں نے عقیدہ طحاویہ لکھ کر اہل حق کی طرف سے پورا
تخفہ کر لیا تھا۔

پونہتی صدی ہجری کے آخر میں کرامیہ جو عبد اللہ بن کرام کے پیرو تھے اس میں کھلے طور پر آگئے
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب نبی اور رسول نہیں رہے۔ آپ روح اور بدن میں منقسم ہیں۔ حافظ ابن خزم
(م ۵۴۵ھ) لکھتے ہیں:-

حدث فرقة مبتدعة تزعم ان محمد بن عبد الله ليس هو الان رسول الله
والكنه كان له

ترجمہ۔ ایک نیا فرقہ پیدا ہوا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اب
رسول اللہ نہیں رہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ اسی دور کی پیداوار ہیں۔ ابن خزم کہتا ہے محمد بن حسن بن فورك ایرانی

بھی یہی عقیدہ رکھتا تھا اور سلطان محمود (۵۴۲ھ) بن سبکتگین (۵۴۲ھ) نے اُسے الحاد پر موت کی سزا دی تھی۔ پانچویں صدی ہجری کے علماء اس الحاد کے خلاف آئے۔ اس وقت محدثین میں امام احمد بن حنبل، ابی ہتھی (۵۴۵ھ) کا چرچا تھا۔ امام ابو القاسم الکریم القشیری (۵۴۵ھ) بھی آپ کے ساتھ تھے۔ ان حضرات نے حیاۃ الانبیاء پر رسالے لکھے اور اہل سنت عقیدے کو بیان کیا۔ علامہ ابن حزم ظاہری (۵۴۵ھ) کو عذاب قبر کے مسئلہ میں اہل السنۃ والجماعہ کے ساتھ نہ تھے۔ لیکن اس عقیدے کو کہ حضور اپنے روضہ اطہر میں (معاذ اللہ) مردہ پڑے ہیں وہ بھی ایک فاسد نظریہ سمجھتے تھے۔ آپ لکھتے ہیں:-

اس فرقہ کا یہ غیث عقیدہ اس کے اس فاسد نظریہ پر مبنی ہے کہ حضور کا جسد مبارک روضہ اطہر پر مردہ رکھا ہے۔

کرامیہ اس نظریہ کے حامل تھے کہ اپنے مذہبی خیالات کی ترویج کے لیے تھوٹ بولنا جائز ہے۔ اس راہ سے انہوں نے یہاں تک لکھ دیا کہ امام ابو الحسن الاشعری بھی اسی عقیدے کے تھے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح آج کوئی شخص ان عقائد کو جو علمائے دیوبند کے نہ تھے بلکہ وہ ان سے ستاشی کر چکے تھے ان کے نام لگا کر کہے کہ اکابر علمائے دیوبند کے عقیدے یہی تھے۔

حافظ ابن عساکر دمشقی (۵۵۱ھ) نے اس فریب کا پردہ چاک کرنے کے لیے ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام بد تبیین کذب المنقری فیما نسب الی الامام ابی الحسن الاشعری ہے اور کرامیہ پر اہل حق کی عہت تمام کر دی۔ علامہ ابو القاسم عبد الکریم القشیری نے بد شکایتہ اہل السنۃ بمانا لہم من اہل الحق لکھی۔ علامہ بیہقی نے ایک مستقل رسالہ ”حیاۃ الانبیاء“ لکھا اور اہل حق اس وقت کے لے کر اب تک ان کرامیہ کی پزیرہ تردید کرتے آئے ہیں۔

کرامیہ کا مکر و فریب

کرامیہ کا کس قدر فریب ہے کہ اپنے غلط عقائد کی نسبت اکابر اہل سنت کی طرف کر رہے ہیں حیات النبی کا انکار اگر ان کا اپنا عقیدہ تھا تو صاف طور پر کہتے کہ یہ ہم کرامیہ کا اعتقاد ہے۔ اُسے خواہ

مخاہ اہل سنت کا عقیدہ بتلانا علم و دیانت کے قطعاً خلاف ہے۔ خیانتِ الہی کا انکار کرنے والے اس مسلکی القباس کے مرتکب کیوں ہیں۔ اس لیے کہ اُن کے نزدیک ترویجِ دین کے لیے اور اپنے خیالات پھیلانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۸۵۲) لکھتے ہیں:-

ان بعض الکرامیۃ وبعض المتصوفۃ نقل عنہم اباحۃ الوضع فی
التغیب والترہیب وهو خطأ من فاعلہ نشاء عن جملہ

ترجمہ۔ بے شک بعض کرامیہ سے اور بعض فطہ مدعیانِ تعوف سے یہ منقول ہے کہ وہ ترغیب و ترہیب اور غلط و نصیحت کی خاطر جھوٹ گھڑنا جائز قرار دیتے ہیں اور یہ بہت بڑی غلطی ہے جس کا منشاء صرف جہالت ہے۔

المتراد باعتقاد حل الکذب هو اعتقاد حله لمصلحة دینہ وترویج مذهبہ۔

ترجمہ۔ جھوٹ حلال ہونے سے اُن کی مراد یہی ہے کہ اپنے (مزعوم) دین کی خاطر اور اپنے دھڑے کو چلانے کے لیے جھوٹ بولنا اعتقادی طور پر حلال ہے۔

ان لوگوں کے مکر و فریب کا کیا حال ہوگا جو اسے گناہ کے طور پر نہیں جھوٹ نیکی سمجھتے ہوئے بولتے ہیں۔ کیا یہ شیعہ کا عقیدہ تفتیہ تو نہیں جو ہمیشہ مختلف ادائوں اور قباؤں میں ادا ہوتا رہا ہے۔

فرقہ کرامیہ کے خصوصی عقائد

①۔ بنی آدم کی ارواح وفات کے بعد کئی مفارقت میں رہتی ہیں۔ اُجسادِ محض جہادی حیثیت میں جوتے ہیں۔ عذابِ قبر صرف روح پر ہے بدن پر نہیں۔

②۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر روضۃ اطہر میں بالکل بے جان اور بے حس و بے شعور

لہ شرح نخبۃ الفکر ص ۵۸ لہم فرقة من المشبهة نسبت الی عبد اللہ بن کرام ویدعون زیادة الودع والتقویٰ والمعرفة التامة وراجع لہ شرح الشرح لعلی القاری علیہ رحمة ربہ الباری۔
لہ شرح نخبۃ الفکر ص ۵۹

ہے اور روح مبارک کا اس سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔

③ — اپنے مسلک کی حمایت میں اور اپنے مذہب کی تردید کے لیے غلط بیانی کرنا جائز ہے۔ بخود اس طرح بولو اور اتنا زیادہ بولو کہ یہ سچ نظر آنے لگے۔

④ — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت صرف مکمل باقی ہے۔ آپ خود اب بھی اور رسول نہیں ہیں۔ (معاذ اللہ)

⑤ — کلمہ اسلام کے جزو محمد رسول اللہ کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں بلکہ یہ ہے کہ اللہ کے رسول تھے۔

انکار حیات کا تاریخی پس منظر

سُلطان غزل بیگ سلجوقی کے عہد حکومت میں نیشاپور کے قریب ایک بہت فتنہ پرداز شخص گزرا ہے، اُس کا نام بکندی تھا۔ وہ لطائف الخیل سے سلجوقی دربار میں منصب وزارت پر آگیا تھا اُس کے عقائد اعتزال و رفض کا امتزاج تھے۔

۴۴۵ھ کے قریب اُس نے وفات البنی اور حیدر حمادی کی تمہید سے انتفائے نبوت کا عقیدہ اختیار کیا۔ اُس کا اعتقاد تھا کہ حضور کا جسد اطہر روضہ منورہ میں محض بے حس و بے شعور ہے۔ اُس نے اُسے اعتزال نبوت کے لیے کہ حضور وفات شریفہ کے بعد اب حقیقتہً رسول نہیں رہے، ایک بیڑھی بنایا۔ اور نہ صرف یہی بلکہ اس نظریے کو امام ابو الحسن اشعریؒ کی طرف بھی منسوب کر دیا۔ اقتدار کے سہارے اُس نے ان خیالات کو بہت دُور تک پہنچانے کی کوشش کی۔

اس کے عقیدہ میں روضہ منورہ کی حیاتِ جسمانی کا انکار اس لیے بھی تھا کہ اس سے حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے جوارِ رسول میں ہونے اور روضہ اطہر میں ہم پٹو سونے کی شان امتیاز کمزور ہوتی تھی۔ ممکن ہے اس سے اُس کے رفض کو کچھ تسکین پہنچتی ہو۔

پھر وفات کے بعد روح و بدن کی کئی مفارقت سے عذابِ قبر کا انکار بہت ہی آسان ہو

جاتا تھا۔ سو اس سے اُس کے اعتزال کو قوت ملتی تھی۔

یہ عقیدہ کہ اب حضور رسول نہیں رہے، دراصل جہز و کلمہ محمد رسول اللہ صریح میں تشکیک کی راہ پیدا کرنا تھا۔ حالانکہ یہ کلمہ بالا جماع صحیح ہے اور اس میں آپ کے لیے صحیح اقرار و رسالت ہے۔

انکارِ حیاتِ قبریہ اور انحرالِ نبوتِ حقیقیہ کے دونوں باطل عقیدے دوش بدوش چلنے لگے کتاب و سنت کی بہت سی تصریحات بنائے فاسد علی الفاسد کی لپیٹ میں مذرتاویلات ہوتی ہیں اور اہل حق بھی اپنی طرف سے اس کے ابطال کی طرف پورے متوجہ رہے۔ اکابرِ اہل سنت نے ان نظریات پر نیکری کی اور امامِ اہل سنت امام ابو الحسن اشعریؒ پر جو افتراءات باندھے گئے تھے کہ ان کے عقائد بھی یہی تھے، ان تمام الزامات کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔

اس وقت امام حدیث احمد بن محمد بن ابی حنیفہؒ (متوفی ۵۸ھ) زندہ تھے۔ آپ نے اور امام ابو القاسم عبدالکبیر القشیریؒ نے نہایت قوت اور ثابت قدمی سے کرامتیہ کا مقابلہ کیا یہ سارے مضامین جس بنیاد پر قائم کئے جا رہے تھے، وہ یہی تھی کہ حضور اب اپنی قبر میں محض بے جان ہیں بمعاذ اللہ ان بزرگوں نے یہ جڑ ہی اکھاڑ کر رکھ دی اور بتایا کہ حقیقتِ حال اور قرآن و سنت کا استدلال کیا ہے۔ امام بیہقیؒ نے رسالہ ”حیات الانبیاء“ لکھا، اور علامہ قشیریؒ نے شکایۃ اہل السنۃ بجاننا لہم من المعصیۃ میں ان افتراءات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔

ان واقعات کی تفصیل کے لیے حافظ ابن عساکرؒ کی کتاب ”تبیین کذب المغتری“ اور طبقات الشافعیہؒ زیر ترجمہ امام ابو الحسن اشعریؒ ملاحظہ کیجئے علامہ تقی الدین سبکی لکھتے ہیں:-

فان قيل فمن اين وقعت هذه المسئلة ان لم يكن لها اصل قيل ان بعض الكرامية ملأ الله تعالى قبره نارا وظنى ان الله قد فعل الزم بعض اصحابنا..... الخ

ترجمہ۔ اگر کہا جائے کہ جب اس مسئلے کی کوئی اصل نہیں، تو پھر یہ کہاں سے آگیا،

تو جواب میں کہا جائے گا کہ بعض کرامتہ نے اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو آگ سے بھر دیا۔
اور میرا گمان یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھر دیا ہوگا، سب سے پہلے یہ مسئلہ نظر آتا۔
اہم حدیث کے اس جلال اور زامانگی کو دیکھئے اور اس پر غور کیجئے۔ اس کے برعکس اپنا عقیدہ
آپ ان الفاظ میں لکھتے ہیں :-

لان عندنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یحس ویعلم وتعرض
علیہ اعمال الامم ویبلغ الصلوة والسلام علی ما بیننا۔^۱

ترجمہ: کیونکہ ہمارے نزدیک حضور زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات حسی ہے اور آپ علم
رکھتے ہیں اور امت کے اعمال آپ پر پیش کیے جاتے ہیں اور آپ کو صلاۃ و سلام
جیسا کہ ہم نے بیان کیا پہنچایا جاتا ہے۔
پھر آپ نے اپنا عقیدہ ان الفاظ میں لکھا ہے :-

ان عقائدنا ان الانبیاء علیہم السلام احياء فی قبورهم فاین الموت الی ان قال
وصنف الیهقی "جزؤا سمعناہ فی حیاة الانبیاء فی قبورهم واشتد نکیوا لاشعر
علی من نسب هذا القول الی الشیخ۔^۲

ترجمہ: ہمارے عقائد میں سے ہے کہ انبیاء کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہاں متولد ہواں۔
امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے ایک مستقل جزؤ اس پر تصنیف کیا ہے جو انبیاء کرام کے قبروں میں
زندہ ہونے کے بارے میں ہے اور جن لوگوں نے حضرت الشیخ ابوالحسن الاشعری کی طرف انبیاء کے
قبروں میں مردہ ہونے کا قول منسوب کیا ہے اشاعرہ نے بڑی سختی سے اس پر نیکر کیا ہے۔
حضرت علامہ قشیریؒ فرماتے ہیں :-

فاما ما حکى عنه راي الاشعري (وعن اصحابه انهم يقولون ان معتمدا
صلی اللہ علیہ وسلم لیس بنبی فی قبرہ ولا رسول بعد موتہ فہمتان عظیم

وكتب محض لم ينطق احد منهم ولا سمع في مجلس مناظرة
ذلك عنهم ولا وجد في كتاب لهم وكيف يصح ذلك وعندهم محتمل
صلى الله عليه وسلم في قبره.

ترجمہ۔ ہاں، جو امام ابو الحسن اشعریؒ اور دوسرے اشاعرہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے
کہ ان کے نزدیک حضورؐ اپنی وفات شریفہ کے بعد اب اپنی قبر شریف میں بنی اور رسول
نہیں رہے۔ یہ محض جھوٹ اور بہتانِ عظیم ہے، اشاعرہ میں سے یہ کسی نے نہیں کہا
نہ ان سے کسی مجلس مناظرہ میں ایسی بات سُنی گئی اور نہ ان کی کسی کتاب میں یہ مضمون ملا
ہے اور ان کا یہ عقیدہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ ان کے ہاں حضور اکرمؐ اپنے روحانہ ظہر
میں زندہ ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:-

واما ما نسب الى الامام الاشعري امام اهل السنة والجماعة من انكار
ثبوت ما بعد الموت فهو افتراء وبهتان والصرح به في كتبه وكتب اصحابه
خلاف ما نسب اليه بعض اعدائه لان الانبياء عليهم الصلوة والسلام
احياء في قبورهم وقد اقام النكير على افتراء ذلك ابو القاسم القشيريؒ
ترجمہ۔ امام اہلسنت امام ابو الحسن الاشعریؒ کی طرف جو منسوب کیا گیا ہے کہ وہ حضورؐ کے
لیے وفات شریفہ کے بعد اس وصف کے ثابت ہونے کا انکار کرتے ہیں، یہ محض
افتراء اور بہتان ہے۔ ان کی اور ان کے ہم مشرب احباب کی کتابوں میں اس کے
خلاف تصریح موجود ہے۔ یہ ان کے دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کر دیا ہے تحقیق
یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور امام ابو الحسن الاشعریؒ پر اس
افتراء باندھنے کے خلاف علامہ ابو القاسم القشیریؒ نے زبردست احتجاج کیا ہے

ان نسبة الخلاف في هذه المسئلة الى الشيخ ابى الحسن الاشعريؒ نزد
 بہتان انما وقع بسبب ان بعض الکرامیہ ان الاشعريؒ واصحابہ
 قائلون بان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر حتی یحییٰ ویعلم
 ترجمہ۔ امام ابو الحسن الاشعريؒ کی طرف اس عقیدے کی مخالفت کی نسبت محض افتراء
 بہتان ہے اور اس کا سبب کرامیہ تھے۔ امام اشعريؒ اور ان کے سب اصحاب تو
 اسی بات کے قائل ہیں کہ حضور اللہؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور علم و احساس
 بھی رکھتے ہیں۔

ان ائمہ و اکابر کے انداز بیان کو دیکھئے اور خود فرمائیے کہ یہ مسئلہ اگر کوئی معقولی مسئلہ ہوتا، تو یہ
 اکابر و اعیان اتنی سی بات پر اس قدر حلال میں نہ آجاتے۔ حیات النبیؐ کا انکار دراصل بہت سے فتن
 و مفاسد کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے اور ان ائمہ فن کی ان پر پوری نگاہ تھی۔ اندر میں ضرورت یہ مسئلہ
 ایک اصولی مسئلہ بن کر سامنے آتا ہے۔ قصیدہ بد الامالی میں ہے :-

وان الانبیاء لفی امان عن العصیان قصداً وانزال

ترجمہ۔ اور بیشک انبیاء اس سے محفوظ ہیں کہ وہ قصداً خدا کی کوئی نافرمانی کریں اور اس سے
 بھی کہ وہ کسی طرح نبی نہ رہیں ان کی نبوت باقی رہے
 امام ملا علی قاریؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں :-

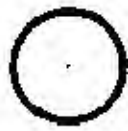
المعنی ان الانبیاء لفی امان عن الغزل عن مرتبة النبوة والرسالة وحکی شاح
 الطوالع فہذا اجماع الامة۔

ترجمہ۔ اس کا معنی یہ ہے کہ نبیوں کو مرتبہ نبوت و رسالت سے ہٹائے جانے سے
 مامون رہیں، کیا گیا، شرح طوالع میں اس پر پوری امت کا اجماع نقل کیا گیا ہے۔

عہ اکابر کی طرف انکار حیات کی نسبت کتنا کوئی نیا افتراء و بہتان نہیں۔ یہ نسبت کرامیہ چلی آرہی ہے۔ ولایت باؤل
 قادوۃ کسرت فی الاسلام۔ لہ الردفۃ البہیۃ فیما بین الاشاعرة الماتریدیہ ص ۱۵۸ مطبع مجتبائی۔

الغرض، یہ امور ہیں جنہوں نے ایک ایسے مسئلے کو جو اپنی ابتدائی سطح میں گو درجہ ضروریات میں سے نہ تھا، بقائے نبوت پیغمبر خاتم، شانِ شیخین بجا بر رسولِ انقلین، اعتماد علی السلف، تحفظ مسلک اہل سنت، ازالہ اوہام کرامیت، حقیقتِ عذابِ القبر، احترامِ اجماعِ امت اور آدابِ زیارت جیسے اہم مسائل کی پامالی کی وجہ سے وہ اہمیت دے دی ہے کہ حقیقتِ حال کو جاننا اور صورتِ مسئلہ کو پہچاننا ضروری ہو گیا ہے۔

ان حالات اور ضروریات سے متاثر ہو کر کہ مبادی راہِ گم کردہ قافلہ مسلک اہل سنت ہی کو ملتبس کر دے اور جو ہر وحدت سے ہاتھ دھو کر محض تفرّد ہی نہیں، اپنے عوام کے لیے انتشار و تشتت اور ذہنی آوارگی کا موجب ہوں، یہ سطور پیشِ خدمت ہیں۔ ممکن ہے یہ ناچیز گوشش اہل تذبذب کے لیے شفا قلب کا سامان، راہِ گم کردہ دوستوں کے لیے منزلِ کائنات اور اہل یقین کے لیے وُضوحِ دہرِ مان ثابت ہو۔



مقدمہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قرآن و سنت اسلامی فکر و نظر کا سرچشمہ حیات ہیں۔ قرآن پاک کی بلاغت اس کی انتہا پر واقع ہے کہ طوق بشر اس کی نظیر لانے سے عاجز ہے۔ بلاغت کا تقاضا اور ادب کی شان یہ ہے کہ ہر بیان اپنے مفہوم میں کچھ سیاق و سباق، کچھ اندازِ مخاطب اور کچھ قرآن کی وضاحت چاہے، اور ظاہر ہے کہ ان امور میں علمی انکار اور نظری مقدمات عوامی سطح پر نہیں آسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اصولی مسائل کے ماسوا، اکابر ہمیشہ سنت سے استدلال کرتے رہے ہیں۔ اسی میں انہیں عمل کی سلامتی نظر آتی اور اسی نظریات کی تفصیل ہوتی جن میں قرآن کا درجہ اجمال یا درجہ احتمال میں تھا بعض لوگوں نے تو یہاں تک روایت کیا ہے کہ ترجمان القرآن سیدنا حضرت ابن عباسؓ جب دوسری مرتبہ خوارج سے مناظرہ کرنے کے لئے گئے تو حضرت علیؓ نے انہیں یوں نصیحت فرمائی:-

ان خاصموک بالقرآن فخاصمهم بالسنة — کنز العمال

سیأتی قوم یجادونکم فخذوهم بالسنن فان اصحاب السنن اعلیٰ کتاب اللہ۔

یعنی قرآن سے خطاب نہ کرنا کہ یہاں ارشاد باری کو دوسرے معنی پہنانے کی کوشش کی جائے گی، بلکہ استدلال کی بنیاد سنت پر رکھنا کہ یہاں انہیں مخلص نہ مل سکے گا۔

آپ نے بارہا محسوس کیا ہوگا کہ دینی فتنوں کا طریق واردات پہلے یہی ہوتا ہے کہ سنت پیغمبر اور تشریحات سلف سے بالکل بے نیاز کر کے بالاستقلال قرآن کی دعوت دی جائے۔ اب یہاں اپنا میدان ہے، جو چاہو معنی کر لو۔ قرآن پاک کو اس کی پوری عظمت علمی سے سمجھنے والے ارباب

خبرت اگر باتوں میں نہیں آئیں گے، تو کوئی حرج نہیں۔ اکثریت تو عوام کی ہے۔ انہیں قرآن کے دلکش اور حسین عنوان کے ساتھ مغالطے میں ڈالنا کوئی بات نہیں۔ انکار حدیث کی اگر جرات نہ ہو تو عوامی سطح پر اُسے قرآن سے نکلے دیا جائے اور پھر اس عنوان سے اس کا انکار کر دیا جائے کہ جو روایت قرآن کے خلاف ہو اسے ہرگز نہ مانا جائے، پھر کون ہے جو اُسے اُسکے عوام میں اتنی استعداد کہاں کہ وہ بشرطِ صحبت روایت اس نکراد کو تطبیق و توفیق کے دائرہ میں اتار سکیں۔ غلط قرآن کا یہ دلکش نعرہ مدتوں سے — پُرانے فتنوں کو کم کرنے کے پر و گرام کے ساتھ — نیت نئے فتنوں کو جنم دیتا رہا ہے۔ ملت کا کاروانِ حیات ایسی کئی سرڑوں کے پاس سے گزرا ہے، جن کی نشاندہی اس وقت ہمارا موضوع نہیں ہے۔

ہاں اسی رہ گزرے شام و سحر اجنبی قافلے بھی گزرے ہیں

اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ قرآن ہماری اساس نہیں۔ اسلام کے جملہ اصول قرآن کریم میں منصوص ہیں ہم نے جو یہ مشورہ نقل کیا ہے، اصولی مسائل کو مستثنیٰ کر کے ذکر کیا ہے۔ جہاں قرآن پاک اپنے موضوع پر نااطق ہو وہاں تو مسلمان کسی اور طرف جا ہی نہیں سکتا اور جہاں قرآن پاک کی بات میں کئی پہلوؤں کی گنجائش ہو تو پھر سنت ہی ہے جو فیصلہ کرے گی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بھی حضرت علیؑ کے پورے جہنوا ہیں اور یہی جملہ اسلاف کا مسک تھا۔

كان عندهم انه اذا وجد في المسئلة قران نااطق فلا يجوز التحول منه الى

غيره واذا كان القران متحملا لوجوه فالسنة قاضية عليه۔

ترجمہ: اسلاف کا یہی طریقہ رہا ہے کہ جب کسی مسئلے میں قرآن نااطق ہو جو وہ تو اب کسی اور طرف رخ کرنا جائز نہیں اور جب قرآن کریم میں کئی وجوہ کی گنجائش ہو تو اب سنت ہی ہے جو ان پر فیصلہ کرے گی۔

مجتہد اور مناظر میں فرق

مجتہد کا فیصلہ غیر مجتہد کے لیے سند ہوتا ہے اور مجتہد اپنے فیصلے میں بیرونی اثرات سے محفوظ

ہوتا ہے۔ قاضی ہو تو جو اس کی بات نہ مانے اسے اس پر حاکمانہ قوت حاصل ہوتی ہے لیکن برابر کے منظر
جب حق و باطل کے تصنیف کے لیے کھڑے ہو جائیں تو وہاں بات خطابانی چلتی ہے اور حق کا ترجمان براہ
راست آسمان بات پر آتا ہے جس میں دوسرا شخص عوام کو نہ مغالطہ دے سکے نہ بھاگ سکے۔ یہ ایک
ضرورت اور وقتی مصلحت تھی جو حضرت علی المرتضیٰ نے اختیار فرمائی اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو مشورہ
دیا کہ استدلال سنت سے کرنا۔

مسئلے کو اس کاخذ سے لینا مجتہد اور ولی الامر کا کام ہے، لیکن بے راہر و مقابل کا منہ بند کرنے
کے لیے وقت کی مناسبت دیکھنی پڑتی ہے، وہ آپ کے ماتحت نہیں کہ آپ کی بات ضرور مان لے
ایسے موقع پر ہر بات وہ کہہ جو آسانی سے مل جائے۔

حضرت علیؓ کے مقابل خوارج تھے تصنیع سے قرآن پڑھنا اور لوگوں کو قرآن سے مغالطے میں
ڈالنا ان کا فن تھا۔ حضرت علیؓ پوری طرح سمجھتے تھے کہ قرآن اُن کے دلوں میں نہ اُترے گا۔ اس لیے
آپ نے وہ نصیحت فرمائی جو ہم نے نقل کی ہے کہ استدلال سنت سے کرنا۔
خوارج جن سے یہ مناظرہ درپیش تھا۔ ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیش گوئی
کر گئے تھے اور وہ حضرت علیؓ کو معلوم تھی۔ سو آپ کا مذکورہ نصیحت کرنا کوئی بے جا عمل نہ تھا۔ خوارج
کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

يُخْرِجُ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ يَحْقِرُونَ صَلَواتَكُمْ مَعَ صَلَواتِهِمْ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ
لَا يَبْجَاوُنَ حُنَاجِرَهُمْ يَمُرُّ قَوْلُ مَنْ الدِّينَ كَقَوْلِ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَةِ ۖ
ترجمہ: اس امت سے کچھ ایسے لوگ بھی اٹھیں گے کہ تم اپنی نمازوں کو اُن کی نمازوں
کے آگے ترجیح سمجھ گے، وہ قرآن قرآن پکارتے ہوں گے، لیکن وہ اُن کے گلوں ہی تک
ہو گا۔ یہ لوگ حقیقی دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار میں سے ہو کر نکل
جاتا ہے۔

پاکستان میں مسئلہ زیر نزاع جن دو فریقوں میں زیر بحث ہے۔ ان میں نہ کوئی قاضی شرع ہے نہ کوئی مجتہد اور نہ کوئی حاکم وقت کہ اپنے فیصلے کو دوسرے پر مسلط کر سکے۔ سو اگر مسئلہ زیر نزاع حدیث میں عبارت النص سے موجود ہو جیسے الانبیاء و اعیانہم فبوجودہ و یصلون تو حدیث سے بات سمجھنا بہت آسان رہتا ہے۔ اس بنا پر یہ ہم نے حضرت علی المرتضیٰؑ کا ذکر مشورہ ذکر کیا ہے۔

مجتہد اور مقلدین میں علمی فرق

مجتہد اپنے اپنے علم کی روشنی میں ان امور میں بھی قرآن سے استدلال کر سکتا ہے جن پر قرآن کا مفصلہ بطور نص موجود نہ ہو۔ مسئلہ پیش افتاد کی قرآن میں نظیر تلاش کرنا اس مسئلے کا حکم پالیسیا یہ مجتہد کا کام ہے۔ غیر مجتہد کے لیے سلاستی کی یہ راہ ہے کہ وہ ایسے مسائل میں مجتہدین کے فیصلے سے جواہروں نے کتاب و سنت سے دریافت کئے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، امام محمد بن سیرینؒ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، یہ سب حضرات مجتہدین تھے، مقلدین کو ان کے طریق استدلال کی دعوت دینے کی انہی لوگوں کو ضرورت ہوگی جو ائمہ دین سلف صالحین اور اپنے اکابر کی تحقیقات کو ساتھ لے کر نہ چلنا چاہتے ہوں۔

مذہب اہل سنت و الجماعت کوئی نیا مذہب نہیں جسے آج اولہ اربعہ کی روشنی میں ترتیب دیا جائے یہ ایک طے شدہ مدون مسک ہے جس نے معتزلہ کرامیہ حیرہ قدریہ شیعہ و مرجئہ اور خوارج کے مقابل اپنے جملہ اصول و فروع کتابوں میں لکھ دیئے ہیں۔ آج نئے سرے سے ان مسائل کو کتاب و سنت میں تلاش کرنا ان دو سترل کو اس کی ضرورت بھی محسوس ہو رہی ہے کہ یہ صراحت اسلاف کے ذخیرہ علم میں انہیں کہیں نہیں ملتی اور وہ اس کے طور پر بچپا اور مذہب اہل سنت سے بالکل ہٹنا چاہتے ہیں۔

جس طرح منکرین حدیث ہمیں طعنہ دیتے ہیں کہ یہ لوگ غبی سازش (جوان کے نزدیک ذخیرہ حدیث کی تدوین کا نام ہے) کا شکار ہیں۔ اس طرح ہمارے یہ کہہ مقرر ہمارے مقابل قرآن پاک کی وہ آیات بڑے شدد و مد سے پیش کر رہے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کی بات مانو اور یہ کہ یہ کتاب

صحیح کہتی ہے۔ گویا حیات النبی کے قائلین سب قرآن کے نہ ماننے والے ہیں اور وہ نہیں سمجھتے کہ یہ کتاب ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ہے، بلکہ مآخذ کی حیثیت سے اس تک مجتہد ہی پہنچ سکتے ہیں، نہ کہ ہر ایک واعظ پھر انہوں نے ڈھونڈ کر وہی آیات پیش کی ہیں جن میں انکارِ حیات کا کوئی ادنیٰ اشارہ بھی نہیں معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کوئی مولوی صاحبان ہیں یا یہ حضرات مسٹر پرویز کے نمائندوں کی حیثیت سے اس میدان میں اترے ہوئے ہیں۔ والی اللہ المشتکی۔

مسئلہ حیات النبی کیا قرآن پاک میں ہے؟

ہمارے کرم فرما خود کہتے ہیں:-

قرآن کریم میں اس مسئلہ کی کہیں صراحت نہیں، ہاں شہداء کے حق میں ارشاد ہے
 بل احياء ولكن لا تشعرون اس سے بطور دلالت النص کے سمجھ میں آتا ہے
 کہ انبیاء علیہم السلام کا درجہ شہداء سے بھی بہت بڑا ہے وہ بعد الوفا ت زندہ ہیں
 اور اسی طرح علماء کرام نے زادہم النذر شرفاً یہ مسئلہ قرآن کریم سے نکالا ہے
 اب اگر اس مسئلے کی قرآن میں صراحت نہیں اور حدیث میں اس کی صراحت موجود ہو تو اس
 عنوان پر براہِ راست حدیث سے استدلال کرنا آپ خود ہی سوچیں اس میں ہم نے کون سی غلطی
 کی ہے فرق ہے تو یہ کہ ہم نے حیاتِ انبیاء پر حدیث سے استدلال کیا ہے اور آپ نے علماء سے
 اور آپ نے انہیں اس احسان پر دُعا بھی دی ہے کہ زادہم النذر شرفاً۔
 پھر یہ بات جو انہوں نے کہی، ہم خود اُسے ان لفظوں میں کہہ بھی چکے ہیں، مگر نہیں معلوم انہیں اسے
 دُہرانے سے کیا ملا۔

ہاں شہداء کے لیے حیات بعد الوفا کا ثبوت یقیناً قرآن میں موجود ہے جسے انبیاء
 کی حیات بعد الوفا کے لیے دلالت النص کے طور پر بیان کیا جاسکتا ہے۔

ان سے اصلی موافقت کرتے ہوئے اگر ہم حدیث سے بھی استدلال کر لیں تو یہ ہم پر انگلی اٹھاتے ہیں اور خود یہ اقوال علماء سے فیصلہ لیں تو ہم پھر بھی انہیں کچھ نہیں کہتے، اپنا اپنا طرف ہے اور اپنا اپنا مسک۔ ہمیں تو یہ بات زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے کہ مسئلہ اگر قرآن کریم میں صراحت سے نہ ملے تو اسے حدیث میں تلاش کر لیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ترتیب کو منظوری بخشی تھی، معلوم نہیں ان حضرات کو حدیث سے تنفر کیوں ہے؟ وہ اس طرف کیوں نہیں آتے؟

آیت حیات شہداء میں تخصیص کا احتمال

قرآن کریم میں حیات شہداء عبارتہ المنص میں مذکور ہے۔ اگر کوئی صاحب اسے شہداء کی جزوی فضیلت کہے اور حیات انبیاء کا قائل نہ ہو تو کیا ہم اس پر حکم کفر جاری کر سکیں گے؟ ہم یہی کہیں گے کہ اس احتمال کو اس آیت میں نہ آنے دو۔

حدیث میں انبیاء کے لیے صریح طور پر احیاء (وہ زندہ ہیں) کا لفظ موجود ہے، اس احتمال کو زائل کرنے کے لیے اگر ہم نے حدیث سے متشک کیا تو خود ہی فیصلہ کیجئے کون سی غلطی کی ہے ہم نے یہ بات کہی تھی کہ جن مسائل میں قرآن کا یہ درجہ اجمال یا درجہ احتمال میں ہو، ان میں سنت سے استدلال کر لینا چاہیئے۔ اب اس پر ہمارے کرم فرماؤں کا تبصرہ ملاحظہ ہو:-

اموات غیر احیاء کو درجہ اجمال و احتمال میں داخل کر دیا، جس کا واضح معنی یہ ہے کہ (انبیاء) اموات ہیں زندہ نہیں اور نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے یہ ایسے ہی ہے جیسے مرزائیوں نے دلکن رسول اللہ و خاتم النبیین کو درجہ اجمال اور احتمال میں رکھا ہوا ہے بلکہ

جو لوگ یہ نہ سمجھ سکیں کہ یہ درجہ اجمال و احتمال والی بات آیت اموات غیر احیاء کے بارے میں نہیں آیت حیات شہداء کے پیش نظر کی جا رہی ہے اور وہ بھی محض اس لیے کہ اس میں احتمال کی گنجائش

بھی نہ ہے۔

ہمیں بہت حیرانی ہے کہ ان حضرات نے امواتِ غیرِ احياء کو کس دیدہ دلیری سے آیت
ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کی طرح قطعی الدلالتہ بنا دیا ہے۔ گویا اس میں واقعی کسی اور معنی کی
کوئی گنجائش نہیں ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کیا آیت امواتِ غیرِ احياء عقیدہ مماتِ البنی پر قطعی الدلالتہ ہے۔

مخالفین اپنے اس دعوے پر کہ حضور اب زندہ نہیں ہیں۔ آیت امواتِ غیرِ احياء کو اسی طرح
قطعی الدلالتہ سمجھے بیٹھے ہیں جس طرح آیت ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
آخری نبی ہونے پر قطعی الدلالتہ ہے۔ — ظاہر ہے کہ خاتم النبیین کا کوئی متبادل معنی نہیں ہے۔ حضور آخری
نبی ہیں اور مرتبہ و زماں ہر اعتبار سے آخری نبی ہیں۔ — کیا آیت امواتِ غیرِ احياء بھی اسی طرح
انبیاء علیہم السلام (بشمولیت حضرت عیسیٰ بن مریم) کے بالفعل اموات ہونے پر قطعی الدلالتہ ہے یا
اس کے کوئی اور معنی بھی ملتے ہیں؟ — اموات میں انبیاء کے سوا کوئی اور احتمال بھی ہو کیا یہ ممکن نہیں
— اگر نہیں تو پھر آپ کے نزدیک جملہ انبیاء کو بالفعل اموات نہ جاننے والے اور حضور کو زمانہ اور
مرتبہ میں آخری نبی نہ جاننے والے دونوں کا حکم ایک ہونا چاہیے اور دونوں اپنے ان خصوص قطعہ
کے رد کرنے کے جرم میں دائرہ اسلام سے خارج تصور ہونے چاہئیں۔ مگر سب حضرت جانتے ہیں کہ
مما تری لوگ حیات البنی کے قائلین کو کافر نہیں کہتے اور قادیانیوں کو کافر کہتے ہیں۔ — آخر
یہ فرق کیوں؟

کیا اس کی یہ وجہ تو نہیں کہ امواتِ غیرِ احياء کی تفسیر میں اصنام (مبت) مراد ہونے کا
احتمال بھی لکھا ہے اور اس کا موضوع مجمل ہے کہ وہ جن جن کی عبادت کرتے ہیں وہ سب اموات ہیں
شمارے ہوں یا بت، درخت ہوں یا آگ، زندہ انسان ہوں (جو انجام کار محل موت ہیں) یا شہداء
(جو گواہ زندہ ہیں مگر ماضی میں موردِ موت بنے) سب ان میں آگئے۔

ظاہر ہے کہ یہ آیت اس پہلو سے انبیاء کرام کے بالفعل اموات ہونے پر ہرگز دلالت نہیں کرتی چہ جائیکہ اسے اس معنی پر قطعی الدلالت کہا جاسکے، وہ ماضی میں موت کا ذائقہ چکے۔ مگر اب وہ زندہ ہیں حالاً اموات نہیں ہیں اور اس عقیدے سے کوئی کافر نہیں بچتا۔

انبیاء کرام کو بھی ساتھ شامل کر لیں اور مطلقہ عامہ میں فعلیت نسبت کا تحقق ماضی میں مانیں، حالاً انہیں زندہ سمجھیں، شہداء کو ماضی میں قتلوا سمجھیں۔ انہیں احیاء کہیں تو اس میں کوئی شرعی دلیل ایسا کہنے سے مانع نہ ہوگی۔ کیا مطلقہ عامہ میں فعلیت نسبت کا تحقق کسی ایک دور میں کافی نہیں ہوتا یا انہیں ہمیشہ ہی مرا ہوا ہونا چاہیے۔ آخر آپ بھی تو کہتے ہیں۔۔۔

شہداء اور انبیاء — بعد الوفات زندہ ہیں۔

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ آپ کے نزدیک آیت اموات غیر احیاء کسی پہلو سے عقیدہ ممات البنی پر دال نہیں۔ چہ جائیکہ اسے قطعی الدلالت اور وہ بھی مثل آیت خاتم النبیین کہا جاسکے — تعصب اور منہ کی بھی آخر کوئی حد ہوتی ہے۔ قاضی صاحب کے کس طرح عقیدہ حیات البنی اور انکار ختم نبوت کو برابر کر دیا ہے۔ ہم نے حیات شہداء سے حیات انبیاء ثابت کرنے میں اس احتمال بعید کی رعایت کی کہ کوئی اسے فضیلت جزوی جو غیر بنی کو بنی پر ہو سکتی ہے قرار نہ دے اور کہے کہ حیات شہداء سے حیات انبیاء کا عقیدہ لازم نہیں آتا۔ ہم نے اس کا رد کئے بغیر براہ راست حدیث صحیح سے استدلال کیا کہ انبیاء بعد الوفات زندہ ہیں۔ لفظ اجمال یا احتمال میں ہمارا اشارہ اسی طرف تھا، آیت اموات غیر احیاء کی طرف نہ تھا۔

مگر ہمارے کرم فرماؤں کے علم و فہم کی داد دیجئے۔ وہ اُسے از خود اموات غیر احیاء کے ہارے میں لے بیٹھے — اور پھر کیا ہوا، اپنے آپ کو لے بیٹھے — ان کی صدائے ماتم سُنیے۔

اموات غیر احیاء وما یسعون آیان یبعثون کہ درجہ اجمال و درجہ احتمال میں داخل کر دیا۔۔۔۔۔ ایسا ہی ہے جیسے مرزا یوں نے ولکن رسول اللہ و

خاتم النبیین کو درجہ اجمال اور احتمال میں رکھا ہوا ہے۔

ایک اور کرم فرما حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

موت کے کوئی اور معنی لے رہے ہیں، اس معنی کو لے کر موت کا انکار نہیں ہو سکتا

تو خاتم النبیین کی بھی قادیانی تفسیر اختیار کر کے ختم نبوت کا انکار نہیں ہو سکتا۔ (العیاذ باللہ)

ایسی تحریروں دیکھنے سے شبہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ لوگ قادیانیوں سے ملے ہوئے تو نہیں

جو سارا دیوبند ان کے کھاتے میں ڈال کر خود مسلمان بنے، ساحل پر کھڑے مجھتا شاہیں۔

عوام کو یہ تاثر دینا کہ قادیانیوں اور مسلمانوں کا اختلاف اسی درجے کا ہے جس درجے کا

اختلاف ہم میں حیات و ممات کا ہے۔ یا یہ بات پھیلانا کہ قادیانیوں کی تفسیر آیت خاتم النبیین بھی

لائق قبول ہو سکتی ہے۔ یا یہ کہ فلاں فلاں عالم نے فلاں آیت کے معنی اس طرح بدلے ہیں جس طرح قادیانیوں

نے قرآن کی تشریف کی ہے۔ آپ سوچیں کہ ان باتوں سے آپ کن لوگوں کی مدد کر رہے ہیں۔ کیا یہ انہی

باتوں کا اثر نہیں کہ ان درستوں کے اپنے ایک رفیق مولوی صاحب قادیانی ہو گئے ہیں۔

ہم اس اختلاف کو سمیٹنا چاہتے ہیں اور یہ لوگ ہیں جو اُسے بڑھا رہے ہیں اور یہاں تک

بڑھا رہے ہیں کہ اسے قادیانیوں کی دہلیز تک لے آئے ہیں۔ والی اللہ المشتکی

آیت اموات غیر احیاء کا موضوع بیان

کیا آیت خاتم النبیین اسی درجے میں واضح المعنی ہے جس درجے میں آیت اموات غیر

احیاء؟ نہیں، آیت اموات غیر احیاء میں مفسرین نے کئی احتمال ذکر کئے ہیں کہ یہ مراد ہے یا وہ۔

لیکن آیت خاتم النبیین کا کوئی اور متبادل معنی نہیں کہ اس معنی کو چھوڑ کر کوئی اور معنی اختیار کیا جائے۔

اول الذکر میں تاویل کرنے والا کافر نہ ہو گا اور ثانی الذکر میں تاویل کرنے والا دائرہ اسلام سے باہر

ہو گا۔ لان التاویل فی ضروریات الدین لا یقبل۔

جس طرح آیت بل احياء ولكن لا تشعرون حیاتِ شہداء کے بارے میں نازل ہوئی،
 آیت اموات غیر احياء ممات انبیاء کے موضوع میں نازل نہیں ہوئی، یہ توحید کے موضوع پر ہے۔
 کسی کے لائق عبادت نہ ہونے میں اس کا محل موت ہونا کافی ہے، جو ماضی میں یا حال
 میں یا مستقبل میں محدود موت ہو، وہ عبادت کے لائق نہیں۔ عبادت کے لائق صرف وہی ہے جو
 کبھی نہ مرے۔ آیت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ رب العزت کے سوا تم جن کی پوجا کرتے ہو، وہ سب محل
 موت ہیں، حالاً ہوں یا ماضی میں یا آئندہ کسی وقت (جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول
 وفات پائیں گے)۔ ان میں سے کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

اس آیت میں اُن میں سے کسی کے بالفعل مردہ ہونے کا بیان نہیں ہو رہا۔ فعلیت نسبت کا
 تحقق کسی زمانے میں ہو جائے کافی ہے۔ کسی کا بالفعل زندہ ہونا اسلام کے عقیدہ توحید کے ہرگز
 منافی نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں پر زندہ ہونا اور باقی انبیاء کا بعد الوفا زندہ ہونا
 رب العزت جی لا یوت کی صفت حیات سے ہرگز متصادم نہیں ہے۔ آیت کے آگے بھی دیکھئے۔

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۝ اموات غیر

احیاء وما يشعرون آیات یبعثون ۝ المفکر الہ واحد۔

(پہلا: النحل ع ۲۔ آیت ۲۲)

ترجمہ۔ اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا کچھ پیدا نہیں کرتے اور وہ تو خود پیدا کیے ہوئے
 ہیں مگر وہ جن میں جان نہیں اور وہ نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے
 معبود تمہارا معبود ہے اکیلا۔

یہ الفاظ المفکر الہ واحد بتلا رہے ہیں کہ آیت توحید کے موضوع میں وارد ہے، اس
 موضوع میں نہیں کہ انبیاء حالاً اموات ہیں یا ان کے رُوح کا ان کے جسم سے کوئی تعلق نہیں یہ مضمون۔
 آیت کا ہرگز موضوع بیان نہیں ہے۔ جب موضوع توحید الہ ہے تو اموات غیر احياء کا
 معنی اسی مورد پر رکھنا چاہیے جس دے میں اس کا توحید سے تضاد ہو تا ہو۔ حالاً کسی کا زندہ ہونا توحید

کے ہرگز متنافی نہیں ہے۔ روح المعانی میں ہے یہاں ان کے لیے صرف اثبات مخلوقیت کافی ہے۔ ان نفی حیات کا کوئی تقاضا نہیں۔

ان اثبات المخلوقیۃ لہم غیر مستدعی لنفی الحیاۃ عنہم لما ان بعض
المخلوقین احياء بہ

ترجمہ۔ ان کا مخلوق ہونا ثابت کرنا اس بات کی دعوت نہیں دیتا کہ ان سے حیات کی
بھی نفی کی جائے۔ کتنے لوگ مخلوق ہیں اور وہ زندہ ہیں۔

آیت اموات غیر احياء میں کیا کسی اور معنی کا دخل بھی ہے؟

ہاں سیدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہاں اموات کے معنی اصنام کئے ہیں۔ مفسر حقانیؒ
لکھتے ہیں۔

جمہور مفسرین کے نزدیک ان سے مراد ان کے بت ہیں کہ جن کو وہ قادر زندہ اور
دانا جان کر پرستش کرتے تھے جلالین میں ہے وہم الاصنام، تفسیر کبیر میں اس
جملہ کی شرح یوں ہے فاعلم انہ تعالیٰ وصف هذه الاصنام بصفات كثيرة
مبہر ان کے بتوں کی قدرت کو یوں باطل کرتا ہے لا یخلقون شیئا و
ہم یخلقون

صفۃ التفاسیر میں ہے۔

والذین یعبدونہم من دون اللہ کا لاوتان والاصنام لا یقدرون علی خلق
شیء اصلاً والحال انہم مخلوقون صنمہم البش بایدیم فکیف یكون الہم تعبد
من دون اللہ (اموات غیر احياء) ای و تلک الاصنام اموات لا ارواح لہا لا
تسمع ولا تبصر لا ینہما جمادات لا حیاۃ فیہا فکیف یقدونہا وانتم افضل منہما فانکم من الحیاۃ

ترجمہ۔ اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا جیسے عجیبے ہوتے اور بت وہ بالکل کسی چیز کے پیدا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور حقیقت یہ ہے کہ خود انہیں انسانوں نے بنایا ہے سو وہ کیسے اللہ کے سوا عبادت کے معبود ہو سکتے ہیں اور یہ بت مُرفی ہیں ان کی ادوارح ہیں ہی نہیں وہ سنتے دیکھتے نہیں کیونکہ وہ جمادات میں سے ہیں ان میں زندگی نہیں۔ تم کس طرح ان کی عبادت کرتے ہو۔ حالانکہ تم ان سے افضل ہو تم میں حیات تو ہے۔

اب کہئے کیا یہ آیت واقعی انبیاء کی نفی حیات کے لیے نازل ہوئی جیسے آیت خاتم النبیین بیان ختم نبوت کے لیے اُتری۔

علامہ محمود اکوئیؒ (۱۲۷۰ھ) نے اموات کو عموم مجاز میں لیا ہے اور اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی لیا ہے جن پر موت آئندہ آئے گی۔ معلوم ہوا اس سے مراد کسی کا حالاً مُردہ ہونا نہیں، محل موت ہونا مراد ہے، اس میں وہ بھی آگئے جن پر پہلے کبھی موت آئی۔ مگر وہ بعد میں زندہ ہو گئے اور وہ بھی جن پر موت آئندہ آئے گی۔ جیسے فرشتے اور وہ بھی جن میں حیات سرے سے آئی ہی نہیں جیسے بُت۔

(اموات) عموم المجاز ليشمل ما كان له حياة ثم مات كعزير واسموت كعيسى والملئكة عليهم الصلوة والسلام وما ليس من شأنه الحياة أصلاً كالاصنام بل

ترجمہ۔ اموات عموم مجاز ہے یہ ان کو بھی شامل ہے جن میں پہلے حیات تھی پھر وفات ہو گئی جیسے عزیر علیہ السلام اور ان کو بھی شامل ہے جو آئندہ وفات ہوں گے جیسے عیسیٰ علیہ السلام (ان کا بالفعل زندہ ہونا اس کے منافی نہیں ہے) اور فرشتے اور ان کو بھی شامل ہے جن میں حیات سرے سے آئی ہی نہیں جیسے بُت۔

اشر رب العزت کے لیے حیات تامہ ہے اور وہی ایک عبادت کے لائق ہے۔ باقی جو

ہیں۔ ان میں کوئی حیاتِ تامہ نہیں رکھتا۔ جو بھی ہے اسے اول یا آخر یا مالا موت نے گھیر رکھا ہے۔
اس آیت میں اثباتِ توحیدِ باری ہے کسی کا مالا مُردہ ہونا آیت کا موضوع نہیں ہے۔

معنی کو نھم و امواتنا انھم لا یدلھم من الموت و کو نھم غیر احیاء غیر تامۃ
حیاتھم و الحیاء للتامۃ ہی الحیاء الذاتیۃ الق لا یرد علیہا الموت۔

ترجمہ۔ ان کے امرت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں موت سے مفر نہیں امدان کے غیر احیاء
کا معنی یہ ہے کہ ان کی حیاتِ تامہ نہیں۔ حیاتِ تامہ اس حیاتِ ذاتیہ کو کہتے ہیں جس پر کبھی
موت آئے ہی نہ (نہ پہلے آئی ہو نہ کبھی آئے)۔
حضرت تمنازیؒ نے بھی عموم مجاز کہا ہے۔

یہ معبودین کیسے مستحقِ عبادت ہو سکتے اور وہ مُردے ہیں خواہ دو اُما جیسے بُت یا
فی الحال جیسے وہ لوگ جو مر چکے ہیں (گواہ وہ زندہ ہوں) یا فی المآل جو مریں
گے مثلاً جن اور عیسیٰ علیہ السلام وغیرہم زندہ رہنے والے نہیں بلکہ

مزید تفصیل درکار ہو تو تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۱۱۲ جلد ۲ ص ۵۶۵، تفسیر قرطبی جلد ۱ ص ۹۴، تفسیر خازن

جلد ۳ ص ۱۱۱ میں بھی دیکھ لیں۔ یہ آیت انبیاء کے اس وقت اموات ادبے جان ہونے پر ہرگز
دلالت نہیں کرتی۔ ان پر سابق میں موت آئی۔ اسی معنی میں وہ اموات میں آئے لیکن حالاً ان کی یا شہد
کو ہم اموات کہیں۔ اس کی قرآن کریم میں اجازت نہیں دیتا۔

افسوس کہ ہمارے مخالفین اس آیت اموات غیر احیاء کو جس میں بُت بھی مُراد لیے گئے ہیں
انبیاء کے ملاپے جان ہونے پر اس درجہ کی قطعی دلیل سمجھتے ہیں۔ جیسے آیت ولکن رسول اللہ وخاتم
النبتین حضورؐ کی ختمِ نبوت کی قطعی دلیل ہے۔ ان حضرات کے علم و فہم اور دیانت و امانت پر جتنے
آئینہ پہلے جا ہیں کم جا ہیں۔ یہ حضرات پہلے تو علم سے اتنے دور نہ تھے اب انہیں کیا ہو گیا۔ اکابر کی
شان میں گستاخی کا یہ فطری انجام ہے کہ قرآن کریم کی یہ آیت انہیں بالکل سمجھ نہیں آ رہی۔

چوں خدا خواہد کہ پر وہ کس درد
میش از اندر طعنہ پاکاں برد

ان دوستوں نے علمی حیثیت سے اپنے آپ کو اتنا گرا لیا ہے کہ شاید ہم انہیں اور مخاطب نہ کر سکیں۔ سو آئندہ انشاء اللہ العزیز ہم اپنی بات مثبت پیرایہ میں کہیں گے۔ اگر سچائی کی امانت بغیر کسی تعصب اور احساسِ تحریک کے طلبِ علوم و دینیہ اور عام اہل اسلام تک پہنچ جائے تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلیف۔

قرآن پاک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ

قرآن پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیا کی زندگی ہی میں مکمل ہو چکا تھا۔ آپ عالمِ برزخ میں انتقال فرمانے سے پہلے متعدد اجزاء اور منتشر اوراق میں کتابِ الہی کی یہ امانت امت کو سپرد کر چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس کتاب میں آپ کے وقوعِ وفات کی خبر نہیں ہو سکتی۔ قرآن پاک میں آپ کی وفات کا امکان (افانِ ممات) اور قتل کہ اگر آپ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں) موجود تھا اور آپ کی وفات کی پیش گوئی بھی آیت (انک میت و انتھم میتون) میں موجود تھی۔ لیکن اس بات کا بیان کہ آپ پر موت کا دُورود ہو چکا ہے، اس کے لیے ابھی وقت کا انتظار تھا۔ سو اس کا قرآن میں نہ تذکرہ ہے، نہ ہو سکتا ہے جو شخص کہے قرآن میں ہے کہ آپ پر وفات آپ کی وہ اپنے اس دعویٰ میں کاذب ہے۔ حضرت مسیح کی وفات کے متعلق نصاریٰ کا جو تصور ہے، یہ پورا واقعہ صلیب بائبل میں موجود ہے۔ اس کا بائبل میں مذکور ہونا ہی اس بات کی کافی دلیل ہے کہ یہ بائبل وہ انجیل مقدس نہیں جو حضرت عیسیٰ کو دی گئی تھی اور جس کی تبلیغ آپ اپنا قوم کو کرتے رہے۔ ورنہ اس میں آپ کی اپنی موت کی خبر ہرگز نہ ہوتی۔

آنحضرت پر وفات شریفہ کا یقیناً دُورود ہوا اور آپ نے یقیناً اس دنیا میں انتقال فرمایا۔ لیکن قرآن پاک اس وقوعِ موت کی ہرگز خبر نہیں دیتا۔ آپ پر وفات آپ کی اس کا سب سے پہلا ثبوت حضرت صدیق اکبرؓ کا وہ خطبہ بلیغ ہے، جو کتبِ حدیث میں اسانید صحیحہ سے منقول چلا آ رہا ہے۔

دفع موت ثابت کر لے کے لیے تاریخی حوالے کی بجائے خواہ مخواہ قرآنی آیات پڑھتے چلے جانا، امکان کو دفع قرار دینا اور پیش گوئیوں کا تحقق وقت پیش گوئی سے واقع اور ثابت مانتے چلے آنا، معلوم نہیں کون سا علمی مقام اور کون سا طریقہ بیان ہے، بالخصوص جب کہ یہ کوئی اختلافی مسجت اور محل نزاع نہ ہو۔ بلکہ دفع وفات پر بنا بر خبر کشف سب کا اجماع اور اتفاق ہو۔

واضح رہے کہ قرآن پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود موت ہو چکنے کی خبر نہیں دیتا۔ وہ اس کے واقع ہو چکنے سے بالکل خاموش ہے۔ آنے والی موت کے بعد پھر حیات حاصل ہوگی یا قیامت تک جہدِ اطہر اور ترویجِ الدین میں کئی مفارقت رہے گی۔ اس پر بھی قرآن پاک کی کوئی عبارت النص موجود نہیں۔ اب خواہ مخواہ اقتضائے النص سے بھی کمزور سہارے لے کر آیات پر آیات پڑھتے چلے جانا، جزئیات کو کلیات بناتے چلے آنا اور جزئی اشارات کو کیسے کیسے کھینچ کر مطالب کا جال بنانا، یہ ایک ایسی حرکت ہے کہ کوئی صاحبِ علم اس گراہروی کی تائید نہ کر سکے گا اور اب اس مرضِ مزمن پر جتنے انس و بہانے جائیں کم ہیں۔ ایک قوم کی قوم اس کا شکار ہو چکی ہے۔

ہاں، شہداء کے لیے حیات بعد الوفات کا صریح ثبوت یقیناً قرآن میں موجود ہے، جسے انبیاء کی حیات بعد الوفات کے لیے دلائل النص کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ مگر ہم اس بحث میں نہیں پڑتے۔ ہمارے کرم فرما خود اسے تسلیم کرتے ہیں۔ — ہاں یہ بات حق ہے کہ جس طرح دفع وفات کی خبر کتب حدیث سے ملتی ہے۔ اسی طرح حیات بعد الوفات کے لیے بھی احادیث صحیحہ یقیناً موجود ہیں۔

اثبات عقائد کے لئے دلائل ظنیہ سے استشہاد — ایسا کیوں؟

ممکن ہے کوئی صاحبِ یہاں یہ اعراض کر دیں کہ اخبارِ احوال اور سلسلہ روایات سے یہ مسئلہ کیوں ثابت کیا جائے۔ عقائد ثابت کرنے کے لئے تو دلائل قطعیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو اباعرض ہے کہ یقین کا فائدہ اور قطعیت صرف قرآن پاک اور خبر متواتر الاسناد ہی میں

منحصر نہیں۔ بلکہ اخبارِ احاد بھی جو اپنی اپنی جگہ خواہ متفرق ہی ہوں، کسی قدر مشترک میں متحد ہو جائیں، تو ایسے یقین کا فائدہ دے سکتی ہیں کہ اس پر عقیدے کی بنیاد رکھی جاسکے۔ پھر جب داخلی اور خارجی قرائن اور مختلف طبقوں کے اہل حق کا اجماع اس کے حقیقتِ مستلزم ہونے کی شہادت دے دے، تو یہ بنیاد یقین اور بھی مستحکم ہو جاتی ہے۔ حضرت علامہ شاطبیؒ ارشاد فرماتے ہیں :-

وَأَمَّا الأدلة المعتبرة ههنا المستقراء من جملة أدلة ظنيّة تضافرت على معنى واحد حتى أفادت فيما المقطع فإن للاجتماع من القوة ما ليس للافتراق ولا جله أفاد التواتر القطع وهذا نوع منه فإذا حصل من استقراء أدلة المسئلة مجموع يفيد العلم فهو الدليل المطلوب وهو شبهه بالتواتر المعنوي. ۱۰

ترجمہ۔ عام طور پر جو دلائل یہاں معتبر ہیں وہ اس قسم کے ہیں جو علیحدہ علیحدہ اگرچہ قطعی ہوں۔ مگر کسی ایک قدر مشترک پر سب متفق ہو جانے کی وجہ سے خاص اس مسئلہ میں یقین کا فائدہ دینے لگتے ہیں۔ دلائل کے اس اشتراک کے بعد مسئلے میں جو قوت پیدا ہو جاتی ہے ظاہر ہے کہ وہ ان کی انفرادی حیثیت میں نہیں ہو سکتی۔ خبر متواتر بھی اسی اجتماعی قوت کی وجہ سے یقین کا فائدہ دیتی ہے۔ پس جب کسی ایک مسئلے کے لیے متفرق دلائل جمع ہو جائیں، تو ان کے مجموعے سے (اس قدر مشترک کے لیے) ایک یقین حاصل ہو جاتا ہے اور وہ بھی ایک قسم کا تو اثر معنوی ہی ہے۔

عذابِ قبر کا برحق ہونا عقائدِ اہل سنت میں اسی اصل کے ماتحت ہے۔ قرآنِ پاک کی جس آیت شریفہ میں اس کا بیان ملتا ہے، وہ قطعی الثبوت ہونے کے باوجود قطعی الدلالت نہیں اور جو احادیث اس معنوں پر قطعی الدلالت ہیں، وہ اپنے ثبوت میں قطعی ہیں۔ باری ہمہ عذابِ قبر کو برحق ماننا عقائد میں داخل ہے۔ بلا علی قاریؒ نے عذابِ قبر کے داخل عقائد ہونے میں یہی استدلال پیش کیا ہے :-

فلا يخفى ان المعتبر في العقائد هو الأدلة اليقينية واحاديث الأحاد لو
ثبتت انما تكون ظنية اللهم الا اذا تعدد طرقه بحيث صار متواترا
معنويا فيثبت قد يكون قطعيا

ترجمہ: یہ بات مخفی نہ رہے کہ عقائد کے باب میں دلائل یقینیہ ہی معتبر ہیں۔ اخبار آحاد
اگر ثابت بھی ہوں، تو بھی ظنی ہیں۔ ہاں، اگر ایک ہی مضمون، متعدد طریقوں سے اس
طرح مروی ہو کہ تو اتر معنوی پیدا ہو جائے، تو اس وقت یہ (قدر مشترک) بھی قطعی
اور یقینی ہو جائے گی۔

ہاں اس طرح ثابت ہونے والا مسئلہ اگر نظری ہو تو بقول حضرت شاہ صاحب منکر پر قول
کفر لازم نہیں آتا اور زیادہ سے زیادہ یہی شک کا فائدہ ہے جو ہم اپنے مخالفین کو دے سکتے ہیں۔
والتفصيل في العرف الشذی ص ۳۴ و ص ۳۵۵
والله اعلم بالصواب وعلمه اتم واحکم فی کل باب۔

قرآن عزیز کا موت انسانی کے بارے میں نظریہ

ذہن جاہلیت سے مفہوم موت پر اختلاف :

عربوں کا تصور ”موت“ کے متعلق یہی چلا آ رہا تھا کہ :-

- ① — یہ فقط روح کے بدن سے جدا ہونے کا نام ہے اور یہ ایک امر عادی ہے۔
- ② — ان کے عقائد میں نہ بقائے جسد معنی نہ بقائے روح دونوں کی قنایہ ہے۔
- ③ — ورنہ موت کے بعد پھر روح اور اس جسدِ دنیوی کا اجتماع ان کے نزدیک محال
اور ایک امر مستبعد ہے۔

قرآن عزیز نے مفہوم ”موت“ پر ذہن جاہلیت بدل ڈالا۔۔۔ ان لوگوں نے اپنے فکر و نظر

کے مطابق ”موت“ کے لیے کئی لفظ اختیار کر رکھے تھے۔ ابن سید الناس اندلسی نے ”المختص“ میں ایک فہرست پیش کی ہے اور ہر لفظ پر اشعار جاہلیت سے استدلال کیا ہے۔
اسمائے موت :-

الممیع والنیط والرهو والمنون والشعوب والفود والحمام والسمارو

المقدار و قتیم وجیاز وحلاق والقاضیة والطلاطل والعول والذام

والکفت والمجداع والمخذرة والحفت والمخالج..... وغیرھا۔

انہی میں لفظ ”توفی“ بھی آیا ہے، لیکن اس پر محقق اندلسی نے اشعار عرب سے استناد نہیں کیا۔ بلکہ استدلال میں قرآن عزیز کو پیش کیا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ مفہوم موت پر نزول قرآن کے وقت ہی سے ذہن جاہلیت سے اختلاف پیدا آ رہا ہے۔ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

جاہلیت کے اعتقاد میں موت پر ”توفی“ کا اطلاق درست نہ تھا۔ کیونکہ ان کے

اعتقاد میں نہ بقائے جسد تھی، نہ بقائے روح۔ توفی وصول کرنے کو کہتے ہیں،

ان کے عقیدے میں موت توفی نہیں ہو سکتی۔ قرآن مجید نے موت پر توفی

کا اطلاق کیا اور بتلایا کہ موت سے وصول یا جی ہوتی ہے نہ فنا محض۔ اس حقیقت

کو ایک کلمہ سے عیاں کر دیا اور کہیں اس لفظ کا اطلاق اپنے اصلی معنی سے جدمع

الروح کے وصول کرنے پر کیا۔

عربوں کے تصور موت کو جب اسلام کے قرنِ اول ہی سے نظر انداز کر دیا گیا ہے تو

اب موت سے متعلقہ مباحث پر معنی موت کے لیے کلام عرب کا مطالبہ ہم نہیں سمجھتے کہ کون سی

شان تحقیق ہے۔ حالانکہ وہاں بھی صرف ”ابانة الروح عن الجسد“ کا نام موت نہیں ہے بلکہ

وقتِ حیوانیہ کے زوال یعنی آثارِ حیات کے سلب ہونے کو بھی موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

علامہ راغب اصفہانی (۵۰۲ م) لکھتے ہیں:

كَلَّ نَفْسٌ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ فَعِبَارَةٌ عَنْ زَوَالِ الْقُوَّةِ الْحَيَوَانِيَّةِ وَابَانَةِ
الرُّوحِ عَنِ الْجَسَدِ ۛ

ترجمہ۔ ہر جان نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ پس موت سے مراد ۱۔ حیات کی قوت
ذائل ہونا اور ۲۔ روح کا جسد سے جدا ہونا ہے۔

یہاں موت صرف روح کی جدائی کو نہیں کہا گیا، اس کے ساتھ قوت حیوانی کا ذائل ہونا بھی
بیان کیا ہے۔ قرآن کریم نے موت اسی کو کہا ہے۔

قرآن کریم کی روشنی میں موت کی حقیقت

اللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضٰى
عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيَرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔ (پکا : الزمر ۵ آیت ۴۲)
ترجمہ۔ اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہوا ان کے مرنے کا اور جو نہ مریں ان کو کھینچ لیتا
ہے ان کی نیند میں پھر روک لیتا ہے ان کو جن پر مزنا ٹھہرا دیا اور جھوڑ دیتا ہے دوسری دھول
کو ایک وقت مقرر تک۔ اس بات میں پتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو دھیان کریں۔

یہ آیت بتلاتی ہے کہ روح قبض ہونے کے بعد جو د ضروری نہیں کہ موت ہو، سونے والے
کی روح قبض ہونے کے بعد جو د اس کے آثار حیات قائم ہیں، نبضیں تک اُچھل رہی ہیں اور روح
کے چار گھنٹے باہر رہنے کے بعد جو د اس کا بدن ٹھنڈا نہیں پڑا، نہ اکڑا ہے، نہ کسی نے اسے دفن
کے لیے پکڑا ہے۔

یہ تو ناظم کا حال ہے۔ خود میت کو دیکھئے، جو نہی روح نکلی بدن فوراً ٹھنڈا نہیں پڑ جاتا،
روح کے آثار کچھ دیر کے لیے اور رہتے ہیں اور اپنی سے یہ بدن کچھ گرم رہتا ہے پھر آہستہ آہستہ ٹھنڈا
پڑ جاتا ہے اور اکڑ جاتا ہے، بدن کی وہ تازگی باقی نہیں رہتی۔ اب موت کا پورا تحقق ہو چکا اور

حسب بیان راعب الصغیرانی النکاح الروح من الجسد بھی ہوا اور قوت حیوانی بھی جاتی رہی

اب اگر کوئی ایسا کہیں ہو کہ روح تو قبض ہو جائے لیکن بدن کی تازگی ختم نہ ہو، گھسنے گزر جائیں مگر بدن نہ اکڑے، پھر دفن کے بعد بھی وہ تازگی رہے اور اسی پر صدیاں گزر جائیں تو یہاں کیا کہا جائے گا؟ یہی ناکہ یہ موت کچھ عجیب سی ہے کہ قبض روح بھی ہو چکا، روح بدن سے جدا ہو کر ایک جگہ سمٹ چکی اور کچھ آثار حیات اب تک باقی ہیں۔ علامہ برہان الدین المرعینی (۵۹۳ھ) لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن مبارک پانچ صدیاں گزرنے کے بعد آج بھی اسی حالت میں ہے جیسا کہ اسے قبر میں رکھا گیا تھا۔

وهو اليوم كما وضع له

قاضی شمس الدین صاحب (گوجرانوالہ) اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:-

جسم مبارک صحیح و سالم گلاب کے پھول کی طرح تروتازہ تھا۔ آج بھی وہی کیفیت اور قیامت تک وہی کیفیت رہے گی۔

سوال: قاضی صاحب جب تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کے جسد اطہر میں کچھ آثار حیات اب تک باقی ہیں وہ ایک لمحہ کے لیے بھی بدن اطہر سے نہیں ہٹے تو لوگ انہیں منکرین حیات میں کیوں ذکر کرتے ہیں؟
جواب: یہ تو صحیح ہے کہ ان کا عقیدہ پیر طریقت والا نہیں لیکن یہ عبارت جو ہم نے پیش کی ہے وہ انہوں نے اپنے عقیدے کے طور پر نہیں کہی۔ انہوں نے صاحب ہدایہ کی بات اپنے نظروں میں ادا کی ہے۔ اس کے آخر میں فرماتے ہیں۔ یہ ہے ہدایہ کی عبارت کا مطلب۔

معلوم ہوا صاحب ہدایہ صرف اس کے قائل نہیں کہ بدن محفوظ ہو، مٹی میں ریزہ ریزہ نہ ہو۔ بلکہ وہ بدن کی تازگی کے بھی قائل ہیں اور یہ بدوں اس کے نہیں کہ کچھ آثار حیات آپ میں آخر تک باقی رہے اور ہیں۔ سو اگر اسے ایک نرالی موت سمجھا جائے یا یوں کہا جائے کہ انبیائے کرام کی موت کی نوع ہی جدا ہے۔ تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یا یوں کہا جائے کہ آپ کی موت بھی واقع ہوئی اور کسی

درجے میں حیات بھی باقی رہی واپس کی موت ساتھ حیات ہوئی یہ نہیں کہ اس سے آثار حیات کلیۃً منسقی ہوئے
یہ کہنا کہ ہمیں موت کے یہ معنی کلام عرب میں نہیں ملتے۔ اسے کوئی شخص جسے یہ علم ہو کہ مفہوم موت
پر اسلام کا ذہن جاہلیت سے شروع ہی سے مختلف ہو گیا تھا، اہمیت نہ دے گا۔ قرآن کریم نے
بتایا ہے موت صرف مفارقتِ روح کا نام نہیں، یہ تو نیند میں بھی ہو سکتا ہے۔ جب تک پورے آثار حیات
منسقی نہ ہوں وہ موت نہیں اور راعب نے یہی بات کہی ہے۔ حضورؐ سے بعض آثار حیات چونکہ آخر تک
منسقی نہ ہوئے بلکہ اب تک باقی ہیں۔ تو اگر اُسے ایک جدی نوع حیات کہہ دیا جائے تو معلوم نہیں کون
سا آسمان گہتا ہے۔ علامہ محمد بن احمد بن عبدالباقی (۴۲۴ھ) لکھتے ہیں:-

والحياة جنس تحتها انواع وكذلك الموت فليست بعض انواع الموت لا ينافي الحياة.

دوستوں کا عذر لنگ

بعض کرم فرمایہ کہہ کر بات مالتے ہیں کہ نیند کی حالت میں روح نہیں نکلتی۔ قرآن پاک نے جو
یہ دعوے کیا ہے یہ متشابہات میں سے ہے۔ ہم کہتے ہیں اگر یہ آیت متشابہات میں سے ہوتی، تو
حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعائیں اس آیت کی پیروی نہ کرتے۔ امام بخاری کتاب الدعوات میں حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند کے وقت کی یہ دعا نقل کرتے ہیں۔

باسمک ربی وضعت جنبی و بک ارضعہ ان امسکت نفسی فلا تمہا وان

ارسلتها فلا تحفظها بما تحفظ به الصالحین

ترجمہ: تیرے ہی نام پر اے میرے رب! میں نے اپنا پہلو رکھا ہے اور تیرے سپہاے

ہی میں اے اُمّائد کا اگر تو میری جان کو روکے رکھے تو اس پر رحم فرما اور اگر اُسے

واپس بھیج دے تو اس کی حفاظت فرما، جیسے تو اپنے بندوں کی حفاظت کیا کرتا ہے۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ واقعی نیند کے وقت روح نکلی جاتی ہے جس کے بعد یہ پھر آجاتی ہے

اور موت والے کے لیے یہ واپس نہیں آتی (برزخ میں روح کا بدن میں واپس آنا یا میدانِ حشر میں روح کا بدن میں واپس آنا، یہ اس آیت کے خلاف نہیں ہے) یہاں جو اس کے روکے رکھنے کی خبر دی گئی ہے یہ صرف اسی دنیا کی بات ہے کہ اس دنیا میں اب روح بدن کی طرف واپس نہ کی جائے گی۔ اساک کا تعلق اسی جہان سے ہے جس سے ارسال کا تعلق ہے۔ ظاہر ہے کہ نیند والے کی روح اسی جہان میں بدن کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ کسی اور جہان میں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ موت کی حقیقت قرآن کریم نے روح عن الجسد نہیں بلکہ حیات جب تک پورے منتفی نہ ہوں۔ قرآن کریم سے موت نہیں کہتا۔ الا یہ کہ کوئی جدا نوعیت موت ہو اور یہ موت کی کوئی اور نوع ہو۔ پہلے دور میں کیا مفہوم موت پر اختلاف نہیں ہوا؟ کیا معتزلہ نے موت کے عدمی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا؟ کثاف اٹھا کر دیکھیں۔ اور کیا اہل سنت نے اسی کی کھلی تردید نہیں کی، الا نقض اٹھا کر دیکھیں۔

سوال : نیند والے کی طرف روح کا لوٹنا جسے قرآن کریم نے لفظ ارسال سے بیان فرمایا ہے کہ نیند والے کی روح روکی نہیں جاتی، پھوڑ دی جاتی ہے کیا کہیں اسے احیاء (زندہ کرنے) سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ اگر نہیں تو معلوم ہوتا ہے نیند سے حقیقت موت واقع نہ ہوتی تھی؟

جواب : سنن نسائی کی روایت میں اس ارسال کے لیے احیاء کا لفظ بھی وارد ہے۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں :-

اللہم انت خلقت نفسی وانت توفیہا لک مما تمنا ومعیاہا ان احییہا فاعظما
وان امہا فاعفولہا۔

ترجمہ : اے اللہ! تو نے مجھے پیدا کیا اور تو ہی میری جان کی توفی کرے گا میری موت اور زندگی سب تیرے لیے ہیں اگر تو میری جان کو زندگی بخشے تو اس کی حفاظت فرما اور اگر تو اسے موت دے تو اس کی منفرت فرما۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اسے فتح الباری میں نقل کیا ہے اور ابن جہان سے اس کی تصحیح نقل کی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں اس جاگنے پر رد روح کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔
الحمد لله الذی عافانی فی جسدی و ساد علی روحی۔

ترجمہ حمد کے لائق وہ ذات ہے جس نے میرے جسد کو عافیت بخشی اور اس میں میری روح بھر سے نوٹا دی۔

امام ترمذی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

امام نووی کہتے ہیں، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی بھی کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔

ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے اپنے طور پر موت کا ایک مفہوم متعین کیا ہے اور اسلام اس اطلاق میں ذہن جاہلیت کا تابع نہیں ہے اور نہ ان حقائق کے لیے وہ اشعار جاہلیت کا محتاج ہے۔

نظریہ قرآن میں موت کیا ہے؟

موت ایک ایسی صفت ہے، جو صفت ”حیات“ کے تغیر پر بدن کو عارض ہوتی ہے یہ فقط روح کے بدن سے جدا ہونے کا نام نہیں، بلکہ ایک وجودی شے ہے جس کی اپنی تخلیق ہے۔

خلق الموت والحیات۔ (پ ۲۹ الملک)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے موت کو بھی پیدا کیا اور حیات کو بھی۔

پس جب موت کی اپنی ایک خلقت ہے، تو اُسے محض روح و بدن کی مفارقت سے تعبیر کرنا

اور محض ایک امر عادی قرار دینا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

امام ناصر الدین احمد بن محمد بن المنیر الاسکندری المالکی (۶۸۳ھ) فرماتے ہیں :-

ان الموت عدم وهو خطأ صراح ومعتقد اهل السنة انه امر وجودی
یضاد الحياة وكيف يكون العدم بهذه المثابة ولو كان العدم
مخلوقاً حادثاً وعدم المحوادث مقرراً انزلاً للزم قطع الحوادث به
ترجمہ: موت کو محض ایک عدمی شے قرار دینا ایک کھلی ہوئی خطا ہے۔ اہل سنت
کے عقیدے میں یہ ایک امر وجودی ہے، جو حیات کے مقابل ہے۔ عدمی شے اس
درجے میں نہیں ہو سکتی۔ اگر عدمیات کی بھی خلقت ہوتی ہو اور وہ حادث ہوں
اور عدم حوادث کا تقرر بھی ازلی ہو تو اس سے قطع حوادث لازم آتا ہے۔
روح المعانی میں ہے :-

والموت علی ما ذهب الیکثیر من اهل السنة صفة وجودیة تضاد الحياة
واستدل علی وجودیته بتعلق الخلق به وهو لا يتعلق بالعدم
لاذلیة الاعداد۔

ترجمہ: جمہور اہل سنت کے نزدیک موت ایک صفت وجودی ہے، جو حیات کے
مقابل ہے اور اس کے وجودی ہونے کا استدلال اس فعل خلق سے متعلق ہونے
سے ہوتا ہے۔ کیونکہ فعل خلق عدمی چیزوں سے متعلق نہیں ہوتا، عدمیات تو ازلی
ہیں۔

امام رازیؒ لکھتے ہیں :-

واختلفوا فی الموت فقال قوم انه عبارة عن هذه الصفة وقال اصحابنا
انه صفة وجودیة مضادة للحياة واحتجوا علی قولهم بانه تعالیٰ قال الذی
خلق الموت والحياة والعدم لا يكون مخلوقاً هذا هو التحقيق۔

والموت عند اصحابنا صفة وجودية مضادة للحياة۔^۱

ترجمہ مفہوم موت پر بہت پہلے سے اختلاف چلا آ رہا ہے، بعض اسے عدم حیات سے تعبیر کرتے ہیں اور ہمارے اصحاب (اہل سنت) اس بات کے قائل ہیں کہ وہ (موت) ایک صفت وجودی ہے جو حیات کے مقابل ہے۔ اکابر اہل سنت کا استدلال اس ارشاد قرآنی سے ہے، "خلق الموت والحياة" کیونکہ عدمیات کے پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تحقیق یہی ہے کہ موت کوئی عدمی صفت نہیں بلکہ ایک صفت وجودی ہے۔

اگر موت عدم کا نام ہو تو خلق کا فعل کس چیز پر واقع ہوگا۔ تفکر و تدبر۔

موت کا وجود حدیث کی روشنی میں

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

يُجْمَعُ اللَّهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ ثُمَّ يُطْعَمُ عَلَيْهِمْ رَبُّ الْعَالَمِينَ

الركاب وقولهم عليه سلام وسلم ويبقى اهل النار فيطرح منهم فيها خرج

فاذا ادخل الله تعالى اهل الجنة الجنة واهل النار النار اتى بالموت

ملبياً فيوقف على السور الذي بين اهل الجنة اهل النار ثم يقال يا اهل

الجنة فيطلعون خائفين ثم يقال يا اهل النار فيطلعون مستبشرين

يرجون الشفاعة فيقال لاهل الجنة ولاهل النار هل تعرفون هذا فيقولون

هو لا وهو لا وقد عرفناه هو الموت الذي وكل بنا فيضع فيه

ذبحا على السور

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو حشر میں ایک جگہ اکٹھا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے کچھ سوال و جواب کریں گے اور نیک لوگ پل کو عبور کر کے جنت میں پہنچ جائیں گے اور اہل جہنم جہنم میں جاگیریں گے۔ پھر موت کو وہاں لایا جائے گا اور اسے اس دیوار پر کھڑا کیا جائے گا جو اہل جنت اور اہل دوزخ کے مابین ہوگی۔ پھر فرمائیں گے دیکھتے ہو یہ کیا ہے؟ وہ جواب دیں گے، وہاں ہم جانتے ہیں یہ موت ہے جو ہم پر طاری ہوئی تھی، اس وقت اسے لٹایا جائے گا اور اسے ذبح کیا جائے گا..... اس کے بعد موت کسی کو نہ آئیگی۔

عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتى بالموت يوم القيمة كانه اطلع فيوقف بين الجنة والنار ثم ينادى مناديا اهل الجنة فيقولون لبيك ربنا قال فيقال هل تعرفون هذا فيقولون نعم ربنا هذا الموت فيذبح كما تذبح الشاة فيأمن هؤلاء وينقطع رجاء هؤلاء وواه ابو يعلى والطبرانی في الاوسط بنحوه والبزار ورجال المعجم غير نافع بن خالد وهو ثقة

ترجمہ: قیامت کے دن کبش امّیج کی صورت میں موت کو لایا جائے گا اور جنت اور جہنم کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور اعلان کیا جائے گا کہ جنت والو دیکھو اسے جانتے ہو، وہ کہیں گے یا اللہ ہم جانتے ہیں یہ موت ہے۔ اس وقت موت ذبح کی جائے گی جیسے کہ بکری ذبح کی جاتی ہے۔

اس حدیث کے تمام راوی نافع بن خالد کے سوا سب صحیح بخاری کے رجال ہیں اور نافع بن خالد بھی ثقہ ہے۔

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ موت یہی نہیں کہ ملک الموت آتے اور روح نکال کر لے جائیں یا نازعات و ناشطات آئیں اور روح نکال لیں۔ صرف یہی ہو تو یہ ایک عادی حقیقت ہے مگر حضور نے خبر دی کہ یہ ایک وجودی شے ہے جو ہر مرنے والے پر وارد ہوئی تھی اور اسے سب اہل جنت

جنت میں اور سب اہل جہنم جہنم میں پہچانتے ہوں گے۔ اگر یہ کوئی وجودی چیز نہیں تو مرنے والوں کو یہ کیا چیز نظر آئی تھی جسے انہوں نے پہچان لیا اور اللہ تعالیٰ نے پھر اسے ذبح کر ڈالا۔ معتزلہ اور کرامیہ مفہوم موت جاہلیت کے اندھیرے میں متعین نہ کرتے اور قرآن و حدیث کی روشنی میں چلتے، تو کبھی نہ کہتے کہ موت صرف اہل الروح عن الجسد کا نام ہے اور کچھ نہیں اور یہ کہ کوئی اور اسکی انواع نہیں ہیں۔

ایک سوال

جب موت ذبح کر دی جائے گی اور نیک و بد، جنت و جہنم میں جا چکے ہوں گے تو یہ جو بعض روایات میں ہے کہ جو گنہگار مسلمان جہنم میں ہوں گے۔ ایک موت ان پر وہاں وارد کی جائے گی۔ تاکہ انہیں نار جہنم کا احساس نہ ہو تو یہ موت کیا اس موت کے علاوہ ہے جو ان پر وارد ہوگی۔ حدیث کے ان الفاظ پر غور کریں۔

اذا دخل الله الموحدين النار ماتم فيها اماتة فاذا اراد ان يخرجهم منها اماتهم العذاب تلك الساعة ۛ

ترجمہ۔ جب اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کو جہنم میں داخل کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں وہاں موت دے دیں گے جب ارادہ فرمائیں گے کہ انہیں آگ سے نکالا جائے تو اس وقت انہیں یہ عذاب چھوٹے گا (اور پھر انہیں جہنم سے نکال دیا جائے گا)۔

(اماتم فیہا) بمعنی انہ یغیب اجسامہم او یقبض ارواحہم لطفاً منہ بمعنی واظہاراً لاثار التوحید ۛ

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ انہیں وہاں موت دے گا اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے جسم وہاں سے غائب ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے ان کی روحیں قبض فرمائیں گے یہ اس لیے کہ ان پر توحید کا اثنا ظاہر ہو (وہ یہ کہ ان پر آگ اثر نہ کرے)۔

یہاں اماتہم کا معنی یہ نہیں کہ ان کی روح ان کے بدن سے نکالی جائے گی۔ یہاں مراد یہ ہے

کہ حق تعالیٰ اُن کے احساس و شعور کو معطل کر دے گا، تاکہ ان کو جہنم کا عذاب محسوس نہ ہو۔
 موت تو ذبح ہو چکی، اب ہیں تو وہ حقیقت میں زندہ۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کی زندگی کے ظاہر آثار
 اور شعور و احساس کو مدک دیں گے۔ یہ بھی ایک قسم کی موت ہے، جسے لسان نبوت نے لفظ موت
 سے تعبیر کیا ہے۔

حقیقت موت

موت ایک وجودی چیز ہے جو کسی جسم پر وارد ہوتی ہے۔ موت کی حقیقت انفکاک روح
 یا ازالہ حیات بتلانا ہمارے دوستوں کو ایک بڑا مغالطہ ہے۔ ازالہ حیات نہ بھی ہو تو موت وارد ہو
 سکتی ہے اور ایانۃ الروح پر بھی (جیسے کہ یہ نام پر وارد ہوتی ہے) تو ضروری نہیں کہ موت ہو جائے
 روح کا ارسال یا بدن کی طرف حرکت یا پھر ہو سکتا ہے۔ کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہمارے دوست
 موت کا معنی ایانۃ الروح عن الجسد یا ازالہ حیات ٹھہرا کر متعزضہ کے ذہن سے موت کو ایک عدوی چیز
 سمجھیں اور قرآن کی نص مجمل جائیں کہ موت کی ایک اپنی خلقت ہے، یہ محض ازالہ حیات کا نام نہیں۔
 خلق الموت والحیاء لیلو کہ ایتکہ احسن جملاً۔ (پاک الملک، آیت ۲)

ترجمہ۔ اس نے پیدا کیا موت کو اور حیات کو۔ تا جا نچے قلم کو تم میں سے کون اچھے
 کام کرتا ہے۔

موت کا عدوی معنی (ازالہ حیات) کرنے میں ایک وقت یہ پیش آئے گی کہ موت کے لیے سبق
 حیات ضروری ہوگا۔ پھر اموات صرف انہیں کہہا جائے گا، جن میں پہلے حیات رہ چکی۔ اس صورت میں
 بشوں کو اموات نہیں کہہا جاسکے گا۔ کیونکہ ان میں پہلے حیات کبھی نہیں رہی۔ پھر لا یمسح کا معنی بھی یہی
 ہوگا کہ جو پہلے سننے تھے اب نہیں سنتے۔ لا یبصر کا معنی یہ ہوگا کہ جو پہلے دیکھتے تھے اب نہیں دیکھتے۔
 پہلے کام آتے تھے اب کچھ نہیں کر سکتے پھر یہ کہنا کیسے درست ہوگا۔

لم یقید مالا یمسح ولا یبصر ولا یفنی عنک شیئاً۔

بُت پرستی کی ابتداء بے شک قبر پرستی سے ہوتی، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ صنم پرستی، حجر پرستی، ستارہ پرستی اور سورج اور چاند کی پرچاندیوں میں ہے اور رہی ہے۔ قرآن کریم ان سب معبودانِ باطلہ کو اموات کہتا ہے۔ اگر مسبوقیت الحیاة (کہ پہلے ان میں حیات رہی ہو) موت کا لازم اقتضاء ہے اور موت کا معنی ہے۔ ازالہ حیات تو خود ہی فرمائیں۔ سورج اور چاند میں، ستاروں اور پتھروں میں پہلے کب زندگی تھی جو ان کو اب اموات کہا جا رہا ہے کہ ان کی زندگی جاتی رہی عجیب علم و دانش ہے کہ موت ازالہ حیات کا نام ہے اور جو ازالہ حیات کے بغیر موت کا اقرار کرے وہ مولانا ناز توڑی بھی ہو تو ہمارا امام نہیں۔ ع بریں عقل و دانش بیاید گر میت

کیف تکفرون بالله وکنتم امواتا فاحیاء (پ البقرہ آیت ۲۸) میں موت کا لفظ حیات کے بالمقابل ہے۔ یہاں موت کے لیے مسبوقیت بالحیاة نہیں ہے اور موت کا معنی یہاں ازالہ حیات کا نہیں، یہاں موت سے مراد عدم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت مجاہد (۱۱۰ھ) سے یہی منقول ہے معلوم ہوا موت کا معنی ازالہ حیات نہیں، صرف عدم حیات ہے۔ اُس تعریف پر معتزلہ کی تائید ہوتی ہے۔ صحیح یہی ہے کہ موت ایک وجودی چیز ہے۔ ازالہ حیات اس کے لیے ضروری نہیں اسی طرح اعادہ روح سے بھی ازالہ ہم تو ضروری نہیں۔ ان هذه الاعادة ليت مستلزما لامبات حياة مزيلة لاسم الموت بل هي نوع حياة برزخية۔

آنحضرتؐ کی موت طیبہ

آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا عنوان تو آپؐ نے بار بار سنا ہوگا۔ آج مستطیبہ کا عنوان بھی دیکھ لیجئے۔ طیب کا لفظ جس طرح آپؐ کی حیات کے لیے ہے، اسی طرح یہ اطلاق آپؐ کی موت کے لیے بھی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آپؐ کی وفات پر ان محمداً اقدامات کا اعلان کرنے سے پہلے موت طیبہ کی آواز لگا دی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے

حضرت کے جسد اطہر کو پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا :-

طیبت حیا و میتا۔ (آپ کی حیات بھی طیب اور موت بھی طیب)

جس طرح آپ کے بدن اطہر سے زندگی میں خوشبو نکلتی تھی، موت پر بھی وہ جسد اطہر اسی طرح خوشبو دے رہا ہے۔ عروض موت نے آپ کی حیات کو صرف زیر پردہ کیا ہے۔ آثار حیات آپ سے منتقلی نہ ہوں گے۔ بدن اسی طرح نرم اور تندرست تازہ رہے گا۔ اس میں غمہ کیا جاتے تو ماننا پڑتا ہے کہ یہ موت کوئی اور قسم کی ہے اور موت میں اختلاف نوع کا تصور کوئی کفر نہیں ہے کہ اس کی مخالفت کو اشاعت توحید کا نام دیا جائے۔

یہ موت طیبہ کیسی تھی یا کیسی نہیں۔ اس بحث میں ہم نہ پڑیں اور انک میت وانہم میتون کی روشنی میں اتنا عقیدہ رکھیں کہ آپ پر موت وارد ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر موت کا وعدہ پورا ہوا۔ لیکن یہ موت کچھ اس قسم کی تھی کہ نہ صرف کچھ آثار حیات باقی رہے۔ بلکہ بعض اثرات ظاہری بھی قائم اور باقی رہے تو ہم نہیں سمجھتے کہ اس سے اسلام کا کون سا ستون ہے جو گرتا ہے اور کون سی شریعت ہے جو بگڑتی ہے۔ موت کا صحیح اقرار تو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بھی کرتے ہیں اور اگر وہ اسے ساتھ حیات کہتے ہیں اور اس کے کچھ اثرات حیات ہم سب تسلیم کرتے ہیں تو پھر ان جزئیات میں الجھنا اور انہیں جنگ کے میدان بنانا کیا کھلی نادانی نہیں۔

اثرات حیات جو اجماعاً مسلم رہے

موت کا ایک مترشح اور مترج اثر یہ ہے کہ میت کسی چیز کی مالک نہیں رہتی۔ اس کے بعد اموال اس کی ملک سے نکل جاتے ہیں۔ حضرت کے اموال آپ کی ملک پر باقی رہے اور آپ کی ملک سے نہ نکلے۔ محدثین نے اپنی کتابوں میں اس مضمون کے باب باندھے ہیں :-
 بادیاکان مالہ بعد موتہ قائماً علی نفقۃ مملکہ۔

دوسرے لوگوں کے لیے باب یہ بندھا ہے۔

ترجمہ جب آدمی سر جائے تو اس کے مال پر اس کا ملک نہیں رہتا۔
 امام بخاری کتاب النفائض میں حضرت ابو ہریرہؓ سے حدیث لائے ہیں:-
 لا تقسم ورثتی دیناراً ما ترکک بعد نفقة نسائی ومؤنة عاملی فهو صدقة۔
 ترجمہ میرے وارث مال آپس میں تقسیم نہ کریں گے اپنی بیویوں کے نفقہ اور اپنے عامل کی
 مزدوری کے بعد میں جو کچھ چھوڑوں وہ صدقہ ہے۔

① ائمہات المؤمنینؓ کا خرچہ تو ساہا سال تک چلنے والی بات ہے۔ آپ کے اموال بعد وفات
 بھی آپ کی ملکیت میں رہیں اور آپ کی طرف سے آپ کی ازواج اپنا خرچہ حاصل کریں اور آپ کے
 عامل اس سے اپنی اجرت لیں تو یہ آپ کے اموال کا آپ کی ملک میں باقی رہنا بتاتا ہے کہ اثبات
 حیات میں سے یہ اثر باقی ہے کہ آپ کے اموال آپ کی ملک میں رہے۔

② فوت شدہ کی بیوی تا انعقائے مدت متوفی کے مال میں حقدار ہے اس کے بعد نہیں پھر
 اس کا خرچہ اس کے والدین دیں یا اس کے بیٹے، اب یہ مرحوم خاوند کے ذمہ نہیں۔ حضورؐ کی ازواج
 کے لیے یہ مدت نہیں۔ وہ تازہ زندگی حضورؐ کے اموال میں حقدار ہیں۔ یہ بھی تمبی ہو سکتا ہے کہ حضورؐ کے
 اموال آپ کی ملک پر باقی رہیں۔

③ موت کا وقت اور موت کے بعد کا وقت میت کے حق میں وصیت کے باب میں برابر ہے
 اسے اپنے مال میں کوئی حق باقی نہیں رہتا۔ حضرت مصعب بن سعدؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں:-
 میں بیمار تھا، میں نے حضورؐ کے پاس کسی کو بھیجا کہ کیا میں اپنے کل مال کی وصیت
 کر سکتا ہوں جہاں چاہوں۔ آپؐ نے اس پر نہ کہی۔ میں نے کہا نصف کی وصیت کر لیا
 آپؐ نے اس پر بھی انکار فرمایا۔ پھر میں نے ثلث (ستہائی) کے لیے کہا، آپؐ
 اس پر خاموش رہے۔

لیجئے فوت ہونے والا خود اپنے مال کے نصف حصے کا مالک نہیں رہا، اسے اس کے وارث لیں گے۔ یہ مال گویا اب اس کی ملک میں نہیں رہا۔

مرضت فارسلت الی النبی فقلت دعنی اقسام مالی حیث شئت فابی
قلت فالنصف فابی بلہ

اُدھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے، انہیں وایج مطہرات کے خرچہ اور غلام کی اجرت کے بعد بڑے اچھے اسی صدقہ فرادینے کے حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اموال اس حالت کے باوجود آپ کی ملک سے نہیں نکلے۔

عام انسان ایسے وقت میں اپنے مال سے بے تعلق ہو جاتا ہے یہ کیوں؟ بلکہ موت کے موت تمام علائق دنیوی کو ختم کر دیتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے املاک باوجود وفات اُن کی ملک میں ہیں اور آپ اس سے اپنے اخراجات جاری رکھنے کا حکم دیتے ہیں۔ تو اگر مختلف مسائل پر اتنی بات کہہ دی جائے کہ آپ کی موت طبیعہ عام انسانوں سے کچھ مختلف تھی اور اس میں موت کا انکار بھی نہ ہو تو محض اتنی بات سے اپنے اسلاف کا استہزاء اور اپنے عوام کی تشغیب ہم نہیں سمجھتے۔ اسلام کی کون سی خدمت ہے اور کس پہلو سے اسے ایک نیکی سمجھا جا رہا ہے۔

موت کے بارے میں اہل دانش بہت کچھ کہہ چکے اور کہتے رہیں گے۔ موت کی حقیقت پر اہل تحقیق نے بہت گرد پیمائی کی ہے۔ بات کو الجھانے سے بچانا ہتھوڑوں سمجھئے۔ موت ایک ایسی صفت ہے جو صفت حیات کے تغیر پر بدن کو لاحق ہوتی ہے۔ اگر صفت حیات اپنے موصوف کے حق میں صفت عرضی ہے تو اس کے زوال پر صفت کا وُرد ہوتا ہے اور اگر صفت حیات اپنے موصوف کے حق میں ذاتی ہو تو پھر دو صورتوں سے خالی نہیں، قابل تغیر ہے (جس کا پتہ ہمیں اس سے چل سکتا ہے کہ اس کی کیفیت میں پہلے بھی کمی ظہور و خفا کا انقلاب آیا ہو) یا ناقابل تغیر۔ اگر قابل تغیر ہے تو پھر صفت حیات کے معرض خفایں آنے یا ستور ہونے پر یہ صفت موت بدن کو لاحق

ہوگی اور اگر ناقابل تغیر ہے تو پھر اس پر درودِ موت محال ہے۔ پھر وہ حیات دائمہ اذلیہ ہے۔
واللہ اعلم بالصواب۔

اتنی تدقیق میں جانے کی ضرورت نہیں جبکہ اہل سنت مفہومِ موت کی اس گہرائی میں نہیں گئے۔ ایسی حیات ذاتی جس کی کیفیات ظہور و خفا میں قابل تغیر ہوں اور اس کی ذاتیت بھی اضافی ہو، اذلی نہ ہو۔ اس کا مرتبہ و مصداق پوری کائنات میں ایک ہی ذات ہے جو باعثِ تکوینِ عالم اور خلائے کائنات ہے۔ اس لیے برسانیت کی دنیا میں مفہومِ موت کا یہ پہلو اتنا شائع و ذائع نہ ہو سکا۔ اگر موت کو اسی عام معنی میں لیا جائے کہ موت روح کے بدن سے جدا ہونے کو کہتے ہیں تو عوامی سطح پر اسے قبول کرنے میں بھی کوئی ممانعت نہیں۔

اس تفصیل سے ہمارا مدعا یہ ہے کہ ان باریک حقائق میں الجھنا اور خواہ مخواہ کسی ایک پہلو کو معرکہ بحث بنانا، کوئی ایسی بات نہیں، جس پر نجات کا یا کم از کم مسئلہ حیاتِ الٰہی کے ثبوت یا عدم ثبوت کا مدار ہو۔ موت کو اگر اسی عام معنی میں لے لیا جائے، جو جہور کی رائے ہے تو بھی مسئلہ زیر بحث میں مقصودِ کلام قطعاً متاثر نہ ہوگا۔ ہاں یہ پیش نظر ہے کہ روح کے بدن میں مقید رہنے کا نام ہی حیات نہیں۔ روح بدن سے نکل جاتے، لیکن اس کا کوئی خاص تعلق یا اثر بدن کے ساتھ قائم رہے تو بایں صورت بھی بدن کو صفتِ حیات حاصل رہے گی۔ محقق ابن ہمام کے بیان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہاں روح اور حیات میں ملازمہ نہیں، تاثر و تعلق بھی وجودِ حیات کے لیے کافی ہے۔ بہن فقہ اکبر میں جو یہ جزئیہ داخل عقائد ہے کہ :-

اعادة الروح الى العبد حق۔^{۱۷}

ترجمہ: بندے کی طرف (قبر میں) روح کا لوٹا یا جانا برحق ہے۔

ممکن ہے اس میں حرف ”الٰہی“ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہو کہ روح کو بدن میں لوٹانا ضروری نہیں۔ بدن کی طرف لوٹنا ہی اس حیات فی القبر کے لیے کافی ہے جس پر سوالِ نکیرین

اور ازاں بعد ادراکِ اَلْمِ وَلَذَاتِ کے احکام مرتب ہو سکیں۔
واللہ اعلم بالصواب وعلیہ اتم و احکم فی کل باب۔

موت کا شرعی مفہوم

یاد رکھئے موت فنائے محض کا نام نہیں، وہ اختلافِ دارین کے تحقق کا نام ہے کہ انسان اس
عالمِ دنیا سے دوسرے عالم میں چلا جائے، علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:۔
الموت لیس بعدم انما هو انتقال من دار الی دار
ترجمہ: موت ایک عرصی چیز نہیں، بلکہ وہ تو ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل
ہو جانے کا نام ہے۔

لیس بعدم محض ولا قناع صرف۔

ترجمہ: موت ہرگز عدم محض اور فنائے خالص کا نام نہیں۔
حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ کے الفاظ میں: ”ایک لباس اتار کر دوسرا لباس پہننے“
کا نام موت ہے۔

موت کیا ہے یہ راز کھل ہی گیا! زندگی اک رُخ بدلتی ہے

اس کنارے سے اُس کنارے تک جیسے اک موج جابھکتی ہے

جاننا چاہیئے کہ کفارِ عرب کی طرح موت کے متعلق قرآنِ عزیز کا نظریہ فنائے کامل کا نہیں
انبیاء و صلحاء تو درکنار کل بنی آدم ذائقہ موت چکھنے کے بعد پھر اپنی اجسامِ عنصریہ کے ساتھ زندہ کئے
جائیں گے۔ اگر آخرت میں یہ جسمانی زندگی محلِ استبعاد نہیں تو اگر اللہ تعالیٰ بعض نفوسِ قدسیہ کو
عالمِ برنخ ہی میں یہ جسمانی زندگی عطا فرمادیں تو اس میں کون سا استبعاد ہے۔ اگر آپ کی عقل اس
کا ادراک نہیں کر سکتی تو عالمِ آخرت کی عنصری حیات کا ادراک بھی تو کوئی کم کٹھن منزل نہیں، وہ

کیسے ہوگا۔ فتنکروا یا ادلی الالبصار۔

قرآن عزیز کہتا ہے :-

وقالوا اذا كنا عظاما ورفلائا انا لمبعوثون خلقا جديدا قل كونا
حجارة او حديد او خلقا متايبكرفه صدوركم ۚ فسيقولون
من يعيدنا قل الذي فطركم اول مرة ۚ (پ ۱۵ بنی اسرائیل)

ترجمہ۔ اور کہتے ہیں کہ جب ہم ہڈیاں اور چوڑا پتھرا ہو جائیں گے، کیا پھر نئے سرے سے
بن کر اٹھیں گے؟ آپ کہہ دیجئے کہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا یا کوئی اور خلقت، جس کو
تم اپنے دلوں میں مشکل سمجھ لو۔ پھر پوچھیں گے، کون ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا؟ فرما
دیجئے، جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا۔

پھر فرمایا :-

كنا بد انا اول خلق نعیده وعدا علینا انا كنا فاعلین۔

(پ ۱۶ انبیاء)۔

ترجمہ۔ جیسے ہم نے پہلے بنایا تھا، اسی طرح پھر اس کو کوٹائیں گے، ہمارا ضرور
وعدہ ہے، ہمیں پورا کرنا ہے۔

جن ذرات کو مٹی کھا چکی، وہ کہاں سے آئیں گے؟ فرمایا :-

قد علمنا ما تنقص الارض منهم و عندنا كتابٌ حفیظٌ (پ ۱۷ ق)

ترجمہ۔ ہمیں معلوم ہے جو زمیں کھا رہی ہے اُن میں سے، اور ہمارے پاس پورا
ریکارڈ محفوظ ہے۔

پھر ارشاد ہے :-

من یحی العظام وہی رمیم ۚ قل یحییہا الذی انشا ما اول مرة وہو بکل

خلق علیم ۚ (پ ۱۸ یسین)

ترجمہ۔ کون ان ہڈیوں کو ریزہ ریزہ ہونے کے بعد پھر زندہ کر دے گا؟ —

آپ فرمادیتے، وہی انہیں دوبارہ زندہ کر دے گا۔ جس نے انہیں پہلی بار بنایا تھا اور وہ سب بنانا جانتا ہے۔

کفار و مشرکین کو حیرت مٹی کہ ہڈیوں کے ریزہ ریزہ ہونے کے بعد پھر حیاتِ انسانی کیسے ان قدروں میں عود کر آئے گی؟ رب العزت نے فرمایا، یہ ریزے اور چوڑا تو بہر حال انسانی لاش ہے، جس میں بیشتر زندگی رہ چکی ہے اور خود مٹی کے ذرات میں بھی آثارِ حیات کا پیدا ہونا چنداں مستبعد نہیں۔ میں اس سے بڑھ کر تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ ہڈیوں کا چھرا نہیں اگر ممکن ہے تو پتھر میں تبدیل ہو جاؤ یا لوہا بن جاؤ، جو آثارِ حیات قبول کرنے کی بظاہر صلاحیت نہیں رکھتے، بلکہ ان سے بھی کوئی زیادہ سخت چیز جس کا زندہ ہونا تمہیں لوہے اور پتھروں سے بھی زیادہ مشکل نظر آئے، بن کر دیکھ لو۔ حتیٰ کہ موتِ محرم بھی بن جاؤ، تو اس قادرِ مطلق کے لیے تمہیں پھر اسی جبرِ غفری سے زندہ کر دینا کوئی مشکل نہیں۔

ایک سوال

یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں جہاں جہاں بھی حشرِ آخرت کا ذکر ملتا ہے، وہاں ہڈیوں کے چورے اور قذراتِ منتشرہ کو پھر سے جمع کرنے اور زندہ کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ جہاں اعمال ہے، وہاں بھی یہ مفہوم منطوقی ہے، گویا کہ حشرِ آخرت کے لیے زمین یہی ہے کہ ریزہ ریزہ ہڈیاں اور قذراتِ منتشرہ پھر سے اٹھائے جائیں۔ پس جب اس دن انبیاء بھی اٹھائے جائیں گے، تو ان کی یہ بعثت قذراتِ منتشرہ اور غلامِ ریم سے کیوں نہ ہوگی۔ حدیث شریف کے اس مضمون سے کہ زمین پر حرام ہے کہ انبیاء کے جہوں کو مٹی بنائے، ان کا احبابِ عالم سے اٹھایا جانا، کیا قرآن پاک کے ان مضامین کے خلاف نہیں، جہاں ”حشرِ آخرت“ ہڈیوں کے چورے اور قذراتِ منتشرہ پر مبنی ہے؟

اگر انبیاء اس عموم سے مستثنیٰ ہیں تو کیا اس تخصیص کے لیے اتنے درجے کی قوی دلیل موجود ہے جتنے درجے کی قوی اصل یہ ہے کہ حشرِ آفت، ذراتِ منتشر اور عظامِ مریم سے ہوگا۔

جو اباعرض ہے کہ انبیاء کے اجساد مٹی نہیں ہوتے۔ اس کی شہادت قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام ایک بستی پر سے گزرے جو پتھروں پر گری پڑی تھی۔ آپ کے دل میں آیا، اللہ تعالیٰ اس بستی کو پھر سے کیسے اٹھائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اور ان کی سواری پر موت طاری کر دی اور سو سال اسی حال میں گزر گئے۔ ان کا گدھا مٹی میں بڑی بڑی ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پھر سے اٹھایا اور فرمایا :-

وَانْظُرْ إِلَى حِمَارِكَ وَلْنَجْعَلَ آيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشُرُهَا
ثُمَّ نَكْسُوها لَحْمًا. (پ البقرہ ع ۲۴)

ترجمہ۔ اور تو دیکھ اپنے گدھے کو اور تاہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشان بنائیں اور تو (گدھے کی) ان ہڈیوں کی طرف دیکھ کس طرح ہم انہیں اُبھار کر جوڑتے ہیں اور انہیں گوشت پہناتے ہیں۔ پھر جب اس پر یہ حال ظاہر ہو گیا تو اُس نے کہا مجھے معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

دیکھئے گدھے کا جسم تو ریزہ ریزہ ہو گیا، مگر حضرت عزیر علیہ السلام پر سو سال کی موت نیند جیسی تھی۔ ان کا بدن پوری طرح محفوظ رہا۔ اللہ نے حرام کر دیا کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے فوت شدہ پڑے رہنے کے لیے قرآن کریم نے لبثت (آپ رہے) کے الفاظ اختیار کئے ہیں اور اصحابِ کہف کے سوئے پڑے رہنے کو بھی قرآن کریم نے وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ (پا الکہف ع ۴) سے تعبیر کیا ہے جس طرح سوئے ہوئے اصحابِ کہف کو پتہ نہیں چلا کہ وہ کتنا عرصہ سوئے رہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو بھی پتہ نہ چلا کہ وہ کتنا عرصہ اس حال میں پڑے رہے۔ یہ صورت حال سے بے خبری نہ یہاں عدم حیات کی دلیل ہے اور نہ وہاں۔

تاہم یہ بات واضح ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کا جسد محفوظ رہا اور گدھے کی لاش ریتہ ریتہ ہو گئی۔ حضرت عزیر علیہ السلام کی موت گویا ایک نیند تھی جو ان پر سو سال تک وارد رہی۔ اس دوران وہ اپنی چھٹی زندگی کو نہ پاسکے جس طرح اصحاب کہف کو اپنی زندگی کا کچھ پتہ نہ رہا۔ حالانکہ وہ طبعاً زندہ تھے۔ کھانا پینا یہاں زندگی کا نشان ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کا کھانا نہ سڑا، نہ باسی ہوا۔ کھانے میں زندگی رہی تو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے کھانے والے کو بھی کوئی نفعی حیات دے رکھی ہو۔ جس کا انہیں خود بھی پتہ نہ ملے ہو۔ انبیاء کا بنیہ جنت کی مٹی سے ہوتا ہے اور یہاں کی مٹی جنت کی مٹی پر غالب نہیں آسکتی۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے اس واقعہ میں اس بات پر قوی شہادت موجود ہے انبیاء کے اجساد مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوتے۔ وہ مٹی سے ملے تو ہیں مگر مٹی نہیں ہوتے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام وفات کے بعد مدتوں لافنی کے سہارے کھڑے رہے، جب لافنی کو کیرا لگ گیا اور وہ ٹوٹ گئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسد زمین پر آگرا۔ اسے کیرا کیوں لگا؟ اس لیے کہ یہ اللہ کے نبی تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر حرام کر رکھا ہے کہ نبیوں کے اجساد کو کھائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گرنے سے اُنکی ہڈی تک نہ کسکھنائی، نہ ٹوٹی۔ خشک اور سُکھی ہڈی گرنے سے ٹوٹ جاتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسد مبارک نرم اور تروتازہ رہا۔ اس دنیا کے موسمی اثرات اس پر نہ اُترنے پاتے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کی روح مبارک کے آثار باقیہ اب تک جسد کو محیط تھے فقہاء لکھتے ہیں حضور کا جسد اطہر قبر مبارک میں آج بھی اس طرح تروتازہ اور نرم ہے جیسے کہ اس کو رکھا گیا تھا۔

فَلَا خَرَّتْ بَنَاتُ الْجَنَّةِ انْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ

المہین۔ (پ: السبا، ج ۲)

ترجمہ۔ پھر جب وہ زمین پر آگرا، تو جنوں کو پتہ چل گیا کہ اگر وہ غیب جانتے تو کیوں اتنی کڑی محنت میں لگے رہتے۔

اس میں اشارہ ہے کہ نبی کے اعمال اس کی وفات کے بعد بھی جاری رہتے ہیں جن کے اعمال جاری رہیں، اُن کی موت ایک پردہ ہے۔ اللہ کے قرب میں مزید بڑھنے کا سامان انہیں اب بھی مل رہا ہے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:-

سلیمان علیہ السلام پر زندگی میں جو اعمال ہوئے تھے یہ اس کی تکمیل ہوئی کہ موت کے بعد بھی ایک ضروری مدت تک انہیں باقی رکھا گیا۔

حشر کے دن انبیاء کا اٹھایا جانا اسی طرح کا ہوگا، جس طرح حضرت عزیر علیہ السلام اٹھائے گئے کہ بدن بھی محفوظ اور اس میں زندگی کے آثار لطیف بھی جنہیں یہاں کے رہنے والے محسوس نہ کر پائیں موجود۔۔۔ جب اُن سے برزخ کا پردہ اٹھے گا تو وہ کھلی زندگی میں سامنے آجائیں گے یہی اُن کا حشر ہے اور وہ اُٹھ کھڑے ہوں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کرام کو آخرت میں دوبارہ لباسِ حیات پہنانے کی ضرورت ہی نہیں۔ عامۃ الناس کو جو زندگی اور کامل حیات مغربی اُس دن ملے گی، وہ انبیاء کرام کو پہلے ہی سے عالم برزخ میں حاصل ہے، صرف یہ ہے کہ وہ اوروں سے پردے میں ہے۔ اور وہ اپنی قبور میں ہی اس حیات بعد الوفات پر فائز کر دیئے جاتے ہیں۔ اُس دن تو انہیں صرف اپنی اپنی قبور سے نکلنا ہی ہوگا۔ اور اُن کا عالم برزخ اچانک عالمِ آخرت میں بدل جائے گا۔ اور اب یہ ایک کھلی اور محسوس زندگی ہوگی۔ قدرتِ ایزدی سے اُن کی قبورِ شریفہ شق ہوں گی۔ بخلاف عامۃ الناس کے کہ وہ خود نکلنے کی حالت میں نہیں ہوں گے۔ بلکہ انہیں قدرتِ ایزدی سے روح و جسد میں جمع کیا جائے گا، اور اسی دن واذا النفوس زوجت کی شان ظاہر ہوگی۔ اس کے برعکس انبیاء کرام کے قیامت کے دن زندہ کئے جانے کا ثبوت کسی روایت سے نہیں ملتا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا:-

اَنَا اَوَّلُ النَّاسِ خُرُوجًا اِذَا بَعُثُوا۔

ترجمہ: جب لوگ حشر کے دن اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے قبر سے نکلنے والے میں ہوں گا۔

اس تحقیق و تنقیح کی جوں جوں ضرورت بڑھتی گئی، محدثین کے قواعد و ضوابط مدقون ہوتے چلے گئے۔ راویوں کے حالات سے بھی اور محدثین کی تصحیح سے بھی روایات کے صحیح و سقیم ہونے پتہ چلتا رہا۔ تحقیق روایت کی یہ دو ہی راہیں ہیں۔

یہ بات کافی نہیں کہ کسی سلسلہ روایت میں جب کوئی ایسا راوی ملے، جس پر کسی نے جرح کی ہو، تو یکسر اس روایت کو چھوڑ دیں۔ بلکہ دیکھا جائے گا کہ تعدیل کرنے والے کون کون اور کتنے ہیں اور جرح کرنے والے کون کون اور کتنے ہیں۔ جرح مدلل ہے یا غیر مدلل اور محدثین کے نزدیک مقبول ہے یا مردود۔ عرض شکہ یہ ایک مستقل فن ہے، جس تک رسائی بغیر فنی مہارت کے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ عوام کو تو یہاں بھی اکابر فن کی تعلیم سے چارہ نہیں ملتی تنقیحات اور فنی مباحث میں عام لوگوں کو کوئی جرح یاد کر دینا اور پھر ائمہ فن سے استعنا برتنے کی آہیاری کرنا، عام کہتے رہنا کہ اہل سنت کے پاس اپنے مسلک کی حمایت میں صرف منکر اور ضعیف قسم کی ہی روایات ہیں۔ اگر تشغیب العوام نہیں تو اہل کمال کیلئے؟ اگر یہ روایات کلیۃً اور قطعاً لائق رد ہوتیں تو محدثین انہیں روایت کیوں کرتے؟ آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ یہاں عوام کو مغالطہ دینے اور تعصب و تحریب کا شکار کرنے کے لیے کافی گنجائش ہے۔ جہاں انکار مطلب ہوا، کسی راوی پر اپنی اشارہ جرح بھی معاف نہ ہونے دیا اور جہاں خود ضرورت درپیش ہوئی، وہاں تصحیح محدثین کا سہارا لے لیا۔ خالی اللہ المشتکی۔

جہاں صحیح مسلم اور ابوداؤد تک کی احادیث، موضوع روایات، کے تحت درج کی جا رہی ہوں اور اس مکتب فکر کے حدیث پڑھنے پڑھانے والے علما تک کا یہی حال ہو تو اس سے چارہ نہیں کہ اس انداز فکر پر خون کے آئینہ بہائے جائیں۔

طبع علی کدر و انت شریدا

صنوا من الاقدار والا کدار

ایسے پرخطر دور ہیں، جب کہ احترام سلف اور فکر آخرت کا دائرہ سمٹتا چلا جا رہا ہے، جہاں یہ امر ضروری ہے کہ ملک و ملت کی مہمات میں تعمیری اور فروعی اختلافات میں نہ الجھا جائے

وہاں اس ضرورت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ دینی طبقوں میں جہاں بھی "اعتماد علی السلف" کے خلاف کوئی چٹکاری سگلتی نظر آئے، اسے اول و حلہ ہی میں بھجادیئے کی پوری جدوجہد کی جائے۔ بیرونی حملے کے وقت بھی تو اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ اندرونی آتشزدگی کہیں خرمین حیات کو جلا نہ دے۔
ہاں اگر طریق اختلاف ایسا ہو، جس میں اکابر کے خلاف جذباتِ تنفر نہ پیدا ہوں تو پھر یہ اختلاف رائے برداشت کر کے اصولی مسائل میں سب ایک چشمہ استحداد سے سیراب ہو سکتے ہیں، بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ یہ اختلافات نفوذاتِ محققین کا مقام پالیں۔

اس سے انکار نہیں کہ نظریاتی مسائل میں اختلاف رائے ہو سکتا ہے، لیکن اگر بعض اکابر سے اختلاف ہو تو بعض دوسرے اکابر کی تائید کے ساتھ۔ اور اس امر کی وضاحت کے ساتھ کہ موقف قطعی نہیں، اجتہادی رائے ہے، آخر جانب مخالف بھی احتمالِ صواب سے خالی نہیں۔
الغرض ہر شے اپنے محل پر ہے تو اختلاف کے باوجود نزاع کی صورتیں پیدا نہیں ہوتیں۔
قرآن سے استدلال کرتے اختلاف پیدا ہو تو فیصلہ سنت پر آٹھرتا ہے۔ دو مختلف حدیثیں مری ہوں تو صحابہ کرام کا عمل فیصلہ کن قرار پاتا ہے۔ حضرت علیؑ کی نصیحت آپؐ پہلے پڑھ آتے ہیں حضرت عمرؓ کی نصیحت بھی اس باب میں یہی ہے۔

عن عثمانہ قال سیاتی فاس یجدونکم بشہات القرآن فخذوہم بالسنن

فان اصحاب السنن اعلم بکتاب اللہ رواہ الدارقانی (کنز العمال جلد ۱۸ ص ۱۰۸)

ترجمہ۔ ایسے لوگ بھی آئیں گے جو تم سے متشابہاتِ قرآن سے استدلال کرتے جھگڑیں گے تم ان کا سامنا سنت کرنا اصحاب السنن سے زیادہ قرآن کو جانتے والا کون ہو سکتا ہے۔

اس رسالہ ہدایت مقالہ میں اس آفتابِ رشد و ہدایت کے زندہ جلوسے کے کامیابان ہیں جس کے نور و عرفان نے لاتعداد ذروں کو غیرتِ خود شید بنا دیا تھا اور جس کی تابانی آج بھی بھٹکتی مخلوق کو چشمہ ہدایت سے سیراب کر رہی ہے۔ ان ارید الاصلاح و ما تو فی فی اللہ علیہ توکلت والیہ اذیب

خالد محمد عفا اللہ عنہ

تمہید

الحمد لله الكبير القادر على جميع الممكنات المرید لجميع الکائنات والصلوة والسلام على جميع الهداة بالتزین والبیّنات الذین هم احياء في قبورهم بعد الممات خصرصاً على خاتم الرسل و افضل المخلوقات سيدنا و مولانا محمد النبي الذي هو حي في روضة من رياض الجنات وعلى آله واصحابه واتباعه الذین يقتبسون من نور حیاتہ فی الحیات و بعد الوفاة اما بعد :

عالم برزخ کے حالات پر ایک ایسا پردہ پڑا ہے، جو از خود اٹھایا نہیں جاسکتا۔
قرآن کریم نے عالم دنیا اور عالم آخرت کی تفصیلات نہایت پیش کی ہیں، لیکن درمیانی منزل
عالم برزخ ————— پر اجمال و اشارت ہی کی مصمت کار فرما ہے۔ برزخ ایک ایسا پردہ
نقا ہے کہ وہاں کے حالات عامۃ الناس کی آنکھوں سے ادھیل ہیں۔ عالم آخرت کا جتنا حصہ اس
پردہ نقا میں ہے، اُسے ہی عالم برزخ کہا جاتا ہے، اس کی انتہا قیامت پر ہے۔

ومن وراءهم برزخ الی یوم یبعثون۔ (پ، مومنون)

ترجمہ۔ اور ان کے پیچھے قیامت کے دن تک ایک پردہ ہے۔

انسان اُس عالم میں پہنچ کر دنیا والوں سے پردہ میں ہو جاتا ہے اور آخرت بھی ابھی پوری
طرح سامنے نہیں آئی ہوتی۔ صرف اس کا تھڑا سا نمونہ سامنے رہتا ہے۔ باقی پردہ ہی پردہ
ہے، جو نہ ہٹتا ہے، نہ پھٹتا ہے۔

ہاں انبیاء کرام اور اولیاء عظام نے اس کائنات کے اسرار و رموز کا بارہا مشاہدہ کیا ہے
اور رب العزت نے کئی دفعہ اس عالم کو ان پر منکشف فرمایا۔

ظاہر ہے کہ گاہے گاہے یہ کھجکیاں اور انکشافات کے یہ پرتو اس مادی کے نامکشف

ماحول میں عالم برزخ کے روابط و ضوابط کی جملہ کڑیاں نہیں ملا سکتے ہیں ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ آنحضرتؐ نے جو کچھ فرمادیا، اُس پر یقین رکھیں اور برزخ کا جو پہلو معرضِ خفا میں ہے، اُس میں قیاسات کے گھڑے نہ دوڑائیں اور مافوقِ العقل کو خلافِ عقل قیاس کستے ہوئے منقولاتِ صحیحہ کے انکار کے ورپے نہ ہوں۔

حیاتِ انسانی کے چار دور

عالمِ ارواح

یہ وہ جہان ہے جہاں رُوحیں رہتی ہیں اور پھر باری باری اس جہان میں کسی بدن سے متعلق ہو کر آتی ہیں۔ سب رُوحوں کی ایک ہی دفعہ تخلیق ہو چکی ہے۔ جب کسی کی باری اُجھاتی ہے، وہ روح کسی جسم میں آکر یہاں جلد پیرا ہوتی ہے۔

انسان کی یہ وہ پہلی زندگی ہے جس میں جملہ بنی نوعِ انسان سے عہدِ اُست لیا گیا تھا۔ قرآن پاک میں اس کی شہادت موجود ہے۔

وَأَشْهِدُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ ۖ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۖ شَهِدْنَا ۚ اذْ قَوْلُوا

يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غٰفِلِينَ ۝ (پ، الاعراف، ع ۲۲)

ترجمہ۔ اور انہوں نے اُن سے اُن کی جانوں پر اقرار کرایا۔ کیا میں تمہارا رب۔ سب نے کہا کیوں نہیں۔ ہم اقرار کرتے ہیں، کہیں کہنے لگو قیامت کے دن، ہم کو تو اِس کی خبر نہ تھی۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:-

ضروری تھا کہ یہ تنظیمِ ہدایت جسے کل اسلامی تعلیمات کا مبداء و منہجی اور تمام ہدایتِ ربانیہ کا وجودِ مجمل کہنا چاہیے۔ عام فیاضی کے ساتھ نوعِ انسانی کے تمام افراد میں

بکھیر دیا جائے تاکہ ہر آدمی عقل و فہم اور مدی و الہام کی آبیاری سے اس شخص کو
 شجر توحید و ایمان کے درجہ تک پہنچا سکے۔ اگر قدرت کی طرف سے قلوب بنی آدم
 میں ابتداء یہ تخم ریزی نہ ہوتی اور اس سب سے زیادہ اساسی وجوہی عقدہ کا
 حل ناخن عقل و فکر کے سپرد کر دیا جاتا، تو یقیناً یہ سلسلہ بھی منطقی استدلال کی بھول
 بھلیاں میں پھنس کر ایک نظری سلسلہ بن کر رہ جاتا جس پر سب تو کیا، اکثر آدمی بھی
 متفق نہ ہو سکتے۔۔۔۔۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم
 کی پشت سے اُن کی اولاد اور اُن سے اُن کی اولاد نکالی، سب سے اقرار کر دیا،
 اپنی خدائی کا، پھر پشت میں داخل کیا۔

پھر یہی نہیں، اللہ تعالیٰ نے اس عالم ارواح میں تمام اولاد آدم کو خبر دی کہ اُن کے پاس اس
 تخم کی آبیاری کے لیے میرے پیغمبر آتے رہیں گے۔

یا بنی آدم! ما یا تیکم رسول منکم یقتضون علیکم ایاتی۔

(پ، الاعراف: ع ۴)

ترجمہ۔ اے اولاد آدم! اگر آئیں تمہارے پاس رسول تم اولاد آدم میں سے ہی
 سنائیں تم کو آیات میری، تو جو کوئی ڈرے اور نیکی اختیار کرے تو نہ خوف ہوگا،
 اُن پر اور نہ غمگین ہوں گے۔
 شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں۔

ابن جریر (۲۱۰ھ) نے ابویسار سلمیٰ سے نقل کیا ہے کہ یہ خطاب یا بنی آدم اما
 یا تیکم کل اولاد آدم کو عالم ارواح میں ہوا تھا۔

احادیث میں بھی اس عالم ارواح کا ذکر ملتا ہے۔ اس دور کی انتہا والدہ کے پیٹ میں ہوتی
 ہے جب روح جسد جنین میں داخل ہوتی ہے۔ یہ چند ماہ کی مدت نہ عالم ارواح میں ہے نہ دنیا میں۔

یہ عالم ارواح اور دنیا کا بدن ہے جو پیدائش پر ختم ہو جاتا ہے اور نولود کی دنیا شروع ہو جاتی ہے۔

عالم ارواح کو اسی لیے عالم ارواح کہتے ہیں کہ اس کے سوا انسانی زندگی کے جتنے دُور ہیں ان سب میں روح اور بدن کا ایک تعلق ہے خواہ جلی طور پر جسے کہ سب دیکھ پائیں یا خفی طور پر جسے عام دیکھنا نہ جاسکے (جیسے قبر میں روح و بدن کا تعلق) تاہم عالم ارواح کے سوا دنیا ہو یا آخرت (اور آخرت میں بھی بدن نہ ہو یا قیامت کے بعد کا جہاں) ہر جگہ روح و بدن کا علاقہ ضرور ہے۔

الحاصل عالم ارواح ایک پورا جہاں ہے جس کے اپنے احکام ہیں۔ اور صرف اسی جہاں میں انسان کی روحانی زندگی ہے۔ دنیا، بدن اور آخرت۔ تینوں میں بدن کا علاقہ اپنے اپنے حالات کے مطابق ضرور رہتا ہے۔

عالم دنیا

عام محسوسات میں یہ زندگی انسان کے قریب تر ہے۔ اس کا معنی قریبی زندگی کا دور ہے قرآن اُسے "الحیوة الدنیا" سے تعبیر کرتا ہے۔ اس میں روح و بدن کا تعلق نہایت مضبوط ہوتا ہے۔ مگر جسد کے احکام روح پر غالب ہوتے ہیں۔ یہاں حیات کا تقویم اس دنیا کے منطبق مادی پر ہوتا ہے تغذیہ و تنہیہ اس زندگی کے لوازم ہیں۔ اس دور کی انتہا موت پر ہوتی ہے۔ لیکن بعض اوقات مرنے سے پہلے ہی اگلی زندگی کے آثار نظر آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ یہی عالم "دار التکلیف" ہے اور یہی "دار العمل" جس کے ذخیرہ عمل پر بعد کی جزایا سزا مرتب ہوتی ہے۔

لہ قال العارف الجامی ان الغالب فی هذا العالم احکام الاجساد و احکام الروح مستورہ
لظہور الجسد و خفاء الروح و ینعکس الحال فی البدن و یتظہر احکام الروح اما المعرفیستوی
فینہ الحکمان واللہ اعلم۔

عالم دنیا میں برزخ کی جھلکیاں

کبھی اس دنیا کے تیز نظر عارفین برزخ کی کھڑکی میں بھی بھانک لیتے ہیں اور اس دنیا میں رہتے ہوئے وہ بعض برزخی اعمال کو دیکھ یا سن پاتے ہیں۔ بایں ہمہ اُن کی یہ دنیوی زندگی دنیوی ہی رہتی ہے کیونکہ انہوں نے ابھی عالم برزخ میں قدم نہیں رکھا۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

انہ صوّرت لی الجنّة والنّار حتی رأیتھا وراء الحائط۔

ترجمہ جنت اور دوزخ ایک تصویر کی صورت میں میرے سامنے لائی گئیں۔ میں نے ان دونوں کو اس دیوار کے پاس سے دیکھا۔

ایک دوسری جگہ یہ روایت یوں ہے:-

لقد رأیت الآن منطلّیت بکرم الصّلاة الجنّة والنّار مثلین فی قبة هذا الجدار۔

ترجمہ ابھی جب میں نے تمہیں نماز پڑھائی میں نے اس دیوار کے قبلہ کی طرف جنت اور دوزخ مثالی شکل میں دیکھی ہیں۔

یہاں حضورؐ نے عالم بیداری میں جنت اور دوزخ کو ایک مثالی صورت میں دیکھا۔ یہ کہاں دیکھا؟ اسی دنیا میں۔ کیا کوئی اور بھی دیکھ پایا؟ نہیں۔ یہ دنیا میں کسی اور جہان کی جھلکیاں ہیں جو آپؐ دیکھ رہے تھے۔ یہ برزخ کی جھلک تھی۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسوف (سورج گرہن) کی نماز پڑھائی اور فرمایا:-

انہ عرض علی کل شیء فی الجنّۃ فعرّضت علی الجنّة حتی تناولت

منہا قطفًا اخذتہ وعرضت علی النار فرأیت فیہا امرأة من بنی
اسرائیل تعذب فی ہرۃ لہا ربطتہا فلم تقطعہا ولم ترعہا تا کل من
خشاہ الارض ورایت ابا ثمامۃ عمرو بن ملک یجو قصبہ فی النار

ترجمہ ابھی مجھے ہر چیز جہاں تھیں جانا ہے دکھائی گئی ہے مجھے جنت بھی دکھائی گئی یہاں تک کہ میں نے
اس انگور کے کچھ خوشے لیے اور مجھے جہنم بھی دکھائی گئی میں نے اس میں بنی اسرائیل کی ایک عورت
کو دیکھا جسے ایک بتی کے سلسلہ میں عذاب ہو رہا تھا اس نے ایک بتی کو بلند کر رکھا تھا اور اسے
کھانے کو کچھ نہ دیتی تھی اور نہ اسے پھوٹتی تھی کہ وہ خود زمین کے جانور کھا لے اور میں نے
ابو ثمامہ عمرو بن ملک کو دیکھا وہ جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا
اور یہ بھی فرمایا :-

ما من شیء علم اکن ادریتہ الا رأیتہ فی مقامی ہذا فی الجنة والنار
ترجمہ کوئی ایسی چیز مجھے پہلے نہ دکھائی گئی تھی میں نے ابھی یہاں دیکھی ہے یہاں تک
کہ میں نے جنت اور دوزخ کو بھی دیکھا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ اس شخص سے روایت کرتے ہیں، آپؓ نے فرمایا :-

عرضت علی اجور امتی وعرضت علی ذنوب امتی فلم ارض بنا اعظم
من سورة من القرآن اوایۃ اخذہا رجل ثم نیہا

ترجمہ ابھی مجھے اپنی امت کے ابراہیمؑ دکھائے گئے مجھے میری امت کے گناہ بھی
دکھائے گئے اور سب سے بڑا گناہ میں نے یہ دیکھا کہ کوئی شخص قرآن کی کوئی سورت یا آیت
سیکھ لے اور پھر اسے بھلا دے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں، حضورؐ نے فرمایا :-

عرضت علی الامم ورایت سواد اکثرہا سدا لافق فقیل هذا موسیٰ

موسىٰ فى قومہ ۛ

ترجمہ مجھے امتیں دکھائی گئیں اور میں نے ایک بڑی جماعت جو افق ڈھانپ رہی
متمی دیکھی مجھے بتایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ کھڑے ہیں۔
ایک دفعہ آپ شہدائے اُحد کی قبروں پر تشریف لے گئے۔ وہاں سے آکر آپ نے خطبہ دیا۔
انى والله لا نظرا الى حوضي الا ان والى اعطيت مفاتيح خزائن الارض
انى والله ما اخاف ان تشرکوا بعدى ولكنى اخاف ۛ
ترجمہ میں اپنے حوض کو شکر کو میہیں سے دیکھ رہا ہوں اور مجھ کو نہ مین کے خزانہ کی کنجیاں
دے دی گئیں۔

اے لوگو! مجھے یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک میں جا پڑو گے۔ مجھے ڈر اس بات کا
ہے کہ دنیا کی دولت میں پکڑ کر آپس میں حسد نہ کرنے لگو۔
حضرت اسامہ بن زید کہتے ہیں ایک دن آپ شہر سے باہر جانے لگے اور ایک ٹیلے پر چڑھ کر کہا۔
انى لا ارى الفتن تقع خلال بيني وبينكم فوقع المطر ۛ

ترجمہ اے لوگو! جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں، کیا تمہیں نظر آتا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں فرمایا
مہدے گھروں میں فتنوں کو اس طرح اترتے دیکھ رہا ہوں جس طرح بارش اتر رہی ہو۔
حضرت ابویب انصاری کہتے ہیں ایک دفعہ آپ دو پہر کے وقت گھر سے نکلے تو قبروں کے
پاس سے گزرے۔ آپ نے فرمایا۔

فقال يهودي عذب قبري ۛ

ترجمہ یہود پران کی قبروں میں عذاب ہمد ہا ہے۔

طبرانی کی روایت میں ہے آپ نے فرمایا۔ ان کی آوازیں میرے کانوں میں آرہی ہیں ۛ

ۛ صحیح بخاری جلد ۴۸۴ ۛ ایضاً ص ۹۰ ۛ صحیح بخاری جلد ۱۴۱ ۛ صحیح بخاری جلد ۱۸۱ کتاب الجنائز

ۛ ارشاد الساری جلد ص

امام احمد، امام بیہقی اور حاکم حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت کرتے ہیں، ہم ایک دفعہ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ تھے، کسی نے آپؓ کو شہد اور پانی پیش کیا تو آپؓ رو پڑے، لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو آپؓ نے فرمایا:-

ترجمہ: ایک دن میں حضورؐ کی خدمت میں تھا کہ آپؐ نے ہاتھ سے کوئی (غیر مرنی) چیز ہٹائی اور مجھے وہ چیز نظر نہ آ رہی تھی میں نے کہا: حضورؐ کس چیز کو سامنے سے ہٹا رہے ہیں یہ دنیا ہے جو میرے سامنے مثل ہو کر آئی ہے، میں نے اُسے کہا ہے میرے پاس سے چلی جا یہ سب برزخِ نظر ہے میں جو آپؐ نے عین بیداری میں دیکھے، آپؐ کے بعد بہت سے اولیاء بھی ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اس عالمِ دنیا میں عالمِ برزخ کے نظارے دیکھے — اس سے پتہ چلا کہ برزخ کوئی اتنی دور کی منزل نہیں کہ اُسے دنیا میں دیکھا ہی نہ جاسکے تیز نظر عارفین نے کئی دفعہ یہیں اُس عالم کی جھلک دیکھی ہے۔

گاہ مری نگاہ تیز چیر گئی دل وجود گاہ اُبھ کے رہ گئی اپنے تصورات میں
پھر دنیا میں پیغمبروں کے خواب بھی خیالات کی پیداوار یا کوئی صدائے بازگشت نہیں تھے
یہ وحی الہی کے پردے میں جن پر حقائق و معارف اترتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں:-
رَوِیَ الْاَنْبِیَاءُ وَحًی - (رواہ الترمذی)

① — حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں: حضورؐ نے فرمایا: میں نے نیند میں دیکھا کہ دودھ کا پیالہ ہے اور میں پنی رہا ہوں، یہاں تک کہ میں نے اپنے ناخنوں میں اُس کی سیرابی کے اثرات دیکھے:-
ثُمَّ اَعْطِیْتُ فَضْلَیْ عُمُرًا قَلِیْلًا فَاَوْلَتْهُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الْعِلْمُ

ترجمہ میں نے اپنا سچا دودھ عمرؓ کو دیا صحابہؓ نے پوچھا: حضورؐ اس دودھ کی حقیقت کیا ہے فرمایا: علم

② — حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا میں سویا ہوا تھا کہ میں نے لوگ دیکھے
ان پر مختلف پیمائشوں کی قسمیں تھیں۔

وَمَرَّ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ يَمْرُوهَ قَالُوا مَا أَتَوْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الدِّينُ
ترجمہ: اور میرے سامنے سے عمرؓ گزرا اور اس پر اتنی لمبی قمیص تھی کہ وہ زمین پر گھسٹتی
جاتی تھی صحابہؓ نے پوچھا اس قمیص کی حقیقت کیا ہے آپؐ نے فرمایا — دین۔

③ — حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا میں نے نیند میں دیکھا کہ میں ایک کنویں پر
ہوں اور ایک ڈول دھرا ہے اس ڈول سے کچھ پانی نکالتا رہا پھر اُسے ابو بکرؓ نے پکڑ لیا اور ایک یاد
ڈول نکالے پھر ڈول بھاری ہونے لگا۔

فَاخْذَهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَلَمَّا رَءَا عُبَيْرُ بْنُ النَّاسِ يَنْزِعُ نَزَعَ ابْنُ الْخَطَّابِ
حَتَّى ضَرَبَ النَّاسَ بِعُطْنِ

ترجمہ: پھر سے عمرؓ بن الخطابؓ نے لے لیا اور اب تک کوئی جوان اس طرح پانی نکالتے
نہیں دیکھا جس طرح خطابؓ کا بیٹا پانی کھینچ رہا تھا یہاں تک کہ لوگ اپنے اپنے
ڈیر میں جا بیٹھے۔

یہ خلافت کے جلوسے تھے جو اللہ تعالیٰ حضورؐ کو دکھا رہے تھے کہ حضرت عمرؓ جب منصب
خلافت پر آئیں گے تو کس طرح ایک دنیا ان سے سیراب ہوگی چونکہ حضورؐ نے حضرت عمرؓ کو خدا سے
مانگ کر لیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ خود حضورؐ کو مقاماتِ عمرؓ دکھا رہے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

رَأَيْتُ كَانِ امْرَأَةً سَوْدَاءَ ثَائِرَةَ الرَّأْسِ خَرَجَتْ مِنَ الْمَدِينَةِ حَتَّى قَامَتْ
بِمَلِيعَةٍ وَهِيَ الْحَبِخَةُ فَنَادَتْهَا اَنْ وَبَاعِ الْمَدِينَةَ نَقْلَ إِلَيْهَا

ترجمہ ہیں نے دیکھا کہ ایک سیاہ رنگ عورت ہے جس کے سر کے بال بکھرے ہیں مدینہ سے نکلی ہے اور مہیچہ ٹھہر گئی ہے اور وہ جگہ جگہ ہے میں نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ مدینہ کی قیاد و ہال چلی گئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نیند میں تھا کہ مجھے پوری زمین کے خزانے دیئے گئے اور مجھے میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن دیئے گئے، وہ مجھے گراں لگے اور انہوں نے مجھے فکر میں ڈالا۔ اسی وقت مجھے وحی آئی :-

انفختما - فنفتھما - فاولتھما الکذابین اللذین انا بینہما صاحب صنعاء وصاحب الیمامة۔

ترجمہ: آپ انہیں پھونک دیں۔ سو میں نے انہیں پھونک دیا (وہ اڑ گئے) میں نے اُن سے دو کذاب (اسود و عسلی اور سیلمہ کذاب) مراد سمجھے۔ میں اس سرزمین میں ہوں جو اُن دو کے درمیان ہے۔ ایک طرف یمن اور ایک طرف یمامہ۔

دونوں طرف سے دو کذاب اٹھیں گے اور اس طرح اڑ جائیں گے جیسے مٹی اڑ جاتی ہے۔ آپ کو کہا گیا انہیں پھونک لگا دیں۔ آپ نے دونوں پھونک ڈالے۔

عملاً انہیں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں پھونکا۔ یہ حضرت صدیق اکبرؓ کی سعادت تھی کہ ارادۂ رسالت بلکہ ارادۂ الہیہ ان کے دستِ حق پرست پر پورا ہوا اور اس سے اُن کی خلافت کی صداقت آشکار ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب خود بھی وحی تھا۔ پھر اس خواب میں وحی آنا ایک اور مرتبہ وحی کا پتہ دیتا ہے اور یہ دونوں مراتب آپ کو نیند میں دکھائے جا رہے ہیں۔ کیا یہ حقائق یہ سمجھنے کے لیے کافی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں رہتے ہوئے عالم بیداری ہو یا عالم خواب، بارہا بزدلی اور آخری جلوں سے آشنا ہوئے اور آپ کے لیے عالم دنیا اور عالم بزدلی کے کچھ ایسے فاصلے نہ تھے

جن کی سرحدیں ایک دوسرے سے قطعی جدا ہوں۔ جب یہاں رہتے ہوئے آپ برزخی کو اُف سے نا آشنا نہ رہے تو عالم برزخ میں جا کر آپ کے بعض دنیوی اعمال باقی رہیں۔ جن کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ امت کا آپ سے سلام کا سلسلہ باقی رہے تو کون سے تعجب کی بات ہے۔

عالم برزخ

قرآن کریم میں ہے :-

وَمَنْ وَّرَاٰ نَفْسًا مِّنْ رَّاسِهَا اِلٰی يَوْمٍ مَّعْشُوْرٍ (رَبِّا : المؤمنون ع ۶ آیت ۱۰۰)
ترجمہ اور ان کے ورے ایک پردہ ہے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے۔
موت کے بعد سے لے کر قیامت تک یہ دور قائم رہتا ہے۔ اس میں روح اور بدن یا
روح اور اجزائے بدن کے مابین نہایت لطیف اور قوی تعلق قائم ہوتا ہے۔ اس

ملہ یہ تعلق یا تو اس طرح قائم ہوتا ہے کہ روح، بدن یا اجزائے بدن پر اپنی تاثیر ڈالتی ہے اور جیسا روح کا
مقام ہو اس کے مناسب بدن یا اجزائے بدن میں آثارِ حیات قائم ہو جاتے ہیں اور یا خود روح ہی علتیں
یا ستحین سے لاکر داخل بدن یا اجزائے بدن کہ دی جاتی ہے اور وہ تعلق قائم کر کے پھر اپنے اپنے مستقر
میں لوٹ جاتی ہے۔ اگر روح کمزور ہو اور ذراتِ بدن بھی منتشر ہوں تو پھر یہ حیات نہایت کمزور قسم کی
ہوتی ہے۔ درقبر حیات و اماتہ حقیقی نیست بسبب انعکاس اشعہ روح بر بدن تعلق پیدا می شود کہ تغذیہ
و تنمیه همراه آن نمی باشد۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۳۸ نوکثر)۔ ان ارواح کو ایک علاقہ اپنی قبر سے بھی ہوتا
ہے کہ آنے سے زیارت کرنے والوں کی اور اقرباء اور دوستوں سے مطلع ہوتے ہیں۔ کیونکہ روح کو
قرب اور بُعد مکانی سے اس دریافت کو مانع نہیں ہوتا۔ (تفسیر عزیزی پ ۸۸ مطبع فاروقی دہلی) روح کا
علاقہ بدن سے اندراہ نظر و عنایت کے بحال رہتا ہے اور زیارت کرتے والوں اور دوستوں سے فائدہ لینے
والوں کی طرف روح کی توجہ آسانی سے ہوتی ہے کہ بدن کے مکان میں ہونے سے کو یا روح کا مقام ہی ہمیں
ہے۔ (تفسیر عزیزی پ ۸۹ تحت آیت ثم اعانہ فاقبرہ)

میں دنیا والوں سے بھی پردہ ہو جاتا ہے اور آفت بھی پوری طرح سامنے نہیں آتی۔ یہاں کی زندگی کے لیے روح اور حیات میں ملازمہ نہیں۔ روح اگر بدن میں نہ بھی داخل ہو، صرف تاثیر ہی کر رہی ہو، تو بھی حیات کا تقوم ہو جاتا ہے۔ قبر کی منزل اسی دور میں شمار ہوتی ہے۔ یہ عالم ایک جہت سے موطنِ دنیوی سے بھی متعلق ہے اور گنجائش ترقی رکھتا ہے۔

مختلف درجوں کے لوگوں کا برزخ مختلف ہوتا ہے۔ ۱۔ عام اموات عالم برزخ میں روح و بدن کے تعلق سے راحتِ قبر یا عذابِ قبر کے مرحلے سے گزرتی ہیں۔ ۲۔ شہداء عالم برزخ میں حجابی حیات سے زندہ ہیں۔ ان کی ارواح پرندوں کی صورت میں متحد ہوں یا کسی اور صورت میں وہ اپنے ابدان پر برابر متوجہ رہتی ہیں اور ان کے ابدان میں آثارِ حیات برابر مشاہدہ کئے جاتے رہتے ہیں۔ ۳۔ انبیاء عالم برزخ میں اپنے اجساد کے ساتھ زندہ ہیں۔ گو وہ زندگی یہاں محسوس اور مشاہد نہ ہو سکے۔ اپنے ہاں وہ ایک

لہ الحیاء فی اللغة شیء مفائر للروح لا عین بل ثمرۃ تعلقہ و زعم بعض الناس انه نفس الحیوة و لیس كذلك ففی النصوص ذکر الحیوة و لیت روحاً و اطلاق الروح فی عقیدۃ السفاہ فی جلد ۲ ص ۲۹ عقیدۃ الاسلام ص ۳ ان ملازمۃ الحیوة للروح امر عادی لا عقلی فہذا متما یعجزہ العقل (شفا، السقام ص ۵۹) لہ عالم برزخ کا محل صرف قبر کا ظاہر نہیں، بلکہ اس قبر کی مافوق الادراک حیثیت ہے۔ بعض قبور اپنی برزخی حیثیت میں میوں تک وسیع ہو سکتی ہیں۔ اگرچہ عام نظروں میں وہ ایک گڑھا ہی دکھائی دیں اور بعض اپنی ظاہری کشادگی سے بھی تنگ ہو سکتی ہیں، اگرچہ ظاہر میں کتنی ہی وسیع کیوں ہوں پس حقیقتِ قبر صرف اس ظاہری گڑھے کا نام نہیں، یہ ایک عالم برزخ کی منزل ہے۔ یہ قبر صرف اس منزل کا ایک پہلو ہے اور اس کی ظاہری علامت ہے۔ اس کی برزخی وسعت و فصاحت کو رب العزت ہی جانتے ہیں یا وہ مقدس ہستیاں جن پر عالم برزخ کا انکشاف ہو رہا ہو، اس سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ اس ظاہرِ قبر کو حقیقتِ قبر سے کوئی علاقہ نہیں یا برزخ اس قبر سے کوئی بالکل مفارقت چیز ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔ ۳۔ دیکھئے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ و قترہ ۱۶ ص ۱۹ لکھنؤ

حسی زندگی محسوس کرتے ہیں اور اس احساس سے وہ نمازیں بھی پڑھتے اور ان کے فتدوں والے اعمال میں انقطاع نہیں ہوا۔ اُن کی حیات روح کے اعادہ سے ہو یا اس کے اشرف و اشراق سے اس میں اہل استنہ و ابجاعت کے ہاں کوئی اختلاف نہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

عالم برزخ کے لیے دنیوی تجربے کی قریب ترین تعمیر

عالم برزخ پر ایک دبیز پردہ پڑا ہے۔ وہاں کے کوائف اور پیرائے ایسے لطیف اور بامسک ہیں کہ ہمارے پاس کوئی ایسا لفظ نہیں جو عالم برزخ کا پُرانقشہ کھینچ کر آپ کے سامنے کر دے اور برزخی حالات کو پُرادماغ کے ہمارے سامنے لے آئے۔ اس زندگی کے قریب تر جو لفظ پایا گیا ہے۔ وہ لسانِ شریعت میں لفظ نیند ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے سوال و جواب کی بات کرتے ہوئے مومن کے بارے میں فرماتے ہیں :-

فَيَقَالُ نَمُ صَالِحًا قَدْ عَلِمْنَا انْ كُنْتَ لِمَوْقَابِهِ

ترجمہ۔ اسے کہا جائے گا آرام سے سو رہو۔ ہمیں علم ہے کہ تو ان پر ایمان رکھتا تھا۔

یہ برزخی زندگی کی ایک حالت ہے جسے نیند سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نیند میں انسان وہیں کا وہیں رہتا ہے۔ لیکن عالم خواب میں وہ کہاں کہاں سے ہوتا ہے یہ کسی سے مخفی نہیں، اور پھر اس سیر کے آثار اس کے اس مادی جسم پر بھی وارد ہوتے ہیں، وہ پریشان بھی ہوتا ہے اور خوش بھی ہوتا ہے عالم برزخ میں میت وہیں کی وہیں دکھائی دیتی ہے۔ مگر خدا کے پیدا کردہ اس عجیب نظام (عالم برزخ) میں اس پر وہ تمام واردات ہو رہی ہیں جن کا شریعت نے پتہ دیا ہے اور وہ شرعی حقیقت ہیں۔ کوئی پیرایہ مجاز نہیں۔ محدثین لکھتے ہیں :-

روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:-

النوم اخو الموت (نیند موت کی بہن ہے)۔

سوال یہ ہے کہ جب عالم برزخ نیند کی سی ایک کیفیت ہے تو جنت اور جہنم کے اپنے اپنے ٹھکانوں کا دیکھنا کیسے ہوگا۔ ایک طرف قرآن یہ کہتا ہے کہ حشر پر اٹھتے یہ کہیں گے۔ من بعثنا من موقدنا ہم کو نیند سے کس نے اٹھایا۔ اور دوسری طرف ہے:-

الناس يعرضون عليهما غدواً وعشيا. (پک: المرمن: آیت ۲۴)

ترجمہ: آگ ہے جس پر وہ صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ دنیوی اعمال کے مختلف پیرائے عالم برزخ میں بھی مختلف پیرائے اختیار کر لیتے ہیں کہیں غدا کے منتظر دکھائے جا رہے ہیں اور کہیں قیامت کا ہولناک منظر۔ برزخ کو ایک نیند کے سمجھا جا رہا ہے یا ہو سکتا ہے، یہ نفی اولیٰ اور ثانیہ کے درمیان بے ہوشی کا وقفہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم اس نادیدہ شہر کی تفصیل بیان کرنے سے عاجز ہیں۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ محسوسات کے اس دائرہ میں جس سے ہم گزر رہے ہیں صرف نیند ہے جو برزخ کے قریب ہے جس طرح پیغمبروں کی نیند دوسروں کی نیند سے مختلف ہے، آنکھیں سوتی ہیں دل جاگتا ہے، ان کا برزخ بھی دوسروں سے مختلف ہے۔ یہ وہاں پورے احساس سے زندہ ہیں اور ان کے اعمال بھی جاری ہیں جو کیفیت سمجھ میں آجائے بہتر، جو نہ سمجھ میں آئے اُسے لا شعرون کے پہلو میں جگہ دے دیجئے۔ وفيه السداد وفيه السلامة۔

حضورؐ سے پوچھا گیا۔ اینام اهل الجنة، کیا اہل جنت سوئیں گے بھی؟ آپؐ نے فرمایا۔ لاینامون کہ وہ سوئیں گے نہیں۔

انسان خواب و خیال میں کہاں کہاں کھو جاتا ہے، مگر پیغمبر کے خواب پر بھی خدا کا پہرہ ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:-

رُویا الانبیاء وحی۔ (انبیاء کا خواب بھی وحی ہے) ۱

یعنی وحی کی طرح محفوظ ہے مجال ہے کہ اس میں کوئی دخل شیطانی ہو اور عملایہ حکم ہے بچے کو بھی ذبح کرتے دیکھیں تو وہ اُسے قربان کرنے نے نکلیں گے لیکن کبھی کسی کا خواب اس درجے کا نہیں۔ انسان کو احتلام دخل شیطانی سے ہوتا ہے اور نبی کو کبھی احتلام نہیں ہوتا۔ ۲

جب نیند موت کی بہن ہے اور پیغمبروں کی نیند دوسروں کی نیند سے نوعاً مختلف ہے تو اگر ان کی موت بھی دوسروں کی موت سے نوعاً مختلف ہو تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔

یہاں اصل موضوع موت انبیاء نہیں، اس کی بحث حیات الانبیاء کے ضمن میں آئے گی یہاں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عالم برزخ کے کوائف اور حالات بہت عجیب ہیں۔ ہمارے پاس کوئی ایسے الفاظ نہیں جو برزخ کو پوری طرح شیشے میں اتار سکیں۔ جو شہر دیکھا نہیں ایک اجنبی مسافر اس کا کیا پتہ دے سکتا ہے۔

عالم آخرت

یہ وہی آخری مقام ہے جسے قرآن کریم ”دارالقرار“ کہتا ہے۔ یہ ہمیشہ ٹھہرنے کا گھر ہے جنت اور جہنم اسی دنیا کے دو مختلف نقشے ہیں۔ یہی زندگی ”الحق“ ہے۔ (پ: اعلیٰ) آگے فنا نہیں۔

ان الدار الاخرة لہی الحيوان لوک انوار علمون۔ (پ: العنکبوت)

یہ چاندوں اور دار بالترتیب چلتے ہیں اور صفات مختلف رکھتے ہیں جو مختلف جہات سے جمع ہوتی رہی ہیں۔ ان میں سے کوئی دو عالم آپس میں متوازی نہیں۔

فلنذہلنفس اربع دور کل دار اعظم من التي قبلها۔ ۳

ترجمہ۔ سو ان جانوروں کے لیے یہ چار جہان ہیں ان میں سے ہر جہان پہلے سے بڑا ہے

۱۔ جامع ترمذی جلد ۲ ص ۵۱۴ لکھنؤ۔ ۲۔ پنجاب کے بھوٹے مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کو احتلام ہوتا تھا۔

۳۔ کتاب الروح ص ۱۴۲

(سیرت المہدی ص ۷۷)

عالم اسرار سے یہ دنیا وسیع ہے اور اس کے مجائب کی انتہا نہیں۔ سائنس کے بارے
 کرشمے اسی جہان میں کھلے ہیں۔ اس دنیا سے عالم برزخ کی وسعت زیادہ ہے۔ اس کے اسرار کی
 انتہا نہیں۔ ہر سوار شرب العزت کی قدرت کے جلوے ہیں اور آخرت کی مدت لامتناہی ہے۔
 ہر طرف خالدین دنیا کی صدائیں ہیں۔ یہاں آکر گاڑی رک جاتی ہے اور موت ذبح کر دی جاتی
 ہے۔ آگے کسی اور جہان میں تبادلہ نہ ہو گا۔ یہ چاروں جہان اپنے اپنے وقت میں رہنے کی جگہیں
 ہیں۔ ہاں ہمیشہ رہنے کی جگہ صرف آخرت ہے۔

ان الذار الاخرة لہی الحيوان لو كانوا يعلمون (پا العنکبوت آیت ۱۷)

یہ چاروں جہان آپس میں ایک لطیف ربط رکھتے ہیں۔ آخرت حیات برزخ کی ہی تمام
 تمام ہے۔ عالم برزخ میں بھی روح و بدن کا ایک لطیف اور برزخی تعلق تھا جو عالم آخرت میں آکر
 کھل گیا اور بدن میں حیات اس طرح نمود کر آئی جس طرح عالم دنیا میں تھی۔ سو جن آیات اور
 روایات میں اس دن روح و بدن کا ملنا یا ارواح کا ٹوٹنا ہے۔ اس سے مراد کامل درجے میں
 روح و بدن کا ملنا ہے۔ ان میں یہ مراد ہرگز نہیں کہ پہلے روح و بدن میں کسی درجے کا کوئی علاقہ
 نہ تھا۔ اگر ہر جہان ایک نئی دنیا ہو تو پھر اگلے جہاں میں پہلے جہان والے پچھلے کیوں جائیں۔
 عالم برزخ میں ہر ایک کی پکڑ اپنی اپنی ہے اور عالم آخرت میں تمام افراد انسان مختلف
 انواع میں منقسم ہو کر اجتماعی پکڑ یا اجتماعی آرام و راحت پائیں گے۔

یہ کہنا صحیح نہیں کہ عالم برزخ کا اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ اس دنیا والا جسد ہی
 تو پھر برزخ کیا جاتا ہے جس پر پھر وہاں کے حالات کے گزرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث
 دہلوی لکھتے ہیں ..

واعلم انہ لیس عالم القبر الا من بقایا ہذا العالم و انما تترشح ہنا لک

العلوم من وراء حجاب و انما تظہر احکام النفوس المختصہ بکل فرد

دون فرد بخلاف الحوادث الحشریة فانما تظہر علیہا وہی فانیة

من احکامها الخاصة بفرد فرد باقیة باحکام الصورة الانسانية.

ترجمہ۔ اور سمجھ لیجئے کہ عالم قبر اس عالم دنیا کا ہی ایک حصہ ہے جو باقی رہا اور اس میں پردہ غیب کے پیچھے سے علوم اترتے ہیں اور وہی احکام ظاہر ہوتے ہیں جو افراد سے مخصوص ہوں (ہر کسی کے اپنے اپنے) بخلاف حشر کے حالات کے۔ یہ وہاں ظاہر ہوں گے اور برزخ کے انفرادی حالات ختم ہو جائیں گے اور اب اجتماعی انسانی احکام چلیں گے۔

اس سے عالم برزخ اور آخرت میں فرق کھل کر سامنے آگیا۔ برزخ میں روح و بدن کا علاقہ مخفی ہے۔ ایک پردے کے پیچھے ہے اور آخرت میں ظاہر و باہر۔ برزخ میں احکام فوارہ اترتے ہیں، آخرت میں اجتماعی زندگی میں جو مختلف انواع میں منقسم ہوگی۔ یہ بات اصولی ہے کہ عالم برزخ ایک پہلو سے اس دنیا کا ہی ایک حصہ ہے اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ عالم آخرت کی زندگی کوئی نئی زندگی نہ ہوگی، حیات برزخی کا ہی ایک پھیلاؤ ہوگی جس میں روح و بدن کھلے طور پر اور کامل طور پر یک جا ہوں گے۔ یہ سمجھ لینا کہ عالم برزخ میں روح کا بدن سے کوئی علاقہ نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ تعلق توجہ بھی نہیں، سخت نادانی ہے۔ حضرت شدہ صاحب آگے جا کر لکھتے ہیں:-

فاعلم ان حشر الاجساد واعادة الارواح اليها ليست حياة مستأنفة انما
تتمة النشأة المتقدمة بمنزلة التخمرة لكثرة المسكل كيف ولو
لا ذلك لكانوا اخيرا ولين ولما اخذوا بما فعلوا.

ترجمہ جان لو کہ حشر اجساد اور جسموں میں رتوں کا (کاملہ) ٹوٹنا یہ کوئی نئی زندگی نہیں ہے یہ پہلی گندی زندگی کا ہی ایک تتمہ ہے جیسے بیج سے آگے فصل بنتی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو۔ ایسا نہ ہوتا تو بعد کے اجسام پہلوں سے مکلیتہ مختلف ہوتے اور ان پر اپنے اعمال کا کسی طرح مواخذہ نہ ہو سکتا۔

ان چار جہانوں میں صرف پہلا جہان عالم الارواح ہے۔ ان تینوں جہانوں میں انسان نفس
انسانی کہتا ہے۔ انسان جسم اور روح دونوں سے مرکب ہے اور اس مجموعہ کو ہی نفس انسانی کہتے
ہیں۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم بہتم دارالعلوم دیوبند
کہتے ہیں۔

انسان دو چیزوں سے مرکب ہے جسم اور روح۔ اس کا مجموعہ ہی نفس انسانی کہلاتا
ہے۔ اس نفس انسانی کو طبعاً تین جہانوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ ایک دنیا جو دارالعمل
ہے۔ ایک آخرت جو دارالقرار ہے اور ایک برزخ جو دارالانتظار ہے۔ ان تینوں
جہانوں کے احکام مختلف ہیں اور ان کی نوعیت الگ الگ ہے۔

① دنیا میں جسم اور جسمانی زندگی اصل ہے۔ روح اس کے تابع ہو کر اس کے اثرات
قبول کرتی ہے۔

② برزخ میں روح اور روحانی زندگی اصل ہے۔ جسم اس کے تابع ہو کر اس
کی نعمت و مصیبت کے اثرات قبول کرتا ہے۔ خواہ وہ اپنی ہیئت پر ہو، یا
بکھر جائے۔

③ اور آخرت میں روح و جسم کا مکمل امتزاج ہے جس میں ہر ایک اپنے اپنے
تأثر میں مستقل ہے اور ہر ایک کا اپنا اپنا ادراک اور اپنا اپنا انتفاع ہے۔

ان تینوں جہانوں میں روح کے تعلق کی نوعیت

برزخ چونکہ دنیا اور آخرت کے بیچ میں ہے۔ اس لیے اس کا ان دونوں
جہانوں سے تعلق ہے۔ آدمی جیسے برزخ میں رہتے ہوئے آخرت کی نعم و جحیم کا
مشاہدہ کرتا ہے۔ روحانی طور پر ان سے متلذذ یا متاالم ہوتا ہے اور مذہبات آخرت
کی زیارت سے بھی مشرف ہوتا ہے۔ ایسے ہی برزخ میں رہتے ہوئے دنیا کی

معلومات سے بھی حسبِ حیثیت و مرتبہ مستفیہ ہوتا ہے۔ دنیا والوں کے اہمالِ خیر یعنی دعاءِ اہمالِ ثواب، افاغہ باطنی اس تک پہنچتے ہیں حتیٰ کہ وہ اوس کی زیارت سے بھی منتفع ہوتا ہے۔ پھر خود بھی اپنے اسی قسم کے قوتِ دعاء اور ہمتِ باطن سے افاغہ انور و کیفیاتِ حتیٰ کہ اپنی ملاقات و زیارت کا بھی انہیں موقع دیتا ہے جس کے لیے نفوسِ شرعیہ موجود ہیں۔

برزخ کا عالم دنیا سے قریبی تعلق

لیکن غور کیا جائے تو برزخ کا تعلق کا تعلق بہ نسبتِ آخرت کے دنیا سے زیادہ ہے۔ کیونکہ انسانی نفس کا ایک مستقل جزو (روح) جیسے عالمِ برزخ میں ہے ویسے ہی اس کا دوسرا مستقل جزو (بدن) دنیا کے عالم میں موجود ہے۔ خواہ بہیئتِ بدن ہو یا بہیئتِ ذرات۔ لیکن آخرت میں قبل از قیامت انسانی نفس کا کوئی جزو بھی مستقلاً قائم اور مستقر نہیں ہے۔ جہاں کہ خود نفس قائم ہو یہ الگ بات ہے کہ وقتاً فوقتاً اسے عالمِ آخرت کے اہم مقامات اور عجائبات کی سیر کرادی جائے یا مثلاً ہو جائے اور وہ روحانی طور پر ان کی نعمتوں اور کھفتوں سے متلذذ اور متاثر بھی ہو۔ لیکن قیامت سے پہلے آخرت چونکہ انسان کا مستقر نہیں اور اس کا کوئی جزو تک بھی وہاں جنت یا نار میں ٹھہرا ہوا نہیں کہ اس کے تیلہ سے انسان کو وہاں اقامت گزریں اور قیام پذیر کہہ دیا جائے۔ اس لیے اس کے تعلق کی نوعیت بھی صرف ایک مشاہداتی یا جزوی طور پر انتفاعی رابطہ کی ہے۔ بخلاف دنیا کے کہ اس میں اس کا پُرحصہ (بدن) مقیم ہے خواہ اپنی بہیئت پر یا بصورتِ ذرات۔ خواہ وہ کہیں منتشر ہو۔

اہل برزخ کی دنیا سے اور اہل دنیا کی برزخ سے دلچسپی

اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ برزخ کو جتنا تعلق دنیا سے ہے اتنا آخرت سے نہیں اس کا قدرتی تقاضا ہے کہ برزخی اہل دنیا سے اور اہل دنیا برزخی افراد سے ملنے، نیاز کرنے اور ان کے احوال و مقامات جاننے کے خواہشمند ہوں یہی وجہ ہے کہ قبر میں سوال و جواب کے بعد کامیاب میت کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ مجھے اجازت دے دو کہ میں اپنے اعزہ و اقارب کو تسلی دے آؤں کہ میں بہت اچھی حالت میں ہوں۔ بالفاظ دیگر میں اپنے احوال و مقامات ان تک پہنچا دوں۔ جیسے نبض قرآنی شہداءِ حق تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے ان اعلیٰ مقامات کی خبر سناے دنیوی بھائیوں تک پہنچا دی جائے تاکہ وہ بھی جہاد فی سبیل اللہ کی طرف رغبت ہو جائیں۔ اسی طرح برزخ والے دنیا والوں کے احوال معلوم کرنے کے خواہشمند رہتے ہیں جیسے نبض حدیث نبویؐ مرنے کے بعد روح کے عالم برزخ میں پہنچتے ہی میت کے اعزہ و اقارب اس کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں اور اپنے اپنے عزیزوں کے حالات بے تابی سے دریافت کرتے ہیں حتیٰ کہ ملائکہ کو یہ کہہ کر انہیں روکنا پڑتا ہے کہ اسے دم تو لینے دو، یہ موت کی شدتوں سے چور چور ہو کر آ رہا ہے۔

بہر حال جانبین سے ایک دوسرے کے احوال و مقامات پر مطلع ہونے کی خواہش اسی بنا پر ہے کہ برزخ کا دنیا سے اور دنیا کا برزخ سے بہت قریب کا رشتہ ہے۔ ہر ایک کا ایک نصف حصہ دنیا میں ہے اور ایک نصف حصہ برزخ میں۔

اہل برزخ اور اہل دنیا کی باہمی واقفیت

حق تعالیٰ کی بالغ حکمت نے جب ان دو دُن جہانوں میں اس تقسیم اجزاء کی وجہ سے یہ خواہش فطرت میں ڈال دی ہے تو اسی کی فیاض قدرت کا یہ بھی تقاضا تھا کہ وہ اس خواہش کی تسکین کا سامان بھی پیدا فرمائے اور ایسے وسائل و ذرائع پیدا فرما دے کہ برزخ دُلے دنیوی مقامات و احوال سے اور دنیا دُلے برزخی مقامات و احوال سے خود بلا واسطہ بھی یا خبر ہوتے رہیں اور ان مقامات کی معرفت حاصل کتے رہیں۔

باہمی واقفیت کے پانچ طریقے

باہمی واقفیت کے وسائل و طرق کیا ہیں؟ کتاب و سنت کی روشنی میں جہاں تک اپنے نارضا دہن کی رسائی سہولتی پانچ طریقے سامنے آتے جن سے براہ راست برزخی مقامات و احوال کافی الجملہ علم ہو سکتا ہے۔

- ① ایک عینی مشاہدہ۔
- ② دوسرے مخبر صادق کی خبر
- ③ تیسرے صاحب واقعہ کی اطلاع دہی۔
- ④ چوتھے انکشاف قلبی۔
- ⑤ پانچویں قیاس و استنباط

پانچوں طریقوں کے فنی اور اصطلاحی عنوانات

انہی پانچ مقامات کو اگر قدرے ترتیب بدل کر اور اصطلاحی لفظوں میں لاتے ہوئے مجتہد کے انداز سے بطور فنی ترتیب کے ادا کیا جائے تو ذیل کے عنوانات

سے ادا کر سکیں گے۔

پہلا استدلال شرعی۔ دوسرا کشف باطنی۔ تیسرا رویائے صادقہ، چوتھا عبرت و اعتدال۔ پانچواں عیان و مشاہدہ۔

پہلا مقام علماء کا ہے، دوسرا عرفاء کا ہے، تیسرا صلحاء کا ہے، چوتھا عقلاء کا ہے اور پانچواں ہر کس و ناکس کا ہے۔

پھر ان مقامات کی نوعیت یہ ہے کہ پہلا مقام اختیاری اور یقینی ہے، دوسرا اکتسابی ظنی ہے، تیسرا غیر اختیاری مگر ظنی ہے، چوتھا اختیاری ظنی ہے اور پانچواں کلیۃً غیر اختیاری مگر یقینی ہے جو محض مودعت من الشر ہے۔ ان پانچوں طریقوں سے لوگوں نے برزخی مقامات تک علمی اور عرفانی رسائی حاصل کر لی ہے۔

ان مختلف طرق میں اولین مرتبہ استدلال شرعی کا ہے کہ اللہ تعالیٰ و رسولؐ برزخ کے بارے میں خود خبر دیں اور امت اس سے استدلال کر کے اس پر ایمان لائے۔

استدلال کا شخصیتی درجہ

پھر استدلال شرعی کے درجہ میں ایک درجہ شخصیتی ہے کہ کسی شخص معین کا نام لے کر اللہ و رسولؐ اسے جنت یا مقام یا برزخ میں عالی مقام ظاہر فرمائیں تو ظاہر ہے کہ یہ معرفت یقینی اور واجب الاعتقاد ہوگی۔ جیسے ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف صدیق اکبرؓ اور بائیں طرف فاروق اعظمؓ تھے اور ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالے ہوئے نکلے اور حضورؐ نے فرمایا: ہکذا انبعث ہم اسی طرح گلے میں باہیں ڈالے ہوئے قبروں سے اٹھیں گے جس سے مقامات، برزخ پر روشنی پڑتی ہے۔

یا جیسے حضرت بلالؓ عین نزع کے وقت بے مدخوش و خرم نظر آ رہے تھے۔
 چہرہ انتہائی بشاش اور انگوں سے پُرمحسوس ہو رہا تھا۔ اسی حالت میں شوق و خوشی
 سے لبریز آواز میں فرمایا۔ خدا نلقی محمد و اصحابہؓ کل کو انشاء اللہ ہم محمد
 صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ سے ملیں گے، آپ درحقیقت اپنا برزخی مقام
 ظاہر کر رہے تھے کہ وہ معیت نبوی میں ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ فرمانا قیاس و تخمین
 سے ممکن نہ تھا بلکہ قوت یقین اور جوش ایمان سے تھا جو بلاشبہ امر نقیدی ہے
 عقلی اور قیاسی نہیں۔ اس لیے یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہوگا اور یہی کہا جائے
 گا کہ اس برزخی مقام کی حتمی ہی نے انہیں اطلاع دی ہوگی جس پر انہیں اس درجہ
 کامل و ثقیل اور یقین تھا اور یقین بھی محض عقلی نہیں بلکہ یقین حالی تھا۔ اس لیے اس
 اطلاع کو استدلال شرعی کے دائرہ میں ہم شخصیاتِ مقام کہیں گے اس میں ایک
 برزخی مقام کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

استدلال کا طبقاتی درجہ

شرعی استدلال کا دوسرا درجہ طبقاتی ہے کہ اللہ و رسول کسی خاص طبقہ کے برزخی مقام
 کو ظاہر فرمائیں جس میں افراد و اشخاص کا تذکرہ نہ ہو۔ بلکہ ایک طبقہ اور صنف کا ذکر ہو
 جیسے قرآن کریم میں شہداء کا مقام بیان کیا گیا کہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار
 کے پاس سے ذکر پاتے ہیں اور بعض حدیث انہیں سبز پرندوں کے خول دیئے
 جائیں گے جن میں وہ اڑ اڑ کر جنتوں میں سیر کریں گے اور انہیں اس کے پھلوں
 باغوں اور نہروں سے منتفع ہونے کی آزادی ہوگی۔ لیکن جنت اس وقت ان کا
 قرار نہ ہوگی بلکہ ان کا قراری مقام وہ سونے اور جواہرات کی قندیلیں ہوگی جو جوش
 میں آدیزاں ہوگی اور یہ ارواح طیبہ اپنے ان برزخی اجسام کے ساتھ ان میں

بیرا کریں گی۔

مزید اکرام و تشیید کے لیے ان سے بار بار پوچھا جاتا رہے گا کہ کچھ امد چاہتے ہو؟ وغیرہ۔ اس سے ایک خاص طبقہ کا برزخی مقام مشخص ہوا، اس لیے جو بھی شہادت کے مرتبہ کو پہنچے گا اس کے لیے اسی مقام کی شہادت دی جائے گی۔

استدلال کا کلیاتی درجہ

استدلال شرعی کا تیسرا مقام کلیاتی ہے جس میں برزخی مقام معلوم کرنے کا محض اصولی معیار ذکر کر دیا گیا ہو یعنی اشخاص یا طبقات کا کوئی ذکر نہیں بلکہ صرف ایک کسوٹی دے دی گئی ہو کہ ہر شخص کو اس پر پرکھ کر دیکھ لیا جائے تو اپنا اور غیر کا برزخی مقام معلوم ہو سکے گا۔ حدیث نبوی میں اصول ارشاد فرما دیا گیا کہ:-

تَحْشُرُونَ كَمَا تَمُوتُونَ وَتَمُوتُونَ كَمَا تَحْيَوْنَ۔

”ممتہارا حشر اس حالت پر ہوگا جس پر موت آئی تھی اور موت اسی حالت پر لگے گی جس پر زندگی گزاری ہے“

اس کلیہ میں ہر شخص کے محشر کے مقام کو پہچاننے کی کسوٹی تو حالت موت کو بنایا گیا ہے اور برزخی مقام پہچاننے کے لیے جو موت سے شروع ہو کر یومِ محشر پر ختم ہوتا ہے، دنیا کی عملی زندگی کو معیار تعارف فرمایا گیا ہے پس آخری مقام کے لیے ذریعہ تعارف برزخ ہے اور برزخی مقام کے تعارف کے لیے ذریعہ تعارف دنیوی زندگی کی رفتار ہے جو اصولاً ہر انسان کے سامنے اپنی یا اپنے مشابہ انسانوں کی کسی نہ کسی حد تک مستحضر رہتی ہے۔ اس سے برزخی مقام کے پہچاننے

لہٰذا وہاں سے ان ارواح کا ان کے یہاں کے اجساد سے جو برزخی تعلق ہے یہ وہاں کا قرار اس تعلق میں مانع نہیں۔

کا ایک اصولی اور کلیاتی طریقہ معلوم ہوا جس سے انسانوں کے اعمال اور زندگی دیکھ کر فی الجملہ ان کے برزخی مقام کو پہچانا جاسکتا ہے۔

کلیاتی استدلال کی مثالی توضیح

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم کیسے معلوم کریں کہ اللہ کے یہاں ہمارا کیا مقام اور کیا مرتبہ ہے؟ فرمایا اپنے عمل کو دیکھ لو، یعنی عمل کی نوعیت سے قرب اور قرب الہی کی نوعیت معلوم کرو، پھر اس تعارفی طریقہ کو اور ذرا وسیع فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے پڑوسی تمہارے حق میں نیک گوہی دیں تو سمجھ لو کہ تم عند اللہ بھی اچھے ہو۔ پھر اس معیاری دائرہ کو ذرا اور وسیع کرتے ہوئے ارشاد ہوا کہ تم زمین پر خدا کے سرکاری گواہ ہو جس کے حق میں جیسی گواہی دے دو گے وہ اللہ کے نزدیک بھی ویسا ہی مانا جائے گا۔ خواہ وہ دنیا میں ہو یا برزخ اور آخرت میں۔ چنانچہ دنیا میں ایک جنازہ گزرنے پر حضورؐ نے فرمایا کہ جنت واجب ہو گئی اور علت وجوب یہ فرمائی کہ لوگ اس کے بارہ میں کلمہ خیر کہہ رہے ہیں کہ یہ اچھا آدمی تھا، لہذا جنتی ہو گیا۔ اور ایک دوسرا جنازہ گزرنے پر فرمایا کہ جہنم واجب ہو گئی کیونکہ لوگ اس کے بارے میں کہتے جا رہے تھے کہ بہت بُرا آدمی تھا، خس کم جہاں پاک۔ اسی طرح آخرت میں بھی حق اقسام اس امت کی شہادت معتبر ہوگی اور اس امت پر رسول شاہد ہوں گے جیسے قوم نوحؑ کا فیصلہ اسی امت کی شہادت پر کیا جائے گا۔

ہر سہ استدلال شرعی سے برزخی مقامات کا اندازہ

بیان مذکور سے معلوم ہوا کہ استدلال شرعی کا ایک مقام شخصیات ہی ہے ایک

طبقاتی ہے اور ایک کلیاتی جس سے ہر انسان کے برزخی مقام کافی اجماع اندازہ ہو سکتا ہے۔

پھر ان تینوں مقاموں میں اجمال و تفصیل کا فرق بھی ہے مثلاً شخصی طور پر کسی کے لیے یا اس کے مقام کی تفصیلات اور شاد فرمائی گئی ہوں یا اسے درجہ اجمال میں ذکر کیا گیا ہو، اسی طرح طبقاتی اور کلیاتی اطلاعات میں بھی اجمال و تفصیل کا فرق ہے کہ کس کے لیے ایک ایک عمل کو شخص کے ساتھ یا نوعی طور پر الگ الگ گنا کہ اس کا برزخی ثمرہ تفصیل سے ظاہر کیا گیا ہو۔ اس صورت میں تو وہ اس عمل کنندہ کا تفصیلی برزخی مقام ہوگا۔

عالم برزخ کی تفصیل اس لیے گذارش کی گئی ہے کہ آپ اس کی کچھ وسعتوں کا اندازہ کر سکیں۔ تاہم اس اقراء سے چارہ نہیں کہ عالم برزخ کے حالات اور کیفیات کا اس طرح جان لینا جیسا کہ ہم یہاں دنیا میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں کوئی آسان کام نہیں۔

اس کے مختلف الانواع انکشافات کے باوجود اس پر الہی حکمت کے ہزاروں پردے پڑے ہیں۔ اس کے بعد عالم آخرت ہے جس میں ایک دوسرے کو جانتا پہچانتا اور ملنا ملنا اسی طرح واضح ہوگا جس طرح ہم یہاں ایک دوسرے کو جانتے اور پہچانتے ہیں۔ بلکہ وہاں ظواہر کے ساتھ حقائق بھی کھلے نظر آئیں گے۔

عالم ارواح کے بعد یہ تینوں جہان عالم دنیا ہو یا عالم برزخ یا عالم آخرت نفس انسانی سے قائم ہیں صرف عالم ارواح ہے جس میں صرف روحوں کی زندگی ہے اور اسی لیے اسے عالم ارواح کہتے ہیں۔ باقی تینوں جہان روح و بدن کے مختلف النوع تعلق سے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ انسان ان جہانوں میں اپنے اپنے وقت میں رہتا ہے۔ ہاں مستقل طور پر دارالقرار صرف عالم آخرت ہے۔ ان الدار الاخرۃ لہی الحیان لو كانوا یعلمون۔

اگر آپ دنیوی حیات کے نقطہ سے بدکتے ہیں تو لیجئے اس کی بھی تفصیل سن لیں۔ ہم شہداء اور انبیاء کو اس عالم (دنیا) میں نہیں اگھے جہان (عالم برزخ) میں زندہ مانتے ہیں۔ انتقال دارین ہو چکا ہے اور اب یہ حضرات اس عالم کے افرلو نہیں، اُس جہان کے رہنے والے ہیں۔ اگر کہیں ان نفوس قدسیہ کو دنیوی حیات سے زندہ کہا گیا ہے تو اُس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان کی عالم برزخ کی یہ زندگی انہی ابدان سے متعلق ہے جو ان کے اس دنیا میں تھے یا یہ کہ ان کے اعمال میں دنیا کی طرح اب بھی ارتقا ہے اور ان کی وفات سے ان کے اعمال کا ارتقا رکا نہیں۔

سو ان کی اس زندگی کو دنیا کی سی زندگی تو کہا جاسکتا ہے لیکن حقیقت میں اس عالم کی زندگی نہیں۔ ظرف کے اعتبار سے یہ ان کی برزخی زندگی ہے۔

برزخی زندگی کی اس تفصیل کے بعد ہم انشاء اللہ کچھ وہ عبارات بھی پیش کریں گے جن میں عذابِ قبر کا بیان ہے اور اس میں یہ تفصیل ہے کہ اس کے لیے روح و بدن کا بالکل دنیا کا سا تعلق ہو نا ضروری نہیں جس طرح وہ زندگی پر دے میں ہے یہ تعلق بھی پر دے میں ہے۔

اس برزخی زندگی میں موت و حیات دونوں جمع ہیں اعادہ روح ایسے انداز میں ہوا ہے کہ اس سے وہ حیات قائم نہیں ہوتی جو اسم موت کو کلیتہً اٹھا دے بلکہ اس میں ایک ایسی حیات آتی ہے جو برزخی ہے کہ عام نگاہیں تو اسے نہ پاسکیں مگر اندر ہی اندر ایک حیات قائم ہو جس سے قبر کے نعیم و الم کا ادراک ہو سکے قبر میں نعیم و الم کے اس ادراک کا اقرار اسلام کے عقائد ضروریہ میں سے ہے یہ حیات کی ایک جدید نوع ہے جو ظاہر پر دے میں ہوتی ہے اسی لیے اسے حیات برزخی کہتے ہیں۔ علامہ محمد بن احمد بن عبد اللہ ہادی لکھتے ہیں:-

ان هذه الاعادة ليست مستلزما لاثبات حياة مزيلة لاسم الموت بل هي نوع حياة برزخية

والحياة جنس تحته انواع وكذلك الموت فاثبات بعض انواع الموت لا ينافي الحياة

ہاں شہداء اور انبیاء کے لیے اس حیات برزخی میں آلے سے اسم موت اٹھ جاتا ہے ان کے لیے موت صرف اس درجہ میں تھی کہ وہ عالم دنیا سے نکلے اور عالم برزخ میں پہنچے اس کے بعد ان کے لیے موت نہیں نہ انہیں مڑہا کہو نہ مردہ سمجھو۔

اسلام کا عقیدہ برزخ

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى لعلنا

قرآن و حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ عالم دنیا اور عالم آخرت میں ایک درمیانی منزل ہے جس پر اسرار کا پردہ پڑا ہے یہ عالم برزخ ہے جسے عام نگاہیں دیکھ نہیں پاتیں اس میں بھی انسان اپنے دنیا کے بُرے عملوں پر ایک گونہ عذاب پاتا ہے۔ آخرت کے بُرے حساب سے پہلے یہاں بھی اسے ایک چھوٹے عذاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس چھوٹے عذاب میں پھر وہ احتمال میں دنیا کے مصائب و آفات اور امراض مراد ہوں یا آخرت سے پہلے عالم برزخ کا عذاب مراد ہو حضرت عبداللہ بن عباسؓ پہلی صورت کے قائل ہیں اور حضرت براء بن عازبؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد مجاہدؒ اس سے عذاب قبر مراد لیتے ہیں جو صورت مراد لیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس طرح عذاب اکبر (آخرت کا عذاب) روح اور جسم دونوں سے متعلق ہے یہ عذاب ادنیٰ بھی روح اور جسم دونوں سے ہے۔ بدن جس حال میں ہو دیکھا ہو جیسا کہ اس دنیا میں ہے یا قذات منتشرہ کی صورت میں اس عذاب ادنیٰ کا تعلق بدن سے ضرور ہے۔

دنیا کی زندگی ایک کھلی کتاب ہے ہر کوئی اسے پڑھ سکتا ہے یہ ہر کسی کے لیے مُذکر اور مُشاہد ہے۔ آخرت کی زندگی بھی کھلی ہو گی اور لوگ ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ اہل نعیم بھی ایک دوسرے کو پہچانیں گے اور جہنمی بھی ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ دنیا اور آخرت کے درمیان کی زندگی پر ایک پردہ ہے اور یہ پردہ قیامت تک رہے گا۔ پردے کو عزلی میں برزخ کہتے ہیں۔ یہ برزخی زندگی پردے میں ہی ہے۔ یہاں کی آنکھیں اسے پا نہیں سکتیں اور یہاں کے کان انہیں خود اسے سُن نہیں پاتے۔ اللہ تعالیٰ اس سے کسی وقت کسی شخص کے لیے پردہ اٹھا دیں تو یہ اور بات ہے۔ علامہ ابو عبد اللہ القرطبی (۱۱۱۷ھ) لکھتے ہیں:-

فاعلموا ايها الاخوان ان عذاب القبر ونعيمه حق كما صرح به
الاحاديث الصحيحة ولكن الله تعالى ياخذ بابصار الخلائق و

اسماعہم من الجن والانس عن دویۃ عذاب القبر و نعيمہ الحکمۃ
الہیۃ ومن شک فی ذلک فہو ملحد بہ

ترجمہ۔ اے بھائیو! جان لو کہ قبر کا عذاب اور اس کا آرام برحق ہے۔ اس حدیث
صحیحہ صراحت سے یہی بتا رہی ہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے دوسرے سوالوں کی آنکھوں
اور ان کے کانوں سے اس عذاب اور راحت کو اپنی حکمت سے پردے میں
کر رکھا ہے اور جو شخص اس برزخی عمل میں شک کرے وہ ملحد ہے (اگر وہ
ہو چکا)

یہ عمل پردے کا ہے اسے محسوس نہ کر سکنے کے پیش نظر اس کا انکار نہ کیا جائے اسے
برزخی زندگی کہتے ہی اس لیے ہیں کہ اس کا ادراک و احساس کھلے بندوں نہیں ہوتا لیکن اس کا
ہونا برحق ہے گو ہم اسے کھلے طور پر دیکھ نہ سکیں۔ علامہ سیوطی (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں :-
و نحن لا نشعر بہ کما انا نحب المغنی علیہ میتا و كذلك یضیق علیہ
الجوع کضمة القبر ولا یسکر مشاء من ذلک من خالط الایمان
قلوبہ

ترجمہ۔ اور ہم اسے محسوس نہیں کر پاتے جیسا کہ ہم بے ہوش کو مردہ سمجھ لیتے ہیں
اور اسی طرح اس مردہ پر فضا تنگ کر دی جاتی ہے (جو لکڑی پر لٹکا ہو)
اور یہ اس کے لیے ضمتہ القبر و قبر کا دباؤ ہے۔
حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ بھی لکھتے ہیں :-

روح کا تعلق باوجود علیین و سجین کے تعلق کے بدن کے ساتھ بھی ہے اور ضرور
ہے مگر اس کو دنیا کی آنکھیں محسوس نہیں کر سکتیں کیونکہ عالم غیب کے اسرار
دنیا دار کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور نہ دکھایا جانا ہی مناسب ہے کیونکہ

پھر ایمان بالغیب نہیں رہے گا۔

دنیا اور آخرت کے درمیان یہ بے زخمی زندگی ہے۔ اس کے سارے معاملات پر دے کے پیچھے ہیں۔ دنیوی زندگی، بے زخمی زندگی اور اخروی زندگی، یہ تین دوائر حیات ہیں اور تینوں میں بدن اور روح ساتھ ساتھ ہیں۔ ہاں بزرخ میں یہ ربط اور تعلق اتنا لطیف ہے کہ اسے سمجھنا بہت مشکل ہے۔ سوائے اس کے کہ اس باب میں ہم قصص شریعت پر ایمان لائیں اور اس کے جو آثار ہمیں کتاب و سنت میں ملتے ہیں انہیں حق تسلیم کریں۔

① قرآن کریم میں تین زندگیوں کا ثبوت

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لیے تین دفعہ سلامتی کی دعا کی گئی ہے

① پیدائش کے دن (یہ سلامتی ان کی پوری دنیوی زندگی کو شامل ہے)۔

② وفات کے دن (یہ سلامتی پوری بے زخمی زندگی کو شامل ہے)۔

③ جس دن آپ قبر سے زندہ اٹھائے جائیں گے (یہ سلامتی پوری اخروی زندگی کو محیط ہوگی)۔

قرآن کریم میں ان تینوں حالتوں کا بیان ہے:-

وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ مَيُوتُ وَيَوْمَ يُرْجَعُ حَيًّا

(پ ۳۱۱۔ سورہ مریم آیت ۱۵)

پیدائش کے دن کی سلامتی صرف اسی دن کے لیے نہیں، پوری دنیوی زندگی کے لیے ہے۔ وفات کے دن کی سلامتی اگلی بے زخمی زندگی کے لیے مانگی گئی۔ وفات کے بعد اگر کوئی زندگی نہیں

تو یہ سلامتی کی دعا کیا صرف موت کی گھڑی کے لیے کی گئی تھی؟ یہ زندگی پر دے میں ہے۔ ہاں

کھلی زندگی سے آپ اس وقت اٹھائے جائیں گے جس دن سب کو قبروں سے اٹھنا ہے، ان

تینوں زندگیوں میں روح و بدن دونوں کے لیے سلامتی کی طلب ہے۔

اس آیت میں نہایت واضح طور پر تین زندگیوں کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی دعا کی ہے۔

والتسلام علی یوم ولدت و یوم اموت و یوم ابعث حیاً۔

(پ ۱۲: مریم آیت ۲۳)

ترجمہ سلامتی محمد پر اس دن بھی ہوئی جس دن میں پیدا ہوا اور اس دن بھی ہو جب

میں مرے اور اس دن بھی جب میں زندہ کیا جاؤں۔

یہاں تین ایام سے صرف تین دن مراد نہیں تین مواطن مراد ہیں اور یہ تین زندگیاں ہیں۔

یہ صرف ایام ثلاثہ ہیں یا مراد مواطن ثلاثہ ہیں

یہاں صرف یوم پیدائش، یوم وفات اور یوم بعث مراد نہیں، مراد مواطن ثلاثہ ہیں اور

انسان ان تینوں میں اللہ رب العزت سے سلامتی کا طالب ہے محققین نے یہاں مواطن ثلاثہ

ہی مراد لیے ہیں۔

حافظ ابن الجوزی (۵۹۷ھ) اپنی تفسیر زاد المسیر میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی اس دعا پر

پر لکھتے ہیں۔

فحص الله تعالى يحيى بالكرامة والسلامة في المواطن الثلاثة۔

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ کو ان تینوں مواطن میں عزت اور سلامتی سے خصوصیت

بخشی ہے۔

علامہ نسفی (۵۳۷ھ) بھی مدارک میں لکھتے ہیں کہ یہاں مواطن ثلاثہ مراد ہیں۔

وذلك السلام الموجه الى يحيى في المواطن الثلاثة۔

یعنی اب ذرا آپ کو ساتویں صدی میں لے چلیں۔

علامہ قرطبی (۲۷۱ھ) یوم ولادت سے پوری دنیا کی زندگی مراد لیتے ہیں کہ انسان پوری
 دنیوی زندگی میں خدا سے سلامتی کا طلب گار ہے۔ ویوم اموت سے پوری قبر کی مدت مراد ہے
 اور اس دور میں بھی انسان سلامتی کا محتاج ہے اور یوم البعث حیات سے بھی آخرت کی پوری
 زندگی مراد ہے۔

ان مواطن کی ابتداء یوم ولادت و وفات اور یوم بعثت اس لیے ذکر کی کہ ان مواقع میں انسان
 بہت کمزور، عجیب پس اور نہایت مضحل ہوتا ہے۔ پھر کچھ سنبھلتا جاتا ہے۔
 علامہ قرطبی لکھتے ہیں

وجاء فی المواطن التي الانسان فيه في غاية الضعف والحاجة
 پھر آگے جا کر لکھتے ہیں۔

يوم ولدت یعنی فی الدنيا و يوم اموت یعنی فی القبر و يوم البعث یعنی
 فی الآخرة۔

اور حاصل اس دعا کا لکھتے ہیں۔
 فسلم فی احواله کلما

کہ وہ اپنے ان تینوں احوال کے کل عرصے میں خدا سے سلامتی کا طالب ہے
 امام فخر الدین رازی (۶۰۲ھ) بھی ان تین دنوں سے فقط ایامِ ثلاثہ مراد نہیں لیتے۔ ان
 مواطن کی کل مدت مراد لیتے ہیں۔ سو یہاں یوم اموت سے کل بزرخی زندگی مراد ہے نہ کہ ایک دن۔
 آپ لکھتے ہیں۔

اعظم احوال الانسان احتیاجاً الى السلامة هي هذه الاحوال الثلاثة... فجميع

الاحوال يحتاج فيها الى السلامة واجتماع السعادة من قبله تعالى طلبها

ليكون مصوناً عن الأفلات والمخافات في كل من الاحوال

ترجمہ۔ انسان کے سب سے زیادہ ماحتمندی کے احوال یہ تین مواقع ہیں.....
 سو تمام احوال جن میں وہ خدا کی طرف سے سلامتی اور خوش قسمتی کا طالب
 ہو سکتا ہے ان میں اس کی طلب ہے کہ وہ ان تمام میں جملہ آفات اور مخافات
 سے محفوظ رہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی بھی یومِ اموت کو صرف یومِ وفات سے خاص نہیں کرتے
 اس سے قبر کی پوری مدت مراد لیتے ہیں اور والسلام علی (عجہ پر سلامتی ہو) سے ایک
 نہایت لطیف معنی اخذ کرتے ہیں کہ یہ جملہ اسمیہ ہے۔ حالانکہ پہلے بات جملہ فعلیہ میں چلی آرہی
 تھی۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی دنیا کی پوری زندگی میں قبر کی پوری مدت
 میں اور آخرت کی پوری زندگی میں شامل ہے۔

(والسلام علی) جعلت اسمیۃ للذلالۃ علی الاستمرار

صاحب روح المعانی بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔

فعدل الی الاسمیۃ لارادۃ المدوام والثبوت۔

تفسیر خازن میں بھی یومِ وفات کی سلامتی سے مراد صرف یومِ وفات کا امن نہیں سلام کی
 طلب عذابِ قبر کی پوری مدت میں مراد لی گئی ہے۔

سو اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان قبر کی برزخی زندگی میں بھی اس حالت میں ہے
 کہ وہ اس میں خدا کی طرف سے سلامتی اور عذابِ قبر سے حفاظت چاہتا ہے۔ وہ قبر میں محض
 جہاد اور بے جان نہیں کہ اس پر جو کچھ گزرے اسے کوئی فرق محسوس نہ ہو۔ برزخی زندگی
 بھی ایک زندگی ہے وہ اس میں اپنی قبر میں خدا سے سلامتی کا طالب ہے۔

برزخی زندگی میں انسان قبر میں اگر محض جہاد بے جان ہوتا تو اس دور کے لیے اللہ سے سلامتی
 کی طلب نہ ہوتی۔

قبر میں سلام سے مراد عذابِ قبر سے سلامتی ہے یا سلامِ تحیۃ بھی مراد ہو سکتا ہے

علامہ طبری (۳۱۰ھ) نے اس سے مراد مطلق امان لیا ہے اور یہ بات عامہ اموات کے بہت مناسب ہے کہ اہوالِ قبر اور اس کی آفات سے سلامتی مل جائے یہ بڑی بات ہے۔ لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے اس سلام سے مراد سلامِ تحیۃ ہے۔ ہم جب یہاں ایک دوسرے کو ملتے ہیں تو سلامِ تحیۃ کہتے ہیں۔ اذاجیتہم بتحیۃ فحتوا باحسن منہما (پیشانی ۳) میں السلام علیکم کہنے کو سلامِ تحیۃ کہا گیا ہے۔ انبیاء کرام پر اس قبر کی زندگی میں جو سلام وارد ہوتا ہے وہ سلامِ تحیۃ ہی ہے۔

قرآن کریم میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لیے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے موطنِ وفات (قبر کی زندگی) میں جس سلام کی طلب ہے وہ یہی سلامِ تحیۃ ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی قبور میں محض عباد یا پھر نہ ہوں بلکہ ایسی زندگی سے سرفراز ہوں جو گو دوسروں کو محسوس نہ ہو لیکن اللہ رب العزت کی طرف سے ان پر سلامِ تحیۃ برابر اترتا ہو اور امت کا سلام بھی ان پر پیش ہوتا ہو۔ علامہ ابن عطیہ (۵) کہتے ہیں :-

والاظهر عندی انہما التحیۃ المتعارفہ فی اشرف وانبیاء من
الامان لان الامان یتحصل بنفی العصیان عنہ وہی اقل درجاتہ
وانما الشرف فی ان سلم اللہ تعالیٰ علیہ۔

ترجمہ میرے نزدیک زیادہ واضح بات یہ ہے کہ یہاں سلامِ تحیۃ مراد ہے جو بطور سلام متعارف ہے یہ مطلق امان سے شرف اور بزرگی میں زیادہ ہے امان تو اسے گناہ نہ ہونے کی وجہ سے حاصل ہے ہی اور یہ تو ایک ابتدائی درجہ ہے شرف تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس (نبی) پر اپنا سلام (تحیۃ) بھیجے۔

قرآن کریم کی نص ہے کہ انبیاء علیہم السلام پوری دنیوی زندگی اور پوری آخری زندگی
 خدا کا یہ شرف پاتے ہیں اور ان پر بے شک یہ سلام تحیۃ اترتا ہے۔ امتوں کا سلام بھی ان پر
 پیش ہوتا ہے اور وہ اپنی قبر شریف میں محض جہاد اور پتھر منہیں ہیں جیسا کہ پتھری سمجھتے ہیں
 یہی یہ بات کہ یہ قبر کی سلامتی اس متعارف قبر سے نہیں کیسی اور درجے کا نام ہے جس پر
 یہ اکرام و شرف اترتا ہے۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نہایت واضح جواب ارشاد
 فرما چکے ہیں۔ آپ نے یہ نہ فرمایا کہ وفات کے بعد یہ اکرام و سلام روح پر پیش ہوتا ہے بلکہ
 بتلایا کہ اسی بدن پر پیش ہوتا ہے جسے تم سمجھتے ہو کہ ریزہ ریزہ ہو چکا ہو گا۔ حضرت اوس بن
 اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

کیف تعرض صلوٰتہا علیک وقد ارمیت

ترجمہ۔ ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے جب آپ ریزہ ریزہ ہو
 چکے ہوں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان الله يحترم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء۔

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے بدنوں کو ریزہ
 ریزہ کرے۔

اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر متنبہ فرمایا کہ یہ موت کے بعد کی زندگی اسی
 بدن سے متعلق ہے اور یہ برزخی زندگی ہے اور اس میں بھی آپ پر صلوٰۃ و سلام پیش ہوتے
 ہیں۔ یہ زندگی چونکہ کھلی زندگی نہیں پڑے میں ہوتی ہے اس لیے اسے برزخی زندگی بھی کہتے
 ہیں۔ مگر برزخ چونکہ بعض علماء کے نزدیک موطن دنیوی میں سے ہے اس لیے اسے ایک
 پہلو سے دنیوی زندگی بھی کہتے ہیں۔

② قیامت سے پہلے آل فرعون کا عذاب

آل فرعون کی غرقابی ایک بُری طرح کا عذاب تھا اس سے وہ عالم برزخ میں داخل ہوئے اور یہ ان کا عذابِ قبر ہے۔ آخرت کا عذاب انہیں قیامت کے بعد ہوگا۔

وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ۝ النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا
وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ۔

(پ ۲۴: المؤمن آیت ۴۶)

ترجمہ۔ اور آلٹ پڑا فرعون والوں پر بُری طرح کا عذاب۔ وہ آگ ہے جس پر وہ پیش کئے جاتے ہیں صبح و شام۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی حکم ہوگا کہ داخل کرو فرعون والوں کو سخت در سخت عذاب میں۔

فرعونوں کی پہلی نافرمانی کی زندگی گزر چکی۔ اب جب عذاب نے انہیں گھیرا اور وہ ڈوبے تو یہ دوسری زندگی شروع ہو گئی۔ یہ سوء العذاب ان پر اترا۔ اس میں صبح و شام وہ آگ پر پیش کیے جاتے ہیں کہ یہ ہمتارا ٹھکانا ہے۔ اور جس دن قیامت واقع ہوگی کہا جائے گا کہ آل فرعون کو اس بڑے عذاب میں ڈالو۔ یہ ان کی تیسری زندگی ہوگی۔ بڑے عذاب میں داخل قیامت کو ہے۔ اس آیت میں سوء العذاب اور أشد العذاب کی خبر علیحدہ علیحدہ دی گئی ہے۔ حافظ ابن کثیر (۷/۴۷۴ھ) لکھتے ہیں:-

وهذه الآية أصل كبير في استدلال أهل السنة على عذاب البرزخ في القبور.

ترجمہ۔ اور یہ آیت اہل السنۃ کے استدلال کی بُری اساس ہے کہ قبروں میں عذابِ برزخ ضرور ہے۔

③ دُنوی پکڑ کے متصل عذابِ اخروی

قرم نوح اپنی غرقابی سے اپنی بزخنی زندگی میں داخل ہوئی۔ یہ آگ میں داخلہ غرق ہونے کے معالجہ ہوا۔ اور جس دن قیامت واقع ہوگی اس دن یہ لوگ تیسری زندگی میں داخل کیئے جائیں گے یہ ان کا اشد العذاب میں داخلہ ہوگا۔

مما خطبتہما غرقوا فادخلوا ناراً (پ ۲۹: نوح آیت ۲۵)
ترجمہ: وہ اپنی غلطیوں کے سبب غرق کر دیئے گئے اور اسی وقت آگ میں ڈال دیئے گئے۔

بڑے عذاب میں یہ بھی قیامت کے دن ڈالے جائیں گے شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔
بظاہر پانی میں ڈبائے گئے لیکن فی الحقیقت بزخ کی آگ میں پہنچ گئے۔

④ انسانی زندگی کے تین دور

منہا خلقناکم و فیہا نعیدکم و منہا نخرجکم تلوة اخروی۔

(پ ۱۱۶: طہ آیت ۵۵)

ترجمہ: اسی زمین سے ہم نے تم کو بتایا اور اسی میں پھر تمہیں پہنچا دیتے ہیں اور اسی سے نکالیں گے تم کو ایک دفعہ پھر۔

فیہا نعیدکم سے مراد قبر میں جانا ہے قبر جس شکل میں بھی ہو اور جہاں ہو یا جہاں جہاں ہو انسان کو اس میں جانا ضرور ہے۔ جلے ہوئے انسان کے ذرات منتشرہ جہاں جہاں بھی ہوں ان میں بار یک باہمی ربط ہی اس کی قبر ہے جس پر احوال قبر وارد ہوں گے۔ اس قسم کی شاذ مثالوں سے ان قبور ظاہرہ کا انکار نہیں کیا جاسکتا یہ قبریں جن میں ہم ظاہرہ دفن کرتے ہیں یہ بھی قبریں ہی ہیں۔

اور یہی آگ کے گڑھے یا جنت کے باغات ہیں۔ ان میں میتوں کو اتار دیتا ہے تو یہی سمجھو کہ یہی فیہا نعیدکم
کا مصداق ہیں۔ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں :-

برزخ کے احکام روح پر جاری ہوں گے اب دکھ اور سکھ روح کو پہنچے گا وہ صاحب روح کے
جسم پر بھی سرایت کرے گا۔ روح کا تعلق بدن سے گو عام حالات میں ظاہر نہیں لیکن ایک غیر معلوم
وجہ پر یہ بھی رہتا ہے بدن سے اس کا بالکل انقطاع اور بعدانی نہیں ہوتی بلکہ
قبر میں ٹوٹنے کے بعد وہاں بے جان پڑے رہتا ہے یا قبراں کے کچھ اپنے معاملات
میں جن کی مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے ؟ حضرت بار بن عازبؓ فرماتے ہیں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

فتعاد روحہ فی حیاتہ فیاتہ مملکان فیجلسانہ فیقولان لہ
من ربک بلکہ

ترجمہ۔ پس اس کی روح اس کے بدن میں ٹوٹائی جاتی ہے پھر اس کے پاس فرشتے
آتے ہیں اور اسے بٹھاتے ہیں اور اسے پوچھتے ہیں تیرے عقیدے میں تیرا رب کون ہے ؟
علامہ قرطبی نے بھی اس حدیث کو ان دو حوالوں سے ذکر کیا ہے۔ اس کی پوری بحث
امادیش کے ذیل میں آئے گی۔ یہاں صرف دو حوالے نوٹ فرمائیں :-

دوی الامام احمد و ابو داؤد باسناد صحیح عن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
ترجمہ۔ امام احمد اور امام ابو داؤد نے سند صحیح کے ساتھ اس حدیث کو حضرت براءؓ
سے روایت کیا ہے۔

منع منظر گڑھ کے مشہور محقق عالم حضرت علامہ عبدالعزیز قرطبیؒ لکھتے ہیں :-
ان الاحادیث الصحیحۃ ناطقۃ بان الروح تعاد فی الجسد عند السوال۔

ترجمہ۔ احادیث صحیحہ پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ روح اس سوال (فی القبر) کے وقت بدن میں لوٹائی جاتی ہے۔

فرشتوں کا مسیت کو بٹھانا اور سوال کرنا احادیث صحیحہ میں پوری صراحت سے موجود ہے۔ یہ بیٹھنا اور اٹھنا بدن کی مثال ہے، روح تو کہ نہیں لیتی، سو یہ قبر میں ہونے والے سارے معاملات صرف روح سے نہیں بدن اور روح کے تعلق سے ہیں مگر ایک برزخی حیات پا چکا ہے گو ہمارے لیے یہ حیات اور اٹھنا بیٹھنا مددک اور مشاہدہ نہ ہو۔

حافظ ابن منذر نے کتاب الروح والنفس میں حدیث بار نقل کرتے ہوئے یہ بھی روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر میں روح کے لوٹنے جانے کا ذکر کرتے ہوئے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی ہے۔

منہا خلقناکم وفيہا نعیدکم ومنہا نخرجکم تارۃً اخری۔

(پ ۱۲: طہ: آیت ۵۵)

حضور کے اس استمشہاد سے ثابت ہوتا ہے کہ قبر میں روح کے لوٹنے جانے کا مسئلہ قرآن کریم میں بھی اشارۃً موجود ہے۔

فیہما نعیدکم کھ میں قبر میں محض بے جان پڑے رہنے کی بات ہوتی تو قرآن کریم اسے اس اہتمام اور شان سے ذکر نہ کرتا۔ یہ واقعی دنیا اور آخرت کے درمیان ایک برزخی زندگی ہے جس کے اپنے معاملات ہیں اور یہاں مرنے والے کو قیامت تک کے لیے ٹھہرنا ہے۔

⑤ سوالاتِ آخری میں ثابت قدمی کی بشارت

یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوة الدنیا و فی الآخرہ ویضل

اللہ الظالمین ویفعل اللہ ما یشاء۔ (پ ۱۳: ابراہیم آیت ۲۷)

لہ کتاب الروح ص ۷۷

ترجمہ۔ الثابت قدم رکھتا ہے ایمان والوں کو۔ قول ثابت (کلمہ طیبہ) سے دُنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور بچلا (راہ بھلا) دیتا ہے بے الضافوں کو اور کرتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے۔

قبر کی منزل جو دُنیا اور آخرت کے درمیان بزرخ ہے اس کو پہلی زندگی میں بھی شمار کر سکتے ہیں کہ قبر اس دُنیا میں بھی تو ایک نشان ہے مرنے والا گو اس دُنیا سے نکل چکا لیکن ابھی تک اس کا یہاں ایک نشان ہے۔ آخرت کے باوجود اس کا اس سے ایک تعلق ہے۔ اور اس بزرخی زندگی کو آخرت میں بھی شمار کر سکتے ہیں کہ آخرت کی دو منزلیں بھڑائی جاہیں۔ پہلی قبر کی زندگی یہاں عذاب قبر ہو گا اور دوسری محشر کی زندگی جہاں قبروں سے اٹھ کر پہنچنا ہے۔ پھر جنت یا دوزخ کی زندگی ہے جہاں راحت حقیقی دائمی یا اشد العذاب کے ٹھکانے ہوں گے۔ حدیث میں قبر پر بھی آخرت کا لفظ وارد ہے۔

ان القبر اول منازل الاخرة۔

ترجمہ۔ بے شک قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔
شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔

سلف سے دونوں قسم کے اقوال رکہ بزرخ کو ادھر شمار کر دیا ادھر منقول ہیں۔ غرض یہ کہ مومنین دُنیا کی زندگی سے لے کر محشر تک اسی کلمہ طیبہ کی بدولت مضبوط اور ثابت قدم رہیں گے۔ دُنیا میں کیسی ہی آفات و حوادث پیش آئیں کتنا ہی سخت امتحان ہو قبر میں نکیرین سے سوال و جواب ہو۔ محشر کا ہولناک منظر ہوش اڑا دینے والا ہو ہر موقع پر یہی کلمہ تو حمید اُن کی پامردی اور استقامت کا ذریعہ بنے گا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آخرت سے مراد اس آیت میں بزرخ ہے۔ حضرت بارہ بن عازبؓ

لے متدک حاکم بعد املۃ و احوال البزخ اشبه باحوال الآخرة فتح الباری ۳/۱۷۹ ج ۲ تبیہ عثمانی ۳۲۵

فرماتے ہیں ان رسول اللہ قال المسلم اذا سئل في القبر يشهد ان لا اله الا الله... الخ
 تقریباً چالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے معتبر اسانید کے ساتھ اس مضمون کی
 حدیثیں منقول ہیں..... ان سب حضرات صحابہ کرامؓ نے آیت مذکورہ میں
 آخرت سے مراد قبر لی ہے اور اس آیت کو قبر کے عذاب و ثواب سے متعلق
 قرار دیا ہے۔

مرنے اور دفن ہونے کے بعد قبر میں انسان کا دوبارہ زندہ ہو کر فرشتوں کے
 سوالات کا جواب دینا پھر اس امتحان میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب یا
 عذاب کا ہونا قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارۃً اور رسول کریم صلی اللہ
 علیہ وسلم کی ستر احادیث متواترہ میں بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ مذکور
 ہے جس میں مسلمان کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بقول مفتی اعظم اس میں کسی مسلمان کو شک و شبہ کی گنجائش
 نہیں تو پھر مفتیوں نے عذاب قبر کے منکر پر کفر کا فتوے کیوں نہیں دیا؟ — جواب یہ
 ہے کہ علمائے محققین کا فتوے یہی ہے۔ محقق ابوشکر السالمی کتاب التہدید میں لکھتے ہیں:-

فلما عذاب القبر للمؤمنين من المجازات وللکافرين من الواجبات
 والله تعالى يقول النار يعرصون عليها غدواً وعشياً یعنی فرعون و
 قومہ دل آنہ کان صحیحاً فی احی موضع و علی اتی حال و من
 انکر هذا یصیر کافراً۔

ترجمہ پس جب مومنین کے لیے عذاب قبر جائز ہے اور کافروں کے لیے واجب ہے اور اللہ تعالیٰ
 نے فرعون والوں کے بارے میں کہا کہ آگ پر وہ صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں تو اس کے
 معلوم ہوا کہ عذاب قبر یقیناً ہے کہاں ہوا کس حال میں ہوا اور جو اسکا انکار کرے کافر ہو جاتا ہے۔

عاقلاً ابن ہمام الاسکندریؒ (۸۶۱ھ) جو بقول علامہ شامیؒ ”مجتہد کے درجے کو پہنچے ہوئے تھے“ لکھتے ہیں:-

ولا يجوز الصلوة خلف منكر الشفاعة والرؤية وعذاب القبر والكرام
الكاتبين لانه كافر لتوارد هذه الامور عن الشارع صلى الله عليه وسلم
ترجمہ: جو شفاعت کا منکر ہو یا آخرت میں رویت باری تعالیٰ کا منکر ہو عذاب قبر کا
منکر ہو یا کرام کا تبین کا اس کے پیچھے نماز جائز نہیں کیونکہ یہ سب باتیں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ عام سے منقول ہیں۔

عذاب القبر پر اس قدر احادیث وارد ہیں کہ ان کی قدر مشترک تو اتر کا حکم رکھتی ہے۔
عذاب القبور كان ثابتاً بالاحاديث المشهورة التي يبلغ الحد المشترك
منها مبلغ التواتر وكان السلف الصالح متفقين على ذلك قبل ظهور
المخالفين به

ترجمہ: عذاب قبر احادیث مشہورہ سے ثابت ہے جن کی قدر مشترک تو اتر کو
پہنچتی ہے اور سلف صالحین سب اس پر متفق تھے ان مخالفین کے
آنے سے پہلے۔

یہ کہنا کہ عذاب قبر ہمیں نظر نہیں آتا اور سوال و جواب کے لیے میت کو بٹھانا ہم نے کبھی
نہیں دیکھا نہ ہایت بے تکلیبات ہے۔ اس جہان کی آنکھوں سے اس جہان کی واردات کو
دیکھنا اور انہیں اس جہان کے اسباب میں تولنا یہ ہرگز کوئی شرعی بصیرت نہیں ہے۔
مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:-

لہ فتح القدیر جلد ۴ مصر ۱۴۲۸ھ تنقیح اللغات جلد ۱ ص ۱۸۹

وہ عامیانه شبہات کہ دنیا میں دیکھنے والوں کو یہ ثواب و عذاب نظر نہیں آتے
سو اس کے تفصیلی جوابات کی تو یہاں گنجائش نہیں۔ اجمالاً اتنا سمجھ لینا کافی ہے
کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا اس کے موجود نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوتی۔ جنات اور
فرشتے بھی کسی کو نظر نہیں آتے مگر موجود ہیں۔ ہوا نظر نہیں آتی مگر موجود ہے
جس کا آسانی فضا کا اس زمانہ میں راکٹوں کے ذریعہ مشاہدہ ہو رہا ہے وہ اب سے
سہیجے کسی کو نظر نہ آتی تھی مگر موجود تھی۔ خواب دیکھنے والا خواب میں کسی مصیبت
میں گرفتار ہو کر سخت عذاب میں بے چین ہوتا ہے مگر پاس بیٹھنے والوں
کو اس کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔

اصل بات یہ ہے کہ ایک عالم کو دوسرے عالم کے حالات پر قیاس کرنا
خود غلط ہے۔ جب خالق کائنات نے اپنے رسول کے ذریعہ دوسرے عالم
میں پہنچنے کے بعد اس عذاب و ثواب کی خبر دی تو اس پر ایمان و اعتقاد
رکھنا لازم ہے۔

آخرت کے تمام حالات و واقعات جس طرح قرآن و سنت میں وارد ہوئے
ان پر بغیر تحجیک اور تاویل کے ایمان لانا ہی درحقیقت ایمان ہے۔ حشر اجماد
کی بجائے حشر روحانی اور عذاب و ثواب جسمانی و روحانی میں اسی طرح وزن
اعمال میں تاویلیں کرنا سب الشک کے نزدیک مردود و باطل اور گمراہی ہے۔

پھر بھی اگر کوئی شخص اس عالم بزرخ اور اس کی کیفیات کا انکار کرے تو و یضلل
اللہ الظالمین کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو بات ماننے کی توفیق نہیں دیتا
ورنہ حق تو ظاہر ہے۔ — اس آیت میں اشارہ دیا گیا ہے کہ عذاب قبر کے منکر
ظالم ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ان ظالموں کو مرتے ہی اس عذاب کا سامنا

ہوگا۔ اس وقت اس کا نام عذاب الہون ہوگا۔ اس سے زیادہ رسوائی کیا ہوگی کہ جس کا انکار کرتے تھے اسی میں آگبرے۔

⑥ مرنے کے نہایت ہی عذاب الہون کا سامنا

ولو ترى اذ الظالمون في غمرات الموت والملائكة باسطوا ايديهم
اخرجوا انفسكم اليوم عذاب الہون بما كنتم تقولون على الله
عند الحق وكنتم من اياته تستكبرون ۝ ولقد جئتمونا فرادى
كما خلقناكم اول مرة۔ (پ الانعام ص ۱۱)

ترجمہ۔ اور اگر آپ دیکھ پائیں (یہ کس مال میں ہیں) جب یہ ظالم موت کی سختیوں
میں (جکڑے) ہوں گے اور فرشتے ہاتھ بڑھائے ہوئے ہوں گے کہ نکالو
اپنی جانیں۔ بمہیں آج عذاب الہون دیا جائے گا اسی بدلے میں جو تم خدا تعالیٰ
پر جھوٹی باتیں لگاتے تھے اور بمہا اس کی آیات کو جھٹلانا ازراہ تکبر تھا اور
اب آئے ہو ہمارے پاس ایک ایک کر کے جیسا کہ ہم نے بمہیں پہلی بار (ایک
ایک کر کے) پیدا کیا تھا۔

یہ ایک ایک کر کے خدا کے پاس حاضری بذخ کی حاضری ہے۔ آخرت کی حاضری اکٹھی ہوگی۔
حشر کے ساتھ ہوگی۔ وہاں اگلے پچھلے سب اکٹھے پیش ہوں گے۔ یہ ایک ایک کی حاضری اس پہلے
کی حاضری ہے۔ اس یوم وفات سے ہی عذاب الہون ان کو اپنے گمیرے میں لے لے
گا۔ یہ عذاب بذخ ہے جو ابھی سے شروع ہو گیا ہے۔

آج جو لوگ عذاب قبر کا انکار کر رہے ہیں اور حیات بذخ کے انکار کے لیے بے محل
آیتیں پڑھتے چلے جاتے ہیں کیا وہ تقولون علی الله عند الحق کے مخاطب نہ ہوں گے اور کیا
ان کی یہ منہ اذراہ تکبر نہیں ہے۔ حقیقت وہی ہے جو قرآن کریم نے بتائی ہے۔

ایک پیر طریقت کو ہم نے اس بزخنی منزل کے انکار پر یہ آیت پڑھتے خود سنا۔
 ثم انشأ الله خلقاً آخر فبارك الله احسن الخالقين ۝ ثم انكم بعد
 ذلك لميتون ۝ ثم انكم يوم القيمة تبعثون ۝

(پ ۱۸: المؤمنون ع ۱)

ترجمہ: پھر ہم نے اُسے اٹھا کر اکیا ایک نئی صورت میں۔ سو بڑی برکت
 اللہ کی ہے جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔ پھر تم اس کے بعد مرد گے
 پھر تم قیامت کے دن ہی اٹھائے جاؤ گے۔

اس پر وہ پیر طریقت جھوم جھوم کر کہہ رہے تھے مرنے اور قیامت کے دن اٹھنے
 کے درمیان کہاں کوئی زندگی ہے۔ قرآن کریم مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے کسی زندگی
 کا پتہ نہیں دیتا۔

اس پر ہمیں یہ آیت یاد آگئی۔ كنتم تقولون على الله غير الحق۔ تم اللہ رب
 العزت کے ذمہ وہ باتیں لگاتے تھے جو اس نے نہیں کہیں۔ قرآن کریم میں جب مرتے
 ہی عذاب الہوں کی ایک زندگی کی خبر ہے۔ تو کیا کوئی مسلمان قیامت سے پہلے کی اس زندگی
 کا انکار کر سکتا ہے۔ یہ زندگی چھپی ہے اور علیحدہ علیحدہ ہے۔ ثم انكم يوم القيمة تبعثون میں
 اس کھلی زندگی کا بیان ہے جب تم سب اکٹھے اٹھائے جاؤ گے اور مہتلا حشر ہو گا۔ ظاہر
 ہے کہ ایسی کھلی زندگی تو قیامت کے دن ہی ملے گی۔ اس میں قبر کی بزخنی حیات کا انکار
 ہرگز نہیں ہے۔ مگر افسوس کہ وہ پیر طریقت ان آیات کو اس پہلی زندگی کے انکار کے لیے
 ہی بار بار پڑھ رہے تھے جس میں کئی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا انکار ہو رہا تھا۔
 مگر جاہل مریدین سب زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔

وہل افسد الذہن الا الملوك

واخبار سوء و رہبانہما

⑤ مرنے کی ضربیں اور عذاب الحریق کا سامنا

ولو تدبى اذيتو في الذين كفروا الملائكة يضربون وجوههم
وادبارهم وذوقوا عذاب الحريق ۝ ذلك بما قدمت ايديكم
ان الله ليس بظلام للعبيد ۝ (پٹ الانفال ع ۷)

ترجمہ۔ اور اگر دیکھے تو جس وقت فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہیں، تو
مارتے ہیں ان کے منہ پر (تھپڑ)، اور ان کی پیٹھ پر (کوڑے) اور کہتے
ہیں عظیم عذاب آگ کا۔ یہ بدلہ ہے تمہارے اعمال کا جو تم نے آگے بھیجے
اور اللہ ظلم نہیں کرتا اپنے بندوں پر۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت پر لکھتے ہیں :-
یعنی مار کر کہتے ہیں کہ ابھی تو یہ لو اور عذاب جہنم کا مزا آئندہ چکھتا
الفاظ آیت کے سب کافروں کو عام ہیں۔ اس لیے راجح یہ معلوم ہوتا ہے
کہ یہ واقعہ (ان کو مارنے کا) عالم برزخ کا ہو۔ اب بدر کے واقعات سے
تعلق یہ ہو گا کہ دنیا میں ان کافروں کی گت بتی۔ برزخ میں یہ ہو گا اور آخرت
کے عذاب کا تو کہنا ہی کیا ہے۔

کیا یہاں کھلے طور پر ان تین زندگیوں کا اقرار نہیں۔

۱۔ دنیا ۲۔ برزخ ۳۔ آخرت

یہ آیت بتاتی ہے کہ قبض روح کے وقت سے ہی اس کی برزخی زندگی شروع ہو

گئی اور عذاب اُترنے لگا قبر میں جاتے سے پہلے ہی یہ عذاب شروع ہو چکا۔

یہ ضربیں کہاں لگ رہی ہیں؟ بدن کے مختلف حصوں پر — سو یہ روحانی عذاب

کیسے ہوا؟ قرآن کریم تو کہے بضر بون وجوہ ہمداد باں ہمد اور ہم کہیں یہ صرف رحمانی عذاب ہے جہاننی نہیں۔ کیا قرآن کریم کی بات جھٹلائی جاسکتی ہے؟ نہیں۔
ومن اصدق من الله قیلاً

برزخ کا جہاننی عذاب برحق ہے۔ گو یہاں کے رہنے والے اسے دیکھ نہ سکیں یا سن نہ سکیں۔ یہ واقعات ہمیں نظر نہیں آتے۔ مگر چونکہ قرآن میں ان کا بیان ہے ان پر ایمان لانا فرض ہے۔ برزخی معاملات یہاں مشاہدہ میں نہ آئیں تو ان پر تعجب نہ کرنا چاہیئے انہیں تسلیم کر کے ایمان بالغیب کا لطف لیں اور یہی اللہ سے ڈرنے والوں کی شان ہے۔
ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

(پ: آیت اول)

ترجمہ: اس کتاب میں کوئی شک نہیں راہ بتاتی ہے ڈرنے والوں کو جو ایمان لاتے ہیں بن دیکھے۔

⑤ قیامت سے پہلے ایک برزخی زندگی

حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ • لَعَلّٰى اَعْمَلُ صَالِحًا
فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا • اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اَلْخ
يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ • (پ: المؤمن: آیت ۱۰۰ ع ۶)

ترجمہ: یہاں تک کہ جب پیچھے ان میں سے کسی پر موت تو کہے گا اے رب! مجھے واپس بھیج دو۔ شاید میں کچھ مجھے کام کر لوں جو میں چھوڑ آیا تھا۔ ہرگز نہیں (ایسا کبھی نہ ہوگا) یہ ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے اور ان کے پیچھے برزخ ہے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے۔
شیخ الاسلام لکھتے ہیں:-

عالم برزخ آتا ہے جہاں پہنچ کر دنیا والوں سے پردہ ہو جاتا ہے اور آخرت بھی سامنے نہیں آتی۔ ہاں مذاہب آخرت کا تھوڑا سا نمونہ سامنے آتا ہے جس کا مرقیات تک پڑا چکھتا رہے گا۔

دنیا — برزخ — آخرت۔ یہ تین جہاں ہیں جن کی قرآن کریم بار بار خبر دیتا ہے ان زندگیوں کی کیفیات احساسات اور لوازمات میں فرق ہو سکتا ہے بعض امور میں اشتراک و اتحاد بھی ہو سکتا ہے لیکن اس بقیں سے چارہ نہیں کہ افراد قرآن ان تینوں زندگیوں کی خبر دیتے ہیں اور مومن ان تینوں زندگیوں میں اللہ تعالیٰ سے سلامتی چاہتا ہے۔ کماشیر الیہ قولہ تعالیٰ حاکمًا عن لسان عیسیٰ ابن مریم والسلام علیٰ یوم ولدت و یوم اموت و یوم البعث حیا۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں :-

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تین مقام انسان کے لیے ٹھہرائے ہیں۔ دنیا، برزخ اور دار قرار۔ اور ہر مقام کے لیے علیحدہ علیحدہ کچھ احکام ٹھہرائے ہیں جو اسی سے مخصوص ہیں اور انسان کو بدن اور نفس سے مرکب کیا اور دنیا کے احکام بدنوں پر ٹھہرائے اور روحوں کو بدنوں کو تابع کیا۔ اس لیے شرعی احکام ان حرکات سے مرکب کئے ہیں جو زبان اور انداموں سے ظاہر ہوتے ہیں اگرچہ دل میں کچھ اور باتیں چھپی ہوئی ہوں اور خدا تعالیٰ نے برزخ کے احکام روحوں پر ٹھہرائے اور جسموں کو روح کے تابع کیا۔

۲۔ اس جگہ بدن ظاہر ہے اور روح پوشیدہ اور عالم قبر یعنی برزخ میں روح غالب و ظاہر ہوگی اور بدن پوشیدہ اور برزخ کے احکام ارواح پر جاری

۱۔ تفسیر عثمانی ص ۲۵۲

۲۔ جسموں کو روح سے لا تعلق نہیں کیا روح کے تابع کیا۔ یہ ہے مولانا تھانویؒ کا عقیدہ۔

ہوں گے یعنی دکھ اور سکھ روح کو پہنچے گا تو وہ صاحب روح کے جسم پر بھی
سراست کرے گا۔

۳۔ روح کا تعلق بدن سے گو عام حالات میں ظاہر نہیں لیکن ایک غیر معلوم وجہ پر
یہ بھی رہتا ہے بدن سے اس کا بالکل انقطاع اور بعدانی نہیں ہوتی بلکہ

۴۔ پس یہ امر کہ ارواح کا قبور کے ساتھ تعلق ہونا چاہیے اس چشم سے لینا
چاہیے جس کو کسی قدر کشتی آہکھ نے بھی بتلایا ہے کہ اس تو وہ خاک سے ارواح
کا ایک تعلق ہوتا ہے اور السلام علیکم یا اهل القبور کہنے سے جواب ملتا ہے
جو آدمی ان قوئے سے کام لے جن سے کشف قبور ہوتا ہے تو وہ ان تعلقات
کو دیکھ سکتا ہے۔

۵۔ غرض روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ انسان میت سے کلام کر سکتا
ہے اور ارواح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے جہاں اس کو ایک مقام ملتا ہے
وہاں استقرار ہو یا سیر۔ اور یہ ایک ایسی مسلم بات ہے کہ ہندوؤں کی کتابوں میں
بھی اس کی گواہی موجود ہے۔ پس یہ مسئلہ عام طور پر مسلمہ مسئلہ ہے بجز اس
گمراہ فرقے کے جو نفی بقائے روح کرتا ہے۔

روح اعلیٰ علیین میں بھی ہو تو بدن مدفون سے بے تعلق نہیں۔ انہیں قبر پر آنے
والوں کے سلام کی اطلاع ہوتی ہے اور روح کے مکانی فاصلے اس دریافت
میں مانع نہیں ہوتے۔ حضرت شاہ عبدالغنی مدنیؒ لکھتے ہیں:-

ان ارواح کو ایک ملاقات اپنی قبر سے ہوتا ہے۔۔۔۔۔ روح کو قرب و بعد مکانی
اس دریافت سے مانع نہیں ہوتا بلکہ

اس کی کچھ تفصیل آگے آئے گی جہاں حیات النسانی کے مختلف ادوار سے بحث ہوگی۔

یہاں فشر یہ بتانا ہے کہ حیاتِ انسانی صرف عالمِ ارواح میں بدنِ متعلق نہیں۔ دنیا، برزخ اور آخرت تینوں جہانوں میں یہ بدن متعلق ہے۔ ارشادِ قرآنی والسلام علیہ یوم ولد یوم یموت و یوم بیعت حیات آپ کے سامنے ہے۔ ولادت، موت اور حشر کے دن اٹھنا کس سے ہے؟ بدن سے۔ ولادت بھی بدن سے۔ موت بھی بدن پر اور پھر جی اٹھنا بھی بدن سے ہوگا۔ سو ولادت، موت اور بعثت کے بعد کی زندگیاں اسی بدن سے ہیں اور انصاف کا بھی یہی تقاضا ہے کہ انسان جس بدن سے عبادت یا معصیت کی ہے، عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت کی راحت اور تکلیف اسی بدن سے متعلق ہے۔ یہ وہی عجوبات ہیں کہ کسی جہان میں بدن کے احکام غالب ہوں اور کسی میں روح کے اور کسی میں روح اور بدن کی کیفیت ایک ہی ہو جائے۔

عذابِ برزخ اور عذابِ آخرت

یہاں ہم عالمِ برزخ پر بحث کر رہے ہیں قرآن کریم کی آٹھ آیات ہم نے عالمِ برزخ ثابت کہا ہے۔ یہ ایک جہان ہے جو عالمِ دنیا اور عالمِ آخرت کے مابین قائم ہے اور اس کے اپنے حالات اور احکام اس میں اور عالمِ آخرت میں قدر مشترک وہ نعم و عذاب جو انسان کو اپنے اس دنیا میں کئے گئے اعمال کے نتیجہ میں ملے گا۔ یہ پہلا عذاب، عذابِ اولیٰ ہے تو دوسرا عذاب اکبر یہ قیامت تک کے لیے ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

آخرت کے نعم و عذاب کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ وہ اسی بدن پر ہوگا جو دنیا میں تھا اور جس کے تعلق سے انسان گناہ کرتا رہا اور طرکِ افتضاح بھی تھی کہ جزا و سزا اسی بدن کو ہو جس انسان نے کوئی نیکی یا گناہ کیا۔ آخرت کے فیصلے کے لیے اللہ تعالیٰ کوئی نئے بدن نہ بنائیں گے انہی ریزہ ریزہ ہوتے ابدان کو پھر سے قبروں سے اٹھایا جائے گا۔

عذابِ برزخ اور نعمِ برزخ بھی جب انہی دنیا میں کئے گئے اعمال کی ایک چھوٹے درجے کی جزا و سزا ہے تو فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ اس بدن سے متعلق ہو جس انسان نے کوئی نیکی یا کوئی گناہ کیا تھا جس اصول کی بنا پر آخرت میں یہ عذری بدن مہر و لطف و بطش ہوگا۔ اسی اصول پر عالمِ برزخ میں عذابِ قبر اس بدن سے متعلق چاہے جس انسان نے گناہ کئے ہیں۔

قرآن کریم سے عالمِ برزخ کا نشان اور عذابِ قبر کا پر ہم آپ کو پہلے دے آئے ہیں آئیے آپ کو ہوا و بقاء سے بھی اس جہان اور اس کے کچھ حالات کی خبر دیں۔

عذاب قبر محدثین کی نظر میں

قرآن کریم کے بعد دوسری سند علمی ارشادات نبوت ہیں پیشتر اس کے کہ ہم وہ احادیث پیش کریں جن میں حیات برزخ کی خبر دی گئی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس باب میں کچھ مسلک محدثین کی وضاحت کر دی جائے۔ تا معلوم ہو کہ یہ محض نقل واقعہ نہیں نہ یہ صرف احکام میت میں سے ہے بلکہ اسے سلفاً و خلفاً ہمیشہ سے ایک عقیدے کی حیثیت حاصل رہی ہے اور اہل سنت کے ہاں یہ سلسلہ ہمیشہ ایمان کا جزو سمجھا گیا ہے۔

امام سلیمان بن اشعث ابو داؤد السجستانی (۲۷۵ھ) صاحب السنن سے کون واقف نہیں۔ ائمہ صحاح ستہ میں فقہی وقت نظر کی بناء پر آپ کا خاص مقام ہے۔ آپ کی مرویات مجتہد کا ایک جامع ذخیرہ علم ہیں۔ آپ نے معتزلہ کرامیہ جبریہ قدریہ اور شیعہ و خوارج کے بالمقابل عقائد اہل سنت کا پورا تحفظ کیا ہے اور سنن ابی داؤد میں کتاب السنۃ کے نام سے ایک مرکزی سلسلہ ابواب قائم کیا ہے۔ آپ اس میں یہ باب لائے ہیں۔

فی المسئلة فی القبر و عذاب القبر۔

اس کے بعد آپ نے باب المیزان باندھا ہے (کہ اعمال تو لے جائیں گے) پھر وہاں کے ظہور کا باب ہے۔ یہ سب وہ مسائل ہیں جو ان دنوں معتزلہ اور اہل السنۃ کے باہم اختلافی مسائل تھے۔ معتزلہ نہ سوال فی القبر کے قائل تھے نہ عذاب قبر کے۔ امام ابو داؤد نے عذاب قبر کو کتاب السنۃ میں لاکر اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کا انکار اعتزال کا ایک کھلا نشان ہے۔ اور جو اس کا قائل نہیں وہ اہل سنت میں سے نہیں۔

امام مسلم (۲۶۱ھ) صحیح مسلم میں کتاب صفة المنافقین و احکامہم اور کتاب الحجۃ و صفة نعیمہا کے تحت اثبات عذاب القبر کو لائے ہیں۔ باب باندھنے والے نے گریہاں و در بڑے باب

باندھے ہیں لیکن آخری باب الامر بحسن الظن بالله تعالیٰ عند الموت اور باب
 لن يدخل احد الجنة بعمله بل برحمة الله پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری
 بحث ایک ہے اور کتاب صفة المنافقین کے تحت ہے اور وہی عالم برزخ میں میت کو
 (جنت یا دوزخ کے) ٹھکانہ دکھائے جانے اور عذاب قبر کے منکر ہیں صحیح مسلم کا باب
 عرض مقعد الميت من الجنة والنتان عليه واشبات عذاب القبر والتعوذ منه بتار ہے
 کہ محدثین نے اسے ہمیشہ اہل السنۃ کے اصولی مسائل میں جگہ دی ہے۔ اسے محض ایک انکشاف
 یا نقل واقعہ کا درجہ نہیں دیا۔ بلکہ اثبات عذاب القبر سے معتزلہ پر محبت تمام کی ہے۔ اس کے
 بعد صحیح مسلم میں کتاب القبر ہے۔

حضرت امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) نے جہاں اور فتوں سے اللہ کی پناہ میں آنے کے
 باب باندھے ہیں ان میں آپ باب التعوذ من عذاب القبر لائے ہیں۔ آپ نے اسی
 میں عذاب قبر کی احادیث لکھی ہیں اور ان تمام فتوں سے پناہ مانگی ہے۔
 امام نسائی (۴۰۳ھ) سنن نسائی میں اسے کتاب الاستعاذہ میں لائے ہیں۔ پہلے
 الاستعاذہ من عذاب القبر کا باب ہے پھر باب الاستعاذہ من عذاب جہنم۔ یہ
 ترتیب بتاتی ہے کہ عذاب جہنم سے پہلے ایک چھوٹا عذاب ہے یہی عذاب برزخ ہے،
 اور یہی عذاب قبر۔

امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) عذاب قبر کی احادیث نو صحابہؓ سے مروی بتاتے ہیں۔ یہ نو کی
 نو مرفوع ہیں اور حضورؐ سے مروی ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:-

وفي الباب عن علي وزيد بن ثابت وابن عباس والبراء بن عازب

وابن أيوب والنس وحجاب وعائشة وابي سعيد كلهم روى عن

النبي صلى الله عليه وسلم في عذاب القبر۔

ان حضرات کے علاوہ احادیث عذاب قبر حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے بھی مروی ہیں۔

صحاح ستہ ایک طرف رہیں، مشکوٰۃ تو ہر عالم کے پاس ہوتی ہے اس میں دیکھ لیں خطیب تبریزی عذاب القبر کا باب کتاب الایمان میں لائے ہیں جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ عقیدہ عذاب قبر کو ہمیشہ ایمان کی حیثیت حاصل رہی ہے مشکوٰۃ کتاب الایمان میں پانچ باب ہیں :-

① — الکبائر وعلامات بالنفاق

② — الوسوسہ

③ — الایمان بالقدر

④ — اثبات عذاب القبر

⑤ — الاعتقاد بالکتاب والسنۃ

آپ نے اثبات عذاب القبر کو الایمان بالقدر کے ساتھ لاکر اس پر متنبہ کیا ہے کہ جس طرح تقدیر کا انکار معتزلہ کا موقف ہے۔ عذاب قبر کے منکرین بھی معتزلہ میں شمار ہوں گے محدثین کی یہ تنبیہ معتزلہ کے بدعی عقائد سے بچنے کے لیے ہے۔

محدثین کا مسلک کھل کر آپ کے سامنے آچکا ہے جو بات ہدٰی صحابہؓ سے مروی ہو اس کے تو اثر میں کسے شبہ ہو سکتا ہے۔ یہ کوئی خبر و امد نہیں کہ اس کا انکار کفر نہ ہو۔ اب ہم یہاں دشمنوں کی روایات پیش کرتے ہیں جنہوں نے عذاب قبر کی احادیث خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں۔

عذاب قبر پر احادیث کی روشنی میں محدثین کی شہادت

قرآن کریم کی شہادت کھل کر آپ کے سامنے آچکی ہے۔ اب آئیے حدیث کی روشنی

میں عالم برزخ کا کچھ پتہ لگائیں اور جانتے کی کوشش کریں کہ برزخ کے یہ حالات اور اس کے ثواب و عذاب کی واردات کہاں اور کس طرح واقع ہوتی ہیں اور یہ کہ یہ احادیث کس پائے کی ہیں؟ — اس کے بعد ان شاء اللہ اس پر بحث ہوگی کہ امت نے کچھ چودہ سو سال میں اس عقیدے کو کس درجے اور کس تفصیل سے قبول کیا ہے۔

① — حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :-

مرالنبی صلی اللہ علیہ وسلم بقبرین فقال انہما لیعدان وما یعدان
فی کبیر اما احدهما نکان لا یستقر من البول واما الآخر فکان
یمشی بالنمیمۃ ثم اخذ جریۃ رطبۃ فشقھا نصفین فغرز فی کل
قبر واحدۃ قالوا یا رسول اللہ لم فعلت هذا قال لعلہ یمخف عنہما
مالہم سبباً

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے، آپ نے بتایا کہ ان دو کو عذاب ہو رہا ہے اور وہ کسی بڑے گناہ پر نہیں، ایک تو پیشاب کی چھینٹوں سے سچاؤ نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغلی کھانے کا رسیا تھا پھر آپ نے کھجور کی ایک ٹہنی لی اور اس کے دو حصوں میں کاٹا اور دونوں ٹکڑے ایک ایک قبر میں گاڑ دیئے۔ صحابہؓ نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا: شاید جب تک یہ ٹہنیاں سبز رہیں ان سے عذاب ٹہکا رہے۔
اس حدیث میں یہ امور پیش نظر رہیں :-

① — یہ حدیث کسی نادر کتاب کی نہیں، حدیث کی ادل درجے کی کتابوں میں ہے۔

② — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شخصوں کو انہی گڑھوں میں عذاب

ہوتے پایا، جنہیں ظاہری قبریں کہا جاتا تھا، کسی اور عالم غیب کی خبر نہیں دی جو ان قبروں

سے بالکل لا تعلق ہو اور وہاں ان کو عذاب ہو رہا ہو۔

③ — پھر آپ نے کھجور کی شاخیں بھی اپنی قبروں پر رکھیں جنہیں عرف عام میں قبر کہا جاتا ہے۔ کیا آپ یہ شاخیں مقامِ نجین پر رکھ رہے تھے؟ — یہ اسی نشانِ قبر کی بات ہے۔

④ — یہ عذاب جو انہیں ہو رہا تھا حشر کے بعد نہیں، جسے عذابِ آخرت کہتے ہیں یہ عالمِ برزخ کی واردات ہے اور اسے ہی عذابِ قبر کہتے ہیں۔ یہ عذابِ اکبر سے پہلے ایک چھوٹا عذاب ہے۔

⑤ — حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں:۔

بينما النبي صلى الله عليه وسلم في حائط لبني النجار على بئلة له ونحن معه اذ حادت به فكادت تلقيه واذا قبر ستة او خمسة او اربعة فقال من يعرف اصحاب هذه الاقبر فقال رجل انا قال متى مات هؤلاء قال ما توفي الا اشراك فقال ان هذه الامة تتبلى في قبورها فلولا ان لا تدفنوا موتاكم لدعوت الله ان يسمعكم من عذاب العذاب الذي اسمع منه.

ترجمہ: حضورؐ ایک خچر پر سوار ہوئے بنو نجار کے ایک باغ سے گزر رہے تھے اور ہم آپؐ کے ساتھ تھے کہ خچر یکایک بدکا، قریب تھا کہ وہ حضورؐ کو اتار ڈالتا۔ وہاں چھ یا پانچ قبریں تھیں۔ آپؐ نے پوچھا، کوئی ان قبروں والوں کو جانتا ہے؟ ایک شخص نے کہا میں جانتا ہوں۔ آپؐ نے پوچھا، یہ کب کے لوگ ہیں؟ اس نے کہا، دورِ شرک کے۔ آپؐ نے فرمایا یہ لوگ اپنی قبروں میں ابتلاہ میں گھرے ہیں۔ یہ دور نہ ہوتا کہ تم اپنے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو

میں خدائے دعا کرتا کہ وہ یہ عذابِ قبر تمہیں بھی سنا دے جو میں سن رہا ہوں۔

اس حدیث میں بھی یہ امور پیش نظر ہیں۔

① — یہ حدیث کس پائے کی کتاب میں ہے۔ صحیح مسلم اول درجے کی دو کتابوں

میں سے ایک ہے۔ اس کے ساتھ امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں اسے روایت کیا ہے۔

② — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں اس عذابِ قبر کی آوازیں سنیں جہاں

یہ ظاہری قبریں تھیں۔ سو ان گڑھوں کو عالمِ برزخ سے بے تعلق نہیں کیا جاسکتا۔ یہی قبر

مومن کے لیے دور تک وسیع کر دی جاتی ہے گو ہم اس کا ادراک نہ کر سکیں۔ لیکن اس عدم ادراک

سے اس نتیجہ پر پہنچنا کہ یہ گڑھا قبر ہے ہی نہیں۔ ہرگز درست نہیں۔ ہاں یوں کہتے ہیں کہ اس کا

دوسرا کنارہ عالمِ غیب میں ہے کیونکہ ہم اسے محسوس نہیں کر رہے ہیں۔ اس کے بغیر ان

امدادیث صحیحہ صریحہ کی تکذیب لازم آتی ہے۔ العیاذ باللہ العزیز۔

③ — اللہ کے سنانے سے ان آوازوں کا صحابہؓ کو بھی سنایا جانا ممکن تھا

حضور دعا کرتے تو ہو سکتا ہے صحابہؓ بھی انہیں سن پاتے۔ حضورؐ کا انہیں سننا بھی اللہ کے ہی

سنانے سے تھا۔ مومنوں کی نیچے سے آوازیں سنی جائیں یہ اسماعِ الہی سے ہے۔ بندہ

اسباب سے اتنے دور سے نہیں سن پاتا۔

④ — حضورؐ اس دنیا سے مٹی کے اتنے گہرے فاصلے سے برزخ کی آوازیں

باسماعِ الہی سن سکتے ہیں۔ تو جب حضورؐ خود عالمِ برزخ (اپنی قبر شریف) میں ہوں تو یہاں

کی سلام معروض کو باسماعِ الہی کیوں نہیں سن سکتے۔ اس میں کوئی عاقل یا شرعی استبعاد ہے

جو اس کا انکار کیا جائے۔

⑤ — حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلے جہان کی آوازیں تو سن لیں لیکن یہ لوگوں

سے دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کون تھے؟ یہ اس لیے کہ پہلی بات کشف اور مشاہدہ سے تعلق

رکھتی ہے اور دوسری علم سے۔ غیب کی بات جب تک اللہ تعالیٰ نہ بتائیں از خود اسے

جان لینا یہ کسی کے بس میں نہیں۔ نہ غیب جاننے کی چابی اللہ رب العزت نے کسی کو دی ہے۔
 (۶) — اس خچر کا اس عذاب قبر کو سن پانا اور صحابہؓ کا اسے نہ سنتا یہ کسی حکمت الہیہ کے سبب تھا۔ نہ اس لیے کہ خچر کا درجہ اور مرتبہ کوئی زیادہ ہے سو اس قسم کے جاہلی استدالات کہ شیطان کہ مشرق و مغرب میں جو وسعت پر واز حاصل ہے وہ اولیاء اللہ کو کیوں نہیں۔ یہ ہرگز کسی اخلاص اور تحقیق پر مبنی نہیں۔ نہ انسانوں کو جنات و ملائکہ یا حیوانات اور پرندوں پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔

(۳) — حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں :-

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال المسلم اذا سئل في القبر
 يشهد ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله فذلك قوله يثبت
 الله الذين امنوا بالقول الثابت في الحياة الدنيا وفي الآخرة .
 ترجمہ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان سے جب قبر میں سوال ہوتا
 ہے وہ کلمہ شہادت پڑھتا ہے۔ سو یہاں اللہ تعالیٰ کی بات پوری ہوتی ہے کہ
 اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو قول ثابت میں ثابت قدم رکھتا ہے۔ دنیا میں اور
 آخرت میں (یہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے)۔

(۴) — حضرت انسؓ فرماتے ہیں :-

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان العبد اذا وضع في قبره
 وتولى عنه اصحابه انه يسمع قرع نعالهم اتاه ملكان فيقعدانه
 فيقولان واما المنافق والكافر فيقال له لا دريت ولا
 تليت ويضرب بمطارق من حديد ضربة فيصيح صيحة يسمعها

من يليه غير الثقلين: متفق عليه۔^۱

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھ اسے چھوڑ آتے ہیں اور وہ ان کے چھوڑوں کی آواز سنتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے سوال و جواب کرتے ہیں جو منافق اور کافر ہوتا ہے اسے کہتے ہیں نہ تو نے بات خود سمجھی نہ کسی دوسرے سمجھنے والے کے پیچھے چلا۔ پھر اسے لوہے کے ہتھوڑوں سے مارتے ہیں۔ اور وہ چختا ہے ایسی پیچ کہ اسے سب پاس والے سنتے ہیں انسانوں اور جنات کے علاوہ۔

اس حدیث میں ان امور پر نظر رہے۔

① — یہ واقعہ کس قبر میں پیش آتا ہے جس میں میت کو اتارا جاتا ہے اور جس سے اس کے ساتھ رخصت ہوتے ہیں اور ان کے جانے کی آواز سنتا ہے۔
② — فرشتے اس کے پاس کس قبر میں آتے ہیں؟ جس میں اسے پکارا گیا اور جہاں اسے چھوڑ کر اس کے ساتھ چل دیئے۔ اگر یہ فرشتے سچتین میں اس کے پاس آئے ہوں تو اسے اس طرح بیان نہ کیا جاتا۔

③ — وہ فرشتے اسے بٹھاتے ہیں۔ یہ اس کا بیٹھنا عالم دنیا کا نہیں۔ نہ یہاں کے حواس سے اسے دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ عالم بزرخ کا معاملہ ہے جو اسی قبر میں اسی بدن سے پیش آرہا ہے۔ گو یہاں سے جھانکنے والے کو وہاں کچھ بھی ہوتا دکھائی نہ دے۔
④ — کافر اور منافق کی سزا کو وہی سن سکتے ہیں جو اس قبر کے زیادہ قریب ہوں۔
یسعہا من یلیہ — سو عذاب اسی قبر میں ہو رہا ہے گو یہ اتنی تنگ ہو رہی ہو کہ اس کی پسلیاں اس میں پس جاویں اور دیکھنے والے کو وہ ویسی ہی دکھائی دے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں :-

⑤

قال قال رسول الله ان احدكم اذا مات عوفض عليه مقعدا بالقدادة
والعشوان كان من اهل الجنة فمن اهل الجنة وان كان من اهل النار
فمن اهل النار فيقال هذا مقعدك حتى يبعثك الله اليه يوم القيمة

ترجمہ :- حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تم میں سے جب کوئی مر جائے تو
اسے (عالم برزخ میں) اس کا ٹھکانہ (جہاں اس نے جاتا ہے) صبح و شام دکھایا
جاتا ہے۔ اگر وہ اہل جنت میں سے ہے تو وہ اہل جنت میں دکھایا جاتا ہے اور اگر
وہ جہنم والوں سے ہے تو اسے اس کا ٹھکانہ جہنم میں دکھایا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا
ہے یہ تمہارا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ تجھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لے جائے

قیامت تک کا یہ منظر عالم برزخ کا منظر ہے۔ اس میں بدن مدفون صبح و شام اپنا
آخرت کا ٹھکانہ دیکھتا ہے۔ اگر روح اس جسد مدفون سے بالکل بے تعلق ہے تو کیا روح کی
آنکھیں اسے جلتین اور ستھین سے دیکھ رہی ہیں۔ پھر اس قبر سے اس کا کیا تعلق اور کیا ان
ٹھکانوں میں بھی جو دکھائے جاتے ہیں صرف روح ہم سے جلتے گی۔ کیونکہ یہ تو اسی کو کہا جاتا
رہا ہے۔ هذا مقعدك فاخبر۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں :-

⑥

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اتى الميت اتاه
ملكان اسودان اندقان يقال لاحدهما المنكر والاخر التكير فيقولان
..... وان كان منافقا..... فيقال للارض التي عليه فتلتئم
عليه فتختلف اصلاعه فلا يزال فيها معذباً حتى يبعثه الله من
مضجعه ذلك رواه الترمذی

ترجمہ آنحضرتؐ نے فرمایا جب میت قبر میں اتاری جاتی ہے تو اس کے پاس دو سیاہ ننگ
نیلے ہونکھوں والے فرشتے منکر اور نکیر آتے ہیں اور اس سے سوال جواب کرتے ہیں
اگر وہ منافق ہو تو زمین کو کہا جاتا ہے کہ اس پر تو سمٹ آ۔ وہ اس پر سمٹ آتی ہے یہاں
تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسری میں دھنس جاتی ہیں۔ اسے اسی طرح عذاب ہوتا
رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کی قبر سے اٹھا دے۔

② — حضرت ابو ہریرہؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی:-

استعینوا بالله من خمس: ۱۔ من عذاب جہنم۔ ۲۔ وعذاب القبر۔ ۳۔

وفتنۃ المحیاء۔ ۴۔ والممات۔ ۵۔ وقتنۃ المسیح الدجالؑ

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ پانچ چیزوں سے پناہ مانگو۔ ۱۔ عذاب جہنم سے (جو آخرت میں ہوگا)۔ ۲۔

عذاب قبر سے (جو برزخ میں ہوگا)۔ ۳۔ زندگی کے فتنہ سے۔ ۴۔ موت کے فتنہ

سے (یہ کہ خاتمہ خیر پر ہو) اور۔ ۵۔ مسیح دجال کے فتنہ سے۔

③ — آپؐ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی نقل فرمایا کہ آپؐ نے کہا:-

ان المیت یصید الی القبر فیجلس الرجل الصالح فی قبرہ۔ الحديث

ترجمہ۔ میت قبر میں جاتی ہے نیک آدمی کو اس کی قبر میں بٹھا دیا جاتا ہے اس طرح

کہ اسے کوئی گھبراہٹ اور پریشانی نہیں ہوتی۔ پھر اس سے پوچھا جاتا ہے تو کس حال

میں رہا۔ وہ کہتا ہے فی الاسلام۔ پھر اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا جاتا

ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتا ہے کہ آپؐ ہمارے پاس روشن معجزات کے

ساتھ آئے اور ہم نے آپؐ کی تصدیق کی دے پھر یہاں اپنا آخرت کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے۔

④ — حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:-

اذا ادخل الميت القبر مثلت له الشمس عند غروبها فيجلس ميم
عينية ويقول دعوني اصرى رواه ابن ماجه

ترجمہ جب میت کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کے سامنے غروب آفتاب کا منظر
لایا جاتا ہے وہ اپنی آنکھیں پونچھتا ہوا بیٹھتا ہے اور کہتا ہے مجھے نماز پڑھنے دو۔

کاش! کہ یہ کرم فرما قبر میں نماز پڑھنے کو مذاق بتانے کی بجائے اس فرمودہ رسالت پر غور کرتے۔

⑧ — حضرت جابرؓ کہتے ہیں حضورؐ نے جب حضرت سعد بن معاذؓ کی نماز جنازہ
پڑھائی اور آپ کو قبر میں اتار دیا گیا اور آپ پر مٹی برابر کر دی گئی۔ حضورؐ دیر تک تسبیح پڑھتے
رہے ہم بھی آپ کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہے۔ پھر آپ نے تکبیر کہی۔ ہم نے بھی آپ کے
ساتھ تکبیر کہی — پھر ہم نے آپ سے اس تسبیح و تکبیر کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا۔
لقد تضائق على هذا العبد الصالح قبره حتى قرجه الله عنده

ترجمہ اس نیک بندے پر قبر تنگ ہو رہی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے
اس سے کشائش بخشی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بڑے بڑے صلحاء کو بھی اس منزل سے گزرنا پڑتا ہے اور
یہ کہ اس کے قریب اللہ رب العزت کی تسبیح و تقدیس کی جائے تو اللہ رب العزت اس سختی کو
معاف فرما دیتے ہیں۔

حضورؐ کہاں کھڑے رہے؟ اسی گڑھے کے پاس جس کو عرف عام میں گڑھا کہتے
ہیں یا یہ سب معاملہ مقام علیین میں ہو رہا تھا۔ جہاں صلحاء کی ارواح حاضری دیتی ہیں۔
⑨ — حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کہتی ہیں۔

قام رسول الله صلى الله عليه وسلم خطيباً فذكر فتنه القبر التي
يفتن فيها المرء فلما ذكر ذلك ضحك المسلمون ضحكة رواه البخاري

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلیہ پر کھڑے ہوئے اور اپنے فتنہ قبر کا ذکر کیا جس میں
آدمی مبتلا کیا جائے گا۔ آپ نے جب یہ ذکر فرمایا تو مسلمان (اسکی گھبرائے) چیخ اٹھے۔

کیا حضور اس وقت کسی آسمانی قبر کا ذکر کر رہے تھے یا یہ اسی قبر کا ذکر تھا جسے لوگ قبر سمجھتے تھے۔
سنن نسائی میں یہ زیادہ ہے کہ اسماء بنت ابی بکرؓ آپ کی بات آخر تک نہ سن سکیں
آپ نے ایک دوسرے شخص سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں کیا فرمایا تھا
اس نے بتایا کہ آپ نے کہا :-

قد اوحی الی انکم تفتنون فی القبور قریباً من فتنۃ الدجالؑ
ترجمہ: مجھے وحی کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ تم اپنی قبروں میں آزمائش میں ڈالے جاؤ
گے یہ آزمائش فتنہ دجال کی آزمائش کے قریب قریب ہوگی۔

حضرت امام بخاریؒ نے اس پر باب العقود من عذاب القبر باب باندھا ہے۔ مہ خالد
کہتی ہیں میں نے کسی صحابیؓ سے اس کے خلاف کچھ نہیں سنا جسے اس نے حضورؐ سے روایت کیا ہو۔
لو اسمع احدا سمع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیرہا۔

اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ حضورؐ کے صحابہؓ میں سے کسی نے اس مسئلہ سے
(عذاب القبر) سے اختلاف نہیں کیا۔ نہ اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش موجود تھی۔

⑩ — ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں میرے پاس دو بوڑھی یہودی
عورتیں آئیں اور مجھے بتایا۔ اهل القبور یذیون فی قبورہم کہ فوت شدگان کو ان کی
قبروں میں عذاب ہوتا ہے میں نے ان کی تصدیق نہ کی اور یہ مجھے اچھا نہ لگا کہ میں یہود کی تصدیق
کروں۔ وہ چلی گئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے میں نے حضورؐ سے سدا
واقعہ عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان دونوں نے سچ کہا ہے :-

انہر یعدون عذاباً سمعہ الیہاۃ کلہاۃ

ترجمہ۔ وہ ایسا عذاب پاس ہے جسے سب چوپائے سن سہے ہیں۔ عرف انہاۃ

اور جنوں سے وہ عذاب پردے میں رکھا گیا ہے

ام المؤمنین کہتی ہیں کہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نماز میں اس دعا کو نہیں چھوڑا۔ آپ ہر نماز کے بعد اعدو ذلک من عذاب القبر پڑھتے تھے۔

بہائم (چوپائے) کہاں رہتے ہیں؟ زمین پر۔ کیا یہ سچیں ہیں عذاب سننے جاتے ہیں یا اسی زمین پر قبروں سے گزرتے ہوئے یہ آوازیں ان تک پہنچتی ہیں؟

نہایت افسوس ہے کہ ایک پیر طریقت نے یہاں بھی مثالی ابدان کی بات چلا رکھی ہے

لہذا اس ظاہری قبر کو وہ قبر ماننے کے لیے تیار نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ (اس زمین کے) اہل چوپائے

ان عذاب یافتہ لوگوں کی آوازیں نہیں سنتے۔ ان کے مثالی ابدان مقام بحین پر لے جاتے جاتے

ہیں۔ وہ وہاں عذاب یافتہ لوگوں کی آہ و بکا سنتے ہیں۔ ان قبروں (اس زمین پر نظر آنے والی

قبروں) کا اس عذاب سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ یہ گڑھے قبریں ہیں۔ یہاں کسی کو عذاب نہیں ہوتا۔

نہ یہاں چوپائے کوئی عذاب قبر سنتے ہیں۔

ان سے پوچھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان معذبین کی آوازیں کہاں سے سنی

تھیں؟ انہی گڑھوں سے یا مقام بحین سے؟ اس پر پیر طریقت نے فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی دروہانیت بہت اونچی ہے۔ آپ یہیں سے (اس زمین سے) مقام بحین کی آوازیں سن رہے

تھے آوازیں وہاں سے آرہی تھیں۔ مگر آپ کو اس طرح عروس ہوتا تھا گویا انہی قبروں سے

سن رہے ہیں۔

پھر آپ سے پوچھا گیا کہ حضور نے جب پوچھا تھا کہ یہ کن کی قبریں ہیں؟ تو کیا آپ نے ان گڑھوں

کی طرف اشارہ کر کے نہ پوچھا تھا۔ یہ کن کی قبریں ہیں۔ ہم کیسے مان لیں کہ ان گڑھوں کا قبر سے

کوئی تعلق نہیں ہوتا؟ اس پر پیر طریقت لاجواب ہو گئے۔

قبر کی واردات

اسلام کا چودہ سو سال کا مسلسل اعتقاد

حدیث کی ان روایتیں مشہور ہیں سے یہ بات واضح ہے کہ یہ قبریں صرف گڑھے نہیں ہیں۔ یہ وہ اسرار گاہیں ہیں جن میں قدرت باری کا نقشہ کھل کر سامنے آتا ہے۔ آئیے اب ان واردات پر اسلام کی چودہ صدیوں کی شہادت لیں۔ اہل اسلام نے اپنی تاریخ کے کسی موڑ پر اس حقیقت کا انکار نہیں کیا کہ عذابِ قبر برحق ہے۔ قبر ظاہر میں تو ایک گڑھا ہے۔ مگر اس میں وہ لائقِ مہنگائے سور ہے ہیں کہ یہاں کی آنکھ نہ انہیں دیکھ سکے نہ یہاں کے کان انہیں سُن سکیں۔ مسلمان قرآن و حدیث کی روشنی میں انہیں تسلیم کر کے ایمان بالغیب کی لذت پاتا ہے۔

تذلیل القدر صحابہؓ کی گواہی جامع ترمذی کے حوالے سے آپ دیکھ آئے ہیں۔ یہ اسلام کی پہلی صدی کی آواز ہے۔ ہم نے اس پر کچھ اور شہادتیں بھی پیش کی ہیں۔ آئیے اب ہم آپ کو دوسری صدی ہجری میں لے چلیں۔

پہلی صدی کے اختتام پر حضرت امام ابو حنیفہؒ کی عمر بیس سال کی تھی۔ آپ نے حضرت انس بن مالکؓ (۹۱ ھ) جو حدیثِ احوالِ بنیِ نضیر کے مامور بھی ہیں کی دیانت بھی کی تھی۔ آپ کے درس و تدریس کا دور دوسری صدی کا نصفِ اول ہے۔ آپ نے کوفہ و بصرہ کے حیر و قدر کے معرکے اور احزابِ حزالِ ذاریاء کے قتل کو قریب سے دیکھا تھا۔ آپ نے عقائدِ ملت کے تحفظ کے لیے اور عقائد کی اہمیت کو عقائدِ بدعت سے بچانے کے لیے عقائدِ اسلام پر ایک

چھڑا سارا سالہ لکھا۔ عقائد اسلام پر یہ اس امت کی سب سے پہلی تحریر ہے۔ آپ کے نزدیک احکام کی فقہ دراصل فقہ اصغر ہے اور عقائد کی فقہ، فقہ اکبر ہے۔ آپ نے یہی نام اپنے رسالہ کو دیا جس کی بڑے بڑے محدثین نے شرحیں لکھی ہیں۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) اس میں قبر کی واردات کا ایل ذکر کرتے ہیں۔

واعادة الروح الى العبد في قبره حق.

ترجمہ۔ اور روح کا بندہ کی طرف لوٹا یا جانا برحق ہے۔

تیسری صدی علیل القدر ائمہ حدیث کی صدی ہے۔ حضرت امام احمدؒ (۲۴۱ھ) لکھتے ہیں۔

الايمان بالمحوض والشفاعة والايمان بمنكر ونكير وعذاب القبر و

الايمان بملك الموت بقبض الارواح شعرترد في الاجساد في القبور

فيسألون عن الايمان والتوحيد.

ترجمہ۔ حوض کوثر، شفاعت، قبر میں منکر و نکیر کا آنا، عذاب قبر اس بات پر ایمان

لانا کہ ملک الموت روحیں قبض کرتا ہے پھر یہ روحیں قبروں میں اپنے اجساد میں

لوٹائی جاتی ہیں اور وہاں ایمان اور توحید کے بارے میں پوچھا لیا جاتا ہے

(یہ سب امور برحق ہیں)۔

پھر امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) امام ابو داؤدؒ (۲۷۵ھ) اور امام ترمذیؒ

(۲۷۹ھ) کی شہادتیں بھی آپ کے سامنے آچکیں۔ اب آئیے اس تسلسل کو چوتھی صدی میں

دیکھیں۔ حافظ ابن جریر الطبریؒ (۳۱۰ھ) لکھتے ہیں۔

ذكر قبض روح المؤمن فتعاد روحه في جسده ويأتيه الملكان فيجلسانه

في قبره فيقولان من ربك.

ترجمہ۔ یہ مومن کی روح کے قبض ہونے کا بیان ہے پھر وہ روح (قبر میں) اس کے جسد میں لوٹائی جاتی

ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے (اس میت کو) قبر میں بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ (۲۴۱ھ) جنہیں فقہا کرام اعلیٰ بمذہب ابی حنیفہ وصاحبیہ لکھتے ہیں رقمطراز ہیں:-

نومن عذاب القبر ونعمہ وبسوال منکر ومنکر للمیت فی قبرہ عن ربہ ودينہ ونبیہ علی ما جاءت بہ الاخبار عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعن اصحابہ اجمعین والقبر موضہ من رياض الجنة او حفرة من حفر النيران.

ترجمہ ہم عذاب قبر اور نعم قبر پر ایمان لاتے ہیں... منکر و منکر کا قبر میں تین سوال پوچھنا ایسا کہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سب صحابہ سے منقول ہے برحق ہے اور قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھ ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ اس زمین کی قبر کو دوزخ سے من ریاض الجنة نہیں کہا گیا۔ وہ قبر کہیں اور ہے تو وہ لازماً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کے روضہ منورہ کو بھی دوزخ سے من ریاض الجنة نہیں مانتے ہوں گے۔

ماخذ ابو بکر الجصاص الرازی (۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:-

واذا جازان یكون المومن قد احيوا فی قبورهم قبل يوم القيمة وهم منعمون جازان محیی الکفار فی قبورهم فبعذبوا به

ترجمہ اور جب یہ جائز ہے کہ مومن کو قیامت پہلے ان کی قبروں میں زندہ کیا جائے اور وہاں نعمت ربانی سے سرفراز ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کافر بھی اپنی قبروں میں زندگی پائیں اور (اس زندگی سے) انہیں وہاں عذاب ملے۔

نعم قبر اور عذاب قبر کی ان کیفیتوں کو ان قبروں کے کسبے تعلق سمجھنا کیا ظاہر شریعت کا انکار نہیں؟

پانچویں صدی کے علماء میں امام بیہقی (۴۵۸ھ) امام ابو المنظر الاسفرائینی (۵۱۷ھ) امام
ابو القاسم عبدالکریم القشیری (۵۴۸ھ) ماحض ابن حاکم الدمشقی (۵۱۷ھ) اور امام غزالی (۵۰۵ھ)
نے عقائد کی سرحدوں پر بڑا کام کیا ہے۔

ابو المنظر طاہر بن محمد الاسفرائینی لکھتے ہیں:-

اخبرنا محمد بن یحییٰ عن فی القبور وقد ورد فی معنی احياء الموتی فی القبور ما
لا یخص من الاشیء والاخبار والاثار

ترجمہ۔ آپ نے بخبر دی ہے کہ انہیں قبروں میں زندگی ملتی ہے اور قبروں میں
مردوں کو زندہ کیا جاتا ہے۔ اس پر اتنی آیات اور احادیث اور آثار وارد ہیں
کہ گئے نہیں جاسکتے۔

وفیه احادیث کثیرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی هذا الباب
ان الملکین یجشیان فی القبر الی المیت ویحیی اللہ المیت فیثالان
ما ذکرنا وقد انکرت المعتزلة وعامة المبتدعة هذا

ترجمہ۔ اور اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث کثیرہ منقول ہیں کہ قبر میں
میت کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ میت کو زندہ کر دیتا ہے اور
دو فرشتے اس سے صحیح باتیں پوچھتے ہیں جو ہم نے ذکر کی ہیں معتزلہ اور بدعتی لوگ
قبر کے اس سوال و جواب کے منکر ہیں۔

امام غزالی (۵۰۵ھ) لکھتے ہیں:-

واما عذاب القبر فقد دل علیہ قواطع الشرع اذ توامر عن النبی
صلی اللہ علیہ وسلم وعن الصحابة رضی اللہ عنہم بالاستعاذۃ
منہ فی الادعیۃ واشتہر عند المروءین انہما یعدان و

دل علیہ قولہ تعالیٰ وحق بال فرعون سوء العذاب۔ اللہ میرضون
علیہا عندوا وعتیان و هو ممکن فیجب التصدیق بہ و وجہ امکانہ
ظاہر و انما تنکوالعزلة۔

ترجمہ۔ اور عذاب قبر کے ثبوت پر شریعت کے قطعی دلائل وارد ہیں اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے تو اس سے ثابت ہے کہ یہ حضرات اپنی ممالوں
میں عذاب قبر سے پناہ مانگتے رہے اور یہ بات آپ سے خبر مشہور کے درجہ میں ہے
کہ آپ دو قبروں کے پاس سے گزرے جن میں مردوں کو عذاب ہو رہا تھا اس
بند غمی عذاب پر قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کرتی ہے۔ ”اور گھیر لیا آل فرعون کو مجھے عذاب
آگ جس پر وہ صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں اور ایسا ہونا ممکن ہے۔ سو فریدی ہے کہ اس
کی تصدیق کی جائے اس کی وجہ امکان ظاہر ہے اور سوائے معتزلہ کے اس کا انکار کوئی
نہیں کرتا۔
پھر یہ بھی لکھتے ہیں۔

ولا یبعد ان تعاد الروح الی الجسد فی القبر ولا یبعد ان توخر
الی یوم البعث۔

ترجمہ۔ اور بعید نہیں کہ قبر میں مدح ہی جسد میں لوٹائی جاتی ہو اور یہ بھی بعید نہیں کہ اسے
حشر تک مؤخر رکھا جائے (یعنی اس مدفن مدح کا بدن سے صرف تعلق ہو)۔

نوٹ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی اس باب میں امام غزالیؒ سے متسک کیا ہے
اور ان کی تائید کی ہے۔

اب ذرا چٹھی صدی میں چلئے۔

علامہ بڑہان الدین المرفیانی (۵۹۳ھ) صاحب الہدایہ

ومن یعذب فی القبر یوضع فیہ الحیوۃ فی قولہ العامۃؒ

ترجمہ۔ اور جسے قبر میں عذاب دیا جائے اس میں مجبور اہل سنت کے قول

کے مطابق زندگی قائم کی جاتی ہے۔

ساتویں صدی کی شہادت

علامہ قرطبی ابو عبد اللہ محمد بن احمد (۵۶۱ھ)

ان عذاب القبر ونعیمہ حق کما صرح فیہ الاحادیث الصحیحۃ و

لکن اللہ تعالیٰ یاخذ بابصار الخلائق واسماعہم من الجن والانس

عن روایۃ عذاب القبر ونعیمہؒ

ترجمہ۔ عذاب قبر اور نعیم قبر برحق ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ نے اس کی

تصریح کی ہے لیکن اللہ تعالیٰ عام انسانوں اور جنات کی آنکھوں کو اور ان کے

کانوں کو عذاب قبر اور نعیم قبر سے روکے رکھتے ہیں کہ وہ اسے دیکھ

نہیں پاتے۔

علامہ قرطبی کی دوسری عبارت :-

وقد اجمع اهل الکشف ان المیت یحس بظغطة القبر و یحس

بأخلاق اضلاعه ولو کان فی بطون السباع والطیور او کان

قد حرق وذری فی الریح فتحس کل ذرۃ بالامر ولو کان

متفرقةؒ

ترجمہ سب اہل کشف اس پر متفق ہیں کہ میت قبر کے دباؤ کو محسوس کرتی ہے اور سیلیوں کے ایک دوسرے میں دھنسنے کو محسوس کرتی ہے گو وہ میت درندوں اور پرندوں کے پیٹوں میں ہی کیوں نہ ہو یا وہ جل کر خاک ہو گئی ہو اور خاک میں اڑ گئی ہو اس میت کا ایک ایک ذرہ اس الم (مذاب قبر) کو محسوس کرتا ہے گو وہ میت متفرق ذرات میں ہی کیوں نہ پٹی ہو۔

امام نووی (۶۷۶ھ) شرح صحیح مسلم میں بزنی عذاب کی یہ صورت بتلاتے ہیں :-
ثم المعبذب عند اهل السنة المجد بعينه او بعضه بعد اعادة الروح اليه او المجرم منه وخالف فيه محمد بن جرير وعبد الله بن كرام وطائفة فقالوا لا يشترط اعادة الروح قال اصحابنا هذا فاسد لان الم والاحساس انما يكون في الحي قال اصحابنا ولا يمنع من ذلك كون الميت قد تفرقت اجزاه كما نشاهده في العادة او اكلته السباع او حيتان البحر او نحو ذلك فكما ان الله تعالى يعيده للعشر وهو سبحانه وتعالى قادر على ذلك فكذا يعيد الحيوة الى جزومنه وان اكلته السباع والحياتان
ترجمہ پیر اہل السنۃ وجماعتہ کے نزدیک عذاب اس (دنیا والے) جسد کو پوسے جسد کو یا بعض حصہ بدن کو اس میں روح لوٹنے کے بعد ہوتا ہے گو وہ اس کے کسی ایک جزو میں ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں محمد بن جریر اور عبد الشریح کرام و جو فرقہ کرامیکا کا بانی گزرا ہے) اور کچھ دوسرے لوگوں نے اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں روح کا لوٹنا اس کے لیے شرط نہیں ہمارے اصحاب (اہل السنۃ وجماعتہ) کا کہنا ہے عذاب قبر میں یہ بات مانع نہیں کہ میت کے بدن کے اجزاء مختلف جگہوں میں بکھر گئے ہوں

جیسا کہ ہم روز دیکھتے ہیں یا اسے دمیت کو ہر روز دیکھنے والے یا سمندر کی پھلیوں نے
 کھالیا ہو یا ایسا ہی کوئی اور سبب واقع ہوا ہو سو جیسے اللہ تعالیٰ ان خدات متشرہ
 کو حشر کے دن لوٹائے گا اور اللہ تعالیٰ جو ہر کمزوری سے پاک ہے اور وہ اس پر قادر ہے
 سو اسی طرح اللہ تعالیٰ اس میں دگر اس کے کسی ایک حصہ بدن میں کیوں نہ ہو ہر حیات
 لوٹا دیتا ہے گو اسے درندے اور بھیلیاں کھا چکے ہوں۔

اس عبارت میں امام نوویؒ نے محمد بن جریر اور عبد اللہ بن کلام کے مقابلہ میں جن علماء کو پیش
 کیا ہے انہیں اصحابنا کہہ کر پیش کیا ہے اور دودفعہ ایسا کہا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ
 دونوں حضرات ان کے نزدیک اہل سنت کے افراد نہیں۔ ورنہ ان کے مقابلے میں وہ قال
 اصحابنا کی تعبیر اختیار نہ کرتے۔ سو جاننا چاہیے کہ اس محمد بن جریر سے مراد ابن جریر طبری
 نہیں ابن جریر کرامی ہے جسے علماء کرام شیعہ لکھتے ہیں۔ کرامیہ اور شیعہ دونوں تفسیر کے
 قائل ہیں اور جھوٹ بولنا جائز سمجھتے ہیں۔ سو ہم صاحب بن سہل سے اتفاق نہیں کر سکتے۔
 جو اسے اہل سنت میں سے سمجھتے ہیں۔ یہ اس صورت میں ہے کہ بن سہلؒ میں یہ اضافہ کسی
 نقل نویس کا نہ ہو۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۲ ص ۱۱۴ میں عقیدہ اہل سنت کی کھلی تائید موجود ہے۔
 امام نسفی (۷۰۱ھ) بھی لکھتے ہیں۔

عند العامة توضع فيه الحيوة بعد ما يتألم والحياة المطلقة وقيل
 توضع فيه الحيوة من كل وجه

ترجمہ۔ جمہور اہل سنت کے نزدیک میت میں اس قدر حیات ڈال دی جاتی
 ہے کہ وہ نعیم والم کا ادراک کر سکے۔ وہ مطلق حیات ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ
 ہر پہلو سے اس میں حیات لٹھائی جاتی ہے۔

آٹھویں صدی کی شہادت

علامہ صدرالدین السخفی (۷۷۴ھ) شارح عقیدہ طحاویہ رقمطراز ہیں :-

و كذلك عذاب القبر يكون للنفس والبدن جميعاً باقتناع اهل
السنة والمجاعة

ترجمہ: اور اسی طرح عذاب قبر ہے جو باتفاق اہل السنۃ و الجماعۃ روح اور بدن
دونوں کو ہوتا ہے۔

افسوس کہ اہل السنۃ و الجماعۃ کی یہ اجماعی پکار بھی ہمارے ملک گمراہوں کو راہ نہیں دکھا سکتی۔
علامہ تقی الدین السبکی الشافعی (۷۵۶ھ)

وقد اجمع اهل السنة على اثبات الحيوة في القبر وقال امام الحرمين
في الشامل وقد اتفق سلف الامة على اثبات عذاب القبر واحياء
الموتى في قبورهم وادواروا في اجسادهم

ترجمہ: اہل السنۃ کا اجماع ہے کہ قبروں میں میت کو حیات ملتی ہے امام الحرمین
نے لکھا ہے سب سلف امت کا اس پر اتفاق ہے کہ عذاب قبر ثابت ہے۔
۲۔ مردوں کو یہ زندگی قبروں میں ملتی ہے اور ۳۔ یہ کہ ادوار اجساد میں
نمائاں جاتی ہیں۔

ان حياة جميع الموتى بدواهم واجسادهم في قبورهم لا
شك فيها

ترجمہ: اسلاف امت کے اگلے اجساد کے بعد بھی کیا اس حقیقت کی تم کا کئی شک ہو سکتا ہے۔
تمام اموات کے لیے زندگی ان کی قبروں میں ان کی ادوار و اجساد کے ساتھ ثابت ہے اس کا کئی شک ہے۔

۱۔ شرح عقیدہ طحاویہ ص ۳۳ ۲۔ شفاء السقام ص ۱۵۱ ۳۔ ایضاً

قاضی محمد الدین الایچی (۱۷۵۷ء) صاحب مواقف

احیاء المواتی فی قبورہم ومسلہ منکر ونکیر وعذاب القبر للکافر
والفاسق کلہما حق عنہ واتفق علیہ سلف الامة قبل ظهور الخلاف
وافق علیہ اکثرہ بعدہ۔

ترجمہ۔ اموات کا اپنی قبروں میں زندہ کیا جانا۔ اور منکر و نکیر کے (وہاں) سوالات اور
عذاب قبر تمام کافروں اور فاسقوں کے لیے برحق ہے اور اس پر تمام اسلاف امت
کا ظہور اختلاف سے پہلے اتفاق رہا ہے اور ظہور اختلاف کے بعد بھی اسلاف امت
کی اکثریت اسی عقیدے کی رہی ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ)

الاحادیث الصحیحة المتواترة تدل علی عود الروح الی البدن وقت
السؤال والسؤال للبدن بلا روح قول طائفة من الناس وانکرہ
الجمہور وقابلہم آخرون فقالوا السؤال للروح بلا بدن
وکلاهما غلط والاحادیث الصحیحة ترجحہ ولو کان ذلك علی
الروح فقط لم یکن للتبر بالروح اختصاص۔

ترجمہ۔ اور احادیث صحیحہ متواترہ منکر و نکیر کے سوال وقت مدح کے بدن میں لوٹنے جانے کی خبر
دیتی ہیں اور سوال بدن بلا روح ہو یہ کچھ لوگوں کا قول ہے اور جمہور اہل اسلام نے اس کا انکار کیا ہے
اور کچھ لوگ ان پہلے لوگوں کے بالکل الٹ اٹھے ہیں وہ کہتے ہیں منکر اور نکیر کا سوال صرف
روح سے ہے بدن سے نہیں اور یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ احادیث صحیحہ ان کی تردید کرتی
ہیں۔ اگر صورت یہی ہوتی کہ یہ سوال و جواب صرف روح ہو تو قبر کا روح سے کوئی
اختصاص نہ ہوتا۔

بل العذاب والنعيم على النفس والبدن جميعاً باتفاق اهل السنة
والجماعة ۛ

ترجمہ یہ قبر کا نعیم و عذاب باتفاق اہل سنت روح و بدن دونوں کے لیے ہے۔
غور فرمائیں اگر روح کا بدن مدفون ہو تو قبر کے نعیم و عذاب پر کیسے ایمان لایا جاسکتا ہے۔

فقد صرح المحدث باعادة الروح الى الجسد باختلاف اضلعه
وهذا بين في ان العذاب على الروح والبدن مجتمعين ۛ
ترجمہ حدیث میں تصریح ہے کہ روح جسم میں لٹائی جاتی ہے اسی طرح یہ بھی تصریح
ہے کہ میت کی پسلیاں آپس میں ٹکراتی ہیں اور یہ اس بات کا بین ثبوت ہے
کہ قبر کا عذاب روح اور بدن دونوں پر اکٹھے ہوتا ہے۔

حافظ ابن قیم (۵۷۵ھ)

ان مذهب سلف الامة واثمها ان الميت اذا مات يكون في نعيم
او عذاب وان ذلك يحصل لروحه وبدنه ۛ
ترجمہ اسلاف امت اور ائمہ دین کا مذہب یہ ہے کہ انسان جب مر جائے
تو وہ (قبر کے) نعیم یا عذاب میں رہتا ہے اور نعیم و عذاب اس کے
روح و بدن دونوں کو ہوتا ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی (۹۲۰ھ) معتزلہ کے مقابلے میں نکلے جو خبر واحد کو حجت نہیں
مانتے تھے اور اعادہ روح کے منکر تھے۔ ان کے سامنے آپ نے یہ موقف اختیار کیا کہ اگر
حیات کے لیے اعادہ روح لازم نہ کیا جائے تو بھی تو حیات کا تحقق ہو سکتا ہے پھر عذاب قبر
کا انکار کیوں؟ فرماتے ہیں:-

ويجوز ان يخلق الله في جميع الاجزاء او في بعضها نوعاً من الحيوة

ۛ شرح حدیث النزول ص ۵ ۛ فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۴ ص ۲۸۹ ۛ کتاب الروح ص ۶۴

قد رما يدرك ألم العذاب ولذة النعيم وهذا لا يستلزم إعادة
الروح الى بدنه ولان يتحرك ويضطرب ۛ

ترجمہ۔ اور یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پورے بدن میں یا بعض اجزائے بدن میں ایک طرح کی
حیات پیدا کر دے کہ میت اس عذاب کی تکلیف یا نعيم کی لذت پا سکے اور اس حیات کے
لیے ضروری نہیں کہ روح بدن کی طرف لوٹے اور نہ یہ کہ وہ بدن متحرک ہو یا ہلے چلے۔

یہ عامہ اموات کے بارے میں ہے ان میں مطلق حیات کا قول اختیار کیا جائے جس سے میت
عذاب قبر یا نعيم قبر کا ادراک کر سکے تو یہ کافی ہے۔

علامہ تقی زانی یہاں اعادہ روح کا انکار نہیں کر رہے۔ معتزلہ کو سامنے رکھ کر میت
کے بدن میں زندگی کا ایک بڑیک انداز ثابت کر رہے ہیں جس سے بدن میں عذاب قبر یا
اس کی راحت کا تحقق ہو سکے۔ علامہ تقی زانی کا اس سے مقصد احادیث کا انکار نہیں علی وجہ
الالزام انہوں نے یہ بات کہی ہے۔

بدن میت میں زندگی کا آنا مسلمات میں سے ہے۔ یہ جس طرح سے بھی آئے ہو سکتا ہے
اعادہ روح سے ہو یا تعلق روح سے جس طرح اللہ تعالیٰ چاہیں اس میں اتنی زندگی پیدا کر دیں
کہ وہ ألم یا راحت کو پاسکے۔ ہدایہ میں ہے۔

ومن يعذب في القبر يوضع فيه الحيوة في قوله العامة ۛ

ترجمہ۔ اور جس میت کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اس میں جمہور کے عقیدہ کے مطابق
ایک طرح کی زندگی ٹھہرائی جاتی ہے۔

اب ذرا نویں صدی میں چلیں۔ علامہ عبدالدین الایچی (د، ۵، ۷) کی عبارت آپ
شرح مواقف میں دیکھ آئے ہیں۔ اب شارح علامہ سید شریف ابجر جانی (۸۱۲ھ) کی عبارت بھی
دیکھیں۔

واذا ثبت التعذيب ثبت الاحياء والمسئلة لان كل من قال
بعذاب القبر قال بما لا

ترجمہ۔ اور جب عذاب کا ثبوت ہو گیا تو زندگی کا ثبوت بھی ہو گیا اور قبر کے سوال و
جواب کا ثبوت بھی مل گیا۔ کیونکہ ہر وہ شخص جو عذاب قبر کا انکار کرے اسے قبر کی
اس زندگی کا اقرار کرنا ہوگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) پہلے کرامیہ کا رد کرتے ہیں جو واردات قبر صرف بدن
پر لاتے ہیں اور پھر ان لوگوں کا رد کرتے ہیں جو انہیں صرف روح سے متعلق بتاتے ہیں۔ بغیر
اس کے کہ وہ بدن کی طرف عود کرے۔ اور پھر لکھتے ہیں۔

وخالفهم الجمهور فقالوا اتعاد الروح الى الجسد او بعضه كما ثبت
في الحديث ولو كان على الروح فقط لم يكن للبدن بذلك اختصاص
ولا يمنع من ذلك كون الميت فقد تفرق اجزاءه لان الله تعالى قادر
على ان يعيد المخلوقة الى جزء من الجسد ويقع عليه السؤال كما هو قادر
على ان يجمع اجزائه

ترجمہ۔ اور جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ روح بدن کی طرف یا اس کے
بعض حصوں کی طرف لوٹانی جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں ثابت ہے اور اگر عذاب صرف
روح پر ہوتا تو بدن کو اس کو فی اختصاص نہ تھا اور اس کے لیے میت کا اس حال میں ہونا کہ
اس کے اجزاء متفرق ہو چکے ہوں عذاب قبر میں مانع نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے
کہ جسم کے کسی حصے میں زندگی لوٹا دے اور فرشتوں کا سوال اس حصہ بدن پر وارد
ہو۔ جیسے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ اس کے تمام اعضائے بدن کو پھر سے جمع
کر دے

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں :-

قد ثبتت الاحادیث بما ذهب اليه الجمهور كقوله (عليه السلام)
انه يسمع خفق نفاثهم وقوله (عليه السلام) تختلف اضلاعه لضمة
القبر وقوله (عليه السلام) يسمع صوته اذا ضرب بالمطراق و
قوله (عليه السلام) يضرب بين اذنيه وقوله (عليه السلام)
فيقعد انه وكل ذلك من صفات الاجساد

ترجمہ: بے شک احادیث جمہور کے حق میں ثابت ہیں جیسے حضور کا یہ ارشاد کہ
مردہ (جنازہ پڑھنے والوں کے) جوتوں کی آواز سنتا ہے اور حضور کا یہ ارشاد کہ قبر کے
بلنے سے اس کی پسلیاں ایک دوسرے سے ٹکرا جاتی ہیں اور آپ کا یہ ارشاد کہ وہ
ہتھوڑے چلنے کی آواز سنتا ہے اور آپ کا یہ ارشاد کہ اس کے دونوں کانوں کے
باہر ضرب لگتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ فرشتے اسے
بٹھاتے ہیں۔ اور یہ سب ابدان کی صفات (اور حرکات) ہیں۔ روح کی
کیفیات نہیں۔

علامہ بدرالدین العینی (۸۵۵ھ)

ان الارواح تعاد الى اجساد عند المسئلة وهو قول الاكثر من
اهل السنة.

ترجمہ: بے شک ارواح سوال و جواب کے وقت اجساد کی طرف لوٹانی جاتی
ہیں اور یہی فیصلہ جمہور اہل سنت کا ہے
ولا بعد في رد الحيوة الى بعض اجزاء البدن فيختص بالاحياء والمسألة
والعذاب وان لم يكن مشاهدًا لنا

۱۔ فتح الباری جلد ۲ ص ۴۴ ۲۔ شرح صحیح بخاری جلد ۱ ص ۹۳ ۳۔ النفا جلد ۸ ص ۱۴

ترجمہ اور بعض حصہ بدن کی طرف حیات کا لوٹنا اور اس کا زندوں سے اختصاص اور
قبر کا سوال و جواب اور قبر کا نعیم و عذاب ان میں سے کوئی چیز مستبعد نہیں۔ کوہم
ان حالات کو دیکھ نہ سکیں۔

محقق علی الاطلاق حافظ ابن ہمام (۵۸۶۱)

الحق ان الميت المعذب في قبره توضع فيه الحيوة بقدر ما يحس
بالآلم والبنية ليست بشرط عند اهل السنة حتى لو كان متفرق
الاجزاء بحيث لا تتميز الاجزاء بل هي مختلطة بالتراب فيعذب
جعلت الحيوة في تلك الاجزاء التي لا يأخذها البصر وان الله
تعالى على ذلك لتدين به

ترجمہ حق یہ ہے کہ میت کو عذاب قبر ہوتا ہے اور اس کے لیے اس میں اس قدر حیات
رکھ دی جاتی ہے کہ عذاب قبر کو وہ محسوس کر سکے اور میت کے سب اجزاء کا ایک جا ہونا
اہل السنۃ کے ہاں عذاب قبر کے لیے شرط نہیں۔ میت اگر متفرق الاجزاء بھی ہو یہاں تک
کہ اجزاء باہم پہچانتے نہ جاسکیں بلکہ مٹی کے ساتھ مل چکے ہوں تو بھی اسے
عذاب قبر ہوتا ہے۔ حیات اس کے ان اجزاء میں ڈالی جاتی ہے جنہیں نظر
پانہ سکے اور بے شک اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔

توضیحه اما منع اقتضاء ذلك عود الحيوة الكاملة الى جميع البدن و
غاية ما يقتضي اعادة الحيوة الى الجزء الذي به فهم الخطاب و مراد
الجواب والانسان قبل موته لم يكن يفهم بجميع بدنه بل يجزؤ من
باطن قلبه و احياء جزء يفهم الخطاب و موجب ممكن مقدور عليه
واموال البرزخ لا تقاس بعلوم الدنيا

ترجمہ۔ اور اس کی توضیح یہ ہے کہ ہم عذابِ قبر کے لیے بدن میں پوری حیات کے لوٹ آنے کا تقاضا نہیں کرتے۔ زیادہ سے زیادہ اتنی بات ہے کہ حیات اس جزو بدن میں لوٹ آئے جس سے وہ سوال و جواب دینے کو سمجھ سکے۔ اس سے پہلے بھی تو انسان پورے بدن سے بات کو نہ سمجھتا تھا صرف باطنِ قلب ایک حصے سے بات کو پالیتا تھا اور اب اس کے کسی ایک حصے کا زندگی پالینا اسے بات سمجھنے (سوال و جواب) کے لائق کر دیتا ہے اور جواب دینا اس کے لیے ممکن اور مقدور ہو جاتا ہے اور بزرگ کے احوال کو دنیوی امور پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اب دسویں صدی کی شہادت بھی لیجئے۔

امام سیوطی (رحمہ اللہ) عاقل بن تیمیہ سے موافقت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

وقال ابن تیمیہ الاحادیث متواترة على عود الروح الى البدن وقت السؤال وسؤال البدن بلا روح قول طائفة منهم ابن الزاغوني وحكي عن ابن جرير وانكره الجمهور وقابلهم اخرون فقالوا السؤال للروح بلا بدن قاله ابن حزم واخرون منهم ابن عقيل وابن الجوزي وهو غلط والالم يكن للقبر بذ لك اختصاص^۱۔

ترجمہ۔ ابن تیمیہ نے کہا ہے متواتر احادیث سوال قبر کے وقت روح کے بدن کی طرف لوٹنے کی خبر دے رہی ہیں اور بدن سے بغیر روح سوال کیا جانا ایک گروہ کا خیال ہے ابن الزاغونی انہی میں سے ہے اور ابن جریر سے بھی اسی قسم کی بات حکایت کی جاتی ہے اور جمهور اہل اسلام اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس گروہ کے مقابل ایک اور گروہ ہے جو روح سے بلا اتصال بدن سوال کا قائل ہے۔ یہ بات ابن حزم اور کچھ اور لوگوں نے بھی بتائی ہے۔ ابن عقیل اور ابن الجوزی اسی کے دعوای

روح بلا بدن، قائل ہیں اور یہ بات بالکل غلط ہے بات اگر اس طرح ہوتی تو عذاب قبر کے قبر سے خاص ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

دسویں صدی کی ایک اور شہادت لیجئے۔ علامہ جلال الدین الدوانی (۷۹۲ھ) لکھتے ہیں عذاب قبر کے وہی قائل ہیں جو بدن مدفون کے زندہ کیے جانے کے قائل ہوں۔ یہ زندہ کیا جانا عادیہ روح کے بغیر محض القال روح بھی ہو سکتا ہے صورتِ احیاء جو بھی ہو اس کی تفصیل اپنی جگہ لیکن عذاب قبر کے لیے بدن یا ذرات بدن میں زندگی کا ٹوٹا یا جانا برحق ہے۔ آپ لکھتے ہیں:-

فمنہم من اثبت التعذیب وانکار الاحیاء وہو خلاف العقل وبعضہم

لم یثبت التعذیب..... وھذا انکار لعذاب القبر ومنہم من قال

بأحیائہ لکن من غیر اعادۃ الروح ومنہم من قال بالأحیاء باعادۃ

الروح معاً ولا یلزم ان یسأل اثر الحیوۃ فیہ حتی ان الماکول فی

بطن الحیوانات یحیی ویسأل وینعمر ویعذب ولا ینفی ان ینکر

لان من اخفی النار فی الشجر الاخضر قادر علی اخفاء العذاب والنعیم۔

ترجمہ ایسے لوگ بھی ہیں جو عذاب قبر مانتے ہیں مگر بغیر میت کے زندہ کئے جانے کے اور یہ خلاف عقل ہے اور بعض ایسے ہیں جو سر سے میت کے بزرخ میں عذاب پانے کے قائل نہیں یہ عذاب قبر کا کھلا انکار ہے اور ایسے بھی جو میت کے زندہ کیے جانے کے قائل ہیں لیکن بغیر عادیہ روح کے اور ایسے لوگ بھی ہیں جو عادیہ روح سے میت کا زندہ کیا جانا مانتے ہیں اور عذاب قبر کے لیے یہ لازم نہیں کہ اس میں (اس میت میں) آثار حیات دیکھے بھی جاسکیں۔ وہ شخص جسے کسی جانور نے کھا لیا، وہ اس جانور کے پیٹ میں زندہ کیا جاتا ہے اور اس میں سوال ہوتا ہے اس کی نعیم قبر یا عذاب قبر میں ہے اس کا انکار نہ کرنا چاہیے جو ذاتِ باری سب اور تر و تازہ درمیں آگ کو چھپا سکتا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ عذاب قبر اور نعیم قبر کو اس طرح چھپا رکھے کہ یہاں کے زندوں کے حواس بند سے پاسکیں اور نہ اسے سن سکیں۔

علامہ عبد الوہاب الشعرانیؒ (۵۹۷ھ) اس پر بحث کرتے ہوئے کہ پورے بدن میں روح لٹائی جاتی ہے یا اس کے بعض ماندہ حصے کی طرف — لکھتے ہیں۔ علامہ علمبی روح کے پورے بدن میں لٹائے جانے کے قائل ہیں اور علامہ ابن جریر طبری اور امام اکبرین بدن کے ماندہ حصے میں اس کے لٹنے کے قائل ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل حق روح کے بدن میں لٹائے جانے کے سب قائل تھے وہ لٹایا جانے پورے بدن میں ہو یا بعض اجزاء بدن میں۔

ان الحلیمی بقول ترد الروح الى جسده كله وابن جریر الطبری و

امام الحرمین یتولون ترد الروح الى ما بقی منه۔

ترجمہ علامہ علمبی اس کے قائل ہیں کہ روح پورے جسم میں لٹائی جاتی ہے اور ابن جریر الطبری اور امام اکبرین اس کے بعض حصہ بدن میں روح کا لٹایا جانا مانتے ہیں۔

فقہاء احناف میں علامہ شمس الدین القہستانی (۵۹۵ھ) سے کون واقف نہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

والمعذب فی القبر کما یتدر ما یتالم به وهو اقرب الی الحق۔

ترجمہ۔ اور جسے قبر میں عذاب ہو رہا ہے وہ اس درجہ زندہ ہے جو الم عذاب پاک کے اقرب الی الحق یہی بات ہے۔

دسویں صدی کے نصف آخر کے محدث جلیل علامہ عبد المہدوف المنادی (۱۰۰۳ھ) حدیث براء بن عازبؓ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ظاہر حدیث چاہتا ہے کہ روح سارے بدن میں لٹائی جاتی ہے فتاد روحہ فی جسده لیکن حافظ ابن حجر اس کے صرف نصف اعلیٰ میں لٹنے کے قائل ہیں۔ جمہور کا مذہب پہلا ہے۔

پھر قاضی ابوبکر باقلانی سے تطبیق اس طرح نقل کرتے ہیں۔

جمع بان مقررہا فی النصف الاعلیٰ ولہا اتصال بباقیہ و قیل
جزم بہ القاضیؒ

ترجمہ دونوں باتوں میں تطبیق یوں دی گئی ہے کہ روح کا قرار تو بدن کے اوپر
کے نصف حصے میں ہوتا ہے اور باقی حصہ بدن سے روح کا صرف اتصال
اور تعلق ہے اور کہا گیا ہے کہ قاضی عیاض بھی اسی پر یقین رکھتے تھے۔

دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) فقہ و حدیث کے جامع امام تھے۔
آپ نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کی کتاب فقہ اکبر کی شرح لکھی ہے۔ آپ اس میں لکھتے ہیں:-
واعلم ان اهل الحق اتفقوا علی ان الله تعالى یخلق فی المیت نوع حیاة
فی القبر قدر ما یتلذذ و یتلذذ و لکن اختلفوا هل یعاد الروح الیہ
..... والمنقول عن ابی حنیفۃ التوقف الا ان کلامہ فہنا بدل
علی اعادۃ الروح اذ جواب المسکین فعل اختیاری فلا یتصور
بدون الروحؒ

ترجمہ: اور جان لو اہل حق سب اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت میں ایک ایسی حیات
پیدا کر دیتا ہے جس سے کمرہ عذاب قبر یا نعیم قبر کو پاسکے ان کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ حیات
اعادہ روح سے ہوتی ہے یا اس کے بغیر... حضرت امام ابو حنیفہؒ سے اس میں توقف منقول ہے
مگر آپ کی عبارت یہاں اعادہ روح کی بات کہہ رہی ہے کیونکہ فرشتوں کو جواب دینا ایک
اختیاری فعل ہے اور وہ بدول اعادہ روح کے تصور میں نہیں آسکتا۔

ملا علی قاریؒ نے اسے اہل حق کا اجماع بتایا ہے کہ قبر میں ہر میت کو زندگی ملتی ہے اور اس سے
سوال و جواب ہوتا ہے۔ اس سے خلاف کرنے والے کیا اہل حق میں سے ہو سکتے ہیں یہ آپ کے
سوچنے کی بات ہے۔

توقف امام اس میں نہیں کہ روح بدن میں آتی ہے یا نہیں، بلکہ اس میں ہے کہ روح پورے بدن میں آتی ہے یا بعض حصہ بدن میں۔ ملا علی قاری ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-
ولعل توقف الامام فی ان الاعادة متعلق بجزء البدن او کله۔^۱

ترجمہ: اور حضرت امام ابوحنیفہؒ سے جو توقف منقول ہے (وہ اس میں نہیں کہ قبر میں میت کو زندگی ملتی ہے یا نہ) وہ اس میں ہے کہ حیات اس کے پورے بدن میں لوٹانی جاتی ہے یا اس کے بعض حصہ بدن میں۔ پھر ملا علی قاریؒ نے اس دوسرے احتمال کو حدیث کی روشنی میں کلیتہً رد کر دیا ہے:-
تعاد روحہ فی جسدہ ظاہر الحدیث ان عود الروح الی جمیع اجزاء

البدن فلا التفات الی قول البعض بان العود انما یكون الی البعض
..... فانہ لا یصح ان یقال من قبل العقل بل یحتاج الی اصحة النقل۔^۲

ترجمہ: میت کی روح اس کے جسد میں لوٹانی جاتی ہے۔ اس حدیث کا ظاہر یہی ہے کہ یہ عود روح جمیع اجزائے بدن کی طرف ہوتا ہے۔ سو ان چند لوگوں کی بات کی طرف دھیان نہ کیا جائے جو روح کا بعض حصہ بدن کی طرف لوٹنا مانتے ہیں۔
..... کیونکہ ایسی بات محض عقل سے نہیں کہی جاسکتی۔ اس کے لیے صحت نقل درکار ہے۔

ملا علی قاریؒ کو اس سے انکار نہیں کہ روح و بدن کا کامل تعلق قیامت کو ہی ہو گا۔ اس دن کی بعثت بے شک برحق ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان احادیث صحیحہ کا یکسر انکار کر دیا جائے جن میں عالم برزخ میں روح کا بدن کی طرف عود کرنا صراحت سے مذکور ہے۔
آپ لکھتے ہیں:-

حتیٰ یجده الله فی جسدہ ای یردہ الیہ کاملًا فی بدنہ۔^۳

ترجمہ: حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کی روح کو اس کے جسد میں پھر سے لے آئے اس سے مراد اس روح کا کامل طور پر بدن میں لوٹنا ہے۔

روح کا بدن سے ایسا کامل تعلق جیسا کہ اس دنیا میں ہے۔ یہ عامہ اموات کے لیے بیشک اسی دن ہوگا۔ وَاِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ كَمَا كَانَتْ اَطْبَارُ قِيَامَتِ كَے دن ہی ہے لیکن برزخی زندگی کو محض روحانی ماننا اور بدن مادی سے کلیتہً بے تعلق رکھنا یہ عقیدہ اہل حق کا نہیں ہے۔

طاعی قاریؒ ان ناقصان دین کے ساتھ نہیں ہیں۔ آپ ایک مقام پر لکھتے ہیں :-

كما توهم بعض ارباب المنقضان حتى جعلوا عذاب القبر روحانياً
لا جسمانياً والصواب ان عذاب الآخرة ونعيمها متعلقان بهما۔

ترجمہ جیسا کہ بعض ناقص علم کے لوگوں نے وہم کر رکھا ہے اور وہ عذاب قبر کو محض ایک روحانی چیز بتلاتے ہیں جسمانی نہیں مانتے — صحیح بات یہ ہے کہ نعیم قبر اور عذاب قبر روح اور بدن دونوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

نعیم و الم تو ایک طرف ہے قبر میں تو اعمال کا ثبوت بھی ملتا ہے کیا اعمال بغیر جسد تقوم میں آتے ہیں؟ حضورؐ نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے پایا تو کیا وہ صرف روح کا عمل تھا؟ سنن نسائی کے حاشیہ میں منقول ہے۔

یہ حدیث حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات فی القبر کی صریح دلیل ہے اس میں آپ کو صرف نماز سے موصوف بتلایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ آپ کھڑے تھے یہ وہ اہمہ میں جن سے صرف روح موصوف نہیں ہو سکتی یہ تو جسد کی شان ہے کہ وہ عمل نماز میں ہو اور اس کے قبر سے خاص ہونے میں بھی اس کی دلیل ہے اگر نماز صرف روح کے اعمال میں سے ہوتی تو اسے قبر سے خاص کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی نہ

اب آئیے آپ کو گیارہویں صدی میں لے چلیں۔ اس دور کے علماء حق کو مسلک کیا تھا۔
اس دور کی مرکزی شخصیت حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۵۰۴ء) ہیں۔ آپ بدن مثالی کی
تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ عقیدہ تو اعتقادِ تناسخ سے بھی بُرا ہے۔ اس کے بعد آپ یوں
رقطراز ہیں :-

پس بدن اول راز حصول احکام بزنج چارہ نبود و از عذاب و ثواب قبر
گذر نہ — و بدن ثانی را چوں حیات ثانی اثبات مے نمایند حشر و رقی
او در دنیا ثابت گشت۔ انگارم کہ معتقدان قتل روح معلوم نیست کہ بجزاب
و ثواب قبر قائل باشند و بشر و نشر معتقد بود۔ افسوس ہزار افسوس ایں قسم
بطلال خود را بہند شیخی گرفتہ اند و معتدائے اہل اسلام گشتہ اند ضلوا فاضلوا
ترجمہ۔ اس دنیا والے بدن کو احکام بزنج کا سامنا کرنے سے چارہ نہیں اور اس بدن کا عذاب
ثواب قبر سے پھٹکارا نہیں اور اس مجوزہ بدن ثانی کے لیے جب یہ لوگ دوسری حیات ثابت کرتے ہیں
تو اس کا حشر تو دنیا میں ہی واقع ہو گیا میں سمجھتا ہوں کہ روح کے منتقل کیے جانے کا عقیدہ رکھنے والے
معلوم نہیں ہوتا کہ وہ عذاب و ثواب قبر کے قائل ہوں گے اور حشر و نشر کا عقیدہ رکھتے ہوں گے۔ افسوس
ہزار افسوس اس قسم کے جھوٹے لوگوں پر کہ اپنے آپ کو پیرِ طریقت بنائے بیٹھے ہیں اور اہل
اسلام کے مقتدا بنے ہوئے ہیں وہ خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔
حضرت مجدد الف ثانیؒ شیخ سرہندیؒ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-
و آنچه او علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ و التسلیمات ادا احوال آخرت خبر داده است
ہمہ حق است از عذاب گور و مضطربان و سوال منکر و نکیر دران و فنائے عالم
و اشتقاق سموات و انتشار کواکب و برداشتن زمین و کوہ ہا و پارہ پارہ
شدن ایہنا و حشر و نشر و اعادہ روح بجد و زلزله ساعت و ہول قیامت

محاسبہ اعمال و شہادت جوارح باعمال مکتبہ

ترجمہ۔ اور جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت کے احوال کی خبر دی ہے برحق ہے جیسے عذاب قبر اور قبر کا دباؤ۔ اور منکرو نکیر کے قبر میں سوالات۔ اور پوری دنیا کا فنا ہونا۔ اور آسمان کا پھٹنا اور ستاروں کا اٹشاد۔ اور زمین کا پہاڑوں کو اٹھانا اور ان کا ریزہ ریزہ ہو جانا اور حشر و نشر اور روح کا جسد میں پھر سے لوٹ آنا۔ اور قیامت کا بڑا زلزلہ اور قیامت کی ہولناکی اور اعمال کا حساب۔ اور اعضاء جسمانی کی اپنے کئے گئے اعمال پر شہادت یہ سب احمد برحق ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) بھی اسی دور کے بزرگ ہیں۔ حدیث میں آپ اپنے وقت کی سند تھے۔ آپ لکھتے ہیں:-

و اختلاف کرده اند کہ عذاب قبر بزندہ کہ دانیدن میت است و در مقابل داشتن روح باده یا بنوعی دیگر کہ پروردگار تعالیٰ خواہد و مارا بدریافت کنہہ حقیقت اس راہ نباشد و حق آنست کہ یا حیا است۔ چنانکہ ظاہر احادیث دال است برال بے

ترجمہ۔ اور اختلاف کیا ہے کہ عذاب قبر میت کو پھر سے زندہ کرنے سے ہوتا ہے یا روح کو میت کے سامنے لانے سے۔ یا کسی اور طریق سے جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ اور ہمیں اس کی کنہہ معلوم کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ اور حق یہ ہے کہ عذاب قبر میت کو پھر سے زندہ کرنے سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ظاہر احادیث اس کی شہادت دیتی ہیں۔

قطع مے کنم بعد حیات مرہرہ میت را چنانکہ در احادیث وارد یافتہ شد
ترجمہ مجھے یقین ہے کہ ہر میت کو پھر سے حیات ملتی ہے جیسا کہ احادیث
میں اس کی خبر دی گئی ہے۔

بارہویں صدی کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۱ھ) اپنے مسلک پر
حضرت امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

امثال هذه الاخبار لها ظواهر صحيحة واسرار خفية ولكنهما عند
ارباب البصائر واضحة فمن لم ينكشف له حقائقهما فلا ينبغي ان
ينكر ظواهرها بل اقل درجات الايمان التسليم والتصديق فان قلت
فنحن نشاهد الكافر في قبره مدة ونراقبه ولا نشاهد شيئا من
ذلك فما وجه التصديق على خلاف المشاهدة فاعلم ان لك ثلاث مقامات
في التصديق بامثال هذا احدها وهو الاظهر والاصح والاسلم ان
تصدق بانهما موجودا وهي تلدغ الميت لكذلك لا تشاهد ذلك فان
هذه العين لا تصلح لمشاهدة الامور المكنونة.

ترجمہ۔ اس طرح کی احادیث اپنے ظاہر معانی پر وارد ہیں اور ان کے کچھ چھپے
ہوئے حقائق بھی ہیں۔ گو وہ اہل بصیرت کے ہاں چھپے نہیں بالکل واضح ہیں
سو جس پر یہ حقیقتیں مخفی ہوں اسے نہ چاہیے کہ ان کے ظاہری معنی کا انکار کرے
کم از کم یہ تو کرے کہ ان پر ایمان لائے انہیں تسلیم کرے اور ان کی تصدیق
کرے۔ اگر سمجھے یہ خیال گنہگار ہے کہ ہم کافر مردوں کو قبروں میں پڑے مدت سے
دیکھ رہے ہیں اور وہ بیان بھی رکھتے ہیں لیکن ان میں سے دیکھ رہے انہیں
سامنے کاٹ رہے ہوں، کسی بات کو ان میں دیکھ نہیں پاتے۔ تو اس کھلی

کیفیت کے مقابلہ میں ہم ان اعاذیث کی تصدیق کیسے کریں؟ تو جان لے کہ
تیرے ان روایات کی تصدیق میں تین مقام ہیں جن میں سے ایک یہ ہے اور
وہی ظاہر معنی ہے اور وہی صحیح ہے اور وہی سلامتی والا ہے کہ تو تصدیق کرے
کہ سانپ وغیرہ واقعی موجود ہیں اور وہ واقعی (اس گڑھے میں پڑی) مسیت کو
دوسرے رہے ہیں لیکن تو اسے دیکھ نہیں پاتا۔ کیوں اس دنیا کی آنکھ امور ملکوتی
(برزخ کے حالات) کو دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

حضرت شاہ صاحبؒ تاکید فرماتے ہیں کہ اگر ہم قبریں ان حالات کا مشاہدہ نہ کر سکیں
جن کی اعاذیث میں خبر دی گئی ہے تو انکار کے درپے سرگز نہ ہوں۔ بلکہ ان اعاذیث کے ظواہر
پر ایمان لائیں اور یقین کریں کہ کافر مسیت کو واقعی سانپ کاٹ رہے ہیں۔ اگرچہ ہم اسے دیکھ
نہیں پاتے۔ — یہ کس مسیت کے بارے میں کہا جا رہا ہے؟ جو اس گڑھے میں پڑی ہے۔
اسی بیان لوگوں کے بارے میں جن کی قوت بہیمیہ قوی اور قوت ملکوتیہ کمزور ہوتی ہے فرما رہے ہیں اور
زیادہ تر لوگ اسی قبیل کے ہیں۔

فلا یکن الموت انفکاکاً لنفوسہم عن الابدان بالکلیۃ بل تنفک
تدبیراً ولا ینفک وہما۔

ترجمہ۔ ان کی موت میں انفکاک روح عن البدن (روح کا بدن سے جدا ہونا)،
کلی طور پر نہیں ہوتا۔ روح کا صرف تعلق تصرف (جس سے روح بدن میں
تدبیر کرتی تھی) ختم ہوتا ہے تعلق توجہ ختم نہیں ہوتا۔ دھیان اس کا ادھر
خاتم رہتا ہے۔

یہاں وہم سے مراد کوئی غیر موجود حقیقت نہیں۔ ورنہ شاہ صاحبؒ اس کا اعتبار کرتے
ہوئے انفکاک روح عن البدن کی کلی نفی کا انکار نہ فرماتے۔ سو یہاں یہ لفظ تعلق توجہ کے معنی

میں ہے۔ حضرت شاہ صاحب بتلاتے ہیں کہ نسیم جو روح اور بدن کے باہین ایک برزخی درجہ ہے اس کی ایک توجہ روح کی طرف ہوتی ہے اور دوسری بدن کی طرف اور وہ روح و بدن میں ایک رابطہ ہے موت کے وقت نسیم بدن سے جدا ہوتا ہے۔ لیکن اس کا ایک رُخ اُدھر ضرور رہتا ہے۔ ہم اسے ایک برزخی تعلق کہہ سکتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں :-

ولما كانت النسمة برزخاً متوسطاً بين الروح والالهي والبدن الارضي
وجب ان يكون لها وجه الى هذا ووجه الى ذلك والوجه المائل
الى القدس هو الملكية والوجه المائل الى الارض البهيمية.

ترجمہ۔ اور جب نسیم ایک برزخی چیز ہے جو روح الہی اور بدن ارضی کے باہین ہے تو ضروری ہے کہ اس کا ایک رُخ اُدھر روح کی طرف ہو اور ایک رُخ اُدھر بدن کی طرف ہو اس کی جو بہت عالم قدس کی طرف جھکی ہو وہ ملکیت ہے اور جو بہت زمین کی طرف جھکی ہو وہ بہیمیت ہے۔

یہ ایک واقعی حقیقت ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے ہاں عالم برزخ میں روح کا ایک تعلق (جس میں روح بدن میں نشوونما کا کوئی تصرف نہ کرتی ہو) بدن ارضی سے ضرور قائم رہتا ہے۔ قاضی شمس الدین صاحب بھی اسے تسلیم کرتے ہیں :-

حضرت مرحوم نے عالم برزخ کا ایک سب سے کم درجے کا طبقہ ذکر فرمایا ہے جن کے ارواح کا تعلق ابدان کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں :-

محترم قاضی صاحب کہنا یہ چاہتے ہیں کہ کم درجے کے لوگوں میں تو روح و بدن کا کچھ تعلق قائم ہے لیکن انبیاء اور شہداء کے دھڑ قبروں میں بالکل بے جان پڑے ہیں۔ ان کی ارواح کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ روح و بدن کا یہ علاقہ صرف چھوٹے لوگوں میں قائم ہوتا ہے :-

بریں عقل و دانش بباہر گریست

قاضی صاحب کو یہ مغالطہ غالباً علامہ نسفی کی عبارت سے لگا ہے جو علامہ سیوطی نے اُن کی کتاب بحر الکلام سے نقل کی ہے۔ وہ واقعی نچلے طبقے کے بارے میں ہے۔

ہی متصلہ باجساد ما فتعذب الارواح وتعال الاجساد۔

ترجمہ۔ وہ ارواح ان کے اجساد سے مستقل رہتی ہیں۔ اس اتصال سے عذاب

جو ارواح کو ہوتا ہے ابدان کی تکلیف بنتا ہے، ارواح عذاب پاتی ہیں

اور ابدان تکلیف اٹھاتے ہیں۔

یہ تعلق اتصال ہے جو نہایت قریب کا تعلق ہے۔ کاملین کے لیے یہ تعلق اشراق کا ہے جس

میں ارواح ملا، اعلیٰ کی بلندیوں سے یا جہاں بھی وہ مصروف سیر ہوں ان کے ابدان پر تاثیر

کرتی ہیں نچلے طبقے کے لیے اتصال ہے اور کاملین کے لیے اشراق۔ اور یہ اشراق ہے جس

سے ابدان زندگی کا شرف پاتے ہیں۔ ہاں کوئی بزرگ اتصال کو اشراق کے معنی میں لیں یہ اس کی

اپنی مراد ہوگی۔ اتصال اور اشراق دو مستقل حقیقتیں ہیں۔

یہاں ہم حیات شہداء یا حیات انبیاء سے بحث نہیں کر رہے۔ زیر بحث موضوع

عذاب قبر ہے۔ ہم صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے ان دوستوں کے بیان کے مطابق حضرت

شاہ صاحبؒ نچلے طبقے کے لیے (اور اکثریت انہی کی ہوتی ہے) برزخ میں روح و بدن کے

تعلق کے قائل ہیں۔ سو حضرت شاہ صاحبؒ بھی پچھلی گیارہ صدیوں میں آئے جن کا متفقہ عقیدہ

ہم آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ قبر میں راحت و الم صرف روح کے لیے نہیں، بدن کے

لیے بھی ہے۔ عذاب روح پر اترتا ہے اور بدن اس سے تکلیف پاتا ہے۔ جیسا کہ علامہ نسفیؒ

نے بحر الکلام میں اس کی تصریح کی ہے۔

اب اگر ابدان کاملین کے لیے یہ تعلق اشراق آپ کو حضرت شاہ صاحبؒ کے کلام میں

نہ ملے تو اسے دلیل انکار بنانا کسی طرح درست نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ ۴۴۱ھ میں ردّہ رسول

پر مجاہدت نہ کرتے اور آپ کو اس دوران وہاں جو مشاہدات ہوئے ان کا آپ کے ہاں کوئی ذکر نہ ہوتا۔ ان شاء اللہ العزیز ہمیں پراگے چل کر بحث کریں گے۔ واللہ ولی التوفیق۔

یہاں صرف یہ کہنا پیش نظر ہے کہ اگر ان حضرات کو عامہ اموات کے لیے تو یہ تعلق روح بالبدن (التصال) حضرت شاہ صاحب کے کلام میں ملے اور کالمین کے لیے اشراق نہ ملے تو اسے دلیل انکار نہ بتائیں۔ جب ایک طبقے کے لیے ایک درجے کا یہ تعلق ان کے ہاں ثابت ہے تو دوسرے طبقے کے لیے ان کے حسب حال یہ تعلق کیوں نہ ہو گا۔ عدم ذکر کو یہاں ذکر عدم کے طور پر نہ لیا جائے اور اس بات کی گردان نہ کی جائے کہ حضرت شاہ صاحب کے کلام میں روح و بدن کے برزخی تعلق کا کہیں اشارہ تک نہیں ملتا۔

شہداء کی رو میں پرندوں کی صورت میں ہوں یا حواصل طیور میں ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب ان کا تعلق کسی اور بدن سے ہو ہی نہیں سکتا۔ بدن کے عدم ذکر کو ذکر عدم کی دلیل نہ بنایا جائے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:-

لا مانع من تعلقات بدن برزخی مغائر لهذا البدن الکشف

ترجمہ۔ روح کا تعلق اس بدن کشف (اس عنصری بدن) کے علاوہ اس کے مغائر کسی

بدن برزخی سے بھی ہو تو اس میں کوئی امر شرعی مانع نہیں ہے۔

جب یہاں کوئی مانع شریعت میں موجود نہیں تو روح کا تعلق اگر بدن عنصری سے بھی

کسی درجے میں مان لیا جائے تو اس کے لیے کون سی نفس مانع ہے۔ پرندوں والی روایت سامنے رکھ کر اب بدن تعلق کی کلی نفی کرتے چلے جانا کوئی دانا فی نہیں ہے۔

اب آئیے بارہویں صدی کے دائرہ علم و عرفان میں آئیں اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۴۹ھ) کی طرف رجوع کریں۔ آپ اس مسئلہ میں کیا کہتے ہیں۔ مشرح عقائد نسفی کی شرح میزان العقائد میں لکھتے ہیں :-

فیعذب اللحم متصلًا بالروح والروح متصلًا بالجسد وكذا اذا
صادترا بایكون روحه بترابه والروح والتراب يتالمان
ترجمہ ہو اس گوشت پرست کو (اس غصہ کی بدن کو) روح اتصال عذاب ملتا ہے اور روح کو بدن کے
اتصال عذاب ملتا ہے اور اگر میت کا بدن ریزہ ریزہ ہو جائے تو اس کی روح مٹی کے ان قدموں
متصل ہوگی اور اگر روح اور یہ ذرات بدن دونوں عذاب قبر کی تکلیف اٹھائیں گے

عقائد سنت کا اثبات اور رافضیوں کا ابطال حضرت شاہ صاحب کا خاص موضوع رہا ہے۔ روافض عذاب قبر کی بجائے عذاب رجعت کے قائل ہیں کہ ایک دفعہ پھر اسی دنیا میں آنا ہے اور مجرموں نے اس کا عذاب یہاں پانا ہے۔ سو جس طرح انہوں نے توحید کے ساتھ عدل رسالت کے ساتھ امامت کی اختراع کی آخرت کے ساتھ رجعت کا مقدمہ لگایا۔ روافض اہل سنت کے عقیدہ عذاب قبر پر اسی طرح بستے ہیں جس طرح دیگر اقوام ہند — حضرت شاہ عبدالعزیزؒ ان کے اعتراض نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ہم ایک شخص کو زمین پر مرا پڑا دیکھتے ہیں یا کسی کو مدتوں صلیب پر لٹکا پاتے ہیں
یہاں تک کہ اس کے اجڑائے بدن سب منتشر ہو گئے اور اس میں زندگی
قیام و قعود، اور حرکت، اور سوال و جواب کی کوئی بات نہ باقی گئی۔
آپ اس کے جواب میں لکھتے ہیں :-

اللہ تعالیٰ روح آل میت را بقدریکہ ادراک و تالم و تلذذ ازہ حاصل شود
و بہ بدنہ از ابدان عنصریہ یا مثالیہ مختصر عہ متعلق مے سازد و اس کار سرانجام

مے فرماید و محسوس نبودن ایں حرکات دلالت بر عدم وقوع آہنہائے کند
زیرا کہ ذوات اشخاص ملائکہ و جن را بحواس ادراک نے کینم چہ جائے کہ
حرکات معہذا واقع است بلاشبہ عند المیتین ۛ

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس میت کی روح کو اس درجے میں کہ وہ اس تکلیف و راحت پاسکے کسی
عنصری بدن یا کسی مثالی بدن سے جو اسی کے لیے بنا ہو جوڑ دیتے ہیں اور اس کام کو دُعذابِ قبر کو
پورا فرماتے ہیں اور ان حرکات کا ہمیں دکھائی نہ دینا ان کے مواقع نہ ہونے پر دلالت
نہیں کرتا ہم فرشتوں اور جنات کی شخصیات کا بھی تو اپنے حواس سے ادراک
نہیں کر پاتے چہ جائیکہ ان کی حرکات کو، حالانکہ یہ سب حقائق تمام اہل مذاہب کے
ہاں مسلمات میں سے ہیں۔

یہاں آپ نے ابدانِ عنصریہ اور ابدانِ مثالیہ دونوں کی گنجائش رکھی ہے جن کو آپ
جواب دے رہے ہیں ان کی نظر میں بعض صوفیوں کے ابدانِ مثالیہ کے اقوال موجود ہوں
گے۔ آپ نے ہر پہلو کو ملحوظ رکھتے ہوئے رافضیوں کو کلامی انداز میں جواب دیا ہے لیکن آگے
چل کر آپ اسی بات پر آجاتے ہیں جو اہل سنت کا مختار ہے۔ آپ مذکورہ عبارت کے چند
سطر بعد لکھتے ہیں :-

خدا تعالیٰ قادر است بر آنکہ . . . روح اکس میت را با وصف تعلقی کہ
ببدن خود پیدا کردہ منعم و معذب کردہ اند ۛ

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اس میت کی روح کو اس تعلق سے اس کا اپنے
دعصری بدن سے قائم ہے (قبر میں) نعیم و عذاب دے۔

پھر ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں ارواح انبیاء و اولیاء کا مقبر علیین ہے۔ لیکن
ان ارواح کا اپنی قبروں سے بھی ایک تعلق ہوتا ہے جس سے وہ زائرین اور اپنے جاننے

والوں کے آنے سے متنازع ہوتے ہیں (ان سے انس پاتے ہیں) آپ لکھتے ہیں :-
 تعلق بہ قبر نیز ایں ارواح را مے باشد کہ بہ حضور زیارت کنندگان و اقارب
 و دیگر دوستان بر قبر مطلع و متنازع مے گردند۔ زیرا کہ روح را قرب و
 بعد مکانی مانع ایں دریافت نمی شود۔

ترجمہ۔ ان روحوں کا اپنی قبروں سے بھی ایک تعلق ہوتا ہے جس سے وہ زیارت کے
 لیے آنے والوں اور اپنے اقارب اور دوستوں کی مامری کو پہچانتے ہیں اور مانوس
 ہوتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ روح کا مکانی قرب و بعد اس دریافت میں
 مانع نہیں ہوتا۔

پھر ایک جگہ ہندوؤں کو جواب دیتے ہوئے کہ مردوں کو جلانا صحیح طریقہ نہیں۔ دفن
 کرنا ہی درست ہے لکھتے ہیں :-

در دفن کردن چوں اجزائے بدن بتمامہ یکجا مے باشند علاوہ روح با بدن
 از راہ نظر و عنایت مجال مے ماند و توجہ روح بزارتہین و متانہین مستغنیہ
 بسہولت مے شود کہ بہ سبب تعیین مکان بدن گویا مکان روح ہم متعین
 است۔

ترجمہ۔ میت کو دفن کرنے میں تمام اجزائے بدن یکجا رہتے ہیں روح کا تعلق بدن سے
 ازراہ نظر و عنایت مجال رہتا ہے اور روح کی توجہ زیارت کرنے والوں اور مستفیض ہونے
 والوں پر بڑے آرام سے ہوتی ہے۔ بدن کی جگہ کے متعین ہونے کے باعث گویا
 روح کو بھی ایک مقام معین مل گیا ہے۔

روح کا یہ تعلق کس بدن سے ہوتا ہے۔ بدن عنصری سے یا کسی بدن مثالی سے ؟
 اس کا جواب بھی حضرت شاہ صاحب سے لیں :-

ارواح را تعلق بہ بدن خود کہ در قبر مدفون است البتہ می باشد زیرا کہ مدت
دراز دریں بدن بودہ اند۔

ترجمہ۔ ارواح کا تعلق اپنے بدن سے جو قبر میں مدفون ہوتا ہے قائم رہتا ہے کیونکہ
ارواح مدتوں (اس دنیا میں) ان بدنوں میں رہ چکی ہیں۔
اور پھر نکلتے ہیں۔

ثابت شد کہ روح باقی است و اورا تعلقے خاص با جزاء بدن بعد مفارقت
از دے و تغیر کیفیت وے نیز باقی است کہ بدال علم و شعور بزمانہ ان
قبر و احوال ایثال دارد۔

ترجمہ۔ اور یہ بھی پتہ چلا کہ روح باقی ہے اور اس کا بدن بے مفارقت اور کیفیت
کے تغیر کے باوجود اجزائے بدن سے ایک خاص تعلق قائم رہتا ہے اور تعلق سے
قبر پر آنیوالوں کو اور ان کے حالات کو جانتی اور پہچانتی ہے۔

شیعہ اہل سنت کے اس عقیدے کے مقابل عذاب رجعت کے قائل ہیں وہ کہتے
ہیں کہ اونچے درجے کے لوگ اور نہایت درجے کے مجرمین ایک دفعہ پھر اس دنیا میں لوٹیں
گے اور ان کی یہ زندگی اس عالم دنیا میں ہوگی۔ یہ اس طرح کی دوبارہ زندگی ہوگی جو حضرت
عزیر علیہ السلام کو سو سال کے بعد پھر جی اٹھنے پر ملی تھی اور یہ بالکل دُنیوی زندگی تھی رجعت
میں عالم بندہ کا نہیں دنیا کا سامتا ہوگا اور اس میں روح اور بدن کا وہی حقیقی تعلق ہوگا۔
جو ہم اب اس دنیا میں محسوس کرتے ہیں یا جسے حضرت عزیر علیہ السلام نے دوبارہ زندہ
ہو کر محسوس کیا تھا۔

شیعہ علماء نے اپنی کتابوں میں اپنے اس عقیدہ رجعت پر بڑی بحثیں کی ہیں بشریف تفسیر
(۲۲۶ھ) مسائل ماصرہ میں لکھا ہے زمان مہدی میں ابوبکر و عمر کو پھر سے زندہ کیا جائے گا۔

اور ملا باقر مجلسی نے حق الیقین (طبع ایلن) کے ص ۳۸ سے مر تک اس مفصل بحث کی ہے۔
حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ان کے خلاف عقابنی نظر رکھتے تھے۔ آپ نے
اہل سنت کے عقیدہ عذاب قبر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ عالم برزخ میں روح کا اس
عنصری بدن سے اس طرح کا تعلق نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔ وہاں روح اور بدن کا
ایسا تعلق ہے جو زیر پردہ ہے یہ کوئی کھلی زندگی نہیں جسے دوسرے بھی دیکھ سکیں۔ یہ ایک
نہایت لطیف ربط ہے جو روح کو بدن سے ملاتا ہے۔

قبر میں اعادہ روح بھی اس طرح کا نہیں جس طرح غریب علیہ السلام کو اس دنیا میں
حاصل ہوا تھا۔ وہاں یہ صرف اس درجے میں ہے کہ میت کا علم و شعور لوٹ کر آئے اور
وہ سوالوں کا جواب دے سکے یا پھر وہ وہاں کے الم و راحت کا ادراک کر سکے یہ ادراک اسی
بدن (یا اس کے ذرات) کے واسطے سے ہوتا ہے۔ بدن روح کے لیے بمنزلہ آلہ ہے جس سے
کستی تکلیف یا راحت کا ادراک ہو سکتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ وہاں کے حالات کو اس دنیا کے
حالات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمادیا یا اس دین قیم
کی جو وضاحتیں حضرات صحابہ کرامؓ اور ائمہ دین نے کیں اسے اسی طرح ماننا اور اسے اپنے عقیدے
کی حصار جانتا ہمارے ذمہ ہے۔

دنیا اور برزخ میں ایک یہ فرق بھی ہے کہ یہاں کے امور اولاً بدن پر وارد ہوتے
ہیں اور روح اس کے ذیل میں الم یا راحت پاتی ہے۔ اس کے لیے بدن کی بقا اور یکجا سلاستی
ضروری ہے۔ عالم برزخ میں اصل واردات روح پر ہوتی ہیں۔ بدن یا اجزائے بدن اس
کے ذیل میں الم و راحت پلتے ہیں۔ سو وہاں عذاب قبر کے لیے بقائے بدن یا بدن کی سلاستی
ضروری نہیں۔ شاہ صاحبؒ نے یہ بات اس عالم کے مناسب کہی ہے۔ یہ نہیں کہ روح کا اس
بدن سے کوئی علاقہ ہی نہیں رہا۔ ہاں وہ علاقہ جو پہلے اس بدن سے تھا اس کا انقطاع ہو چکا ہے
اب شیعہ کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

در قبر احیاء و اماتت حقیقیہ نیست بسبب انعکاس اشعہ روح بر بدن تعلقے
پیدائے شود کہ تغذیہ و تنمییہ بدن ہمراہ اس نے باشد تا معنی حیات متحقق باشد
ترجمہ قبر میں میت کو زندہ کرنا اور مارنا ایسی حقیقی صورت میں نہیں ہوتا کہ اس کے لیے غذا
کا تقاضا اور بدن کا نشرو نما ہو یہ ہو تو حیات کے حقیقی معنی متحقق ہوتے ہیں یہاں ضرر یہ ہے
کہ روح کی شعاعوں کے انعکاس بدن سے ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔

یعنی اتنی حیات قبر کے سوال و جواب اور نعیم و عذاب کے لیے کافی ہے گو یہ حیات غذا اور نشرو نما والی نہ ہو
پھر آپ کا یہ کہنا کہ معذب روح ہے نہ کہ بدن — حضرت شاہ صاحب کی دیگر
تصریحات کی روشنی میں اس کا مطلب بھی یہ سمجھا جائے گا کہ براہ راست عذاب روح پر ہے بدن
پر نہیں — کہ اس کے لیے بدن کی سلامتی شرط ٹھہرے۔ اس کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے
گا کہ اب اس عذاب کا اس بدن یا اس کے ذرات منتشر سے کوئی برزخی علاقہ بھی نہیں
ہے — کسی معنی کی عبارت کی تشریح اس کے اپنے عقائد اور بیانات کی روشنی میں
ہی ہونی چاہیے۔ حضرت شاہ صاحب نے جو وجہ لکھی ہے اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ بدن
کی سلامتی عذاب قبر کے لیے لازمی نہیں۔

معذب روح است نہ بدن تا بقائے بدن شرط تغذیہ باشد
ترجمہ معذب (اصالتاً) روح ہے نہ کہ بقائے بدن اس عذاب کے لیے
ضروری ہو۔

اب اگر کوئی مجاہد اس آخری عبارت کو اس کی اس تشریح کے بغیر حضرت شاہ صاحب
کا موقف قرار دے اور سمجھے میں نے میدان مار لیا ہے اور ان صریح عبارتوں کو ایک نظر سے بھی
نہ دیکھے جو ہم پہلے پیش کر آئے ہیں تو وہ خود سمجھے کہ اللہ رب العالمین کے حضور اسے کیسے
اپنے جہل کا عذر پیش کرنا ہو گا یا خیانت کا اقرار کرنا ہو گا۔ یہ تو کرامیہ کا عقیدہ ہے کہ وہ

اپنے مسلک کی خاطر حبوٹ بولنا جان سمجھتے ہیں۔ آپ دیوبندی کہلاتے ہوئے اُن کے مجال میں کیے پھنس گئے۔

ان كنت لا تدري فتلك مصيبة
وان كنت تدريها فالمصيبة اعظم

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) کے جانشین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) کا موقف آپ کے سامنے اچکا ہے۔ آپ نے شیعہ کے عقیدہ رجعت کی تردید کرتے ہوئے قبر کی زندگی کو اس دنیا کی سی نہیں بتلایا۔ تاہم اہلسنت کے اس عقیدے کی بھی پوری حفاظت کی ہے جو اسلام کی بدو صدیوں کے اہل حق کی متفقہ آواز تھی کہ عذاب قبر برحق ہے اور یہ روح اور بدن (یا ذلت بدن) دونوں کو شامل ہے۔ اگر کہیں بدن مثالی کو بھی راہِ حق بننے پر بھی بدنِ اصلی کو برباد کی ان واردات سے کلی طور پر فارغ نہیں کیا جاسکتا۔

اب آئیے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا قاری ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ (۱۲۱۵ھ) کے مسلک کو بھی دیکھتے جائیں۔ یہ آپ تیرہویں صدی سے گزر رہے ہیں اور اس وقت کے اہل سنت کی متفقہ آواز ہے۔

آپ حضرت براء بن عازبؓ کی روایت کردہ حدیث کہ قبر میں روح بدن میں لوٹاتی جاتی ہے اور یہ کہ مومنوں کی روحوں کا مقرنین ہے تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

وجه التطبیق ان مقر ارواح المومنین فی علیین او فی السماء
السابعة ونحو ذلك كما هو مقر ارواح الکفار فی سجن و مع
ذلك لیکل روح منها اتصال بجسد فی قبره لا یدرک کمنه
الا الله تعالى وبذلك الاتصال یصح ان یرض علی الانسان
المجموع المركب من الجسد والروح مقعدہ من الجنة والنار

وحيى اللذة اولا لم يسمع سلام الزائر ويحب المنكر والنكير و
نحو ذلك مما ثبت بالكتاب والسنة . . . قال النسفي في
بحر الكلام هي متصلة باجسادها منها كالشمس في السماء ونورها
في الارض .

ترجمہ۔ وجہ تطبیق یہ ہے کہ مومنین کی روحوں کا مقدر علیین میں ہے یا ساتویں آسمان
میں اور اسی طرح کہیں ہو جیسا کہ گزرا اور کافروں کی روحوں کا مقدر مقام سحین ہے اس
سب کے باوجود ہر روح کا اپنے قبر میں سکھے بدن سے بھی ایک تعلق ہے جس کی حقیقت
کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور اسی تعلق سے یہ درست ہے کہ انسان پر جو جسم اور
روح سے مرکب ہے اس کا ٹھکانہ جنت یا دوزخ کا پیش ہوتا رہے اور اسی
حیات سے وہ قبر کے نعیم اور عذاب کو محسوس کرتا رہے۔ زائرین کے سلام کرنے
اور منکر و نکیر کے سوالوں کا جواب دے اور اس طرح کی اور باتیں جو کتاب و
سنت سے ثابت ہوتی ہیں۔

علامہ نسفی بحر الکلام میں لکھتے ہیں ارواح اپنے اجساد سے اسی طرح متصل
ہیں جیسے سورج باوجودیکہ آسمان میں ہوتا ہے مگر اس کی روشنی زمین میں
وہ وسیع پھیلی ہوتی ہے۔

یہ صرف قاعدہ ہند کی بات نہیں۔ علامہ ابن عابدین شامی (۱۱۵۲ھ) بھی اسی صدی سے
تعلق رکھتے ہیں۔ آپ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ولا یرد نقیب المیت فی قبرہ لانه توضع فیہ الحیوة عند
العامۃ بقدر ما یحس بہ الالہ والمبنیۃ لیست بشرط عند
اہل السنۃ بل تجعل الحیوة فی قلب الاجزاء المتفرقة لا یرد کما البصر

ترجمہ۔ اور میت کے عذاب قبر کا انکار نہ کیا جائے کیونکہ جمہور اہل اسلام کے نزدیک اس میں اس قدر حیات رکھ دی جاتی ہے کہ وہ اس عذاب کو محسوس کر سکے اور عذاب کے لیے بدن کا کچا ہونا اہل سنت کے نزدیک شرط نہیں ہے اس صورت میں (بدن کے ریزہ ریزہ ہونے کی صورت میں) زندگی اجملے متفرقہ میں رکھ دی جاتی ہے اور یہاں کی آنکھ اس عذاب کو دیکھ نہیں پاتی۔

یہاں حیات کی نوع سے بحث نہیں۔ اتنا مان لیجئے کہ قبر میں میت کو اتنی حیات ضرور حاصل ہوتی ہے کہ وہ عذاب قبر کو پاسکے۔

قال اهل السنة والجماعة عذاب القبر حق وسؤال المنكر والنكير حق وضغطة القبر حق فيعذب اللحم متصلاً بالروح متصلاً بالجسد فيتألم الروح مع الجسد .

ترجمہ۔ اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں کہ عذاب قبر اور منکر و نکیر کا سوال بہ حق ہے اور قبر کا دبامہ بھی برحق ہے۔ جبکہ عذاب روح کے اتصال سے ہوتا ہے اور جسم بھی اس کے ساتھ شامل ہوتا ہے اور روح جسم کے اتصال سے تکلیف کا احساس کرتی ہے (اور یہی عذاب قبر ہے)۔

قاضی شوکانی (۱۲۵۵ھ) بھی اسی دور کے ہیں۔ آپ اس مسئلے کی روشنی میں کہ دفن کے بعد وہاں دعائے مغفرت کرنی چاہیے اور اللہ سے میت کی ثابت قدمی مانگنی چاہیے کہ وہ صحیح جوابات دے پائے، احادیث پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

فيه مشروعية الاستغفار للميت عند الفراغ من دفنه و سؤال التثبيت له لانه يسئل في تلك الحال وفيه دليل على ثبوت حياة القبر وقد وردت بذلك احاديث كثيرة بلغت حد التواتر

وفيه ايضا دليل على ان الميت ليسل في قبره وقد وردت به
ايضا احاديث صحيحة في الصحيحين وغيرهما وورد ايضا
ما يدل على ان السؤال في القبر المختص بهذه الامة كما في حديث
زيد بن ثابت عند مسلم ان هذه الامة تبتلى في قبورها و
بذلك جزم الحكيم الترمذی

ترجمہ۔ اس میں میت کے دفن سے فارغ ہونے کے بعد اس کے لیے دعائے مغفرت کی
مشروعیت اور اس کے لیے ثابت قدمی کی استدلال ہے کیونکہ اس وقت اسے پوچھا
جا رہا ہوتا ہے۔ اور اس میں حیاتِ قبر کا ثبوت ہے اور اس پر اس کثرت سے
احادیث وارد ہیں کہ وہ تواتر تک پہنچتی ہیں۔ اور اس میں اس کی بھی دلیل ہے
کہ میت سے قبر میں سوال ہوتے ہیں اور اس پر بھی صحیحین اور دوسری کتابوں میں
صحیح احادیث موجود ہیں اور یہ بھی وارد ہے کہ قبر میں سوال ہونا اس امت
سے مختص ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ اس
امت کے لیے قبر کی ایک آزمائش ہے حکیم ترمذی (۷) بڑے جزم سے اس کے قائل ہیں
یہاں یہ بات خاص طور پر سامنے رہے کہ قاضی صاحب کے ہاں حیاتِ ثانی القبر کا ثبوت حد تواتر
کو پہنچتا ہے اور یہ بات اہل علم سے مخفی نہیں کہ اسلام میں تواتر سے ہونے والے امور کا انکشاف قطعاً
اسلام کا انکار ہے۔

قاضی ثورکانی نے دفن کے بعد قبر کے پاس بٹھرنے اور میت کے لیے دعا کو صرف
مشروعیت کی سند دی ہے۔ شافعیہ کے ہاں اسے سنت کا درجہ حاصل ہے فقہ شافعی کی مشہور
کتاب منہاج میں ہے۔

وسین ان یقف جماعة بعد دفنه عند قبره ساعة يسألون له التثبيت

ترجمہ اور مسنون ہے کہ ایک جماعت میت کو دفن کرنے کے بعد اسکی قبر کے پاس ٹھہری ہے جو اس کے لیے (میت کے لیے) ثابت قدمی کی دعا مانگتے رہیں۔

منہاج کی شرح زاد المحتاج میں اس پر صحیح مسلم کے حوالے سے حضرت عمر بن العاصؓ کی یہ وصیت نقل کی گئی ہے۔

اذا دفنتہ فی فا قیوا بعد ذلک حول قبری ساعة قد ما تنحد
جنود و یفرق لہما حتی استانس بکعبۃ

ترجمہ جب تم مجھے دفن کر چکو تو اس کے بعد میری قبر کے گرد اتنا وقت ٹھہرو جتنے میں ایک اونٹ سحر کر کے اس کا گوشت بانٹا جاسکے (اتنا وقت اس لیے ٹھہریں) کہ میں تم سے مانوس ہوں۔

قاضی شوکانی نے جو بات کہی ہے کہ سوال فی القبر اور وہاں کا عذاب گورہ ادنیٰ ہو اس امت کی خصوصیت ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی رائے بھی یہی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:-

اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان عذاب امتہ فی قبورہم۔

ترجمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ آپکی امت کا عذاب ان کی قبروں میں ہے۔ اب آگے چلیں:-

عمدة المحققین حضرت علامہ محمود آلوسی (۱۲۶۰ھ) بھی اسی صدی کے ہیں۔ آپ

لکھتے ہیں:-

واختلف فی هذه الحیوة فذهب کثیر من السلف الی انها

حقیقۃ بالروح والجسد ولکن لا فائدہ لہا فی هذه النشأة۔

۱۔ زاد المحتاج جلد ۴ ص ۴۲۴ ۲۔ صحیح مسلم جلد ۴ ص ۳۷۲ حجة اللہ البالغہ جلد ۴ ص ۱۰۸ مترجم ص ۱۰۸

۳۔ روح المعانی جلد ۲ ص ۱۰۸

ترجمہ۔ اور اس قبر کی حیاتیں مختلف ہے سلف صالحین کی اکثریت اس طرف ہے کہ یہ روح و جسد کے ساتھ حیات حقیقی ہے لیکن ہم اسے اس دنیا میں دیکھ نہیں پاتے۔
حیات حقیقی ہو یا کسی اور نوع کی ہو حیات حیات ہے اور اسی سمیت کہ عذاب قبر ہوتا ہے
والجہور علی عود الروح الی الجسد او بعضہ وقت السؤال علی وجہ
لا یحس بہ اهل الدنیا الا من شاء اللہ تعالیٰ منہم۔

ترجمہ۔ اور جہود اہل اسلام اس کے قائل ہیں کہ روح سوال کے وقت بدن کی طرف یا اس کے بعض
کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور یہ ایسے انداز پر ہوتا ہے کہ اہل دنیا اسے محسوس نہیں کر سکتے۔
مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اہل دنیا میں سے کسی پر یہ باطن کھول دے۔

علامہ آلوسیؒ نے ان اجساد کی بحث میں جو یکجا نہ رہے ہوں اور متفرق ہو چکے ہوں
ایک یہ بات کہی ہے کہ اس کے جواب میں یہ موقف اختیار کرنا کہ اللہ تعالیٰ ان سب اجزاء
کو پھر یکجا کر دے گا۔ اور اس پر بزخ کی واردات ہوں گی۔ یہ کوئی مسئلے کا رخ
نہیں ہے جب ہم اسے (روح کو) کسی اور بزخی بدن سے متعلق کر سکتے ہیں تو کیا ضرورت
پڑی ہے کہ ہم اس کے نئے سرے یکجا ہونے کا قول کریں۔

علامہ آلوسیؒ نے یہ بات صرف ان ابدان کے بارے میں کہی ہے جو ریزہ ریزہ ہو چکے
ہوں اور وہ بھی صرف ایک سوال کا جواب دینے کے لیے اور آپ نے تعبیر بھی ایسی اختیار
کی کہ بدن کے یکجا ہونے کا موقف اختیار کر لے کی کیا ضرورت پڑی ہے۔ جب اس کا ایک
اور مل ممکن ہے تو ہم اس سچیدگی میں کیوں پڑیں۔ یہ ترتیب کلام بتاتی ہے کہ یہاں علامہ آلوسیؒ
محض ایک کلامی انداز میں بات کر رہے ہیں۔ ورنہ عقیدہ ان کا وہی ہے جسے آپ سرے مقامات
پر زیادہ واضح انداز میں کہہ آئے ہیں۔ آپ نے مذکورہ بات اسی انداز میں کہی ہے کہ
وہ منکرین پر محبت ہو سکے اور طرح بھی ہو وہ عذاب قبر اور سوال قبر کے عقیدہ پر آسکیں۔

اما القول بحياة هذا الجسد الرميم مع عدم بنية وتفرق اجزائه
وذهاب هيئة وان لم يكن ذلك بعيداً من قدرة من يبدع الخلق
شريعته لكن ليس اليه كثير حاجة ولا فيه مزيد فضل
ولا عظيم منة له

ترجمہ۔ اور اس ریزہ ریزہ ہوئے جسم میں یکجانہ ہونے کے باوجود حیات کا عود کر آنا
اگرچہ اللہ رب العزت کی قدرت سے بعید نہیں جو پہلی تخلیق بخشتا ہے اور پھر
اسے نوٹائے گا۔ لیکن یہ موقف اختیار کرنے کی ہمیں کوئی زیادہ ضرورت نہیں۔ نہ اس
میں کوئی غاص فضیلت ہے نہ کوئی بڑا احسان (کیونکہ قبر کا سوال و جواب اور اس کا نعیم
و عذاب ایک دوسری صورت میں بھی قائم ہو سکتا ہے۔

یہ پیرایہ بیان کیا مسئلے کی صورت واضح کرتا ہے یا یہ محض ایک کلامی انداز جواب ہے
یہ آپ فیصلہ کریں عقیدہ کے بیان میں آپ نے جو پیرایہ اختیار فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے۔

اعلم ان اتصال الروح بالبدن لا يختص بجزء دون جزئ بل
هي متصلة مشرقة على سائر اجزائه الاصلية لانها السق
يقوم بها الانسان من قبرة يوم القيامة على ما اختاره جمع و
اعلم ايضا ان الروح على القول بتجردها لا مستقر لها بل لا يقال
انها داخل العالم او خارجة كما سمعت وانما المستقر حينئذ البدن
الذی تتعلق وقد نص بعض الصوفية على انه لا مانع من
ان تتعلق نفس ببدنين فاكثربل هو واقع عندهم و ذکر
بعضهم ان احد البدنين هو البدن الاصلی والاخر مثالی
یظهر للعیان علی وجه خرق العادة له

ترجمہ جان لو کہ روح کا بدن اقبال کسی ایک حصہ بدن سے مختص نہیں بلکہ یہ بدن کے سارے اجزائے اصلیہ سے متصل اور اس پر پورا انداز ہے کیونکہ وہ اجزائے اصلیہ ہی ہیں جن کے ساتھ انسان قیامت کے دن اپنی قبر سے اٹھے گا۔ بہت لوگوں کا یہی کہنا ہے اور یہ جان لو کہ روح کا بصورت اس کے تجرد کے اعتقاد کے معین ٹھکانہ نہیں یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اس عالم میں ہے یا اس عالم سے خارج ہے جیسا کہ تم نے سنا اس صورت میں اس کا مستقر وہ بدن ہو گا جس سے وہ متعلق ہے اور بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ اس میں کوئی علمی رکاوٹ نہیں کہ ایک روح دو بدنوں یا ان سے بھی زیادہ ابدان سے متعلق ہو بلکہ دان کے ہاں، ایسا واقع بھی ہے اور بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ دو بدنوں میں ایک بدن اصلی (دنیا والا) ہے اور دوسرا مثالی جو کبھی خرق عادت کے طور پر لوگوں کو نظر آتا ہے۔

اب آئیے ہم آپ کو چودہویں صدی میں لے چلیں۔ اس صدی کے اکابر علماء میں شیخ الہند حضرت مولانا محمد حسنؒ (۱۳۳۹ھ) حضرت مولانا غلیل احمد محدث بہار پوریؒ (۱۳۴۶ھ) مفتی عزیز الرحمنؒ (۱۳۴۶ھ) امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ (۱۳۵۲ھ) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۳ھ) اور مفتی اقلیم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ (۱۳۷۳ھ) سرفہرست ہیں۔ ان بزرگوں کے وقت میں دیوبند کے مفتی عزیز الرحمنؒ (۱۳۴۶ھ) تھے۔

جماعت المحدثین میں نواب صدیق حسن خاں (۱۳۰۷ھ) اور مولانا نذیر حسین دہلوی (۱۳۲۰ھ) اس دور کے اکابر علماء میں سے سمجھے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا الفرس شہ کشمیریؒ (۱۳۵۲ھ)

ثم السؤال عندی یكون بالمجد مع الروح

ترجمہ قبر کے یہ سوال میری تحقیق کے مطابق جہ سے ہوتے ہیں جس کے ساتھ روح شامل ہے۔

فان البدن بدون الروح جواد لا حوالہ له والروح بدون البدن

معطلة عن الافعال فاحتاج احدهما الى الآخر فلما اشتركا في

الكسب اشتركا في الاجراء الوزر

ترجمہ۔ بدن بغیر روح کے ایک جمادی بنیہ ہے جس میں حرکت نہیں ہوتی اور روح بغیر

بدن کے عمل سے خالی ہے ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا محتاج ہے پس

جب یہ دونوں کسب عمل میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہیں تو یہ دونوں

(نیک اعمال کے) اجر اور دُبرے اعمال کی) پکڑ میں بھی شریک ہونے چاہئیں۔

ثم لاحاجة في اثبات عذاب القبر الى ما قاله الصوفية ان العذاب

على البدن المثالي دون المادی وحينئذ لا بعد ان لم نشاهد احدا

يعذب في قبره فان الاسهل ان يقال انه من عالم الغیب واقامة

الدلائل العقلية عليه جہل ومن بطریق ذلك

ترجمہ۔ عذاب قبر ثابت کرنے کے لیے اس طرف جانے کی حاجت نہیں جو صوفیہ کرام نے

تجویز کی ہے کہ عذاب کسی بدن مثالی پر ہوتا ہے اس دنیا والے مادی بدن پر نہیں اور

اس صورت میں بدن مثالی کی تجویز پر، استبعاد نہیں رہتا۔ اگر ہم کسی کو قبر میں عذاب

پلٹے نہ دیکھ سکیں۔ اس سے زیادہ ہبل بات تو یہ ہے کہ اسے عالم غیب کا ایک عمل کہیں

(جو ہماری نظر سے اوجھل ہے) اور عالم غیب کی حقیقتوں پر دلائل عقلیہ قائم کرنا

یہ خود ایک جہالت ہے اور ایسا کہ بھی کون سکتا ہے۔

فہمید مفتی اعظم دیوبند حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی (د ۱۳۶۶ھ)

۱۔ قبر میں بھی روح کا تعلق رہتا ہے اور مستقر اصلی اس کا عین ہے یا بحین

۲۔ عذاب روح پر مع الجسم ہوتا ہے یا

حضرت مولانا حسین علی صاحب (د ۱۳۶۲ھ)

اس بات پر کہ قبر کے سوال کے وقت روح بدن میں عود کتنی ہے اور

تعلق ہمیشہ رہتا ہے کہ بدن ریزہ ریزہ اور متفرق و منقسم ہو چکا ہو احادیث

متواترہ وارد ہیں

یہ چودہ سو سال کی شہادت آپ کے سامنے ہے ہم نے ہر صدی کے علماء کے بیانات

آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ سنت الہی یہ رہی ہے کہ سو سال سے زیادہ اس امت میں

کسی غلطی کو قرار نہیں، نہ امت کو اس پر رہنے دیا جاتا ہے، اس امت میں صدی وار مجتہدین

آتے رہے جو اس کے دین کو ہر دینی آمیزشوں سے پاک کرتے رہتے ہیں۔ سو جو شہادت چودہ

سو سال سے ایک ہی پہنچ پر آ رہی ہو اور مجہود علماء نے اسلام اس بات پر متفق ہوں کہ عذاب

قبر برحق ہے اور یہ بدن اور روح دونوں کو شامل ہے اور کہیں بدن مثالی ہو بھی تو اس

عذاب یا راحت کو اس بدن عنصری سے باطل لا تعلق نہیں رکھا جاسکتا۔ اور ان واردات

برزخی میں جملہ اموات ایک ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب (د ۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں :-

احادیث متواترہ اند بر آنکہ عودے کند روح بسوئے بدن وقت سوال واپس

تعلق ہمیشہ میماند اگرچہ جسد جان دریدہ و متفرق و منقسم گردد

ترجمہ۔ روح بوقت سوال بدن میں آتی ہے اس پر احادیث متواترہ وارد ہیں اور تعلق بعد میں بھی رہتا ہے۔

لے فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ۵ ص ۲۲۶ مطبوعہ دیوبند لے تحریرات حدیث ص ۲۵۷ لے التکلیف ص ۳۳

وجملہ اموات از مومنین و کفار از حصول علم و شعور و ادراک و سماع و عرض اعمال و رد و جواب بر زائر برابر اند تخصیص بانبیاء و صلحاء نیست بل

ترجمہ جملہ اموات خواہ مومن ہوں یا کافر بزخ کے علم و شعور اور ادراک و سماع اور عرض اعمال میں اور زائر کے سلام کا جواب دینے میں برابر ہیں۔ بزخ کی زندگی میں انبیاء و صلحاء کی تخصیص نہیں۔ بزخ کی یہ تیسرا کتب حاصل ہے گو ہر ایک کی یہ حیات اس کے اپنے حالات اور مقامات کے مطابق ہو۔ امید ہے قواب صاحب کی اس تقریر کے بعد غیر متقلد حضرات مولانا محمد اسماعیل صاحب (گو جوالہ) کے اس بیان کو کوئی اہمیت نہ دیں گے۔

ہم نے اب تک یہاں جو بحث کی ہے وہ عذاب قبر کے باب میں اس عقیدے کو شامل ہے کہ قبر کا یہ عذاب یا اس کی راحت روح اور اس کے جسدِ عنصری دونوں کو شامل ہے۔ اللہ رب العزت جہدِ میت میں ایک ایسی بزخی حیات پیدا کر دیتے ہیں جس سے وہ قبر کے الم و لذت کا ادراک کر سکے۔

یہ حیات روح کے تعلق سے قائم ہوتی ہے یا اعادہ روح سے یہاں دونوں صورتوں کی گنجائش ہے جو چیز مطلوب ہے وہ اس بدنِ عنصری کی اس درجہ کی حیات ہے کہ اس پر عذاب قبر یا اس کی راحت مرتب ہو سکے۔ وہ جس راہ سے بھی ہوا اہل سنت کو کسی ایک پر اصرار نہیں۔

ہاں مطالعہ کتب سے ہمیں دونوں مسلک ملتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی اہل سنت سے باہر نہیں۔ ہاں جوئے اعادہ روح کا قائل ہو نہ تعلق روح کا وہ بے شک معتزلہ یا کرامیہ کی گرو میں جا چکا ہے۔ ان دو مسلکوں میں پہلا مسلک محدثین کا ہے اور دوسرا متکلمین کا۔ محدثین ان حدیثوں پر اعتماد کرتے ہیں جن میں قبر میں روح کے دوبارہ لوٹانے جانے کا ذکر ہے۔ گو یہ کوٹایا جانا دنیائی طرح کا نہ ہو۔ اور متکلمین ہر اس طریق کو تسلیم کرتے ہیں جس سے بدن مدفون میں اتنی حیات مافی جا سکے جو وہاں کی الم و راحت کا ادراک کرے۔

مسکب محدثین۔ بحث اِعادۂ روح

محدثین علم نبوت کے امین ہیں اور متکلمین اس کے پہرہ دار۔ اسلام پر جب کسی نے فکری حملہ کیا متکلمین نے انہیں اپنی کے ہتھیاروں سے عقل، تجربات، مشاہدات، اور ان کی روایات سے شکست دی، لیکن دائرہ امت کے اندر علم کے جو چراغ جلے وہ محدثین نے ہی جلائے ہیں۔ فقہاء نے یہ کوشش کی کہ ان چراغوں کی روشنی جتنی دور تک لے جا سکیں لے جائیں اور کتاب و سنت کے منصوص مسائل کو غیر منصوص حدود تک پھیلا دیں۔

زندگی کے مسائل سمجھنے اور سمجھانے آسان ہیں۔ مابعد الموت حقیقتوں پر دبیز پردے پڑے ہیں۔ انہیں جب بھی کسی نے اٹھانے کی کوشش کی عقل انسانی اُن کی انتہا گہرائیوں میں گم ہو کر رہ گئی متکلمین نے اپنے انداز میں فکرِ اسلامی کا پہرہ دیا لیکن احادیث امت نے ہمیشہ محدثین کے سایہ میں پناہ لی۔ یہ سارا کاروبار مجتہدین کے سالیوں میں چلتا ہے اور یہی آج امت کے لیے صراطِ مستقیم ہے اور یہ وہی راہ ہے جس پر پہلے انعام یافتہ لوگ چلے۔ وہ نہ مورِ غضب ہوتے نہ راہ سے بہکے اور بھٹکے۔

جب ہم میت کو دفن کرتے ہیں تو اس پر کیا گزرتی ہے اس پر تباینِ عالم کے پردے پڑے ہیں۔ قبر کے اندر بھانکتے بھی رہیں تو اس عالم کی آنکھیں عالمِ برزخ کی واردات کو پا نہ سکیں گی اور ان پر یہ پردہ قیامت تک پڑا ہے۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی صاحبِ مقام پر یہ پردہ کھول دیں علمی زبان میں اسے کشف کہا جاتا ہے۔

پردے کے پیچھے کی حقیقتوں کو جاننے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ ہم لسانِ نبوت پر اعتماد کریں اور جو بات سمجھ میں نہ آئے اُسے حضرت خضر کے سپرد کر دیں، آخر ہر بات کا جاننا

بھی تو ہمارے لیے ضروری نہیں، کوئی بیرونی فکری حملہ ہو تو متکلمین کے حصار میں رہ کر اس کا جواب دیا جاسکتا ہے۔

حقیقت تک پہنچنے کے دو علمی زینے

پیشتر اس کے کہ ہم اعادہ روح کی روایات کی تصحیح میں محدثین کے عمومی موقف پر بحث کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے روایت کے عمومی مزاج پر کچھ بات کر لی جائے اور پھر یہ بات سمجھی جائے کہ ہم لوگوں (متاخرین) کے لیے تصحیح روایت کے کیا کیا طریق ہیں۔

روایت کا مدار اس کے راویوں پر ہوتا ہے۔ ان راویوں کے حالات اسماء الرجال سے ملتے ہیں۔ دیانت اور یادداشت راویوں کی بنیادی صفات ہیں۔ یہ لائق اعتماد ہوں تو روایت قابل قبول ہو جاتی ہے۔ راوی فاسق بھی ہو تو اس کی روایت مارجب الرد نہیں لائق تبیین ہے ممکن ہے اور قرآن (دیگر قریب کے حالات) سے یہ پختہ ہو جائے قرآن کریم نے ہمیں یہ اصولی تعلیم دی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا هَلْ مِنْهُ شَيْءٌ

قوم بجمہالہ فتصبوا علی ما فعلتم نادمین ۵

ترجمہ۔ اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق شخص کوئی خبر لے آئے تو تم اس کا تبیین کرو اس کی دوسرے ذرائع سے پڑتال کرو کہیں الیانا ہو کہ تم نام واقعی میں کسی قوم سے

جا ابھرو اور پھر اپنے کئے پر تمہیں نہامت اٹھانی پڑے۔

منکرین حدیث کا طریق واردات یہ ہے کہ جو نہی کسی راوی پر کوئی کلمہ اختلاف نظر سے گزرا ایک لیا کہ یہ روایت تو کسی درجے میں لائق اعتماد نہیں ہے اہل علم کہیں گے اصل ہر شخص میں تعدیل ہے بشرطیکہ وہ خود مجہول نہ ہو۔ جب تک اس کے خلاف واضح السبب

جرح نہ آجائے اسے مجروح نہ سمجھا جائے اور جب جرح کرنے والے اور تعدیل کرنے والے دونوں طرف ہوں تو اگر جرح مبتین السبب نہیں تو دونوں طرف کے ائمہ جرح و تعدیل میں وزن اور غلبہ کو دیکھا جائے گا۔ جرح کا لفظ دیکھتے ہی اچھل پڑنا اور قواعد علم سے اس کا جائزہ نہ لینا یہ منکرین حدیث کا طریق و روایت ہے اہل تحقیق کا نہیں۔

اگر صرف الفاظ جرح کی ہی تلاش ہے تو کیا ایسے الفاظ امام الائمہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام بخاریؒ کے خلاف موجود نہیں کیا حضرت امام شافعیؒ پر بھی بن معینؒ کی جرح نہیں کیا امام ترمذیؒ کو مجہول کہنے والے اہل علم یہاں نہیں گزرے۔

ما من الائمة الا وقد طعن فيه طاعنون و هلك فيه هالكون۔

ترجمہ: ائمہ میں کوئی ایسا نہیں گزرا مگر یہ کہ طعنہ کرنے والے اس پر طعن کرتے رہے اور ہلاک ہونے والے (ان کی مخالفت میں) ہلاک ہوتے رہے۔

سو ضروری ہے کہ روایت کا اصل حدیث کی روشنی میں جائزہ لیا جائے اور جرح قوی نہ ہو تو جارحین اور محدلین میں قوت اور غلبہ دیکھا جائے۔ اندھے کی لاکھٹی سے ہر ایک کو ہانکتے چلے جانا یہ پورے علم حدیث سے اعتماد اٹھانے کی خوفناک حرکت ہے۔

دوسری بات یہ پیش نظر ہے کہ تصحیح حدیث صرف تصدیق روایت سے نہیں ہوتی ائمہ فن کی تصحیح و تصدیق سے بھی ہوتی ہے۔ اور اس طرح سے بھی حدیث لائق قبول ہو جاتی ہے۔ حافظ شمس الدین الذہبی (۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:-

اذا العدة في زماننا ليس على الرواة بل على المحدثين والمفیدین

والذين عرفت عدالتهم وحديثهم في ضبط اسماء السامعين۔

ترجمہ: ہمارے زمانے میں لائق اعتماد راہ راویوں کی تحقیق نہیں بلکہ محدثین اور

اساتذہ فن پر اعتماد ہے اور ان لوگوں پر جن کی عدالت جاتی جا چکی

اور ان کا صدق راویوں کے ضبط اعتماد میں جانا جا چکا۔

فن کے عارفین اور علماء بارعین جو بات کہتے ہیں اس تک رسائی ہر اجنبی کی نہیں ہو سکتی۔ ان سے خود بھی پوچھا جائے تو وہ اپنی صداقت کو دو سطروں میں اُگل سکیں گے۔ جرح و تعدیل کے مقتدر امام عبدالرحمن بن مہدی (۱۹۸ھ) کہتے ہیں:-

ومعرفة الحديث الهام فلو قلت للعالم بعلم الحديث من اين قلت
هذا لم يكن له حجة. ۱۰

ترجمہ: اور حدیث کی معرفت ایک دل میں اتنی صداقت ہے آپ اگر کسی علل حدیث کے عالم سے پوچھیں کہ یہ بات تو نے کہاں سے کہی ہے تو شاید وہ بھی اپنی بات پر حجت قائم نہ کر پاتے۔

حافظ جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:-

ان الجرح انما جوز في الصدر الاول حيث كان الحديث يوحذ من
صدور الاحبار لا من بطون الاسفار..... اما الآن فالعمدة
على الكتب المدونة. ۱۱

ترجمہ: جرح پہلے دور میں اس لیے جائز رکھی گئی تھی کہ حدیث علماء کی یادداشتوں سے حاصل کی جاتی تھی کتابوں کے ذخیرہ سے نہیں..... لیکن ان دنوں (بعد کے ادوار میں) اعتماد ان کتابوں پر ہے جو (اس فن پر) مدون ہو چکی ہیں۔

سو ہم اپنے قارئین کو اس طرف بھی متوجہ کریں گے کہ وہ دیکھیں کہ اعادۂ روح کی حدیث کو کن کن ماہرین فن نے قبول کیا ہے۔

آئیے اب ہم وہ روایت حضرت امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) جو حضرت امام بخاریؒ

۱۰ معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۱ ۱۱ الکامی فی تاریخ السخامی کما فی الرفع والتکمیل ص ۵

اور امام مسلمؒ کے اُستاد ہیں کے حوالہ سے پیش کرتے ہیں۔

حدیث اعادۂ روح

حضرت امام احمدؒ نے یہ حدیث محمد بن خازم ابو معاویہ سے لی۔ وہ کہتے ہیں ہم نے یہ حدیث اعمش سے لی۔ وہ اسے منہال بن عمرو سے اور وہ اسے زاذان تابعی سے روایت کرتے ہیں۔ زاذان اسے براہ بن عازب سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی روح جب قبض ہونے کے بعد ساتویں آسمان پر پہنچائی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ میرے اس بندے کا نام عِلّٰتین میں لکھو اور پھر اسے زمین کی طرف لوٹا دو۔ کیونکہ۔

منہا خلقتہم و فیہا اعیدہم و منہا اخرجہم تارۃ اخریٰ بلہ

ترجمہ۔ میں نے انہیں اسی سے (مٹی سے) پیدا کیا اور اسی میں انہیں لوٹاؤں گا اور اسی سے انہیں پھر اٹھاؤں گا۔

اس کے بعد کیا ہوتا ہے اُسے حدیث کے الفاظ میں پڑھیں۔

فتعاد روحہ فی جسدہ فیأتیہ ملکان فیجلسانہ فیقولان لہ
من ربک بلہ

ترجمہ۔ سو اس کی روح پھر اس کے جسد میں لوٹائی جاتی ہے اس کے پاس دو فرشتے

آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور اسے کہتے ہیں تیرا پالنے والا کون ہے ؟

صحاح ستہ کی مرکزی کتاب سنن ابی داؤد میں بھی یہ حدیث موجود ہے اور اسے ابو داؤد و الطیالسی

نے بھی روایت کیا ہے سقبر میں میت روح کا پھر سے آنا اس کے عِلّٰتین یا سجدین میں جانے کے منافی نہیں۔

۱۔ ماخوذ من ۲۔ مسند امام احمد جلد ۴ ص ۲۸۶ تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۵۴۱ ابن جریر جلد ۱۳ ص ۲۱۴

مشکوٰۃ ص ۱۴۲ سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۹۸ مسند ابی داؤد الطیالسی ص ۱۴۱ ہے فید الی الاصل فتعاد روحہ فی جسدہ۔

حدث حاکم نے بھی اسے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے اس کی تصحیح کا اقرار کیا ہے۔ حاکم نے ساتھ ہی یہ الفاظ بھی لکھے ہیں:-

وفي هذا الحديث فوائد كثيرة لاهل السنة ووقع المبتدعة
ترجمہ: اور اس حدیث اہل السنۃ کی بہت تائید ہے اور بدعتیوں کی خوب اکھاڑ ہے۔

حاکم (۴۰۵ھ) نے پانچویں صدی دیکھی ہے۔ اس وقت معتزلہ اور کرامیہ پیدا ہو چکے تھے جو عذاب قبر کے منکرت تھے۔ ابن حزم (۴۵۷ھ) بھی اس کے قریب قریب ہوئے جو عذاب قبر کو صرف روح سے متعلق مانتے تھے۔ حاکم حدیث بار روایت کر کے اہل سنت کے عقیدہ کی تائید کر رہے ہیں اور دوسروں کو بدعتی کہہ رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں تک عذاب قبر اور اس کے روح و جسد دونوں کو شامل ہونے کے خلاف بدعتیوں کے سوا اور کوئی نہ بھاگل بھی یہ بدعتی تھے اور آج بھی بدعتی ہیں۔

حدیث کے راویوں پر کلام

اس کا پہلا راوی ابو معاویہ ثقہ ہے (تقریب الحافظ ابن حجر ص ۱) دوسرا راوی سلیمان بن مہران الاشمش بھی ثقہ ہے (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۲۵) تیسرا راوی منہال بن عمر ہے یحییٰ بن معین کہتے ہیں یہ ثقہ ہے (تہذیب جلد ۱ ص ۱۲۲) شعب اس کی روایت نہ لیتے تھے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ اُن کے گھر سے ساز کی آواز سُنی گئی تھی۔ یہ پتہ نہیں چل سکا کہ کس نے سُنی۔ یہ ہو سکتا ہے کسی نے بے پر کی اڑادی ہو۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس الزام کے بارے میں لکھا ہے:-

لیرى صغ عنه ذلك وجرحه بهذا العسف ظاهر وقد وثقه ابن معين
والعجلي وغيرهما۔

ترجمہ گھر سے ساز کی آواز کاٹنا جانا ان سے صحیح طریق سے ثابت نہیں اور انہیں اس وجہ سے مجروح ٹھہرانا ایک کھلی زیادتی ہے یحییٰ بن معین اور عجبلی نے اس کی توثیق کی ہے۔

اگر کسی نے انہیں سنی المذہب کہا ہے تو وہ اسی ذہن سے ہو گا کہ یہ راز کو جائز سمجھتے ہیں جب یہ کہانی ہی غلط ہو گئی تو اس قبیل کی سب جرحیں جو ابن حزم نے پیش کی ہیں یکسر اڑ گئیں۔ اگلا راوی ابو عبد اللہ زاذان الکندی ہے یحییٰ بن معینؒ کہتے ہیں۔ ثقہ لایسئل عن مثله۔ (تہذیب جلد ۳ ص ۲۶۱) ایسا ثقہ ہے کہ ان جیسے راویوں کے بارے میں سوال ہی نہیں کیا جاسکتا۔ ابن حبان اسے کثیر الخطا کہتے ہیں۔ لیکن علماء سے پوشیدہ نہیں کہ ابن حبان ان علماء میں سے ہے جنہیں جرح میں متشدد کہا جاتا ہے۔ سو ان کی جرح معتبر نہیں۔ اس کے بعد حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور آپ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ منہال بن عمرو اور زاذان کے بارے میں لکھتے ہیں :-
اما المنہال فمن رجال البخاری وحديث زاذان مما اتفق السلف والخلف
على روايته وتلقيها بالقول ۛ

ترجمہ۔ منہال بن عمرو صحیح بخاری کے رجال میں سے ہے اور حدیث زاذان پر اس کی روایت پر اور اس کی تلقین بالقبول پر سلف و خلف سب جمع ہیں۔
حافظ ابن قیمؒ کہتے ہیں :-

ولم يضع من قدح في صحة هذا الحديث شيئا وكان حذم للنصرة
لمذهب الباطل ۛ

ترجمہ جس نے اس حدیث کی صحت میں کوئی عیب ڈھونڈا اس نے کوئی چیز ثابت نہیں کی جیسے ابن حزم اپنے باطل نظریے کی نفرت میں اس حدیث پر جرح کرتے ہیں۔
یہاں بدن میں روج کے نہ لوٹنے کے عقیدہ کو مذہب باطل کہا گیا ہے۔

حدیث کی تصحیح کر نیوالے اور اُسے قبول کرنے والے محدثین

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نامور شاگرد حضرت عبداللہ بن مبارکؒ (۱۵۶ھ) اسے اپنی کتاب کتاب الذہد والسقا کے ص ۲۳ پر لائے ہیں۔ یہ دوسری صدی ہجری کی بات ہے۔

تیسری صدی میں آپ اسے مسند امام احمد (۲۴۱ھ) اور سنن ابی داؤد (۲۴۵ھ) میں دیکھے علماء حدیث جانتے ہیں کہ امام ابو داؤد جس حدیث پر سکوت کریں وہ ان کے نزدیک معتبر اور لائق احتجاج ہوتی ہے۔

آئیناب چوہمتی صدی میں دیکھیں۔ امام ابن جریر الطبری (۴۱۰ھ) نے اپنی تفسیر جلد ۱۲ ص ۲۱۴ پر اس کی چار سندیں نقل کی ہیں۔ حافظ ابن ابی شیبہؒ (۲۲۵ھ) نے بھی اسے المصنف میں روایت کیا ہے۔

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں :-

هذا حديث صحيح الاسناد

پانچویں صدی کے امام حاکم (۴۰۵ھ) اسے مستدرک میں لاکر اس کی تصحیح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں اس کی سند امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی شرطوں کے مطابق صحیح ہے گو انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی۔ — ووافقه الذہبی فی تلخیصہ علی المستدرک۔

علامہ ابو المنظر الاسفرائینی (۴۷۱ھ) بھی لکھتے ہیں :-

واخبرنا محمد بن یحییٰ بن یونس فی القیوم وقد ورد فی معنی احياء الموتي فی القبور

مالا یصحی من الامی والایخبار والاثار

ترجمہ اور آپ نے خبر دی ہے کہ اموات کو انکی قبروں میں زندہ کیا جاتا ہے اور اموات کے قبروں میں زندہ کئے جانے پر اس قدر آیات احادیث اور آثار وارد ہیں کہ انہیں شملہ نہیں کیا جاسکتا۔

ساتویں صدی کے علامہ قرطبی (۶۱۱ھ) بھی اس کی تصحیح کرتے ہیں۔

وروی الامام احمد و ابو داؤد باسناد صحیح عن البراءؓ

ترجمہ: امام احمد بن حنبل اور امام ابو داؤد السجستانی نے سند صحیح سے اسے حضرت براء بن عازبؓ (صحابی) سے نقل کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حافظ ابن قیمؒ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں۔

ورواه الامام احمد وغيره وهو حديث اجمع رواية الامش على شهرته و

استفاضته وقال الحافظ ابو عبد الله بن منده هذا الحديث

اسناد متصل مشهور واه جماعة عن البراءؓ

ترجمہ: اور اس حدیث کو امام احمد اور دیگر کرام نے روایت کیا ہے اور یہ ایسی حدیث ہے کہ

تمام محدثین اس کی شہرت اور اس کے استفاضہ عام پر جمع ہوئے ہیں اور حافظ ابو عبد اللہ بن مندهؒ

نے کہا ہے اس حدیث کے سب رواہ آپس میں متصل ہیں اور یہ حدیث درجہ شہرت کو پہنچی

ہے اسے حضرت براء بن عازبؓ سے ایک جماعت تابعین نے روایت کیا ہے۔

الاتحادية الصحيحة المتواترة قدل على عود الروح الى البدن وقت السؤالؓ

ترجمہ: صحیح اور متواتر احادیث منکر و نیکر کے سوال کے وقت روح کے بدن میں

دوبارہ آنے پر دلالت کرتی ہیں۔

حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں۔

وهو حديث صحيح صحيحه جماعة من الحفاظؓ

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے حدیث میں جو علماء حافظ کے درجے میں ہیں ان کی ایک

جماعت کی جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے۔

پھر ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

هذه احديث مشہور مستفيض صححه جماعة من الحفاظ ولا تعلم
احداً من ائمة الحديث طعن فيه بل رادوه في كتبهم وتلقوه
بالقبول وجعلوه اصلاً من اصول الدين في عذاب القبر و نعيمه
ومسئلہ منكر وتكبير وقبض الارواح وصوردها الى بين يدي
الله ثم رجعوا الى القبر

ترجمہ یہ حدیث درجہ شہرت کو پہنچی ہوئی ہے اور خبر مستفیض ہے اسے حفاظ
حدیث کی ایک جماعت نے صحیح کہا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ ائمہ حدیث میں
سے کسی نے اس پر کوئی طعن کیا ہو بلکہ انہوں نے اسے اپنی کتابوں میں روایت
کیا ہے اور اسے قبول کیا ہے اور اسے اصول دین میں سے قبر کے عذاب
و ثواب اور سوال نکیر من اور قبض ارواح اور ان ارواح کے اثر کے
حضور حاضر ہوئے اور پھر سے قبر میں چلے گئے کے باب میں ایک اصل
ٹھہرا رہا ہے۔

فالحدیث صحیح لا شک فیہ۔

ترجمہ یہ حدیث صحیح ہے جس میں شک نہیں کیا جاسکتا۔

علامہ سبکیؒ (۷۵۶ھ) لکھتے ہیں :-

ورجال اسنادہ کلمہ ثقات۔

ترجمہ اور اس کے رجال سارے کے سارے ثقہ ہیں۔

آٹھویں صدی کے آخر میں علامہ نور الدین الہیثمی (۸۰۷ھ) جو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ

کے استاد ہیں نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے، آپ لکھتے ہیں :-

رواہ احمد و رجالہ رجال الصحیح

ترجمہ۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال سند سب صحیح کے رجال ہیں۔

نویں صدی کے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۱ھ) بھی اسے ثابت حدیث قرار دیتے ہیں۔^۱

نقاد الروح الى الجسد او بعضه كما ثبت في الحديث.^۲

ترجمہ۔ روح جسد کی طرف یا اس کے ایک حصے کی طرف لوٹائی جاتی ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہو چکا۔
دسویں صدی کے امام سیوطیؒ (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:-

وقال ابن تيمية الاحاديث متواترة على عود الروح بالبدن وقت السؤال.^۳

ترجمہ۔ اور ابن تیمیہؒ کہتے ہیں متواتر درجے کی احادیث سوال قبر کے وقت روح کے بدن میں لوٹنے پر موجود ہیں۔

علامہ عبدالرؤف المناویؒ (۱۰۰۳ھ) لکھتے ہیں:-

زاد في حديث البراء فتعاد روحه في جسده.^۴

ترجمہ۔ اور حدیث براءؓ میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اس کی روح جسد میں پھر سے لائی جاتی ہے۔
سیذنا ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:-

فتعاد روحه في جسده ظاهرا الحديث ان عود الروح الخ جميع اجزاء بدنه.^۵

ترجمہ۔ یہ جو حدیث میں ہے کہ اس کی روح جسد کی طرف لوٹائی جاتی ہے اس کا ظاہر یہ ہے کہ روح کا یہ لوٹنا پورے جسد میں ہوتا ہے (بعض حصہ بدن میں نہیں)۔

حضرت امام ربانیؒ مجدد الف ثانیؒ (۱۰۴۴ھ) نے بھی اعادہ روح بجسد کی تصدیق فرمائی ہے۔^۶

واختلف في ان الميت يعذب باحياءه في القبر او يجعل الروح في
مقابلته او بنوع آخر ما يعلمه الله ولا نعلمه ولا ظهر الا صوب
انه بالاحياء واعادة الروح وهو ظاهر الاحاديث به

ترجمہ۔ اس میں اختلاف کیا گیا ہے کہ میت کو عذاب قبر میں ایسے زندہ کر کے ہوتا ہے یا روح اس جسد
کے مقابل ٹھہرائی جاتی ہے (کہ وہ جسد اس تعلق سے عذاب پاگے یا کسی اور طریقے سے جسے خدا ہی جانتا
ہے اور ہم نہیں جانتے) اس میت کو عذاب دیا جاتا ہے جو چیز زیادہ ظاہر اور زیادہ درست ہے وہ یہ ہے کہ
میت کو عذاب زندہ کر کے اور اس میں روح پھر لوٹا کے دیا جاتا ہے اور ظاہر احادیث یہی ہے۔
تیسری صدی کے حضرت قاضی شہار الشربانی پتی (۱۲۲۵ھ) بھی لکھتے ہیں:-

فيعاد روحه في جسده وكذا قال في الكافر فيعاد روحه في قبره
قال ابن عبد البر هذا اصح ما قيل به

ترجمہ۔ میت کی روح اس جسد میں پھر سے داخل کی جاتی ہے اور اسی طرح کافر کے بارے
میں کہا گیا ہے اس کی روح اس کی قبر میں لٹائی جاتی ہے۔ ابن عبد البر مالکی کہتے ہیں کہ اس سلسلے
میں جتنی باتیں بھی کہی گئی ہیں ان میں یہ سب سے زیادہ صحیح ہے۔

قاضی شہرکافی (۱۲۵۰ھ) نے تو اس کے تو اثر کا دعویٰ کیا ہے کہ اب کسی کو اس مسئلہ میں
قیل و قال کی حاجت نہیں:-

وقد وردت بذلك احاديث كثيرة بلغت حد التواتر به

ترجمہ۔ اور اس پر احادیث کثیرہ وارد ہیں اور اس قدر ہیں کہ حد تواتر کے پہنچ رہی ہیں۔

مفتی بغداد حضرت علامہ آلوسی (۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:-

والجسم هو على عود الروح المحب الجسد به

ترجمہ۔ جہر اہل اسلام اسی کے قائل ہیں کہ قبر میں روح جسد میں لوٹائی جاتی ہے۔

لے نتجہ المصنفات جلد ۱ ص ۱۸۹ لے تغیر منظر ہی جلد ۱ ص ۱۲۱ لے نیل الاوطار جلد ۳ ص ۹ لے روح المعانی جلد ۱ ص ۵

نواب صدیق حسن خاں صاحب (۱۳۰۷ھ) بھی رقمطراز ہیں۔

احادیث متواترہ اندر برآئیکہ عود کند روح بسوئے بدن وقت سوال واپس تعلق ہمیشہ می ماند اگر جسد جلا دریدہ و متفرق و منقسم گردد۔
ترجمہ: روح سوال نیکرین کے وقت بدن کی طرف عود کرتی ہے اس پر متواتر احادیث وارد ہیں اور روح کا بدن سے یہ تعلق ہمیشہ رہتا ہے، اگرچہ انسان کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ریزہ ریزہ اور مختلف حصوں میں بٹ چکا ہو۔

چودہویں صدی کے مولانا السید احمد حسن (م) لکھتے ہیں:-

وقال البيهقي هذا حديث صحيح الاسناد۔

ترجمہ: امام بیہقی کہتے ہیں کہ یہ حدیث باعتبار سند بالکل صحیح ہے۔
والحدیث صحیح۔

ترجمہ: اور یہ حدیث صحیح ہے۔

یہ چودہ سو سال کا تاریخی سرمایہ ہم نے آپ کے سامنے رکھ دیا ہے، اس کی روشنی میں کوئی منصف مزاج اس حقیقت سے انکار نہ کر سکے گا کہ دنیا اور آخرت کے باہم ایک برزخی زندگی ہے جس میں روح کا ایک نہایت خاموش اور باریک تعلق بدن منصری یا اسس کے ذرات منتشر سے قائم رہتا ہے، یہ تعلق اعادہ روح سے ہوتا ہے مگر یہ اعادہ اس طرح کا نہیں جیسا کہ ہم اس دنیا میں محسوس کرتے ہیں، یہاں زندگی دو طرف سے قائم ہے اندر روح سے اور باہر غذا اور نشوونما سے۔ وہاں زندگی اس تغذیہ و تنمییہ کے بغیر قائم ہوتی ہے اسے دنیوی حیات کہنا درست نہیں، الایہ کہ یہ مراد ہو کہ یہ برزخی زندگی دنیا والے اجساد میں ہے کسی اور مثالی بدن میں نہیں، قبر کا عذاب وہی بدن برداشت کرے جس نے گناہ کئے ہیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب

علامہ ابن حجر مکیؒ (د ۹۷۳ھ) سے پوچھا گیا میت کے بدن نے جب بوسیدہ ہی ہوتا ہے تو اس پر کافر طے کیا فائدہ؟ — حضرت علامہ نے جواب دیا۔

الحكمة ما هو مقرر عند اهل السنة والجماعة من ان البدن ينعم بانواع النعيم كالروح وحيثما بقي اتصل به النعيم الى ان — فان البدن بينه وبينها عناية الاثر شابط والمناسبة.

ترجمہ جو چیز اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں طے ہے حکمت اس میں یہ ہے کہ بدن بھی روح کی طرح مختلف طرح کی نعمتوں سے بہرہ ور ہے اور جب تک یہ باقی رہے نعمت برزخ اس کے شامل حال ہوگی یہاں تک کہ اس کا نشان دہ ہے کیونکہ بدن اور روح کے باہم ایک تعلق اور ربط کی عنایت قائم ہے۔

پھر ان سے پوچھا گیا کہ قبر میں میت کو سمٹا کر سوال کرتے ہیں یا لیٹے ہوئے پوچھ لیتے ہیں؟
فاجاب بالذم فی البخاری انه یسئل قاعداً او کذا فی ابن ماجہ۔

ترجمہ آپ نے جواب دیا جو بات صحیح بخاری سے ملتی ہے یہی ہے کہ اسے سمٹا کر اس سے سوال کیا جاتا ہے اور سنن ابن ماجہ میں بھی یہی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اگر شہید کا بدن کرامۃ بوسیدہ نہ ہو تو نعیم روح اس بدن سے بھی منقطع رہے گی۔ برزخ کی واردات صرف روح سے متعلق کرنا یہ اہل حق کا موقف نہیں اہل بدعت کا موقف ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

وچوں تو مے از مبتدعہ و اہل ہوا کہ اکثر معتزلہ و بعضی رد انفس باشند انکار کردہ اند عذاب قبر را و احادیث شہورہ کہ قدر مشترک ازاں سجدہ ثواب تر رسیدہ

دراں ورود یافتہ است و سلف صالح پیش از ظهور اہل بدعت و انکار ایشان
ہمہ اتفاق داشتہ اند بہ ثبوت آں و اعتقاد بدال و اختلاف کردہ اند
کہ عذاب در قبر بزندہ گردانیدن میت است یا در مقابلہ داشتن روح
با دے یا بنوعی دیگر کہ پروردگار خواہد مارا بدر یافت کہنہ حقیقت آں
راہ نباشد و حق آں است کہ با حیار است. چنانکہ ظاہر حدیث دالست
بر آں بل

ترجمہ . اور چونکہ بدعتی لوگ اور خواہشات کی پیروی کر نیالے کہ بیشتر ان میں متزلزل ہیں اور کچھ فحشی
بھی ہیں عذاب قبر کا انکا کہتے ہیں اور شہرت کے مدح میں پہنچی پہنئی احادیث کہ ان کی قدر مشترک
تواتر کے مدح کو پہنچتی ہے اس باب میں وارد ہیں اور سلف صالحین بدعتیوں کے ظاہر
ہونے اور ان کے انکار عذاب قبر سے پہلے سب اسی اعتقاد پر تھے

ہاں میں یہ اختلاف ہے کہ عذاب قبر میت کو زندہ کرنے سے دیا جاتا ہے
یا روح کو اس کجسہ کے سامنے کرنے سے یا کسی اور طریقے سے یا جو خدا چاہتے ہیں
— اس کی حقیقت معلوم نہیں اور حق یہ ہے کہ قبر میں سارا معاملہ میت کو دوبارہ
کرنے سے ہوتا ہے ظاہر حدیث اسی پر دلالت کرتی ہیں۔

اگر اتنا بھی تسلیم کر لیں کہ اللہ تعالیٰ میت میں ایسی حالت پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ الم و
راحت کا ادراک کر سکے تو اہل بدعت سے نکلنے کے لیے اتنی بات بھی کافی ہے۔ لیکن یہ
حضرات اگر اسی پر مصر رہیں کہ قبر میں میت یا اس کے اجزاء بے حس محض ہیں اور اس میں الم
و راحت کا ادنیٰ ادراک نہیں تو پھر کوئی عالم انہیں بدعتی ہونے کے زمرہ سے نہیں نکال
سکے گا۔ انہیں چاہیے کم از کم اتنا تو مان لیں کہ عذاب قبر بدیں قدر الم و راحت در میت برحق
ہے۔ حضرت شیخؒ لکھتے ہیں :-

اگر ہمیں قدر بدانتند کہ پروردگار تعالیٰ در مردہ حالتی پیدا کند کہ بدال چیزے الم
در راحت در یابد در اعتقاد صحیح کفایت است۔

ترجمہ: اگر اتنا ہی جان لیں کہ اللہ تعالیٰ مرنے میں ایک ایسی حالت پیدا فرمادیتا ہے کہ وہ اس
سے الم و راحت کا ادراک کر سکے تو عقیدہ صحیحہ کیلئے یہ بات بھی کافی ہو سکتی ہے۔

لیکن اگر بدن کو بالکل بے جان اور بالکل بے حس و شعور مانیں تو پھر اسکے جتنی عقیدہ سمجھنے میں کوئی شک نہیں رہتا۔
ہم نے اپنے کرم فرماؤں سے اہل حق کے ساتھ ملنے کی یہ آخری تجویز عرض کر دی ہے
اور اگر آپ نے ارادہ ہی کر رکھا ہے کہ آپ کا انجام مقدرلہ اور شیعہ کے ساتھ ہو تو ہم اس پر سوائے
اظہار تاسف کے اور کیا کر سکتے ہیں۔

قال شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فی بعض مناسکہ۔

ثم یأتی الروضة بین القبر والمنبر فیصلی بہا ویدعوا بما شاء ثم یأتی
قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیستقبل جدار القبر..... ویقف مقابعدا
كما یقف لو ظہر فی حیاتہ بخشوع وسکون منکس الرأس من غاض الطرف
مستحضرا بقلبه جلالہ موقفہ ثم یقول السلام علیک یا رسول اللہ و
برکاتہ السلام علیک یا بنی اللہ وخیرتہ من خلقہ السلام علیک یا
سید المرسلین وخاتم النبیین وقائد غر المحجلین اشہد ان لا الہ
الا اللہ واشہد انک رسول اللہ۔

وفات کے بعد دنیوی زندگی کسی کی نہیں

موت کے بعد عالم برزخ شروع ہوتا ہے۔ برزخی زندگی دنیوی زندگی سے بہت مختلف ہے۔ دنیوی زندگی کیا ہے؟ جو روح و بدن کے تعلق اور دنیوی آب و ہوا کے تصرف سے قائم ہوتی ہے۔ اندر روح کی بقا اور باہر مادی غذا ہوتی یہ سلسلہ قائم رہتا ہے اور شو و نما اس کے آثار میں سے ہے۔

اس جہاں سے جانے کے بعد اس قسم کی حیات باقی نہیں رہتی۔ برزخی حیات کتنی اعلیٰ و ادنیٰ کیوں نہ ہو اسے علی الاطلاق دنیوی حیات کہنے سے بہت سی غلط فہمیاں جنم لے لیتی ہیں۔ ہمیں اس خطرے کا شروع سے ہی احساس تھا کہ حیات الہی کی بحث میں عوام کے لیے اس تعبیر کا تحمل خاصا مشکل ہو گا۔ ہم نے اس کتاب کے ٹائٹل پر یہ الفاظ علی حدیں لکھ دیئے۔ لیکن گنبد خضرا کی حیات برزخی کا بیان۔ مبادا کوئی اس حیات صیبہ سے بالکل دنیا کی زندگی مراد نہ لے لے۔

وفات کے بعد پھر اس دنیوی زندگی میں آنایہ شیعہ عقیدہ ہے جسے وہ عقیدہ حجت کہتے ہیں۔ اہل السنۃ کے ہاں وعدہ موت پورا ہونے کے بعد کسی کو اس دنیا میں نہیں آنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو دنیویہ صرف اس پہلو سے کہتے ہیں کہ یہ دنیا والے جسدِ اطہر سے ہے۔ گو یہ اس عالم کے لیے کھلی زندگی نہیں۔ آپ برزخ میں اسی جسدِ اطہر سے نمازیں پڑھتے ہیں اور آپ کی وہ حیات آپ کے لیے بے شک حسی ہے۔ لیکن ہم اسے محسوس کر نہیں پاتے۔ نہ ہمیں اس عالم کی نماز کے رکوع و سجود نظر آتے ہیں۔ ایک سو یا سو آدمی خواب کی دنیا میں بیٹے کو ذبح کر رہا ہے۔ مگر اس کے پاس بیٹھنے

والے اس کے جسد میں کوئی آنا جانا اور نقل و حرکت نہیں دیکھتے۔ جو خدا اس پر قادر ہے کہ عالم خواب کا ایسا سلسلہ بنا دے کہ اُدھر لو پر عمل ہو اور اُدھر حرکت تک محسوس نہ ہو۔ کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر یہاں (اس دُنیا) کے لوگوں کو بالکل سکون میں دکھائی دے اور آپ اس برزخی حیات میں نمازیں بھی پڑھیں اور آپ کی وہ حیات آپ کے حق میں پوری حسی ہو آپ اسے اسی طرح طرح محسوس کریں۔ جیسا کہ اس عالم میں آپ نمازیں پڑھتے تھے بغیر اس کے کہ وہ جہاں عالم تکلیف ہو اللہ رب العزت بے شک اس پر قادر ہے کہ اس جسد اطہر کو عالم برزخ میں ان تمام واردات سے نوازے، جن کا احادیث میں ذکر ملتا ہے اور اس دُنیا والوں کو اس بدن اطہر میں کوئی حرکت محسوس نہ ہو۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ جسد اطہر قبر مبارک میں صرف محفوظ ہوتا۔ اس طرح نرم و نازک اور تازہ نہ رہتا۔ جیسا کہ وہ روحہ پاک میں دفن کرنے کے وقت تھا۔ ہدایہ میں ہے کہ وہ آج بھی اسی طرح ہے۔ جیسا کہ رکھا گیا تھا۔

وهو اليوم كما وضع له

ترجمہ۔ اور وہ آج بھی اسی طرح تازہ ہے جیسا کہ رکھا گیا تھا۔

حق یہ ہے کہ آج بھی وہ جسد اطہر اسی طرح نرم اور تازہ ہے۔ جیسے آج سے چودہ سو سال پہلے قبر مبارک میں رکھا گیا تھا۔ اس جسد پاک کو وہاں برزخی حیات حاصل ہے جس سے آپ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور سلام پیش کرنے والوں کا سلام بھی سُنتے ہیں۔ آپ عالم برزخ میں اپنے جسد اطہر میں حیات کے تمام آثار محسوس کرتے ہیں۔ آپ اپنی قبر مبارک میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور آپ کے لیے قبر مبارک کی وہی وسعتیں نہیں جہ ہمیں روحہ مبارکہ کی دکھائی دیتی ہے۔ اس کی مسافتوں اور لُحافِ نقول کو یا عالم برزخ میں رہنے والے جانیں یا اللہ رب العزت

جوان عجب اب اور کوائف کو پیدا کرنے والا ہے۔

اس وقت ہمارا موضوع حیات انبیاء نہیں یہ بحث منہا آگئی ہے۔ حیات انبیاء پر ہم انشاء اللہ العزیز حیات شہداء کے بعد بحث کریں گے۔ یہاں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ دنیا اور آخرت کے باہم جو برزخی زندگی ہے وہ دنیوی زندگی نہیں۔ نہ اس میں تصرف آب و ہوا ہے نہ مادی نشوونما ہے۔ برزخی زندگی اس دنیوی زندگی سے بہت مختلف ہے۔

بدن عنصری سے ایک لطیف تعلق کے باوجود اسے دنیوی زندگی کہنا خطرات سے خالی نہیں اسے علی الاطلاق دنیوی حیات کہنا بقول حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب غلاف اہل السنۃ والجماعۃ ہے۔

حافظ ابن قیمؒ (۵۱۵، ۵۱۶) صراحت سے کہتے ہیں کہ عالم برزخ میں روح کا عود کرنا اس طرح نہیں جس طرح روح یہاں بدن میں داخل ہے۔ روح و بدن کے تعلق کی یہ ایک جدید نوع ہے۔ یہ تعلق ایسا نہیں جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔

ان الروح تعاد بین الجسد والکفان وھذا عود غیر التعلق الذی

کان لہما فی الدنیا بالبدن وہو نوع آخر وغیر تعلقہا بہ حال النوم

وغیر تعلقہا بہ وہی فی مقدرہا بل هو عود خاص للمسئلۃ۔

ترجمہ بیشک روح جسد اور کفن میں لٹائی جاتی ہے اور اس کا پھر لوٹ آنا اس تعلق سے مختلف ہے جو اسے اس دنیا میں بدن میں حاصل تھا یہ تعلق کی اور قسم ہے اور یہ اس تعلق سے بھی مختلف ہے جو اس کے بدن کو روح نیند میں حاصل تھا اور یہ اس تعلق سے بھی مختلف ہے جو روح کو جسد کے اپنے مقر میں موجود ہوتے سمیٹے بدن حاصل تھا یہ سوال نکیرین کی خاطر روح کا بدن کی طرف پھرنے کا ہے اور یہ ایک خاص قسم کی پلٹ ہے (جوان تمام پہلے تعلقات سے مختلف ہے اور اس کے مطابق روح قبر میں بدن میں لٹتی ہے

شرح عقائد میں ہے۔

ويعود ان يخلق الله تعالى في جميع الاجزاء او في بعضها نوعاً من الحيوة
قدر ما يدرك الم العذاب ولذة النعيم وهذا لا يستلزم اعادة
الروح الى بدنه ولا يتحرك ويضطرب

ترجمہ۔ اور یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کے پورے بدن میں یا اس کے کسی حصے میں ایک
طرح کی حیات پیدا کر دے جس سے وہ قبر کے عذاب کی تکلیف یا وہاں کی راحت کی
لذت پاسکے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ روح بدن کی طرف (کاملتہ) لوٹے اور
مردہ ضروری ہے کہ وہ حرکت کرے اور ہلے جھلے۔

یعنی عذاب قبر کے لیے مطلق حیات چاہیے اعادہ روح سے ہو یا بغیر اس کے۔

یہاں صرف حیات کا اقرار ہے اعادہ روح کا نہیں۔ مگر علامہ عبد العزیز پرہاڑی

لکھتے ہیں :-

ان الحيوة للميت ليست كحيوة غيره باعادة الروح في الجسد اعادة
كاملة

ترجمہ۔ میت کی یہ حیات دوسروں کی حیات کی طرح نہیں جس میں روح جدید
کامل طور پر عود کرتی ہے۔

یہاں اعادہ کاملہ کا انکار ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں حیات کا حصول روح کے
تعلق سے ہے گو یہ روح کا پوری طرح عود کرنا نہ ہو۔ روح و بدن کے تعلق کی ایک جدید نوع ہو۔
عائذ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) صریح لفظوں میں کہتے ہیں :-

هذه الحيوة ليست دينوية انما هي اخروية

ترجمہ۔ قبر کی یہ زندگی عالم دنیا کی نہیں عالم آخرت کی ہے۔

لا تشبه حياة الدنيا۔ وہ حیات دُنیوی زندگی کی سی نہیں ہے۔

الحیوة فی القبر للسئلة لیست الحیاء المستقرة للممردة فی الدنیا
القی تقوم فیها الروح بالبدن وتدبره وتصرفه وتحتاج الحما
یحتاج الیه الاحیاء بل هی مجرد اعادة لعائدة الامتحان الذی
وردت به الاحادیث الصحیحة۔

ترجمہ: قبر میں سوال و جواب کے لیے زندگی اس دائمی حیات کی طرح نہیں جس کا وہ دنیا میں
عادی تھا جس میں روح بدن کے ساتھ قائم ہوتی ہے اور روح ہی بدن میں تدبیر کرتی ہے
اور وہ ہر اس چیز کی محتاج ہوتی ہے جس کے زندے محتاج ہوتے ہیں وحیے غذا اور
نشوونما، بلکہ یہ قبر کی زندگی محض ایک اعادہ روح ہے جس سے سوال و جواب کا وہ
فائدہ پورا ہوتا ہے جو احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔

حافظ ابن ہمام کے مشہور شاگرد امام قاسم بن قطلوبغا (۸۷۹ھ) امام قزوینی سے
نقل کرتے ہیں:-

قال الامام القزوی اختلفوا فی انه یخلق فیہ حیوة مطلقة کحیوة
قبل الموت او حیوة بقدر ما یحس الالم والصیحح هذا۔

ترجمہ: علامہ قزوینی فرماتے ہیں اس میں اختلاف ہے کہ میت میں مطلق حیات پیدا
کر دی جاتی ہے جیسا کہ موت سے پہلے اسے حاصل تھی یا اسے حیات صرف اسی قدر ملتی
ہے جس سے وہ عذاب قبر کو محسوس کر سکے اور یہ دوسری بات صحیح ہے۔
سیدنا علامہ علی قاری (۱۰۱۴ھ) بھی کہتے ہیں:-

ولکل روح بحسب ما اتصال معنوی لا یشبه الاتصال فی الحیوة
الدنیاء بل اشبه شیء بحال النائم وان کان هو اشد من حال النائم
اتصالاً و بهذا یجمع بین ما ورد ان مقرها فی علیین او سجنین

وبین ما نقله ابن عبد البر عن الجمهور انما عند افئدة القبور
ترجمہ: اور ہر روح کا اپنے جسد کے ساتھ ایک اتصال ہوتا ہے جو اس اتصال سے جو
اسے پہلے دنیا میں تھا مشابہ نہیں بلکہ جو بات اس کے سب سے زیادہ قریب ہے، وہ سونے
والے کا حال ہے۔ اگرچہ یہ قبر کی زندگی روح کے اتصال میں سونے والے کے حال سے
زیادہ مضبوط ہے اور اس تشریح سے تطبیق ہو جاتی ہے اس میں کہ روحوں کا مقبر علیین
میں یا سجدین میں ہے اور اس میں جو ابن عبد البر نے جمہور سے نقل کی ہے کہ ارواح
افئۃ قبور میں ہوتی ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۱۲۹ھ) اس سے بھی زیادہ وضاحت
سے کہتے ہیں:-

در قبر احیاء امامت حقیقیہ نیست کہ تغذیہ و تنمید بدن ہمراہ آن نئے
باشد۔

ترجمہ: قبر میں مسیت کو زندہ کرنا اور مارنا حقیقی نہیں۔ اس قبر کی زندگی میں نہ
بدن کو دیہاں کی غذا کی حاجت ہے نہ بدن کی اس میں نشوونما ہوتی ہے۔
اہل علم کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ قبر کی زندگی دنیوی زندگی نہیں، وہ جہان
دوسرا ہے۔ قبر میں بدن عنصری سے بے شک روح کا ایک لطیف تعلق ہوتا ہے۔ لیکن
صرف بایں قدر کہ اس سے کسی قدر اطمینان یا راحت کا ادراک ہو۔ یہ برزخی زندگی ہے جس میں روح
نہایت لطیف پیرایہ میں بدن عنصری پر سایہ فگن ہوتی ہے۔ اس عالم میں روح الی البعد
اسی درجہ میں ہے نہ کہ کمالاً جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔

انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی عام اموات سے قوی ہے۔ یہ ابدان شروع سے
محفوظ ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی برزخی حیات نہایت قوی درجے کی ہے اور چونکہ یہ اسی

بدن سے متعلق ہے جو اس دنیا میں تھا۔ اس لیے اس کو بعض علماء نے حیات برزخی دنیوی سے بھی تعبیر کیا ہے۔ تاہم ان کی یہ حیات باعتبار ظرفیت حیات دنیوی نہیں برزخی ہے۔ یہاں نہیں عالم برزخ میں ہے۔ یہاں ان کا دفن بھی صحیح ہے کفن بھی صحیح ہے اور ان کی خلافت اور جانشینی بھی صحیح ہے۔

منہایت تعجب سے دیکھا اور سنا گیا کہ بعض علماء ان دلوں الیا پر ایہ بیان اختیار کیے ہوئے ہیں گویا علماء دیوبند انبیاء کرام کو اس جہان میں زندہ مانتے ہیں اور وہ ان کی وفات اور اس عالم سے مفارقت کے قائل نہیں (معاذ اللہ) ان میں سے ایک صاحب کا ایک خطاب ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

① — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر زندہ ہیں تو بتائیں صحابہ کرامؓ نے کیوں انہیں زندہ قبر میں اتار دیا۔ کیا یہ حضورؐ کی گستاخی نہیں کہ انہیں زندہ درگور کر دیا جائے۔ اگر آپؐ زندہ ہوتے تو صحابہؓ آپ کو دفن کیوں کرتے؟

تبصرہ

جب یہ کسی کا عقیدہ ہی نہیں تو یہ پیر طریقت کن لوگوں کی تردید کر رہے ہیں اور کن کو یہ دخل کر رہے ہیں۔ یہ شاید انہیں خود بھی پتہ نہ ہو۔ قاضی صاحب! آپ ہی انہیں کچھ سمجھائیں۔

② — اگر صحابہؓ حضورؐ کو زندہ سمجھتے تھے تو جب خلافت پر انصار اور مہاجرین میں سقیفہ بنی ساعدہ میں اختلاف ہوا تو کسی صحابیؓ نے یہ کیوں نہ کہا۔ چلو حضورؐ سے یہ مسئلہ پوچھ لیں معلوم ہوا وہ آپ کو زندہ نہیں سمجھتے تھے۔

تبصرہ

یہ مشورہ لینا اور دنیا اس دنیا کے احکام ہیں اگلے جہان کے نہیں۔ حیات النبی کے

قائلین آپ کو عالم برزخ میں زندہ مانتے ہیں نہ کہ عالم دنیا میں — اگر کسی عالم نے آپ کی اس حیات کو دنیوی کہا ہے تو یہ باعتبار ظرفیت دنیوی نہیں ہے۔ اسے جسمانی ہونے کے پہلو سے دنیوی کی سی کہا ہے کہ آپ اسے اپنے حق میں اس طرح محسوس کرتے ہیں گو ہم یہاں اسے اس طرح نہ دیکھ سکیں۔

③ — حضرات آپ بتائیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھلی ہو اور میں آپ کے بدن کو ہاتھ لگاؤں تو آپ کیا اس پر کسی تکلیف کا اظہار فرمائیں گے؟ اگر آپ کی آواز سنائی دے تو تم بے شک سچے ہو۔ ورنہ مان لو کہ آپ قبر میں زندہ نہیں ہیں۔ (استغفر اللہ)

تبصرہ

یہاں کے دُک صرف وہی آواز سُن سکتے ہیں جو اس عالم کی ہو۔ لگے جہان کی آواز یہاں سُنی جائے یہ بدوں اسماع باری ممکن نہیں۔ تمہارا یہ سوال ان لوگوں سے تو ہو سکتا ہے جو آپ کو اس جہان میں زندہ مانتے ہوں اور انتقالِ دارین (من الدنیا الی البرزخ) کے قائل نہ ہوں۔

④ — یہ میں کار میں بیٹھا ہوں۔ شیشے بند ہیں۔ میں باہر کے منظر کو دیکھ تو دلم ہوں سُن نہیں رہا۔ جب میں اتنے قریب کے فاصلے سے باہر کی آواز سُن نہیں پاتا۔ تو سوچو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتنی مٹی کے فاصلے سے اپنی قبر میں کسی کا سلام کیسے سنتے ہوں گے۔

تبصرہ

شیشے یا مٹی کے یہ فاصلے اس جہان داخلی فاصلے ہیں۔ اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ

آپ کے خیال میں علمائے دیوبند حضور کو اس دنیا میں رہنے والا مانتے ہیں۔ علمائے دیوبند آپ کے اہل دارین کے قائل ہیں۔ حضور کے سننے کی قوت اس جہان کے مادی فاصلوں سے بالا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں۔

آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی۔ اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجہ سے اس سے قوی تر ہے۔

یہاں دنیوی سے مراد علاقہ ظرفیت نہیں آپ یقیناً عالم برزخ میں ہیں اس جہان میں نہیں لیکن آپ کے اپنے حق میں وہ حیات جسمانی ہے اور اسی جسد اطہر میں ہے جو اس دنیا کا تھا۔ البتہ وہ حیات یہاں کے لوگوں کے لیے بدرجہ اور مشاہد نہیں۔ الایہ کہ خدا تعالیٰ کسی کشف کے ذریعہ اگلے جہان کا نقشہ دکھا دے۔

پیر طریقت کی یہ چار طریقوں کی رپورٹ ہمیں ملی ہے ان پر مجموعی غور سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مخالفین ابھی تک یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی دنیا میں زندہ مانتے ہیں اور اسی پہلو سے آپ کی دنیوی زندگی کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ — عاشا وکلا ایسا سرگز نہیں۔ اس پہلو سے آپ کی حیات دنیوی کا اعتقاد سرگز اہل سنت کا مذہب نہیں ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے اس بیان کو اگر پورے علمائے دیوبند کا عقیدہ سمجھ لیا جائے تو کیا ہم بہت سے لفظی اختلاف سے بچ نہیں جاتے

حیات دنیوی ظاہری کا تو دنیا میں کوئی بھی قائل نہیں۔ قرآن پاک کی اتنی صریح مخالفت کون مسلمان کر سکتا ہے ؟ جو بھی قائل ہیں حیات برزخی

۱۔ مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص ۲۱ امام فخر الدین رازی المطالب العالیہ کے تیسرے مقالہ کی فصل ۵ میں لکھتے ہیں فوجب القطع بان النفس بعد مفارقة البدن مدركة للجزئیات۔ سو یہ ادراک مگر عالم برزخ میں بڑھ جاتے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

ہی کے قائل ہیں۔

موجودہ حالات میں احتیاط اسی میں ہے کہ عام عرفی معنی میں اُسے حیات دُنیوی نہ کہا جائے۔ لیکن اگر کوئی اس حیات کو دنیوی کے نام سے تعبیر کرے اور آپ کی حیات بہ زخیمہ سے بھی انکار نہ کرے تو اسے اس کا لازم نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ حضورؐ کو اس دُنیا میں زندہ مانتا ہے اور انتقال دارین کا قائل نہیں۔ (استغفر اللہ) ایسا شخص اہل السنۃ والجماعہ میں سے ہے۔ وہ ہرگز اہل حق سے بلہر نہیں۔ قبر کی زندگی کو بھی کسی دوسرے اعتبار سے دنیوی زندگی کہا جاسکتا ہے۔

یہ کچھ تفصیل محض اس لیے گزارش کی گئی ہے کہ مسئلہ حیات البنی میں اصل اختلاف کو زیادہ نہ کیا جائے ایک دوسرے کو قریب سے سمجھا جائے۔ المہند میں حیات بہ زخیمہ دنیویہ کے الفاظ کو اپنی معنی میں سمجھا جائے جو علماء دیوبند اس سے مراد لیتے ہیں۔ ہمارے ذمہ یہ بات نہ لگائی جائے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں زندہ مانتے ہیں اور انتقال دارین کے قائل نہیں ہیں۔

اگر یہ صحیح ہے اور یہ یقیناً ہمارے دل کی آواز ہے تو پیر طریقت کو بھی وہ تقریریں نہ کرنی چاہئیں جنہیں ہم ابھی مختصر تبصروں کے ساتھ ہدیہ قارئین کر آئے ہیں۔ اس قسم کی بے محل تقریریں تشغیب عوام کا سبب نہ ہو سکتی ہیں۔ لیکن ان میں دین کی ہرگز کوئی خدمت نہیں ہے اور یہ نفرت کو بڑھانے والی ہیں ایک دوسرے کو قریب کرنے والی نہیں ہیں وکتی باللہ شہیدا۔

قبر کی زندگی کو کیا کسی پہلو سے دُنیوی زندگی کہا جاسکتا ہے؟

اس بات کے تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ قبر کی یہ زندگی ایک پہلو سے دُنیوی زندگی

بھی ہے اور خود قرآن کریم نے ایک تفسیر کے اعتبار سے اسے دُنیوی زندگی کہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :-

ثَبَّتَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي

الْآخِرَةِ. (پ: ابراہیم: ع ۴ آیت ۲۷)

ترجمہ: مضبوط رکھتا ہے اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات سے دُنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔

حضرت بابر بن عازبؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن کو قبر میں سوال کے لیے بٹھایا جاتا ہے اور وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دے لیتا ہے تو یہ وہ ثابت قدمی ہے جو اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو عطا فرماتا ہے۔

یہ قبر کے سوال اور ایمان پر ثابت قدمی پہلی منزل ہے اور دوسری منزل قیامت کے دن کا سوال و جواب ہے۔ قرآن کریم نے پہلی منزل کو حیات دُنیوی کی ثابت قدمی کہا ہے اور دوسری منزل کو آخرت کی ثابت قدمی کہا ہے۔ سو اس اعتبار سے قبر کی زندگی کو دُنیوی زندگی میں بھی شمار کیا جاسکتا ہے یہ ایک کھلی دُنیوی زندگی ہے جو یہاں ہے اور ایک پردے کی دُنیوی زندگی ہے اسے بزخی زندگی بھی کہتے ہیں۔ حافظ ابن جوزی (۵۱۷ھ) قرآن کریم کی اس آیت میں دُنیوی زندگی کا یہی معنی کرتے ہیں :-

الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مِنْ السُّؤَالِ فِي الْقَبْرِ وَالْآخِرَةِ السُّؤَالُ فِي الْقِيَامَةِ۔

ترجمہ: یہ دُنیا کی زندگی اس وقت کو کہا ہے جب قبر میں سوال کی گھڑی ہو اور آخرت اس وقت کو جب قیامت کے دن سوال و جواب ہوں گے۔

تفسیر فائز میں ہے :-

الحیوة الدنیا بمعنی حیاة فی القبر عند السؤال ۛ

ترجمہ یہاں حیا دیا حیات فی القبر کے معنی میں ہے جو قبر کے سوال کے وقت ہوگی۔

بعض مفسرین نے قبر اور قیامت دونوں منزلوں کے سوال و جواب کو دنی الاخرۃ سے متعلق کہا ہے۔ لیکن ہم یہاں صرف اس بات پر متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ حیات فی القبر کو دنیوی حیات کی ایک قسم کہنا کوئی ایسا گناہ نہیں جو علمائے دین نے ہی کیا ہو۔ بلکہ پہلے مفسرین بھی اسے دنیوی حیات میں داخل کرتے آئے ہیں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:۔
قبر کی منزل جو دنیا اور آخرت کے درمیان برنس ہے اس کو ادھر (حیوة دنیا میں) یا ادھر (حیوة آخرت میں) بس طرف چاہیں شمار کر سکتے ہیں۔ چنانچہ سلف سے دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں ۛ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ بھی فرماتے ہیں کہ برزخ ایک اعتبار سے مواطن دنیوی میں سے ہے اور اس میں اعمال کے بڑھنے کی بھی بہت گنجائش ہے ۛ

برزخ صغر نے چوں از یک وجہ از مواطن دنیوی است گنجائش ترقی دارد
واحوال این وطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد الانبیاء یصلون
فی القبر وثنیہ ہ باشند و حضرت پیغمبر علیہ صلی علی آلہ الصلوٰۃ والسلام شب
مہراج چوں بر قبر حضرت کلیم صلی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام گزشتند دیدند
کہ در قبر نمادے گزارد۔

ترجمہ برزخ صغریٰ ایک چھوٹا وطن دنیوی ہے یہ اس طرح کہ جس میں احوال میں ترقی کی گنجائش ہے اور برزخ کے
مثلاً مختلف جگہ لوگوں میں بہت تفاوت کیے گئے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے بعد ہم سے بھی اور ہم سے بھی
صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس گئے تو انہیں اپنی قبر میں نہ لڑ پڑھتے پایا۔

برسر مطلب آدمکیم

اصل بحث عامہ اموات کی برزخی زندگی کی ہو رہی تھی اور ہم عذابِ قبر پر بحث کر رہے تھے۔ حیاتِ بنی کا سداً ضمناً آگیا۔ کیونکہ یہ حیاتِ طیبہ بھی قبر ہی کی بہار ہے۔ اب ہم پھر اصل بات کی طرف لوٹتے ہیں۔ مجبوراً اہل السنۃ و الجماعۃ عذابِ قبر اور نعیمِ قبر کو روح اور بدن دونوں سے متعلق مانتے ہیں اور روح کا یہ تعلق بدنِ عنصری سے ہے محض بدنِ مثالی سے نہیں۔ وہ مرنے بھی ہوں مقدور باری ہیں لیکن حکمتِ الہی اسی میں ہے کہ عذابِ قبر اسی بدن سے متعلق ہو جس نے دنیا میں گناہ کئے اور یہ وہی جسد ہو یا اس کے ذرات منتشر ہو، جو کامل صورت میں آخرت میں معذب ہو گا۔ دنیا میں بھی گناہ اسی بدن نے کئے، عذابِ برزخ بھی اسی بدن یا اس کے ذرات سے متعلق ہونا چاہیے اور ضرور ہے آخرت کا عذاب بھی اسی بدن پر ہو۔ عالمِ دنیا، عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت تینوں روح اور بدن کے تعلق سے چلیں۔ مجبوراً اہل السنۃ کا اختیار یہی ہے کہ عذابِ قبر روح اور بدن کو شامل ہے۔ یہ حقیقتِ اعادۂ روح سے قائم ہو یا تعلق روح سے۔ اس میں دونوں طرف اہل حق کی تصریحات ہیں۔ محدثینِ اعادۂ روح کے قائل ہیں اور مشکملینِ معتزلہ کرامیہ اور شیعہ کو جواب دینے کے لیے دعوتِ تبیین کے قائل ہیں اور ہمیں اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ اس حیاتِ برزخی میں دنیوی زندگی کا کوئی پہلو راہ نہیں پاسکتا۔ برزخ میں کئی ایسے پہلو ملیں گے جن کی سرحدیں دنیوی زندگی کو چھوتی ہیں۔ باری ہمہ ان سے دنیوی زندگی مراد نہیں جو اس جہاں سے چل بسا وہ برزخی زندگی میں ہے دنیوی میں نہیں۔ گویا برزخی گناہ بھی بعض پہلوؤں سے موطنِ دنیوی میں سے ہو۔

حیات برزخی کا دنیوی پہلو

یہ دنیادار العمل ہے موت پر زنجیر عمل کٹ جاتی ہے۔ انبیاء کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کا سلسلہ عمل کٹتا نہیں۔ برزخ میں بھی ان کا سلسلہ عمل جاری رہتا ہے اور وہ اللہ کی عبادت میں لذت پاتے ہیں۔ وہ باری معنی بھی زندہ ہیں کہ ان کے اعمال ابھی قائم ہیں۔ یہ انبیاء کی حیات برزخی کا دنیوی حصہ ہے۔ حضرت مولانا انور شاہ صاحب لکھتے ہیں :-

فنبی اللہ حی یرزق و احياء فی قبور هم یصلون لشر فی ذکر الحیوة
افعالہا اصلہا و راد مع الاجساد فان اجسادہم حرم مت علی
الارض۔

ترجمہ۔ سو اللہ کا نبی زندہ ہے اسے رزق دیا جاتا ہے اور حدیث الانبیاء
احیاء فی قبور ہم یصلون اصل حیات کے بیان میں نہیں۔ افعال حیات کے
بیان میں نقل کی جاتی ہے یا مراد یہ ہے کہ وہ اپنے اجساد سے زندہ ہیں کیونکہ
ان کے جسموں کو مٹی نہیں کھاتی۔

اعمال حیات مراد ہوں یا اجساد حیات یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ عالم برزخ عالم
تکلیف نہیں یہاں انسان اسی وقت تک مکلف ہے جب تک موت نہ آجائے۔ واعد ذلک
حتی یا تیک الیقین (پاک حجرات ۹۹) حکم الہی ہے اور اسی وقت تک کے لیے ہے جب
تک موت نہ آجائے۔

سو عالم برزخ میں عبادت مکلف ہونے کی صورت میں نہیں۔ قرب الہی میں اور بڑھنے
کے لیے ہے۔ یہ ذوق عبادت کی مزید لذت پانے کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس روحانی
لذت سے محروم نہیں کرنا چاہتے جس کی سلامتی اس عمل کا ایک آلہ ہے۔

اعمالِ طاعت اس دنیا کا حصہ ہیں اور ان پر عمل پیرائی یہاں کی زندگی ہے۔ انبیاء کی حیاتِ برزخی اس پہلو سے دنیوی زندگی ہے کہ اس کا سلسلہ عمل باقی ہے اور جہد کی سلامتی انہیں اس لیے ملی ہے کہ عمل اس کے بغیر قیام نہیں پکڑتا۔ انبیاء وہاں اپنی نقل و حرکت اسی طرح محسوس کرتے ہیں جیسے کہ وہ اس دنیا میں محسوس کرتے تھے۔ یہاں کی آنکھیں نہ اس برزخی زندگی کو دیکھ سکتی ہیں نہ یہاں کے کان اسے سُن سکتے ہیں۔ **الآیہ کہ اللہ تعالیٰ خود کسی کو دکھادیں یا سُنادیں۔**

اس دنیوی زندگی کا امتداد محالات میں سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتے تو آپ کو برزخ میں جانے نہ دیتے۔ آپ نہیں تا قیامت رہتے اور پھر قیامت کو آپ پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا وعدہ **اِنَّكَ مَعِيتٌ وَاَنْهَضُ مَعِيتُونَ** پورا ہوتا اور آپ پھر براہِ راست آخرت میں چلے جاتے یہ بدوِ برزخِ آخرت میں جانا کوئی ناممکن بات نہ تھی۔

برزخ کی کلی نفی اور حیاتِ دنیوی کا امتداد

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امتدادِ حیات کا موقع دیا گیا تھا اور آپ نے اسے پسند نہ فرمایا۔ آپ نے اللہ رب العزت سے ملنے کو حیاتِ دنیوی پر ترجیح دی۔ حضرت ابو موسیٰ حبیبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: **حضرت نے مجھے فرمایا:-**

ولا حمد ایضا من حدیث ابی موسیٰ یہیة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی اوتیت مفاتیح خزائن الارض والخلد ثم الجنة فخيرت بین ذلك و بین لقاء ربی والجنة فاخترت لقاء ربی والجنة۔

مجھے زمین کے خزانوں کی کُنجیاں دی گئیں اور یہ کہ میں قیامت تک رہوں۔ پھر آگے جنت ہے مجھے اختیار دیا گیا کہ قیامت تک یہاں رہوں یا اللہ کی ملاقات اور جنت میں جانے کی ہاں کہ مل۔ میں نے لقاء رب اور جنت کو اختیار کیا ہے۔

اتم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ روایت کرتی ہیں :-

انه لم يقبض بنى حتى يرى مقعده من الجنة ثم يجير فلما نزل به و
رأسه على فخذي غشي عليه ثم افاق فاشخص بصره الحسف
البيت ثم قال اللهم الرفيق الاعلى فقلت اذا لا يختارنا وعرفت انه
الحديث الذمى كان يحد ثار هو صحيح به

ترجمہ: کوئی بنی وفات نہیں پاتا مگر یہ کہ وہ اپنا مقام جنت میں دکھا دیا جاتا ہے
پھر اسے اختیار دیا جاتا ہے (کہ دنیا میں رہے یا آخرت کو اختیار کرے) آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللہم الرفیق الاعلى فرمایا تو میں نے سمجھ لیا کہ اب آپ
ہمارے پاس نہ رہیں گے۔ میں نے جان لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو فرمایا کرتے
تھے کہ بنی کو (دنیا میں رہنے کا) اختیار دیا جاتا ہے وہ سچ ہے اور یہ کہ آپ کو
اختیار دیا گیا ہے۔

سو اگر آپ قیامت تک کی دنیوی زندگی پالیتے اور برزخی زندگی سے بالکل نہ گزرتے تو
بھی ایسا ممکن تھا اور قواعد شرع اس کا کہیں انکار نہیں کرتے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ آپ کی دنیوی زندگی
کا امتداد تھا۔

آپ نے اللہ تعالیٰ کے پاس حاضری کو پسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ایک پہلو سے آپ کی
دنیوی زندگی باقی رکھی کہ آپ کے اعمال کا سلسلہ باقی رہے اور آپ قرب الہی میں اور آگے
بڑھتے رہیں اور اب تک اور پھر قیامت تک آپ کے سلسلہ طاعات میں شل ہے اور یہ
برزخ کے پردے میں دنیوی زندگی کا امتداد ہے گویا ہاں کی آنکھوں سے امتداد ہے۔

سو اگر آپ قیامت تک کی دنیوی زندگی پائے ہوتے اور برزخی زندگی سے بالکل نہ
گزرتے تو یہ عین ممکن تھا۔ اس صورت میں آپ صغۃ اولیٰ میں انک میت وانہم میتون کا وعدہ

پورا کرتے اور صحتہ ثانیہ پر پھر اٹھ کھڑے ہوتے اور جنت میں داخل ہو جاتے اس صورت میں آپ کی قیامت سے پہلے جو زندگی ہوتی وہ دنیوی زندگی ہی تو ہوتی اور اس میں کوئی شرک کا پہلو نہ تھا۔ معلوم نہیں آپ پر وفات ہو چکنے کا اقرار عقیدہ توحید کا جزو کیسے بن گیا۔ آپ کی وفات ایک تاریخی حقیقت ہے لیکن یہ توحید کا جزو نہیں۔ وعدہ وفات کبھی بھی پورا ہو سکتا تھا۔

دنیوی زندگی اور برزخی زندگی میں فرق

دنیوی زندگی ایک پہلو سے برزخی زندگی سے اعلیٰ و اولیٰ ہے ورنہ دوسرے اعتبارات سے برزخی زندگی افضل ہے۔ دنیوی زندگی میں قرب الہی میں بڑھنے والے اعمال میسر ہیں۔ یہ اعمال کی وہ قوت ہے جو برزخی زندگی میں نہیں۔ وہاں اعمال صرف روحانی لذت اور فوق حیات کے لیے ہیں۔

شہید برزخ میں اور پھر آخرت میں جسمانی حیات پانے کے باوجود اس دنیا میں پھر آنے کی تمنا کرے گا۔ تاکہ ایک دفعہ پھر وہ خدا کی راہ میں مارا جائے اور وہ یہ لذت ایک دفعہ پھر پائے۔ جو اس نے پہلی دفعہ قتل ہونے پر محسوس کی تھی۔

برزخی زندگی کی شان یہ ہے کہ وہاں ایک دفعہ کا کیا رخصت ہو، جو انبیاء کو بعد الوقات غسل کی صورت میں کرایا جاتا ہے، قیامت تک کی نمازوں کے لیے کافی ہے۔

جس اعتبار سے دنیوی زندگی بہتر و برتر تھی اس اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی زندگی میں ہیں اور جس اعتبار سے برزخی زندگی اعلیٰ و الطیف ہے اس اعتبار سے آپؐ برزخی زندگی میں ہیں۔ تاہم آپ کی اس زندگی کو ہم دنیوی بالمعنی المتبادر نہیں کہتے۔ اگر دنیوی کہتے بھی ہیں تو بالعمل المتواتر کے اعتبار سے کہتے ہیں جو آپ کو عالم برزخ میں بے شک حاصل ہے۔

برزخی زندگی کی یہ آہٹ کہاں تک رہتی ہے

شہداء اللہ کی راہ میں کٹ کر ہمیشہ کی زندگی پا چکے ہیں۔ انہیں اموات کہنا اب منع ہے۔ وہ احیاء (زندہ) ہیں۔ عالم برزخ میں وہ زندوں والے اعمال کا تسلسل دیتے گئے ہیں انبیائے کرام بھی عالم برزخ میں جسمانی حیات رکھتے ہیں اور ان کے اعمال بھی باقی ہیں اور ان کی حیات کا بھی کسی تاویل سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ شہداء کی روحوں کو سبز پرندوں کا ساجہ ملتا ہے اور وہ آسمانوں میں سیر کرتی ہیں۔ طائر اعلیٰ میں گھومتی ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ برزخی پردے میں کبھی زمین تک آسکتی ہیں یا نہیں؟ اس کے انکار پر کوئی دلیل ہماری نظر سے نہیں گزری۔ ہاں کسی جانے والے کا اس عالم (دنیا) میں آنا ممکن نہیں۔ عالم ان کا دوسرا ہے تو پھر کسی کا یہاں آنا منع نہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ چاہے یہاں تک کی سیر پھر کر دے۔

پھر انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ تو ان سے بھی اونچا اور اعلیٰ ہے۔ کیا برزخی سیر کے لیے ان کی روحوں پر آسمان و زمین کے دروازے بند ہیں؟ اور کیا حضورؐ نے اس دنیوی زندگی میں دو قبروں کے پاس سے گزرتے ہوئے ان کی برزخی آوازیں نہ سنی تھیں؟ کیا اعمال برزخ کا ظہور کبھی اس زمین پر نہیں ہو سکتا؟ کیوں نہیں۔

سو اگر روایات میں انبیاء علیہم السلام کا برزخی پردے میں یہاں اتنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں دیکھ پانا مل جائے تو ہمارے پاس کوئی ایسی شرعی دلیل نہیں جو اس کے تسلیم کرنے میں ہمیں مانع ہو۔ یہ ان کا اس عالم میں آنا شمار نہیں ہوگا۔ یہ اس زمین کی ایک برزخی سیر ہے جو عالم برزخ میں وقوع میں آرہی ہے۔

انبیاء کا سلسلہ عمل رک کا نہیں

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ عمل رک کا نہیں۔ ان کی طاعات برابر جاری ہیں۔ صرف یہ ہوا کہ وہ موت کا پل عبور کرنے سے ہماری آنکھوں سے اور تھیل کر دیئے گئے ہیں اور اب ان کے چلنے پھرنے کا جہاں یہ دنیا نہیں عالم برزخ ہے وہ ایک انداز سے ان قبروں میں ہیں اور ایک جہت ان کی برزخی وسعت ہمارے اور اک سے بالا ہے۔ وہ کبھی اس زمین پر دکھائی بھی دیں تو یاد رکھیے اللہ رب العزت نے ان پر برزخی سیر کے دروازے کھول رکھے ہیں۔ شہداء کے لیے اگر سیر گاہیں کھلی ہیں تو انبیاء کے لیے اس وسعت میں کونسا شرعی قاعدہ مانع ہے۔

انبیاء کا برزخی پردے میں یہاں آنا

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں :-

سرنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بين مكة والمدينة فمررنا
بواد فقال اعاد هذا فقالوا وادي الازرق فقال كافي انظر الى
موسى فذكر من لونه وشعره شيئا

ترجمہ۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان گزر رہے تھے۔ ہم ایک وادی کے پاس سے گزرے تو آپ نے پوچھا یہ کون سی وادی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کی وادی ازرق۔ آپ نے فرمایا میں گویا یہاں موسیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے پھر ان کے رنگ اور ان کے بال بھی بتائے کہ وہ کیسے ہیں۔

حضرت موسیٰ کے رنگ اور بالوں کا ذکر کرنا اس تاکید میں تھا کہ آپ نے واقعی انہیں ہی دیکھا ہے۔ عارضی اور مثالی ابدان کے محلے اور نقشے اس طرح بیان نہیں کئے جاتے اور انبیاء سابقین کا اپنے اصلی اجساد سے یہاں آنا محدثین کے ہاں کوئی امر ممنوع نہیں ہے وہ برابر اس احتمال کو جگہ دیتے ہیں۔
صحیح بخاری میں ہے۔

امام موسیٰ کافی النظر الیہ اذا انحدر فی الوادی یلیٰ^۱
ترجمہ موسیٰ کو تو گویا میں دیکھ رہا ہوں۔ آپ وادی میں اترتے لمبیک کہہ رہے ہیں۔

یہ لمبیک کہنا اعمال عمرہ و حج میں سے ہے۔ ظاہر ہے کہ ان اعمال کی زمین یہ دنیوی زمین ہی ہے۔ حمد و ثنا کے نغمے تو جنت میں بھی سہوں گے۔ لیکن طواف عمرہ کعبہ کے سوا کہیں نہیں اور حج عرفات کے سوا کہیں نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لمبیک کہتے ہوئے دکھائی دینا بتاتا ہے کہ اس برزخی زندگی میں اُن کے یہاں کے بعض اعمال برابر جاری ہیں اور ان کی ہمیں بخیر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔ انبیاء علیہم السلام اپنے ان اعمال کو پورے حسی طور پر عمل میں لاتے ہیں اور گو وہ اپنی قبر کی زندگی میں ہیں۔ لیکن اس کی وسعت انہیں ان اعمال سے مانع نہیں ہے۔

دسویں صدی کے مجدد سیدنا ملا علی القاری علیہ رحمۃ ربہ الباری و دوسری حدیث فاذا منیٰ^۲
قائم یصلیٰ فی قبرہ کی شرح میں لکھتے ہیں۔

فان حقيقة الصلاة وهي الاتيان بالافعال المختلفة انما تكون بالاشباح
لا بالادواح فقط۔^۳

ترجمہ نماز کی شرعی حقیقت مختلف کاموں کو عمل میں لانا ہے اور اعمال بجا لانا ابدان

سے ہوتا صرف ارادے سے نہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کے بعد الموت حج کرنے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

الانبياء احياء عند ربهم يرزقون فلا مانع ان يحجون قال القرطبي حبت
اليهم العبادة فهم يتعبدون بما يجدون من داعي انفسهم

ترجمہ۔ انبیاء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے۔۔۔۔۔
تو یہ بات ممکن نہیں کہ وہ حج بھی کرتے ہوں۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں عبادت کی محبت
ان کے دلوں میں ڈال دی گئی ہے اور اب وہ اپنے داعیہ نفس سے اپنے خدا کی
عبادت میں لگے رہتے ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حج کے موقعہ پر وادی
عسفان کے پاس سے گزرے تو آپ نے وہاں سے حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ
السلام کے گزرنے کی خبر دی، آپ نے کہا :-

مرزبه هود وصالح عليهما السلام علي بكرات خطهما الليف ازسهم العباء
وارد يتسمن النما يلبنون يحجون البيت العتيق

ترجمہ۔ حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام اوتھوں پر سوار آپ کے پاس سے
گزرے ہیں۔ ان اوتھوں کی مہاریں کھجور کی چھال کی۔ ان کی لنگیاں — عبار —
اور چادریں — ادن کی تھیں۔ تلبیہ کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بیت قدیم کا طواف
کرنے جا رہے تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ (۴، ۵، ۶) لکھتے ہیں :-

اسنادہ حسن

محدث شہیر حافظ ابوعلیؒ (۲۰۷ھ) حضرت نوح علیہ السلام کا نام بھی ذکر کرتے ہیں اور حضرت
ابراہیم علیہ السلام کا نام بھی لیتے ہیں۔

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کرام کے اعمال طاعت جاری ہیں اور وہ کبھی اپنی
برزخی سیر میں اس زمین پر بھی آسکتے ہیں۔ تاہم ان کا جہاں عالم برزخ میں رہتا ہے نہ کہ یہ جہاں
معراج کی رات جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سرخ ٹیلے کے پاس حضرت موسیٰ
علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا تو آپ خود حیرت میں تھے۔ آپ اس عالم (برزخ)
میں — نگاہوں کو تردد ہو رہا تھا کہ وہ واقعی وہی ہیں یا اور — کبھی فرماتے کافی
انظر الیہ۔ گویا میں اپنی کو دیکھ رہا ہوں۔
اللہ رب العزت نے فرمایا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُن فِي مِرْيَةٍ مِنْ لِقَائِهِ۔

(پ ۱۲۱ السجدہ۔ آیت ۲۳)

ترجمہ۔ اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب سو آپ اس کی ملاقات میں کسی شک
میں نہ پڑیں۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانیؒ لکھتے ہیں۔

تم جو موسیٰ سے شب معراج میں ملے تھے وہ سچی حقیقت ہے کوئی دھوکہ
یا نظر بندی نہیں۔

یہ اس صورت میں ہے کہ یہ آیت واقعہ اسرار کے بعد نازل ہوئی ہو۔ اگر پہلے نازل
ہوئی تو یہ ایک وعدہ ہے جو آپ کو دیا گیا اور لیلۃ الاسرار میں اسے پورا کیا گیا۔

جب آپ کی ملاقات حضرت موسیٰ سے ہوئی تو اس کے بعد آپ کی ملاقات پوری
جماعت انبیاء سے بھی ہوئی۔ مگر قبر میں نماز پڑھتے آپ نے حضرت موسیٰ کو ہی پایا تھا۔

لہ دیکھئے البدایہ جلد ۱۱ ص ۱۱۹ تہ تفسیر عثمانی ص ۵۵

حضرت علامہ انور شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

ان کے ثرا من الاعمال قد ثبتت في القبور كالاذان والاقامة عند الدارمی وقراءة القرآن عند الترمذیؒ

ترجمہ۔ بہت سے اعمال قبروں میں بھی ثابت ہیں سنن دارمی کی روایت میں اذان اور اقامت کا قبر میں ہوتا مذکور ہے اور ترمذی کی روایت میں قبر میں سے قرآن کی آواز سنائی دے رہی ہے۔

حیات انبیاء کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

اراد بالحیوة فعل الاعمال واکثر من فی القبور فی العطلة بخلاف المقربینؒ

ترجمہ۔ مدیت میں حیات سے مراد فعل اعمال ہے دزدوں کے سے اعمال کا باقی رہتا، اور اکثر لوگ جو قبروں میں ہیں ان کے اعمال قفل میں ہیں بخلاف مقربین۔

اعمال کے بارے میں ملا علی قاریؒ تقریح فرما چکے ہیں کہ وہ ابدان سے وقوع میں آتے ہیں صرف ارواح سے نہیں ہر کو ان اعمال حیات سے خالی ہیں لیکن مقربین کی یہ بات نہیں۔

الایمان بالافعال المختلفة امنا تكون بالاشباح لا بالارواحؒ

ترجمہ۔ یہ مختلف قسم کے افعال بجالاتا ابدان سے ہی ہو سکتا ہے۔ صرف ارواح سے نہیں۔

حیات شہداء کی بحث میں حیات انبیاء کی یہ بحث منہا آگئی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حیات انبیاء ایک برزخی حقیقت ہے جس کا انکشاف بارہا یہاں کی تیز آنکھوں کو ہوا اور انہوں نے جو کچھ دیکھا بتا دیا اور پھر قرآن کریم نے بھی ان کی تصدیق کر دی۔ اس کے بعد ہمارے

یہ کرم فرمایا معلوم نہیں اور کس دلیل پر ایمان لائیں گے۔ فیای حدیث بعدہ یؤمنون۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلے انبیاء سے ملاقات

ہم حضرت فوج، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم علیہم السلام کا برزخی پرے میں زمین پر آنا اور حضور کا انہیں دیکھ پانا پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ ان میں موسیٰ علیہم السلام کی ملاقات بہت اہم ہے۔ کیونکہ اس کے بارے میں قرآن کریم میں صراحت سے کہا گیا ہے۔
فَلَا تَكُنْ فِي مَرِيَّةٍ مِنْ لِقَائِهِ - (پ ۲۱: السجده، آیت ۲۳)

ترجمہ۔ آپ ان سے ملاقات کے بارے میں کسی شک و تردد میں نہ پڑیں۔

بیت المقدس میں معراج کی رات انبیاء کرام اسی طرح آئے تھے جس طرح ارواح الشہداء سبز پرندوں کے قالب میں آسمانوں پر سیر کرتی ہیں۔ برزخی سیر میں کبھی زمین پر آجاتے ہیں۔ پھر جب ان انبیاء نے حضور کے ساتھ نماز بھی پڑھی اور نماز زندہ جسد کو چاہتی ہے اور بدن کے بغیر یہ عمل ترتیب نہیں پاسکتا۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے اجساد کون سے تھے۔ جس طرح شہداء کی رو میں سبز پرندوں کے قالب میں متحد ہوتی ہیں۔ انبیاء کی ارواح ان نبیوں کی اصلی صورت میں متحد ہوئیں یا انبیاء کرام کی اس رات تشریف آوری اپنے ارواح و اجساد کے ساتھ تھی۔

محدثین نے یہاں دونوں احتمال ذکر کئے ہیں۔ ہو سکتا ہے صرف ارواح کی آمد ہو اور ہو سکتا ہے انبیاء کرام اپنے اجسادِ اصلیہ کے ساتھ برزخ کے پردے میں یہاں پہنچے ہوں اور ان کی تشریف آوری ارواح و اجساد دونوں سے ہو۔
عاقلاً ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:-

واعمال الذین صلوا معہ فی البیت المقدس فیحمل الارواح خاصۃ و یحمل الاجساد بارواحہا۔

ترجمہ۔ وہ انبیاءِ جہنوں نے اس رات حضور کے ساتھ بیت المقدس میں نماز پڑھی ہو سکتا ہے کہ وہاں صرف روحیں متعبد ہوتی ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ارواح مع الاجساد یہاں آتی ہوں۔

ان ارواحہم تشکلت بصورة اجسادہم و احضرت اجسادہم لسلامة النبي صلى الله عليه وسلم تلك الليلة تشریفاً و تکریماً و یؤیدہ حدیث عبد الرحمن بن ہاشم عن انس فقیہ و لبت له ادم و من دونہ من الانبیاء علیہ

ترجمہ۔ ان کی روحیں ان کی صورتوں میں متشکل ہوئی ہوں یا اس رات ان کے اصل اجساد ہی بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لیے حاضر کر دیئے گئے ہوں دونوں باتیں ہو سکتی ہیں ایسا حضور کی تشریف و تکریم کے لیے ہوا اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ کے لیے حضرت آدم اور دوسرے سب انبیاء اٹھائے گئے و حاضر کئے گئے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ دوسرے احتمال کے مؤید ہیں کہ اس رات انبیاء کرام حضور کے اعزاز و اکرام میں اپنے اصل اجساد کے ساتھ یہاں آئے۔ عالم برزخ میں ان اجساد کو اتنی لطافت ملی ہوئی ہے کہ وہ لمحوں میں یہ فاصلے طے کر پاتے ہیں۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں جو لوگ تختِ بلقیس کا آنکھ جھپکنے میں آ پہنچا مان سکتے ہیں۔ وہ قدرتِ ایزدی سے ان انبیاء کے یہاں آنے اور جانے میں کبھی کوئی شک نہیں کر سکتے۔ تختِ تو لکڑی کا تھا جس میں نہ کبھی کوئی روح رہی نہ اس نے کوئی لطافت پائی اور وہ آنا بھی عالم دنیا میں تھا۔ لیکن انبیاء کرام کی یہ آمد تو برزخی پردے میں ہے کیا برزخ میں بھی ان کے اجساد ایسی لطافت نہیں پاسکتے کہ آنکھ جھپکنے میں وہ اپنی قبور سے آئیں بھی اور باذن الہی پھر وہاں جا بھی پہنچیں — امد

یہ فاصلہ اور آنا بانا یہاں کے کسی دوسرے شخص کو محسوس و مشاہد نہ ہو۔ جن کی برزخ کے عجائب پر نظر ہے وہ کبھی ان امور کا انکار نہیں کر سکتے۔

انبیاء کا اصلی جہاد کے ساتھ یہاں آنا کوئی ایسی بات نہیں کہ محدثین نے اسے اپنے ہاں کوئی جگہ نہ دی ہو۔ جو لوگ ان حقائق کو استہزاء سے ٹھکراتے ہیں وہ آخرت کی جوابدہی کے لیے تیار رہیں۔ یاد رہے کہ بیت المقدس میں ان کی ملاقات کے لمحے تھے۔ اور آسمانوں پر ان کی ملاقات کے لمحے اور تھے۔ تو ان میں سے کوئی بات خلاف عقل نہیں اور احادیث میں یہ ملاقاتیں ثابت ہیں تو ان واردات کا کیسے انکار کیا جاسکتا ہے۔

صلواتہم فی اوقات مختلفہ و فی اماکن مختلفہ لایردہ العقل

و ثبت بہ النقل فدل ذلک علی حیاتہم

ترجمہ۔ ان کی (بیت المقدس میں) نماز اور وقتوں میں بھٹی اور (یہ امور) مختلف مقامات سے تعلق رکھتے ہیں عقل ان کا انکار نہیں کرتی اور نقل سے یہ بات ثابت ہے تو یہ اس پر دلالت ہے کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں۔

ملاقاتِ انبیاء پر قرآن کی شہادت

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسا حکم دیا جس پر بدوں اس کے عمل نہیں ہو سکتا کہ آپ کی ان اپنے سے پہلے کے انبیاء کے ساتھ ملاقات ہو اور آپ ان سے اپنے عقیدہ کی تائید حاصل کریں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

و اسئل من ارسلنا من قبلك من رسلنا اُجعلنا من دون الرحمن الہمة

یعبدون۔ (پ ۲۵، زخرف، ع ۴ آیت ۴۵)

ترجمہ۔ اور پوچھ دیکھ ان سے جن کو ہم نے تجھ سے پہلے رسول بنا کر بھیجا کیا ہم

نے بنائے ہیں رحمن کے سوا اور معبود جو پوجے جائیں۔

حضور کو جب ان سے پوچھنے کا مکلف فرمایا تو لازم ہوا کہ آپ کی کبھی نہ کبھی ان سے ملاقات ہو۔ یہ اس آیت کا ظاہر ہے۔

کچھ دوسرے علماء ہیں جنہوں نے آیت کو مجازی معنی پر لا کر یہ تفسیر کی کہ اس میں خود ان انبیاء سے پوچھنا مطلوب نہیں۔ ان کی کتابوں اور امتوں سے دریافت کرنا مراد ہے کہ کبھی کسی پیغمبر نے بھلا شرک کی اجازت دی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس کے حقیقی اور مجازی دونوں معنی بیان کیے ہیں۔

یہ ارشاد کہ پوچھ دیکھو یعنی جس وقت ان سے ملاقات ہو جیسے شب معراج میں ملاقات ہوئی یا ان کے احوال کتابوں سے تحقیق کرو جو ذرائع تحقیق و تفتیش کے ہوں ان کو استعمال میں لانے سے صاف ثابت ہو جائے گا کہ کسی دین سماوی میں کبھی شرک کی اجازت نہیں ہوئی۔

اولا معنی حقیقی اور ظاہر معنی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی انہی کی تائید ہوتی ہے۔ دوسرے معنی مجازی ہیں جن میں صرف عن الظاہر کرنا پڑتا ہے۔ علامہ قرطبی (۷۱۷ھ) نے بعض روایات نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے انبیاء علیہم السلام کی امامت کرنے کے بعد ان سے یہی بات پوچھی۔ ان روایات کی سند ہمیں معلوم نہیں ہو سکی۔

جلالین میں بھی پہلے معنی کو ہی ظاہر معنی کہا گیا ہے۔

قيل هو على ظاهره بان جمع له الرسل ليلة الاسراء وقيل المراد امام من اهل الكتابين۔

ترجمہ۔ کہا گیا ہے کہ آیت اپنے ظاہر پر ہے وہ یہ کہ تمام پیغمبر آپ کے لیے معراج کی رات

جمع کئے گئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب کی امتیں ہیں یعنی یہ کہ
آپ ان کی امتوں سے پوچھ دیکھیں۔

جلالین میں دوسرے مقام پر مرتجح نفلوں میں اسے لیلۃ الاسراء کی ملاقات قرار دیا ہے۔
فلا تکن فی مریۃ (شک) من لقائہ وقد التقیا لیلۃ الاسراء
ترجمہ۔ سو آپ موسیٰ کی ملاقات میں شک نہ کریں اور یہ دونوں (حنوبہ اور حضرت موسیٰ)
لیلۃ الاسراء میں ملے تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔

وفی الجلالین قبل مو علی ظاہرہ بان جمع لہ الرسل لیلۃ الاسراءؑ

ترجمہ۔ اور جلالین میں ہے کہ اسے اپنے ظاہر پر بتلایا گیا ہے یہ کہ معراج کا رات
آپ کے لیے تمام پیغمبر اکٹھے کیے گئے تھے۔

پُرلے ادیان میں غور کرنے کا حکم یہ پہلی آیت کے مجازی معنی ہیں۔ حقیقی معنی مراد لیا جا
سکے تو مجازی معنی اختیار نہ کرنے چاہئیں شیخ محمد علی الصابونی اس دوسرے معنی کو مجازی قرار
دیتے ہیں نیز ظاہری معنی نہیں ہیں۔

والسوال فہنا معان عن النظر فی ادیان الانبیاءؑ

ترجمہ۔ انبیاء سے سوال کرنا ان کے ادیان میں غور کرنے کی ایک مجازی تعبیر ہے۔

تفسیر قرآن کا ایک اصول یاد رکھیے، امام فخر الدین رازیؒ (۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:-

القانون انہ یجب حمل کل لفظ ورد فی القرآن علی حقیقۃ الا

اذا قامت دلالة عقلیة قطعیة توجب الانصراف عنہ ومن لم

یعرف شیاء لم یخص فیہؑ

ترجمہ: اصول یہی ہے کہ قرآن کریم میں جو لفظ وارد ہوا اسے اس کے حقیقی معنوں پر محمول کیا ہے جب تک کہ ایسی قطعی دلالت قائم نہ ہو جو اسے اس کے اہلی معنوں سے ہٹانا ضروری قرار دے اور جو کسی چیز کو سمجھا ہی نہیں وہ اس کی گہرائی میں کیے اُترے گا۔

علامہ بغویؒ (۵۱۶ھ) لکھتے ہیں:-

فلما فرغ من الصلوة قال له جبريل اسئل يا محمد من ارسلنا هكذا
قول الزهري وسعيد بن جبين وابن زيد قالوا جمع له الرسل ليلة
الاسراء وامران يسأل به

ترجمہ: جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو جبریل نے آپ سے (خدائی حکم پہنچاتے ہوئے) کہا اے میرے رسول! جو رسول میں نے پہلے بھیجے ہیں آپ ان سے پوچھ دیکھیں: زہری، سعید بن جبیر، ابن زید کی یہی رائے ہے یہ کہتے ہیں آپ کے لیے تمام رسول معراج کی رات جمع کئے گئے اور آپ کو کہا گیا کہ آپ ان سے پوچھ دیکھیں۔

عن سعيد بن جبير قال ليلة اسرى به لقي الرسل وفيه
وامثل من ارسلنا به

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں جس رات حضورؐ کو معراج کی سیر کرائی گئی آپ سب رسولوں سے ملے اور اس آیت میں ہے آپ ان سے جو ہم نے پہلے بھیجے، پوچھ دیکھیں۔

قاضي ثناء اللہ صاحبؒ (۱۲۲۵ھ) بھی یہی معنی کہتے ہیں:-

عن ابن عباس قال لما اسرى بالنبي صلى الله عليه وسلم بعث الله له ادم
 واولاده من المرسلين الى ان قال جبريل تقدم يا محمد فصل بهم
 فلما فرغ من الصلوة قال جبريل سل يا محمد من ارسلنا اليه
 ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی
 سیر کرائی گئی تو حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں سے کے تمام انبیاء بھیجے گئے
 یہاں تک کہ جبریل نے کہا: حضور! آگے بڑھیں پس آپ نے انہیں نماز پڑھائی
 جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو جبریل نے حضور سے کہا: آپ ان سے
 پوچھ دیکھیں۔

قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) کی تصریح بھی سن لیجئے۔

واسئل من ارسلنا..... الاية قال الزهري وسعيد بن جبر وابن زيد
 ان جبريل قال ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم لما اسرى به فالمراد سوال
 الانبياء في ذلك الوقت عند ملاقاته بهم صلى الله عليه وسلم وبه قال
 جماعة من السلف

ترجمہ: اور آپ پوچھ دیکھیں ان سے جنہیں ہم نے رسول بنا کر بھیجا زہری،
 سعید بن جبیر اور ابن زید کہتے ہیں جب حضور کو معراج کی سیر کرائی گئی تو جبریل نے
 حضور سے یہ بات کہی سو اس سے مراد ان پیغمبروں سے ملاقات کے
 وقت آپ کا ان سے سوال کرنا ہے اور یہی تفسیر سلف کی ایک جماعت
 نے کی ہے۔

علامہ محمد آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ)

اخرج الطبرانی وابن مردويه وايضاً في المختارة بسند صحيح عن
ابن عباس انه قال في الآية اي من لقاء موسى واخرج ابن ابي حاتم
عن ابي العالیه انه قال كذلك فقيل له اوتق عليه الصلوة والسلام
موسى قال نعم الا ترى الى قوله تعالى واسئل من ارسلنا ... اراد بذلك
لقاءه صلى الله عليه وسلم اياه ليلة الاسراء كما ذكر في الصحيحين و
غيرهما وروى نحو ذلك عن قتادة وجماعة من السلف وقاله
المبروحين امتحن الزجاج بهذه الآية وكان المراد من قوله
فلا تكن في مربة من لقاءه على وعده تعالى بنبيه عليه الصلوة والسلام
بلقاء موسى وتكون الآية نازلة قبل الاسراء.

ترجمہ طبرانی اور ابن ہرندیہ حضرت ابن عباس سے سند صحیح سے نقل کرتے ہیں آپ نے اس آیت میں حضرت
موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات تسلیم کی ہے اور ابن ابی ماتم ابو العالیہ (۹۰ھ) روایت کرتے ہیں کہ انہوں
نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ آپ پر حیا کیا کیا واقعی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام
سے ملاقات ہوئی؟ آپ نے کہا ہاں کیا تم قرآن کریم میں اس آیت کو نہیں دیکھتے واسئل من ارسلنا
اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان معراج کی رات ملاقات کرنا مراد ہے جیسا کہ صحیح بخاری اور
صحیح مسلم اور رد مسری کئی کتابوں میں مذکور ہے۔ حضرت قتادہ (۱۱۸ھ) اور سلف صالحین کی ایک
جماعت یہی کہتی ہے علامہ مبروکی رائے بھی یہی ظاہر ہوئی۔ جب آپ نے زجلج کا اس آیت
میں امتحان لیا اور یہی مراد الہی ہے اور اس آیت میں فلا تکن فی مربة من لقاءه
آپ ان کی ملاقات میں شک نہ کریں یہ ہرگز ہے گی، اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو موسیٰ سے
ملاقات کرانے کا وعدہ دیا تھا یہ آیت واقعہ معراج سے پہلے نازل ہوئی تھی (سورہ
ایک وعدہ تھا جو معراج کی رات پورا ہوا)۔

عن قتادة قال سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن آدم وخازن النار قلت هذا هو الصحيح في تفسير هذه الآية .

ترجمہ۔ حضرت قتادہ سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان انبیاء سے سوال کرنا معراج کی رات وقوع میں آیا تھا۔ آپ آدم علیہ السلام کے میں (فخر الدین الرازی) کہتا ہوں اس آیت کی تفسیر میں صحیح بات یہی ہے ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر اس ملاقات کا پتہ دیتی ہے اور آیت بھی اپنے ظاہری اور حقیقی معنی پر رہتی ہے۔

قتادہ (۱۱۸ھ) سعید بن جبیر (۹۵ھ) زہری (۱۲۴ھ) ابوالعالیہ (۹۰ھ) جیسے اکابر جو تفسیر میں صحابہ کرامؓ کے براہ راست شاگرد ہیں وہ اسی تفسیر کو ترجیح دیتے ہیں تیسری صدی کے محدثین امام احمد (۲۴۱ھ) امام بخاری (۲۵۶ھ) امام مسلم (۲۶۱ھ) وغیرہم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان انبیاء سے ملاقات سند صحیح سے روایت کرتے ہیں۔ چوتھی صدی کے امام طحاوی (۳۲۱ھ)

پھر امام بیہقی (۴۵۸ھ) بغدادی (۵۱۶ھ) امام نسفی (۵۳۶ھ) امام رازی (۶۰۶ھ)

پھر ساتویں صدی کے امام نووی (۶۷۶ھ) قرطبی (۶۷۱ھ)

پھر آٹھویں صدی کے علامہ خازن (۷۴۱ھ) اور حافظ ابن کثیر (۷۴۴ھ)

نہیں صدی کے حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ)

دسویں صدی کے امام سیوطی (۹۱۱ھ) اور ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ)

گیارہویں صدی کے شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ)

بارہویں صدی کے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ)

تیرہویں صدی کا قاضی ثناء اللہ (۱۲۲۵ھ) شوکانی (۱۲۵۵ھ) اور علامہ آگوسی (۱۲۶۰ھ)

اور چودھویں صدی کے جلیل القدر مفسر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

یہ مفسرین حضرات قرآن کی آیت واسئل من ارسلنا کے اس ظاہر معنی کو مسلسل اور متواتر نقل کرتے چلے آ رہے ہیں اور بیشتر حضرات اس کی بھی صراحت کرتے جاتے ہیں کہ انبیاء کرام کی یہ اقتداء اور حضورؐ سے ملاقات صرف ان کی ارواح سے نہیں ارواح واجہاد سے تھی اور بزنج ہیں ان کے اجہاد کریمہ پر ایہ اطاعت میں وہاں پہنچے ہوئے تھے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ متاخرین میں کچھ ایسے مفسر بھی ہوئے جو اس آیت کو اس کے ظاہر معنی سے پھیر کر اسے مجازی معنوں پر محمول کرتے ہیں لیکن اس سے آپ کو اتنی بات تو تسلیم کر لینی چاہیے کہ اگر انبیاء کرام اپنے ارواح واجہاد کے ساتھ اس رات حضورؐ سے ملے ہوں اور یہ سب اللہ رب العزت کی قدرت سے ظہور میں آیا ہو تو یہ کوئی شرک کی بات نہیں ہے کہ اس کی تردید اور اس موقف سے استہزاء کئے بغیر ان معتزلہ کا عقیدہ توحید ہی قائم نہ ہوتا ہو اسلاف کے کسی موقف سے گو اس میں آپ کو ان سے اختلاف ہی کیوں نہ ہو اس قدر وحشت کا اظہار صحیح نہیں کہ آپ کو ان کا عقیدہ توحید ہی متزلزل دکھائی دے۔

الحذر الحذر اے چیرہ دستاں الحذر

جو علماء انبیاء علیہم السلام کی اس رات ابدان سے ماضی کے قائل ہیں جب وہ بھی دوسرا قول کہ ان کی ارواح متشکل ہوئی ہوں اسے ساتھ نقل کرتے ہیں تو تعجب ہے کہ آج دوسرے موقف کا عقیدہ رکھنے والے اس ظاہر معنی قرآن کے نقل تک کی جرات و ہمت نہیں کرتے؟ محض اس لیے کہ کہیں ان کے معتقدان سے بگڑ نہ جائیں۔

دسویں صدی کے علامہ سیوطیؒ (۹۱۱ھ) اور ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) کا پیرایہ بیان ملاحظہ

لہ ولقد اتینا موسیٰ الكتاب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ قال قد کان قتادہ یفسرہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قد لقی موسیٰ لیلۃ الاسراء... ووافقہ علیہ جماعة منهم المعابد والکلبی والسدی۔ (فتح السہم جلد ۱ ص ۳۱۹)

فرمائیں کیا انہوں نے دونوں قول ذکر نہیں کیئے ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں :-

قال الحافظ السيوطي استشكل رؤية الانبياء في السموات مع ان
اجسادهم مستقره في قبورهم واجيب بان ارواحهم تشكلت بصور
اجسادهم اذ حضرت اجسادهم لملاقاة النبي صلى الله عليه وسلم
فلك الليلة تشريفا وتكريما له

ترجمہ: حافظ جلال الدین سیوطی کہتے ہیں (حضورؐ کی) ان انبیاء کرامؑ آسمانوں پر ملاقات ہر ایک شکل
دار ہے۔ ان کے اجساد غرضی تو ان کی قبور میں ہیں (پھر ان آسمانوں پر ملاقات کیسے) اس کا جواب
یہ دیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے ان کی ارواح خود ان کے اجسام کی صورت میں متشکل ہو گئی ہوں یا ان
کے اجساد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لیے اور آپ کی تشریف و تکویم کے لیے
(ان کی قبروں سے) یہاں لا حاضر کئے گئے ہوں۔

کیا یہ الشریب الغزت کی قدرت کا بعید ہے کہ انہیں ان کی قبروں سے یہاں لا حاضر کرے؟
پھر ذرا آگے جا کر لکھتے ہیں :-

الذين صلوا معه في بيت المقدس ثم اجسادهم كأرواحهم
لطيفة غير كثيفة فلا مانع لظهورهم في عالم الملك والمملكة
على وجه الكمال بقدر ذوالجلال فان حقيقة الصلوة
وهي الايتان بالافعال المختلفة انما تكون بالاشباح لا بالارواح
ترجمہ: جن حضرات نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس رات نماز پڑھی
..... پھر ان کے اجسام بھی تو ان کے ارواح کی طرح لطیف ہیں کچھ کثیف نہیں ہو
یہ ناممکن نہیں کہ وہ اس عالم ملکوت میں اللہ ذوالجلال کی قدرت سے اس کامل
پیرایہ میں (روح و بدن کے ساتھ) وہاں پہنچیں نماز کی حقیقت

اس کے مختلف افعال کو وجود میں لانا ہے اور یہ اجسام سے ہی ہو سکتا ہے نہ کہ صرف ارواح سے۔

یہ حضورؐ کی پہلے انبیاء سے شفا ملاقات تھی یہ کوئی خراب کی بات نہیں حضورؐ کی دنیوی زندگی تھی اور ان کی برزخی (مساوائے حضرت عیسیٰ کے) اور یہ قدرتِ خداوندی کے عجائب ہیں جنہیں حق سبحانہ و تعالیٰ جب چاہتے ہیں اپنے کسی بندہ پر ظاہر فرما دیتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پہلے انبیاء سے ملاقات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معراج کی بات جو دوسرے انبیاء سے ملاقات ہوئی اس میں آپؐ اپنی دنیوی زندگی میں تھے اور وہ حضرات اپنی برزخی زندگی میں، پھر آپؐ جب نزول فرمائیں گے تو کیا ان کی پہلے انبیاء کرام سے کوئی اور ملاقات بھی ہوگی؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دنیا میں دوبارہ آئیں گے تو ان کی بھی پہلے انبیاء سے اس طرح کی ملاقات ہوگی جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم اور حضرت یونس علیہم السلام سے ملاقات فرمائی اور ممکن ہے ان کی یہ ملاقاتیں ان کی قبور پر ہوں۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کشیبِ احمر کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی۔

عائذ سید طبری (۱۱۹۷ھ) اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:-

فَكَذَلِكَ عِيسَىٰ إِذَا نَزَلَ إِلَى الْأَرْضِ يَرَى الْأَنْبِيَاءَ وَيَجْمَعُ بِهِمْ وَمِنْ جَمَلِهِمْ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَأْخُذُ عَنْدهُ مَا احتاجه اليه مِنْ أَحْكَامِ الشَّرِيعَةِ لَهُ

ترجمہ۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام جب زمین پر آئیں گے آپؐ بھی انبیاء علیہم السلام کو دیکھ پایا کریں گے ان کے ساتھ ملیں گے اور انہی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی

ہیں۔ سو آپ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حسب ضرورت آپ کی شریعت کے احکام بھی لیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روضہ اطہر پر حضور سے ملاقات

ماقط ابو یعلیٰ (۲۰۷ھ) حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

والذی نفسي بيده ليتزلن عيسى بن مريم ثم لنن قام على قبري
فقال يا محمد لا جبتك به

ترجمہ: قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے عیسیٰ بن مریم ضرور نازل ہوں گے پھر اگر وہ میری قبر پر آئیں اور مجھے مخاطب کریں تو میں انہیں جواب بھی دوں گا۔

علامہ محمود آلوسی (۱۲۷۰ھ) بھی اسے ماقط ابو یعلیٰؒ سے انہی الفاظ میں نقل کرتے ہیں:-

انه عليه السلام ياخذ الاحكام من نبينا صلى الله عليه وسلم شفاها
بعد نزوله وهو صلى الله عليه وسلم في قبره الشريف وايد بحديث
ابي يعلى والذی نفسي بيده ليتزلن عيسى بن مريم ثم لنن قام على قبري
وقال يا محمد لا جبتك به

ترجمہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہو کر ان سے مواخذہ احکام کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں ہیں اور اس کی تائید محمد ابی یعلیٰ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے عیسیٰ بن مریم ضرور نازل ہوں گے پھر آپ اگر میری قبر پر آئیں اور (سلام کہیں،

یا محمد کہیں تو میں ان کو جواب بھی دوں گا۔

حضرت عیسیٰ کی روحانیت اتنی اونچی ہوگی کہ آپ جب چاہیں حضورؐ سے مسئلہ پوچھ لیا کریں گے۔

امام سیوطیؒ نے حافظ ابن عساکرؒ کی یہ روایت بھی نقل کی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:-

فليس لکن فحج الروحاء حاجا ومعتبرا فليقتن على قبري فليسلمن
علي ولا ردن عليه۔

ترجمہ۔ حضرت عیسیٰ روحانہ کے رستے حج یا عمرے پر چلیں گے اور میری قبر پر
بھی ضرور ٹھہریں گے اور مجھ پر سلام کریں گے اور میں آپ پر سلام
دناؤں گا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ فحج روحانہ سے حج یا عمرے کا احرام باندھیں گے۔
لیہلن ابن مریم فحج الروحاء حاجا ومعتبرا اولیٰ شہیدانہ

ترجمہ۔ حضرت عیسیٰ فحج روحانہ کے مقام سے حج یا عمرے کا احرام باندھیں
گے، تلبیہ پکاریں گے یا دونوں کا قرآن کریں گے۔

اس ملاقات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی دنیوی زندگی میں ہوں گے اور حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم اپنی برزخی زندگی میں۔ البتہ لیلۃ الاسرار کی ملاقات میں یہ دونوں حضرات
اپنی دنیوی زندگی میں تھے۔ اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اس رات شرف
صحابیت بھی پاگئے۔ کیونکہ صحابی وہ ہے جس نے اپنی دنیوی زندگی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کو جب کہ آپ بھی اپنی یہاں کی زندگی میں تھے، ایمان کی حالت میں بیداری میں دیکھا ہو
اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لیلۃ الاسرار میں حضورؐ کو دیکھا تھا۔ مگر آپ
چونکہ پھر اپنے آسمانی سفر پر چلے گئے اس لیے زمین پر افضل الصحابہ کا درجہ حضرت ابو بکر صدیقؓ
کا ہی رہا۔

نوٹ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو اس وقت بھی وہ اللہ کے رسول ہوں گے
اللہ تعالیٰ کسی کو اعزاز دے کر اس سے اسے پھینتے نہیں۔ ہاں اس وقت ان کی رسالت یہاں
نافذ نہ ہوگی کیونکہ یہ دور دور محمدی ہے اور قانون شریعت محمدی — حضرت عیسیٰ علیہ السلام
خود اسی شریعت پر عمل پیرا ہوں گے۔

آپ پر انتظامی امور میں ترکیبی وحی آئے گی لیکن وحی شریعت جس کو دینی طور پر
قانونی حیثیت حاصل ہو کہ اس کا ماننا فرض ہو اور اس کا انکار کفر ہو گو اس میں کوئی نیا دینی
حکم نہ ہو نہ آئے گی۔ یہ مسئلہ وحی منقطع ہو چکا اور دین کامل ہو چکا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ ملاقاتیں جو پہلے انبیاء اور حضور خاتم الانبیاء سے ہوں گی اور
حضور ان کے سلام کا جواب دیں گے۔ اس سے اس بات کا پتہ ملتا ہے کہ ان حضرات قدسیہ
کی برزخی زندگی کی کچھ عجکیاں قیامت تک اس دنیا میں ظاہر ہوتی رہیں گی — لیکن کب؟
جب اللہ چاہے ان کی دنیوی زندگی بالمعنی المتبادر یہاں نہیں ہے۔

یہ صرف حقیقہ کا ہی موقف نہیں۔ فقہ شافعی کے حلیل القدر امام علامہ یوسف الارودی جی ۲
۴۰ فقہ شافعی کی مشہور کتاب، کتاب الایثار لا اعمال البرار میں لکھتے ہیں۔

وكان صلى الله عليه وسلم يؤخذ عن الدنيا عند تلقى الوحي ولا تسقط
عنه الصلوة وغيرها ومن يراه في المنام فقد رآه حقاً ولكن لا يجب
العمل بما يسمعه الراى منه لعدم ضبطه و يخاطب بعد الموت بقول
السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته لان الانبياء احياء في
قبورهم يصلون و يحجون كما ورد به

جب برزخِ موطنِ دنیوی میں سے ہے تو عالمِ برزخ میں انبیاء علیہم السلام کا سداۓ
عمل باقی ہے اور جس طرح شہداء کی ارواح ہنر پرندوں کے قالب میں آسمانوں کی پرواز کرتی
ہیں۔ انبیاء کرام کا آسمانوں پر جانا جیسا کہ وہ وہاں معراج کی رات حضور سے ملے کوئی امر بعید
نہیں ہے۔ اجسام لطافت میں ارواح کے درجے میں آجائیں تو یہ بھی کوئی امر مستبعد نہیں
اکابر علماء نے دین کو جس پیرائے میں ہم تک نقل کیا ہے، اگر کرامیہ ان سے پورا اتفاق نہیں
کرسکتے تو کم از کم اس عظیم سلسلہ اسلاف سے استہزاء کا پیرایہ بھی تو اختیار نہ کریں۔ کاش!
ہماری یہ صدا ان کے کانوں کے پردوں سے نیچے اتر کر ان کی دل کی کھڑکی پر دستک دے
سکے۔ لیکن ضروری ہے کہ دل زندہ ہو یا وہ کان اس طرف لگا دیں۔ لمن کلن له قلب او
القی السمع وهو شهید۔

ان اعمال کو جو ان حضرات کے عالمِ برزخ میں جلدی ہیں، ہم دنیوی حیات کا باقی
حصہ کیوں کہہ رہے ہیں؟ یہ اس لیے کہ ان اعمال سے ان کا ارتقاء رکا نہیں۔ اس جہت سے
قبر کی برزخی منزلِ موطنِ دنیوی میں سے ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں:-
برزخ صغر لے چوں از یک وجہ از موطنِ دنیوی است گنجائش ترقی دارد
واحوال این وطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد الانبیاء یصلون
فی القبر شنیدہ باشند و حضرت پیغمبر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام شب
معراج چوں بر قبر حضرت کلیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام گزشتند دیدند
کہ در قبر نمازے گزارد۔

ترجمہ: برزخ صغریٰ ایک چھوٹا موطنِ دنیوی ہے یہ اس طرح کہ اس میں اعمال میں ترقی کی گنجائش ہے اور برزخ کے
مقام مختلف جوں کے لوگوں میں بہت تفاوت کھتے ہیں آپؐ مدینہ الانبیاء احياء یصلون فی القبر میں بھی اور ہمارے نبی
صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات جب سگئے علیہ السلام کی قبر کے پاس گئے تو انہیں اپنی قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

ہائے ہم کس کے سامنے یہ داغِ دل لے جائیں کہ ہم جب کوئی مضمون کسی حدیث سے بیان کریں تو کرامی حضرات منکرینِ حدیث کے اندازِ گفتگو پر آجاتے ہیں کہنے لگتے ہیں قرآن کریم عبادت کی آخری حد موت قرار دیتا ہے۔ واعبد ربك حتى ياتيك اليقين (پ ۴، حجر آیت ۹۹) تو تم قرآن کے مقابلے میں احادیث پیش کتے ہو؟

قرآن کریم نے مکلف کی حیثیت میں عبادت کی آخری حد موت بتائی ہے اور عالمِ نبیخ کی یہ عبادات تکلیفی نہیں یہ حضرات انبیاء تلذذاً مصروفِ عبادت رہتے ہیں اور ان کی اس عبادت میں بھی ایک شانِ ارتقائی ہے۔ یہ قربِ عالمِ خلق کے قبیل سے ہے۔ قربِ عالمِ امر محض اس کا ایک سایہ ہے۔ ہم ان شاء اللہ العزیز اس پر کچھ آگے چل کر بحث کریں گے۔ اگر عبادت صرف موت تک کے لیے ہے تو پھر یہ جنت میں یادِ الہی کی صدائیں کیوں اٹھ رہی ہیں؟

قرآن پاک سے جنت میں یادِ الہی کا ثبوت

وقالوا الحمد لله الذي هدانا لهذا۔ (پ ۱، الاعراف: ع ۵، آیت ۴۳)

ترجمہ۔ اور وہ کہیں گے تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے ہمیں ادھر ہدایت بخشنی۔

وقالوا الحمد لله الذي صدقنا وعده وادرننا الارض (پ ۱، زمر: آیت ۴،)

ترجمہ۔ بے تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے اپنا وعدہ ہم پر پورا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث کیا۔

وله الحمد في الآخرة۔ (پ ۱، السبا: ع ۱۰، آیت ۱)

ترجمہ۔ اور اسی ذات کے لیے آخرت میں حمد ہے۔

دعواهم فيها سبحانك اللهم۔ (پ ۱، یونس: ع ۱، آیت ۱۰)

ترجمہ۔ اُن کی پکارِ جنت میں ہو گی سبحانک اللہم وبحمدک۔

وقيل الحمد لله رب العالمين۔ (پ ۱، زمر: ع ۸، آیت ۵،)

ترجمہ۔ اور وہاں آواز سنی جائے گی الحمد لله رب العالمين۔

یہ آیات پتہ دے رہی ہیں کہ وہ محمد باری کی صدائیں ہوں گی یا دِالہی کے نغمے ہوں گے وہ جہاں عالم تکلیف نہیں لیکن عالم لذت ضرورت ہے اور مقربین ایزدی وہاں بھی قرب الہی کی لذت پاتے ہیں۔

اگر وہاں سبحانک اللہم بھی پڑھیں الحمد للہ رب العالمین بھی پڑھیں سحیاتِ سلام بھی ہوں تو کیا نمازیں وہاں ذوقِ عبادت کے لیے نہیں پڑھی جاسکتیں
حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضورؐ سے نقل کرتے ہیں کہ وہاں اہل جنت کو الہاماً تسبیح و تحمید پر لگایا جائے گا۔

یلهمون التسبیح والتحمید

ترجمہ۔ ان کے دل میں یہ بات ڈال دی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کریں۔
عالم برزخ کے اعمال تکلیفی نہیں یہ قرب الہی میں مزید سبقت کے لیے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں امت کے لیے استغفار بھی جاری ہے۔

حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من سئی استغفرت اللہ لکم

ترجمہ میری زندگی بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور میری موت بھی تمہارے لیے بہتر ہے
مجھ پر تمہارے اعمال پیش کئے جلتے ہیں جو اچھے ہوں۔ ان پر میں حمد باری بجاتا ہوں
جو بُرے ہوں۔ ان پر میں اللہ کے حضور استغفار کرتا ہوں۔

معلوم ہوا آپ کی وفات ایک امر آئی نہیں بلکہ ایک پورا مہلک ہے جس میں آپ کے اعمال جاری ہیں۔

یہاں سلام کہنا سنت ہے جواب دینا واجب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زائرین کے

سلام کا جواب دیتے ہیں تو یہ وجوہاً نہیں۔ امت پر شفقت اور رحمت کے لیے ہے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ آپ بعد وفات میت نہیں برابر امت کے لیے دعائیں فرماتے ہیں۔

انبیاء کے اعمال باقی ہیں اور املاک بھی باقی

انسان کے تصرف میں یا اس کا بدن ہے یا مال ہو۔ اس پر بدنی اور مالی دونوں قسم کی عبادت فرض کی گئی۔ موت پر انبیاء کے بدن محفوظ رکھے گئے تو موت پر ان کے اموال بھی آگے تقسیم نہ ہوئے محض وہ ہیں اور ان کا تصرف وہی رہا جو ان کی زندگی میں ان اموال کا ہونا تھا۔ جس طرح کوئی انسان اپنی زندگی میں مال صدقہ کرے تو وہ اس کے اپنے نامہ اعمال میں سے ہے۔ پیغمبروں کا مال ان کے اس دنیا سے جانے کے بعد صدقہ کیا جائے تو وہ ان کا اپنا صدقہ شمار ہوگا۔ کیونکہ ان کا سلسلہ عمل اس جہان سے کٹا نہیں۔ پس اس درجے تک ان کے اموال ان کی اپنی ملک پر ہی باقی رہیں گے۔

جب ان کے اموال باوجود وفات کے ان کی ملک پر باقی رہیں گے تو اگر ان کا ملک یمین (باندیاں) باقی ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی بھی نہ تو ریث ہوگی نہ تملیک۔ ان کی ازواج ہوں تو ان کی زوجیت قائم رہے گی۔ عدت وفات سے ان کے نکاح کا خاتمہ نہ ہوگا۔ اس پر حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام حیات کو حکیم الامت حضرت مولانا مہاراجی کے الفاظ میں پڑھیے:-

آپ زندہ ہیں اور آپ کی حیات بہت قوی ہے جو کہ دوسروں کو حاصل نہیں ان کی حیات ایسی قوی ہے کہ ان کی بیبیوں سے نکاح کرنا بعد ان کی وفات کے بھی جائز نہیں۔ جیسے کسی زندہ خاوند کی بیوی سے نکاح جائز نہیں اور سب کی بیبیوں سے بعد خاوند کی وفات کے شادی کرنا جائز ہے حتیٰ کہ شہداء جن

لہ لاعدۃ علی ازواجہ لانہ حتیٰ فترق جہن بائینہ (ترغافانی علی الموابہ جلد ۵ ص ۳۳) لا عددۃ علیہن لانہ صلی اللہ علیہن وسلم حتیٰ فی قبرہ وکذلک سائر الانبیاء (مرقات جلد ۱ ص ۱۵۹)

کی حیات بعد شہید ہونے کے اوقات مومنین سے قوی ہوتی ہے کہ ان کے بدن کو زمین نہیں کھا سکتی۔ مگر ان کی بھی بیبیوں سے بعد مریانے کے نکاح جائز ہے معلوم ہو کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداء کی حیات سے قوی تر ہے۔ حدیث ابن ماجہ میں ہے ان بنی اللہ حیا ینزق ۛ

یہ نکاح اس لیے ناجائز نہیں کہ وہ اُمت کی مائیں ہیں۔ مائیں ہونا حقیقی نہیں یہ ان کا اعزاز اور احترام ہے ورنہ ازدواج مطہرات پر اپنے روحانی فرزندوں سے پردہ کرنا واجب نہ ہوتا۔ — حالانکہ انہوں نے تاحیات احوال امت سے پردہ کیا ہے۔ سو اس بات کو عدم نکاح کی علت نہیں بنایا جاسکتا۔ صحیح بات یہ ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح سے نہیں نکلیں۔ آپ کی وفات اور ان کی وفات جیسی نہیں۔ — آپ شہداء سے نہایت اعلیٰ درجہ کی حیات سے زندہ ہیں۔ اس کی تفصیلی بحث انشاء اللہ ہم آگے جا کر حیات انبیاء میں کریں گے۔ انبیاء کے بزخی اعمال اور ان کی بزخی سیر کی ایک جھلک آپ کے سامنے آچکی ہے اب ایک سوال یہ ابھر رہا ہے کہ سیر کا درجہ جو ازدواج شہداء اور کئی دوسرے مومنین کو آسمان پر حاصل ہے کیا اس کی آہٹ کبھی زمین پر سُنی جاتی ہے؟

حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں :-

جمعہ کے دن مومنین کی روحیں اُن کی قبروں کے قریب آتی ہیں ۛ

حافظ ابن قیمؒ (۷۵۸ھ) بھی اقتضای الصراط المستقیم میں لکھتے ہیں :-

جب کوئی مسلمان کسی شہید یا کسی دوسرے مومن کی زیارت کرتا تو اسے وہ روحیں پہچان لیتی ہیں۔

اس پر علامہ سہروردیؒ (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں :-

جب احوال مومنین کا یہ حال ہے تو سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کیا حال ہوگا ۛ

حیات شہداء کی بھی برحق ہے اور انبیاء کی بھی — برزخ میں دونوں کے اعمال طاعت جاری ہیں۔ وہاں کے مناسب حال رزق بھی دونوں کو ملتا ہے اور سیر کے مواقع بھی دونوں کو دیئے جاتے ہیں۔ ہاں شہداء کے اطلاق ان کی ملک میں نہیں رہتے اور انبیاء کی حیات ان سے بھی قوی ہے ان کے اطلاق ان کی ملکیت سے نہیں نکلتے۔

انفال روح سے جسد مدفون میں حیات کیسے مانی جاسکتی ہے؟ حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ لکھتے ہیں:-

ليس المراد بالحي فمهنا ما يعاد فيه الروح ويصدر عنه الافعال الاختيارية بل ما يدركه لذة واللذة فاذا خلق الله فيه ادراكا..... يكون حيا لا جهادا. ١٥

ترجمہ یہاں زندہ ایسا زندہ ملو نہیں جس میں روح (کاملہ) لٹائی گئی ہو اور اس کے افعال اختیاریہ صادر ہوتے ہیں بلکہ ایسی زندگی ملے جس میں وہ قبر کی تکلیف یا راحت قبر پاکسے۔ سوجب خدا تعالیٰ نے اس میں اتنا ادراک پیدا کر دیا تو اب یہ جسد محض جہاد نہیں ہو گا زندہ ہو گا (گو کسی درجے میں زندہ ہو)۔

بات صرف بطور جواب کہی گئی ہے۔ معتزلہ خبر واحد کی حجیت کے قائل نہ تھے اور حدیث براہ بن عازبؓ کو علماء اہل سنت کے ہاں تو اثر کو پہنچ چکی تھی۔ تاہم اس کے تو اثر پر بحث مسئلے کو اور طوالت میں ڈالتی۔ تمسکین نے اعادۂ روح کی بجائے انفال روح کا موقف اختیار کر لیا اور معتزلہ پر حجت تمام کر دی۔ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ پر ہارڈی لکھتے ہیں یہ موقف صرف معتزلہ کے جواب میں اختیار کیا گیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:-

هذا جواب اشكال اورداه المستزله. ١٥

ترجمہ۔ یہ ایک اشکال کا جواب ہے جو معتزلہ پیش کرتے ہیں (یہ صورت جواب الزام ہے)۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں :-

بسیارے اندازِ شاعرہ و خفیفہ و راعادہ روح تردد کردہ اند و تلامزم روح و حیات
را منع نموده ۔

ترجمہ بہت سے اشاعرہ اور خفیفہ بھی روح کے میت میں لوٹنے میں تردد کرتے ہیں اور
اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ زندہ ہونے کے لیے روح کا عود کرنا ضروری ہے۔

اعادۂ روح کی بحث اور یہ تفصیل کہ یہ اعادۂ کامل نہیں یہ مباحث آپ کے سامنے آچکے
یہ اعادۂ مستمہ نہیں، اتنا ہے کہ الم ولذت کا ادراک ہوتا رہے اس پر بھی تصریحات موجود ہیں
اب ہم صرف اس تعارض کو اٹھانا چاہتے ہیں جو بعض ذہنوں میں حدیثِ اعادۂ روح کے خلاف
پایا جاتا ہے۔

قرآن کریم پکے الزمر آیت ۴۲ میں ہے :-

اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا فیمسک التی

فقتنی علیہا الموت ویں سل الاخری الی اجل مسمی۔

ترجمہ، اللہ کھینچ لیتا ہے جانوں کو جب وقت ہوان کے مرنے کا اور جو نہ مریں

ان کی کھینچتا ہے ان کی نیند میں پھر روک لیتا ہے ان کو جن کا مرنے کا ٹھہرایا اور

دوسروں کی بھیج دیتا ہے ایک وقت مقرر تک۔

اس سے پتہ چلا اللہ تعالیٰ موت اور نیند دونوں میں روح قبض کر لے موت والے

کی روک رکھتا ہے اور نیند والے کی واپس بھیج دیتا ہے۔ موت والے کا تعلق بدن سے کٹ

جاتا ہے مگر نیند والے کی روح بدن پر برابر اثر ڈالتی ہے جس سے اس کی سانس چلتی ہے اور

نبضیں اچھلتی ہیں۔

پس موت کے لیے دو چیزیں لازم ہوتی ہیں۔ ۱۔ روح کا بدن سے نکلنا اور ۲۔ آثارِ حیات

کا باقی نہ رہنا۔ نیند والے سے آثارِ حیات منقطع نہیں ہوتے اور روح کے واپس آنے پر وہ پھر زندہ ہو جاتا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:-

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بنوری نے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے مگر اس کا مخصوص تعلق بدن سے بذریعہ شعاع کے قائم رہتا ہے جس سے حیات باطل ہونے نہیں پاتی جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے۔

اگر کسی کی روح بدن سے اس طرح نکلے کہ پھر وہ اس دنیا میں اس بدن میں نہ لوٹے مگر اس کے آثار اس بدن سے گھنٹوں کے طویل فاصلوں کے باوجود منقطع نہ ہوں تو یہ ایک جہدی قسم کی موت ہوگی کہ موت آئی روح بدن سے جدا ہوئی مگر آثارِ حیات کچھ باقی رہے تو اس کے بارے میں کہا جاسکے گا میت ہونے کا وعدہ بھی پورا ہو گیا اور حیات کلیۃً زائل بھی ہوئی اس پر ہم انشاء اللہ آگے بحث کریں گے۔

یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ روح نیند کے وقت بھی نکلتی ہے اور موت کے وقت بھی نیند والی واپس بھیج دی جاتی ہے اور موت والی کو اللہ تعالیٰ روکے رکھتے ہیں۔ یہ امساک کب تک رہتا ہے؟ یہ بات غور طلب ہے۔

استدلال معتزلہ

معتزلہ کہتے ہیں یہ امساک (روح کا بدن سے روکے رکھنا) قیامت تک کے لیے ہے۔ سو قبر میں تقاد الی جسدہ (اعادہ روح) کی روایت اس آیت کے خلاف ہے۔ اس تعارض میں قرآن پاک کو ترجیح حاصل ہوگی۔ کرامیہ اور ظاہریہ بھی اس میں معتزلہ کے ساتھ ہیں۔

جواب اہل سنت

① — قرآن کریم میں قبض روح کا جو بیان اس آیت میں دیا گیا ہے وہ اس عالم (دنیا) کے اعتبار سے ہے۔ امساک (موت والے کی روح روکے رکھنا) اور ارسال (نیزد والے کی کچھ دیر بعد چھوڑ دینا) دونوں اسی جہان کے عمل ہیں۔ جہاں ارسال کا تحقق ہوتا ہے وہیں تک امساک کی مدت ہے۔ یہ حالتیں اسی دنیا کی ہیں قبر میں روح کا لوٹنا یہ عالم برزخ کے حالات میں سے ہے دنیا کے حالات میں سے نہیں۔

عالم آخرت میں روح کا بدن میں لوٹنا تو کرامیہ کے ہاں بھی مستمم ہے۔ سو امساک اُن کے ہاں بھی ہمیشہ کے لیے نہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ امساک قیامت پر ختم کرتے ہیں اور اہل سنت اسے دفن پر ختم سمجھتے ہیں — پھر قبر میں روح و بدن کا یہ تعلق صرف موال و جواب تک رہے گا یا مستمر (دائمی طور پر) اس میں بھی تفصیل ہے۔

② — موت والے کی روح کو بدن سے صرف اس انداز میں روکا جاتا ہے کہ وہ بدن میں کوئی تصرف کرے۔ موت سے روح کا بدن سے تعلق تصرف کُلّی ہے اور اسے وہ زندگی نہیں ملتی جو اگلی ہے اس دنیا میں حاصل تھی۔ قبر میں اگر روح کا اس انداز میں اعادہ مان لیا جائے جس سے روح کو بدن میں تصرف اور اختیار حاصل نہ ہو تو اس سے آیت مذکورہ سے ٹکراؤ لازم نہیں آتا۔ یہاں امساک صرف تعلق تصرف کا ہے اور یہ اہل سنت کے عقیدہ حیات قبر کے خلاف نہیں۔ حضرت علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:۔

ای یقبضہا عن الابد ان بان یقطع تعلّقها تعلق التصرف فیہا عنہا۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ روح کو بدنوں سے قبض کرتا ہے بایں طہر کہ اسرار کا ابدان سے تعلق تصرف قطع کر دیتا ہے کہ اس حیات میں غذا اور تغذیہ و تنہیہ کی صورت نہیں ہوتی۔

حضرت مولانا مہمانیؒ (۱۳۶۳ھ) بھی لکھتے ہیں۔

ان جانوں کو تو تصرف فی الابدان کی طرف عود کرنے سے روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو جو کہ نوم میں معطل ہو گئیں تھیں اور ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا ایک میعاد معین تک کے لیے رہا کر دیتا ہے کہ جاگ کر پھر بدستور ابدان میں تصرف کرنے لگتی ہیں۔

اس تشریح سے اس آیت میں اور حدیث اغاۃ روح بہ بدن میں کوئی تعارض نہیں رہتا۔ اس حدیث کو جمہور علماء اسلام نے پورے یقین سے قبول کیا ہے اور حق یہ ہے کہ یہ تواتر کے درجے کو پہنچتی ہے۔

حافظ ابن قیمؒ (۵۱۱ھ) لکھتے ہیں۔

فامساکہ سبحانہ التی قضی علیہ الموت لا ینافی ردھا الی جسدھا
المیت فی وقت ماردًا عارضًا لا یوجب لہ الحیوة المعہودۃ فی الدنیا
واذا کان النائم روحہ فی جسدہ وهو حی و حیاتیہ غیر حیات المستیقظ
فان النوم شقیق الموت فہکذا المیت اذا اعيدت روحہ الی بدنہ
کحال النائم المتوسطة بین الحی والمیت فتامل هذا یریح عنک اشکالات
کثیرة۔

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کا اس روح کو روکے رکھنا جس کے بارے میں موت کا فیصلہ تھا۔ اس کے کسی وقت اس جسد میت کی طرف لوٹانے کے متافی نہیں۔ بشرطیکہ یہ لوٹنا اس کی اس دنیا میں وہ زندگی لازم نہ کرے جو اسے یہاں پہلے حاصل تھی۔ اور جب سوئے ہوئے کی روح باوجودیکہ اس کے جسد میں ہوتی ہے مگر اس کی زندگی جاگنے والے کی زندگی جیسی نہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ نیند موت کی

بہن ہے سو میت کی طرف جب روح اس کے بدن میں ٹوٹا جاتی جائے تو اس کا
حال سونے والے کی طرح ہو جاتا ہے جو زندہ اور مردہ کے ایک درمیان کی منزل
ہے۔ — اس پر غور کرو یہ (انشاء اللہ العزیز) تمہارے بہت سے شکالات
زائل کر دے گا۔

روح و بدن کے ہر تعلق کو ان کے دنیا کے سے تعلق کو لازم سمجھنا ہرگز صحیح نہیں۔

یہ صحیح ہے کہ ہمارے کرامی دوستوں کی اصل مخالفت ان عام گڑھوں سے نہیں جن میں
یہ عام اموات دفن ہوتے ہیں۔ ان کی اصل ضد انبیاء کی قبور سے ہے۔ ان کے مزارات کو جہاں تاہین
حاضری دیتے ہیں یہ کسی درجے میں روح و جنت ماننے کے لیے تیار نہیں۔

حدیث میں جس طرح مومن کی قبر کے لئے روضۃ من ریاض الجنۃ کے الفاظ وارد ہیں
حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر (جو مدینہ منورہ کے حرم نبوی میں ہے) اور آپ کی قبر تک
کے فاصلے کو بھی ریاض الجنۃ کہا گیا ہے۔ حاجی صاحبان سے پوچھئے وہ کس قدر جدوجہد اور جوش
و دلولہ سے مسجد نبوی میں ریاض الجنۃ کی جگہ تلاش کرتے ہیں۔ اگر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی قبر نہیں وہ عالم بالا میں کی اور مقام پر ہے تو یہ ریاض الجنۃ یہاں کیسے آگیا۔ — جب یہ
بقعہ مبارکہ واقعی ریاض الجنۃ ہے تو یہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری قبر ہے یہی حضور کی حقیقی
قبر ہے۔ — اگر یہ حضور کی حقیقی قبر نہ ہوتی تو حضرت عمرؓ کبھی گنبد خضریٰ میں دفن ہونے کی خواہش نہ
کرتے۔ یہی وہ قبر ہے جس کی مٹی روئے زمین کے تمام بقاع سے برتر و افضل ہے اور یہی وہ
جگہ ہے کہ پوری کائنات میں کوئی جگہ اس کی برابری نہیں کر سکتی۔

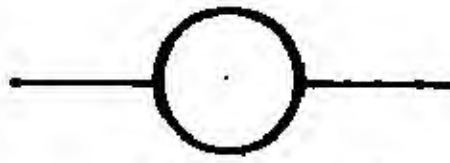
قبر کی وسعت و فسحت کو اس ظاہری قبر سے کلیتہً جدا رکھنا اور من وجہ بھی اس ظاہری قبر سے
مقتل نہ ہونے دنیا یہ ایک اصولی غلطی ہے اور مفہوم قبر نہ جاننے کی وجہ سے ہے دعا کیجئے اللہ
تعالیٰ حق سمجھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

اب ہم کچھ قبر کی حقیقت عرض کرتے ہیں لیکن پہلے مقبرہ کے انکار پر ایک نوٹ ملاحظہ فرمائیں۔

مقبرہ کی ظاہری قبر سے گریز پائی

جب ہمارے دوستوں کو ان حقائق سے بھاگنے کی کوئی راہ نہیں ملتی تو اقرار کر لیتے ہیں کہ میت کی قبر میں بزرخی زندگی برحق ہے اور اس پر الم و راحت کی کیفیات بھی حق ہیں لیکن قبر سے مراد یہ گڑھا نہیں جو دفن میت کے لیے یہاں کھودا جاتا ہے۔ یہ کوئی عالم بزرخ کا مقبرہ ہے یہاں کوئی نہیں جانتا کہ کس کی قبر کہاں ہے۔ سو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حیات فی القبر کی بحث میں مفہوم قبر پر بھی کچھ عرض کر دیا جائے۔

فقہاء اور محدثین علم دین کے امین ہیں اور متکلمین اسلام اس کے پہرہ دار۔ متکلمین جب کوئی بات کہتے ہیں تو کسی اعتراض کا جواب دینے کے لیے یا مخالف کا منہ بند کرنے کے لیے۔ اثبات شریعت کے لیے فقہاء و محدثین ہی امت کے امنا ہیں۔ ہم کوشش کریں گے کہ اولاً قبر کا مفہوم قرآن و حدیث کے اطلاقات سے پیش کریں اور اس بات کو سامنے رکھیں کہ اس باب میں نعیم قبر پر یا عذاب قبر پر مسلک محدثین کیا ہے اور وہی برحق ہے اس ظاہری معنی پر عقلاً ایک اعتراض واقع ہوتا تھا وہ یہ کہ جن اموات کو یہ گڑھے کی صورت میں قبر نہیں ملتی یا یہ کہ وہ ہوا میں بکھر جائیں ان کے ساتھ وہ معاملات جو شریعت نے اموات کے ساتھ ہونے والے بتانے ہیں کیسے پورے ہوں گے؟ اس کا جواب دینے کے لیے متکلمین اٹھے اور انہوں نے اس گڑھے کی صورت کے علاوہ قبر کی ایک اور صورت بھی تجویز کر دی۔ قبر کی یہ دوسری صورت پہلی صورت سے کوئی ٹکراؤ نہ تھا۔ اس کے ایک پردے کی پہلو کی خبر مزید تھی۔ افسوس کہ نادان دوستوں نے اسے ایک ٹکراؤ سمجھ لیا اور محدثین کے مقابلہ میں متکلمین کو ایک نئے مسلک کی صورت میں سامنے لے آئے اور ایک مسلک نہیں مسلک العلماء کے مدعی ہوئے۔ حالانکہ ان میں کوئی ٹکراؤ نہ تھا۔ قبر کا ایک باطنی پھیلاؤ تھا جسے مقبرہ اور کرامیہ کو لا جواب کرنے کے لیے پیش کیا گیا۔ افسوس کہ ہمارے یہ دوست اسے سمجھ نہ سکے۔



قرآن کریم میں مسئلہ حیات انبیاء کے کئی اقتضار موجود ہیں۔

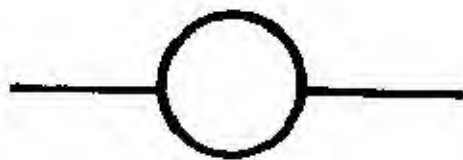
۱۔ واسئل من رسلنا من قبلک من سلنا ربنا انور اولقد اتینا موسیٰ الکتاب فلا یکن فی یری من لعلہ ربنا (مکہ)

۲۔ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ سوات ربنا البقرہ ۴۔ بل احوار عند ربهم یوفون ربنا آل عمران

یہ آیات گواہی دیتی ہیں کہ انبیاء کی حیات بعد از موت ہے۔

پانچ باتیں معلوم ہوئیں :-

- ① قرآن کریم کی رو سے انبیاء کرام حالاً زندہ ہیں یہ مسئلہ دلالت انفس سے ثابت ہے
- ② انبیاء کرام کو حالاً زندہ ماننا ایمانیات میں سے ہے۔ اتنا ایمان رکھنا کہ وہ زندہ ہیں اہل سنت ہونے کے لیے کافی ہے
- ③ انبیاء کی یہ حیات بعد الوفا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں وفات آنے کے سبب علم حق قائل گزرے ہیں۔
- ④ جن علماء نے قرآن سے حیات الانبیاء ثابت کی ان کے لیے دعا ہے زادہم اللہ شرفاً ان علماء حق کا یہ شرف علمی ہے۔
- ⑤ ہمیں اس زندگی کا شعور نہیں لا شعورون (نہ کہ ان کے لیے پرندوں کی سی زندگی پر غور کریں۔



قبر کی حقیقت

الحمد لله وسلام علی عباده الذین اصطفى اما بعد :-

قبر کا شریعت نے اس کی دلالت لغوی کے وراء کوئی علیحدہ مفہوم متقرر نہیں کیا۔ یہ تو بتایا کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل ہے۔ لیکن یہ اسی گڑھے کو کہا جس میں میت اتاری جاتی ہے۔

ہاں شریعت نے اس کی ایک وسعت و منحت بتائی جو اس دنیا سے پردہ غیب میں ہے۔ سو اس سے اس ظاہری گڑھے کا قبر نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ قبر کا ایک کنارہ تو ہمارے سامنے ہے اور دوسرا خدا ہی جلنے غیب کے پردوں میں کہاں تک وسیع یا تنگ ہے۔ اگر میت کی پسلیاں اس میں آپس میں ٹکرائیں تو یہ قبر اس میت پر تنگ ہو چکی۔ ورنہ یہی گڑھا عالم غیب میں ایک پورا باغ ہے۔ تاہم یہ کسی طرح صحیح نہیں کہ اس قبر کو کہا جائے کہ شرعاً یہ قبر نہیں ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں قبر کچھ اور ہے۔ صحیح یہ ہے کہ قبر کا دونوں سے تعلق ہے اس دنیا سے بھی اور برزخ سے بھی۔

۱۔ رواہ ابن ماجہ ص ۳۸۵ ۲۔ فیقال للارض التي عليه فتختلف اضلاعها فلا يزال فيها معذباً حتى يبعثه الله من مضجعه ذلك رواہ الترمذی جلد ۱ ص ۱۲۶ ۳۔ القبر روضة من رياض الجنة او حفرة من حفرة النيران ۴۔ حضرت شیخ محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ والمراد بالعتبر عالم البرزخ وهو عالم بين الدنيا والآخرة له تعلق بكل منهما ۵۔ تنقيح اللغات جلد ۱ ص ۱۸۹ ۶۔ قبر عالم برزخ است کہ واسطہ است میان دنیا و آخرت و تعلق دارد بہر دو مقام نہ اس گمئی کہ مردہ را دروگہ رکند۔ (اشعۃ اللغات جلد ۱ ص ۱۸۹) قبر ایک درمیانی جہان ہے جو دنیا اور آخرت کے مابین ہے اور اس کا دنیا سے بھی تعلق ہے اس گڑھے سے جس میں میت کو

صلوٰۃ (نماز) ایک لغوی معنی ہیں اور ایک اس کی شرعی حقیقت ہے۔ زکوٰۃ کے ایک لفظی معنی ہیں اور اس کی ایک شرعی حقیقت ہے۔ حج ایک لفظی معنی ہیں اور اس کی ایک شرعی حقیقت ہے۔ پھر شرعی مخاطب میں بھی اسی طرح حقیقت و مجاز کے دائرے ہیں جس طرح لغوی مخاطب میں حقیقت لغوی اور مجاز لغوی کی معرکہ آرائی ہے۔ لیکن قبر کی کوئی علیحدہ شرعی اصطلاح نہیں قبر وہی ہے جسے سب قبر کہتے ہیں۔ ہاں اس کی وسعت و فصاحت اور اس کے عجائب و کوائف کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ میت کی روح جہاں بھی ہو اس کا اس گڑھے کے مدفن یا اس کے ذرات منتشرہ سے اشراق و اشراق کا کوئی لطیف رابطہ ضرور ہوتا ہے۔

قرآن و حدیث میں قبر کے کہا گیا ہے؟ یہی جو گڑھا ہر ایک کو سامنے نظر آتا ہے۔ بلنگوں کی طرح دور کے چکر دینا۔ دور۔ دور۔ کہ معلوم نہیں قبر کہاں کی کہاں ہے۔ یہ بات باطنی فرقے کے لوگوں کو تو چھٹی ہے۔ اہل علم کے لیے یہ زیبا نہیں کہ قرآن و حدیث کے عام اطلاعات کو چھوڑ کر خود غیب کے پردوں میں کھوجائیں۔ جب شریعت نے قبر کی وسعت و فصاحت کے بارے میں برزخی حقیقت کو پورا تحفظ دیا ہے تو اس بحث میں علماء صادقین کو ملنگ بننے

دفن کرتے ہیں اور اس جہان سے بھی۔ جہاں تک قبر کا پھیلاؤ ہے۔ یہی نہ سمجھو کہ یہ صرف اسی گڑھے کا نام ہے جس میں میت کو دفن کرتے ہیں۔ کئی میتیں تو ذرات میں بکھری ہیں ان کی قبر وہی ہے جہاں ان کے بدن کے اجزائے اصلیہ آپس میں مرتبط ہوتے ہوں اس کا برزخی کنارہ اور سر ہے سو عالم برزخ دنیا اور آخرت دونوں سے مرتبط ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں تو یہ تعبیر صرف ان مردوں کے لیے اختیار کی جاتی ہے جنہیں کسی جگہ دفن نہیں کیا جاسکا۔ اس میں اس پر متنبہ کرنا ہوتا ہے کہ اس کی بھی قبر ہے اور اس سے سوال و جواب اور نصیم و مذاب اسی غیر محسوس قبر میں ہوگا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ لیس المراد بہ المحفرة التي يدفن فيه الميت قرب ميت لا يدفن كالفریق والمحروق والماسکول فی بطن الحيوانات یعذب وینعم۔ (تنقیح المعانی جلد ۱ ص ۱۸۹)

کی کیا ضرورت ہے۔

آئیے اب قرآن و حدیث کی روشنی میں مفہوم قبر متعین کریں اور تلاش کریں کہ یہ لفظ کبھی کہیں کسی اور عیب کی دادی پر بھی بولا گیا ہے۔

قرآن کریم میں ایک آنیوالے وقت کی خبر دی گئی ہے — فرمایا۔

اذا القبور بعثت۔ (نپ: الانفطار آیت ۴)

جب قبریں کُردی جائیں گی اور اندر سے باہر آنے والی ہر جان جان لے گی۔ اس نے کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے تھوڑا۔

مردے قبریں کھلنے سے پہلے زندہ ہوں گے یا کھلنے کے بعد۔ یہ بات بحث طلب ہے لیکن یہ بات یقینی ہے کہ قبروں سے مراد یہی گڑھے ہیں اور انہی گڑھوں سے مردے زندہ کر کے نکالے جائیں گے اور جو چیز زمین کی تہہ میں ہے اُپر آجائے گی۔ سب قبریں زیر و زبر کُردی جائیں گی۔

یہ قبریں کیا عالم غیب کی کسی دادی کا نام ہے یا انہیں گڑھوں کا جنہیں آنکھیں دیکھتی ہیں اور انسان کھودتے ہیں۔ اور پھر کبھی کبھی ان پر حاضری دیتے ہیں۔ ایک دوسرے مقام پر بھی یہ بات کہی۔

اذا بعثنا فی القبور۔ (نپ: العادیات آیت ۹)

ترجمہ جب اُٹھائے جائیں گے جو قبروں میں ہیں۔

اب تو نہ کہیں یہ قبر کے حقیقی معنی نہیں۔ موت کے بعد مردے کو کہاں پر وہ ملتا ہے؟ قرآن پاک میں ہی دیکھئے۔

فاما تہ فاتبرہ۔ (نپ: عبس آیت ۱۱)

ترجمہ پھر اُسے موت دی اور قبر میں رکھوا دیا۔

قرآن میں یہاں قبر اسی گڑھے کو کہا گیا ہے جہاں مردے کو پرے میں کیا جاتا ہے۔ یہ

یہ پردہ اس جہان سے ہے اور اگلے جہان کے کنارے اللہ رب العزت کو ہی معلوم ہیں۔
 یہ بھی فرمایا کہ کسی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھیں نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ وہ اس
 لائق ہی نہیں کہ ان کے لیے کوئی دعا کی جائے۔

لا تفضل علی احد منہم مات ابدًا ولا تقم علی قبرہ۔ (پ: التوبہ آیت ۸۴ ع ۱۱)

اور یہی اسی وقت کہا گیا تھا جب آپ اس کی قبر پر کھڑے تھے۔

وقام علی قبرہ۔

ترجمہ۔ اور آپ اس کی قبر پر ٹھہرے۔

یہ جو حکم ہوا کہ کسی منافق کی قبر پر کبھی کھڑے نہ ہوں کہ اس کے لیے دعا کریں۔ یہ قبر اسی گڑھے
 کا نام ہے یا یہ کوئی عالم غیب کی جگہ ہے جسے ہم نہ یہاں محسوس کر سکیں نہ جان سکیں نہ وہاں جا سکیں۔
 قرآن کریم میں جہاں بھی یہ لفظ آیا ہے اسی گڑھے پر آیا ہے۔ یہ گڑھا عالم غیب میں جہنم
 کا ایک دائرہ بنے یا جنت کا کوئی باغیچہ۔ اس کی وسعت و فسحت اللہ ہی کو معلوم ہے۔ قبر اسی
 کا نام ہے۔ قرآن کریم میں قبر اس گڑھے کے سوا اور کسی چیز کو نہیں کہا گیا۔ اگے اسکی ایک بزرخی وسعت ہے
 مخالفین کی یہ رٹ کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں کیا قرآن کریم کی کھلی مخالفت نہیں ہے؟
 بعض صوفیوں نے اگر مجازی رنگ میں قبر کے کسی اور عالم کی خبر دی تو اس سے قبر کے قرآنی معنوں
 کا انکار کیسے جائز ہو گیا۔ قرآن کے مقابلے میں صوفیوں کی بات کو اصل بھڑانا یہ راہ بدعت نہیں
 تو کون سی سنت ہے۔

جب اس قبر کا بزرخی کناء اللہ ہی کے علم میں ہے تو اگر کسی صوفی کی کشفی نظر اس کے (قبر کے) کسی
 دوسرے حصے پر پڑ گئی اور اس نے قبر کے وہاں کے حالات ذکر کر دیئے تو اس سے اس ظاہری قبر کا
 انکار کیسے نکل آیا؟ بزرخی وسعت ماننے کا مطلب اس قبر کا انکار تو نہیں ہے۔ پھر صوفیہ کرام
 کے مشاہدات پر عقائد کی بنیاد رکھنا کیا اس کی کوئی اصل شرعی ہے؟

قبر احادیث کی روشنی میں

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

كُنْتُمْ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزِدُوا

ترجمہ میں تمہیں پہلے قبروں پر جانے سے روکا کرتا تھا۔ اب کے بعد اجازت ہے تم انہیں دیکھنے جایا کرو یہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔

② آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا :-

اِنَّ الْمَيِّتَ اِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ

کہ میت جب قبر میں اتاری جائے الحدیث

تو قبر سے یہاں کون سی جگہ مراد ہے۔ یہی جو نظر آتی ہے یا یہ کوئی اعلیٰ عین کی جگہ

کے لیے ہے۔

③ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور موقع پر فرمایا :-

يَهُودٌ تَعَذِّبُ فِي قُبُورِهَا

یہاں قبور کیا اپنی گڑھوں کو نہیں کہا گیا ہے۔ کیا یہ کوئی عالم غیب کی جگہ تھی۔

④ آپ نے جب ارشاد فرمایا تو آپ نے قبر سے کون جگہ مراد لی؟

اِنَّ اَوَّلَئِكَ اِذَا كَانَ فِيْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَلَتْ بِنَوَاحِي قَبْرِهِ مَسْجِدًا

ترجمہ۔ ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرتا تو وہ اس کی قبر پر (کے پاس)

جائے عبادت بنا دیتے۔

⑤ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دیکھئے صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۴۶ کا باب مابین قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم ومنبرہ۔ الفاظ حدیث جامع صغیر کے ایک نسخہ میں اس طرح ہیں:-

مابین قبری ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ متفق علیہ
ترجمہ جو جگہ میری قبر اور میرے منبر کے مابین ہے وہ جنت کے باغوں میں سے
ایک باغ ہے۔

تو اس میں قبر کس جگہ کو کہا گیا ہے۔ کیا یہ جگہ اعلیٰ علین میں ہے یا یہیں مدینہ منورہ میں۔

⑥ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ملاحظہ فرمائیے:-

قاتل اللہ الیہود اتخذوا قبورا بنیائهم مساجد

ترجمہ۔ اللہ یہود کو برباد کرے انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ
گاہیں بنالیا۔

⑦ ایک اور جگہ ارشاد ہے:-

(عن ابن عمر مرفوعاً) من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن
زارنی فی حیاتی۔

ترجمہ جس نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی ایسا ہی ہے
جیسے اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی ہو۔

یہ تشبیہ کے طور پر فرمایا گیا ہے جس پر ہر بات میں مشابہت ضروری نہیں۔

⑧ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذخر گھاس کو کاٹنے کی اجازت دی تو فرمایا۔ اس کی
ضرورت ہے۔ مگر کس لیے؟

لقبورنا و بیوتنا ہمارے قبروں کے لیے اور گھروں کے لیے

یہاں قبور اپنی جگہوں کو کہا گیا جن میں میت اتاری جاتی ہے اور اسے اس میں دفن کیا جاتا ہے نہ کسی پڑے کے جہان کو۔

⑨ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی پیش نظر ہے:-

یا اهل القبور اغفر الله لنا ولكم و انتم سلفنا و نحن بالاث بک

آپ نے قبرستان جا کر یہ کہنے کی تعلیم دی ہے۔ کیا وہاں قبریں نہ تھیں؟ سو اپنی قبروں کے پاس ہمیں یہ کہنے کا حکم دیا گیا۔

⑩ ایک شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر بیٹھے دیکھا تو ارشاد فرمایا:-

لا تؤذ صاحب القبر ولا يؤذیک

ترجمہ تم اس قبر والے کو اذیت نہ دو نہ وہ تجھے نقصان دے۔

اب آپ ہی کہیں یہاں قبر سے مراد اگر یہ ظاہری قبر نہیں جسے مخالفین بار بار گڑھا کہہ رہے ہیں تو اور اس سے کیا مراد ہے۔ کیا کوئی شخص اعلیٰ علیت میں کسی قبر کی بے ادبی یا ایذا رسانی کے لیے جاسکتا ہے؟

⑪ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

ان هذه الامة تبطلی فی قبورھا فلان لا تدافنوا الدعوت اللہ ان یمکم من عذاب القبر

ترجمہ یہ امت اپنی قبروں میں آزمائش سے گزرتی ہے۔ مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم اپنی میتوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں خدا سے دعا کرنا کہ وہ تمہیں بھی عذاب قبر کی یہ آوازیں سنا دے۔

(۱۲) آپ کا یہ بھی ارشاد ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ لسانِ شریعت میں قبریں کن جگہوں کو کہا جاتا تھا؟ انہی قبروں کو جو سامنے نظر آتی ہیں یہی گڑھے ہیں۔

لا تجلسوا علی القبور ولا تفصلوا الیہا۔^۱

ترجمہ۔ تم نہ قبروں پر بیٹھا کرو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھا کرو۔

(۱۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا :-

اذا وضعتہ موتاکم فی قبورہم فقولوا بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ۔^۲

ترجمہ۔ جب تم اپنی میتوں کو قبروں میں رکھو تو یہ کہہ کر رکھو بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ۔

مجدد کیا اس کا مطلب یہ لیا جاسکتا کہ تم اپنی میتوں کو لے کر اعلیٰ علیین پہنچا کر دیکھو کہ قبر تو اس جگہ میں ہے۔ یہاں کے ان گڑھوں کو تو قبر نہیں کہا جاتا۔ استغفر اللہ

(۱۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور جگہ پر ارشاد ہے۔

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیہا المساجد والسورج۔^۳

ترجمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر گھومنے والی عورتوں اور وہاں جائے عبادت بنانے والے مردوں اور ان دیئے جانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

کیا یہاں ان زائراتِ قبور پر لعنت کی گئی ہے جو عالم غیب کی کسی ہستی میں نیابتِ قبر کرنے جایا کرتی تھیں یا وہ ان ظاہری قبروں پر ہی جاتی تھیں جنہیں قبریں کہنے سے مخالفین نے انکار کیا ہے۔

(۱۵) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام

۱۔ جامع ترمذی جلد ۱ ص ۱۱۵ ۲۔ مستدرک حاکم جلد ۱ ص ۲۶۶ ۳۔ رواہ ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۵۱ سنن نسائی جلد ۲ ص ۲۱۲ طحاوی ص ۲۵۴ اولہ فی الشکرة ص ۱۵۳ وتمامہ فی ص ۱۵۴

بعد نسل وفات پاکر میرے مقبرے میں دفن ہوں گے۔ تو آپ نے نفل قبر سے کوئی سی جگہ
مرا دلی تھی یہی مدینہ منورہ کا روضۃ الطہریا اعلیٰ علیین کی کوئی وادی — اس پر کبھی فرست
میں غور فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

یٰۤاٰیہا عیسیٰ ابن مریم الی الارض فیتزوج ویولد لہ ویمکتب خمساً
واریعین سنۃ ثم یموت فیدفن معی فی قبری فاقوم انا علی ابن
مریم فی قبر واحد بین ابی بکرؓ و عمرؓ ۛ

ترجمہ: حضرت عیسیٰ بن مریم نیچے اتریں گے آپ نکاح کریں گے آپ کے اولاد
بھی ہوگی پچیس سال یہاں ٹھہریں گے پھر آپ کی وفات ہوگی اور میری قبر کے پاس
میرے ساتھ دفن ہوں گے میں اور عیسیٰ بن مریم ایک قبر (مقبرے) سے اٹھیں گے
اعدہم دونوں ابوبکرؓ اور عمرؓ کے بائیں ہوں گے۔

(۱۹) ایک اور جگہ ارشاد نبویؐ ہے:۔

لیٰ یٰۤاٰیہا عیسیٰ ابن مریم تملئن قام علی قبری . . . لا حیبتہ ۛ

ترجمہ: حضرت عیسیٰ بن مریم ضرور اتریں گے پھر اگر وہ میری قبر پر (سلام کے لیے)
ٹھہرے اور سلام کہا تو میں ضرور اس کا جواب دوں گا۔

(۱۷) حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ حدیث فرما رہے تھے تو آپ قبر کے کہہ رہے تھے؟

اللہم لا تجعل قبری وثناً یصلی الیہ فانہ اشتد غضب اللہ علی
قوم اتخذوا قبور انبیاءہم مساجد ۛ

ترجمہ: اے اللہ! میری قبر کو معبود بننے دینا جس کی طرف لوگ سجدے کریں اس قوم
پر اللہ کا غضب بھڑک اٹھے گا جس نے اپنے نبیوں کی قبروں کو جلے عبادت بنالیا۔

ترجمہ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت لازم ہوگئی۔

اس میں کس قبر کی زیارت کے لیے کہا جا رہا ہے۔ یہی ناکہ جسے ہم روضہ رسول کہتے ہیں
 ۱۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا تو آپ کے ذہن میں قبر کے کیا معنی تھے؟
 الارض کلہا مسجد الا قبر والمحمم

ترجمہ کل صغیر زمین (میرے دین میں) مسجد ہے سوائے قبر اور حمام (جائے غسل) کے۔
 ۱۹) پھر آپ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرے تو وہ قبر کیا آپ
 نے اعلیٰ علیین میں پائی تھی یا اسی زمین کے ایک سرخ ٹیلے کے پاس آپ نے اس کا
 مشاہدہ کیا تھا؟

مررت علی موسیٰ لیلۃ اسریٰ بی عند الکئیب الاحمر وهو قائم صلی
 فی قبرہ

ترجمہ جس رات مجھے معراج کی سیر کرائی گئی میری قبر موسیٰ پر گزرا وہ سرخ ٹیلے کے
 پاس تھی میں نے آپ کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

ہم یہ کیسے مان لیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جسد اصلی تو قبر میں صرف محفوظ پڑا تھا
 اور اس پر ایک مثالی جسد کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ ہمیں ان لوگوں پر تعجب آتا ہے جو اس قسم کا عقیدہ
 رکھ کہ خود بھی مہلکے اور اوروں کو بھی ٹھیکار ہے ہیں انہیں ان پر رحم کرے۔

۲۰) حضور کے نماز جنازہ پڑھانے سے اللہ تعالیٰ قبروں کو اموات پر منور اور روشن فرماتے ہیں۔
 اس سے پتہ چلتا ہے کہ میت کو قبر میں اس قدر ادراک اور احساس ضرور ملتا ہے کہ وہ اس کی
 روشنی اور اندھیرے میں فرق کر سکے اور میت پر اس کا اثر پڑے ورنہ مردہ لاش اور جہاد محض کی روشنی
 اور اندھیرا دونوں برابر ہیں۔ پھر حضور نے وہاں کی روشنی کو کیوں اہمیت دی کچھ سوچیں۔

قبر کا اطلاق — صحابہ کرامؓ کے بیانات میں

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہؓ کے ساتھ دو قبروں کے پاس سے گزرے تھے جن میں مردوں کو عذاب ہو رہا تھا تو وہاں قبر سے یہ گڑھے ہی نہیں تو اور کیا مراد تھی؟ اور کھجور کی ٹہنی اس گڑھے پر رکھی تھی یا علم غیب کی کسی اور وادی کے مقام پر — اس پر غور فرمادیں اور کبھی یہ نہ کہیں کہ شریعت میں قبر اس گڑھے کا نام نہیں، حدیث میں صاف طور پر انہیں قبر کہا گیا ہے۔ سیدنا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :-

مرالنبی صلی اللہ علیہ وسلم بقبرین فقال انهما لیعذابانؓ

ترجمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے آپؐ فرمایا۔ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے (یہ قبریں کہاں تھیں؟ اسی زمین پر تو تھیں)۔

② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہٴ اُحد کے بعد جب شہداء کو دفن کرنے لگے تو حضرت فرماتے ہیں :-

کان یجمع الثلاثة والاثنتین فی قبر واحدؓ

ترجمہ حضورؐ تین تین اور دو شہیدوں کو ایک قبر میں دفن کرتے تھے۔

③ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو ایک قبر کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا :-
القبر القبرؓ یہ سامنے قبر ہے قبر ہے

یعنی قبر سامنے ہو تو نماز نہ پڑھنی چاہیے۔

④ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ :-

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ دخل رجلاً قبرہ لیلاً واسرج فی قبرہ
ترجمہ: رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو رات کے وقت قبر میں اتارا
اور اس کی قبر میں روشنی کی۔

⑤ حضرت بریدہؓ نے وصیت کی کہ میری قبر پر کھجور کی دو ٹہنیاں گاڑ دینا۔ حضرت امام بخاریؒ
نقل فرماتے ہیں کہ :-

واوصی بریدۃ الاسلمی ان یجعل فی قبرہ جریداً
ترجمہ: حضرت بریدہ الاسلمیؓ نے وصیت کی کہ ان کی قبر میں کھجور کی ٹہنی
رکھ دینا۔

یہاں قبر سے ان کی کیا مراد تھی؟ یہی گڑھا یا کچھ اور۔

⑥ حضرت عمرو بن عاصؓ (۶۴ھ) نے بھی اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ مجھے دفن کرنے اور
میری قبر پر پٹی ڈالنے کے بعد وہاں اتنا کھڑا رہنا جتنے میں اونٹ ذبح کر کے بانٹا جاسکتا ہے
تاکہ میں تم سے مانوس رہ کر خدا کے بھیجے ہوؤں (منکر نکیر) کا جواب دے سکوں۔ آپؐ فرمایا :-

ثم اقموا حول قبری وسماینا من الجذور وبقسم لحمها حتی استانس بکرم

واعلم ما ذالراجع بہ رسول ربیؐ

ترجمہ: پھر تم میری قبر کے گرد مٹھرنا اتنا وقت کہ اونٹ ذبح کیا جائے اور اس کا
گوشت تقسیم ہو جائے۔ میں تم سے اس دوران (مانوس رہوں گا اور جان لوں گا کہ
اپنے رب کے بھیجے ہوؤں کو کیا جواب دوں۔

⑦ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں :-

من السنة ان تأتي قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قبل القبلة وتجعل

ظہرک الی القبلة وتستقبل القبر بوجهک

ترجمہ سنت یہ ہے کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر قبلہ کی طرف سے
آؤ پھر مہتاری پشت قبلہ کی طرف رہے اور مہتارے چہرے کا رخ
قبر کی طرف رہے۔

⑧ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

ان النبى صلى الله عليه وسلم صلى على قبر امرأة بعد ما دفنت به .

ترجمہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کی قبر پر اس کی نماز (جنازہ)
پڑھی یہ اس کے دفن کے بعد ہوا۔

قرآن کریم . احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین
کی شہادتیں آپ نے سن لیں کہ وہ کن جگہوں کو قبر کہتے تھے اور ان میں سے بیشتر حوالے اسی
زندگی کے ہیں جو اس عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان کی زندگی ہے اور دونوں کے مابین
برزخ ہے۔ اس کی بحث میں قبر اسی جگہ کو کہا گیا ہے جو یہاں زمین پر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی
زمین کو حکم دیتے ہیں کہ فلاں میت پر سمٹ کر اکٹھی ہو جا اور پھر اس کی پسلیاں آ رہا ہو جاتی ہیں
یہ واقعہ عالم غیب کی کسی علیحدہ وادی میں پیش نہیں آتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-
فَيَقَالُ لِلْأَرْضِ أَلْتُمِي عَلِيَّ فَنَلْتَدَّ عَلَيْهِ فَنَتَخَلَّفُ أَضْلَاعَهُ .

ترجمہ پھر اس زمین کو حکم ہوتا ہے اس میت پر سمٹ کر اکٹھی ہو جا ہو زمین اس
پر سمٹتی ہے اور اس کی پسلیاں آ رہا ہو کر دب جاتی ہیں۔

یہ عذاب یہاں دیکھنے والوں کو نظر نہیں آ رہا۔ اس اعتبار سے یہ بے شک عالم غیب
ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ یہ قبر حقیقت میں قبر ہی نہیں۔ لسانِ شریعت کے ان عام اطلاقات کا کھلا انکار
اور تو اتر امت سے ایک کھلا انکار ہے۔ مخالفین جس دیدہ دلیری سے ظاہر شریعت کا انکار کر رہے
ہیں اس میں وہ قبروں کے پاس پڑے ملنگوں کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔

معنی قبر پر حضرت امام ابو حنیفہؒ کی شہادت

اب آئیے یہی اطلاق حضرت امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) سے سن لیں صحابہؓ کے بعد انہی کا درجہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ حافظ ابن الہمام الاسکندیؒ (۸۶۱ھ) سے منقول ہے۔

عن ابی حنیفۃ ان الزائر یستقبل القبۃ ویستدبر القبۃ۔

ترجمہ۔ امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ (روضہ پر) عاصری دینے والا زائر قبر کے سامنے سے آئے اور قبلہ کو پس پشت رکھے۔

فقہ کی کتابوں سے ہمیں مزید شواہد پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ حدیث اور فقہ میں قبر سے مراد یہی گڑھے ہیں۔ حدیث و فقہ سے دین کی اصل مراد معلوم ہوتی ہے۔ دین کلام میں متوازی نظریات کا رد اور استدلال پر عقل و امکان کا داخل ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ قبر کے جو معنی میں نے بیان کئے ہیں وہ حدیث و فقہ کی اصطلاح میں ہیں اور مشکلیں جب معتزلہ کے اسکا فی سوالات کو اپنے جواب میں لپیٹتے ہیں تو قبر کے معنی وسیع کرتے ہیں۔ اسے اس گڑھے تک نہیں رہنے دیتے جو زمین میں دکھائی دیتا ہے۔ ان مردوں کے لیے جو ڈوب جائیں یا جل جائیں یا جانوروں کے پیٹ میں چلے جائیں انہیں ایک قبر کا پتہ دینا ہوتا ہے۔ اس موقع پر وہ کہتے ہیں کہ قبر صرف اس گڑھے کو ہی نہیں کہتے۔ یہ عالم بنہخ کی ایک منزل ہے۔ محدثین جب ان کی بات نقل کرتے ہیں تو وہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے، نہ یہ کہ یہ حدیث و فقہ کی اصطلاح ہے۔

ولیس المراد بہ الحفرة التي يدفن فیہ المیت قرب میت لا یدفن کالغریق

والمحروق و الماکول فی بطن المیوانات یعذب و ینصر ویسأل بہ

ترجمہ۔ قبر سے مراد یہی جگہ نہیں جس میں میت دفن کی جاتی ہے کئی اموات کو تو دفن ہونے

تک کی نوبت نہیں آتی جیسے کوئی ڈوب جائے یا جل جائے یا جسے جنگل کے حیوانا

کھالیں اور وہ ان کی پیٹ میں سہا سے بھی تو عذاب قبر تو ہوتا ہے اور سوال و جواب کی ذمہ داری آتی ہے۔
قاضی شمس الدین صاحب بھی اقرار کرتے ہیں :-

اس میں شک نہیں کہ اس محسوس محذور فی الارض کو ہی عرف عام اور فقہ کی اصطلاح میں قبر کہتے ہیں اور کتب فقہ کے باب الجنازہ میں جس قبر کے احکام مذکور ہیں وہ یہی محسوس محذور فی الارض ہے مگر علم کلام میں جہاں قبر کے ثواب و حساب اور عذاب کا ذکر ہے اس سے مراد عالم برزخ ہے۔

ہمیں مشکمین کی اس اصطلاح سے انکار نہیں لیکن ہم اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ مراد حدیث کو فقہاء ہی زیادہ جانتے ہیں اور اس کا خرد محدثین کو اعتراف ہے۔ امام ترمذی باب غسل میت میں :- اس کی تصریح کر چکے ہیں۔

قارئین یہاں دیکھ لیں حدیث دفعہ کے سہارے کون لوگ چل رہے ہیں اور کون لوگ مشکمین کی اصطلاحات سے احادیث کی تشریح کے درپے ہیں۔ حدیث دفعہ کو علم کلام کے تابع کرنا ہمیں سمجھ میں نہیں آتا۔ علم کلام تو مرتب ہی حضور کے بہت بعد ہوا ہے۔

الانبیاء احياء في قبورهم يصلون الفاظ حدیث کے ہیں۔ ان میں قبر کا معنی علم کلام سے لینا اور فقہ کی اصطلاح سے کھیلنا یہ کون سا انصاف ہے اور کون سی شان علم ہے۔

شہداء اعد کی قبریں اسی زمین پر ہیں ان پر سے حضور گزرے اور فرمایا :-

اللهم ان عبدك وبنيتك يشهد ان هؤلاء شهداء وانهم من عبادك
سلم عليهم الى يوم القيمة رددوا عليه۔

ترجمہ :- اے اللہ! تیرا بنی اور تیرا بندہ گواہی دیتا ہے کہ یہ شہداء ہیں (اشارہ انہی زمین کی قبروں کی طرف ہے اور جو ان کی زیارت کرتا ہے یا ان پر سلام بھیجتا ہے قیامت تک یہ ان کو جواب دیتے رہیں گے۔

پھر آپ حضرت مصعب بن زبیرؓ کی قبر پر پھڑپھڑے اور فرمایا :-

اللهم ان عبدك وبنيتك يشهدان هولا وشهدا عفا توهم وسلموا
عليهم فلن يسلم عليهم احد ما قامت السموات والارض والرحمة عليه

اے اللہ! تیرا بی اور تیرا بندہ گواہی دیتا ہے کہ یہ شہداء ہیں۔ لوگو! ان کے پاس

آؤ (انہی قبروں کے پاس نہ کہ علیین میں) اور ان پر سلام پڑھو۔ جب تک

زمین و آسمان قائم ہیں تو یہ سلام پڑھنے والوں کا جواب دیتے ہیں۔

آپ کا یہ فرمانا کہ لوگو! ان کے پاس آؤ۔ عالم برزخ کی کسی نادیدہ بستی میں آنے کی تلقین

نہ تھی۔ اعلیٰ علیین یا سجدین نیوں اور نبیوں کے قبرستان نہیں ہیں۔ یہ تو ملا اعلیٰ کے دفتر کا نام
علیین ہے جہاں مقربین نام لکھانے کے لیے حاضر دیتے ہیں یہ قبریں نہیں ہیں۔

قبر اعلیٰ علیین یا سجدین کا کوئی مقام نہیں۔ یہ اسی زمین کی جگہ اور مٹی کا گھر ہے۔ جسے

متعارف زبان میں قبر کہتے ہیں۔ احادیث نبویہ اطلاقاً صحابہ اور امام ابو حنیفہؒ کی شہادت

آپ کے سامنے ہے۔ اگر اس پر بھی تسلی نہیں تو خود قبر سے ہی سن لیں۔ وہ کیا کہتی ہے حضرت

ابو سعید الخدریؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ قبر کا ذکر فرماتے ہوئے کہ وہ

تمام لذتوں کو مٹا دیتی ہے قبر کی اپنی فریاد ان لفظوں میں نقل فرمائی :-

انا بیت الغربة وانا بیت الوحدة وانا بیت التراب وانا بیت

الدور رواہ الترمذیؒ

ترجمہ۔ میں غربت کا گھر ہوں، تنہائی کا گوشہ ہوں، میں مٹی کا ٹھکانہ اور کپڑوں

کی زد میں ہوں۔

کیا مٹی کا ٹھکانا علیین میں ہو سکتا ہے اور کیا علیین تنہائی کا گوشہ ہے یا وہاں ارواح

کے مسکن ہیں۔ — یاد رکھیے قبر آخر قبر ہے۔ اور وہ یہی ہے

معنی قبر پر فریقین کا اتفاق

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ۲۲ جون ۱۹۶۲ء کو جامعہ عثمانیہ حنفیہ راولپنڈی میں شیخ القرآن مولانا غلام الشرحاں صاحب اور قاضی شمس الدین صاحب اور حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحب کے سامنے یہ تحریر لکھی۔ اور حضور کی مدینہ منورہ کی قبر مبارک کو ہی آپ کی برزخی زندگی کا محل قرار دیا۔ حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم نے یہ تحریر لکھی اور اس پر ان تینوں حضرات نے دستخط کئے۔ وفات کے بعد بنی کریم کے جسد اطہر کو برزخ قبر شریف میں یہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روحہ اطہر پر حاضر ہونے والوں کا صلوة و سلام سنتے ہیں۔ محمد طیب حال وارد راولپنڈی ۲۲ جون ۱۹۶۲ء اس سے یہ نزاع ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی کہ یہ ظاہری قبریں برزخی منازل نہیں ہیں اب اس پر سب کا اتفاق ہو گیا ہے کہ یہاں کی قبر ہی آخرت کی پہلی منزل ہے جس میں میت کو اتارا جاتا ہے۔ رہیں برزخ کی واردات، تو یہ یہاں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔

قبر اگر صرف گڑھا ہے تو اس پر دعا کیوں؟

اگر یہ گڑھا جس میں میت رکھی گئی، قبر نہیں۔ وہاں صرف ایک محض بے جان لاش دھری ہے جس سے قیامت تک روح کا تعلق نہیں تو اس پر میت کے لیے دعا کرنا کس لیے ہے؟ وہاں تو مرنے والا نہیں ہے۔

ہمارے یہ کرم فرما کہتے ہیں زیارت قبور صرف اس لیے ہے کہ یہ تمہیں آخرت یاد کرائیں۔ ہم عرض کرتے ہیں یہ صرف کی قید آپ نے کہاں سے لگالی ہے۔ تذکرہ آخرت سے ہمیں

انکار نہیں۔ یہ تو اپنے فائدے کے لیے ہے۔ لیکن کیا سر حرم کے فائدے کے لیے وہاں جانا اور اس کے لیے دُعا کرنا کیا یہ شریعت میں ثابت نہیں؟

اگر وہاں ایک محض بے جان دھڑپڑا ہے اور یہ قبر نہیں جس پر ایلام و تنعیم کی کیفیات گزرتی ہوں تو پھر وہاں حاضری اور اس کے لیے دعا، اس کا کیا معنی رہ جاتا ہے۔
قبر پر دُعا کے لیے حاضری کا ذکر تو قرآن کریم میں بھی ملتا ہے :-

وَلَا تَصِلْ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ۔

(نپ: التوبہ: ع ۱۱)

ترجمہ۔ اور آپ ان میں کسی کی جو مر جائے کبھی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کبھی دعا کے لیے کھڑے ہوں۔

یہ قبر پر کھڑا ہونا نماز جنازہ کے علاوہ ہے۔ کس لیے؟ دُعا کے لیے۔
حافظ ابن کثیر (۴، ۵) لکھتے ہیں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضورؐ نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھی، نہ کبھی اس کی قبر پر دُعا کی۔ یہاں قبر سے کون سی قبر مراد ہے؟

فما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعدہ علی منافق ولا قام علی قبرہ
حتی قبضہ اللہ بہ

سیدنا حضرت عثمان روایت کرتے ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ
فقال استغفروا لہ فیکرمتم سلوالہ التثبیت فاتہ الاذن یسئل بہ

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دفن میت سے فارغ ہوتے تو اس کی قبر پر کھڑے ہوتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لیے مغفرت کی دعا مانگو اور اس کے لیے اللہ سے ثابت قدمی مانگو اسے اب پرچھا بارہا ہے۔

اگر یہ سوال و جواب اسی قبر میں نہیں تو اس قبر پر کھڑے ہو کر اس کے لیے دعا کیوں؟
کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بقیع کے قبرستان میں جانا اور وہاں ان لوگوں کے لیے ہاتھ اٹھا
کر دعا کرنا کیا حدیث سے ثابت نہیں؟

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عبداللہ ذوالجناہین کے جنازہ میں موجود تھے آپ کہتے
ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کے دفن سے فارغ ہوئے تو وہیں قبلہ رخ ہوئے اور مرحوم
کے لیے دعا فرمائی۔

فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يده
ترجمہ جب آپ کے دفن سے فارغ ہوئے تو قبلہ رخ ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

اگر قبر میں محض ایک بے جان لاشہ پڑے تو فاتح مصر تیدنا حضرت عمرو بن عاصؓ اپنے
بیٹے حلیل القدر محدث حضرت عبداللہ بن عمروؓ (۶۷ھ) کو یہ کیوں کہہ رہے ہیں کہ جب تم میرے
دفن سے فارغ ہو جاؤ، تم سب میری قبر کے ارد گرد کچھ عرصہ ٹھہرے رہنا تاکہ میں تمہاری حاضری
سے انس پکڑوں اور اپنے رب کے بھیجے ہوؤں (منکر و نکیر) کو بات لوٹا سکوں، جواب
دے سکوں۔

ثم اقيموا حول قبری قبر ما ينحرجزور ويستم لحما حتى استانس
بكم واعلموا ما اذا اراجع به رسل ربی۔

یہاں حضرت عمرو بن العاصؓ اپنی کس قبر کے گرد ٹھہرنے کی نصیحت فرما رہے ہیں؟ اسی قبر چس میں لوگوں
نے اس وقت آپ کو اتارا ہے۔ یہ سوال و جواب جس پر پورا اثر نے کی آپ کی تمنا ہے کہاں ہوں گے؟ اعلیٰ
علتین میں یا اس قبر میں۔ اگر اس قبر میں نہیں یہ محض ایک گڑھ ہے تو خدا را انصاف کیجئے حضرت
عمرو بن العاصؓ انہیں اس قبر کے گرد کھڑا کر کے کس طرح ان سے مانوس ہونے کے
طلب گار ہیں۔

سوال و جواب اسی قبر میں

قبر کا سوال و جواب عالم برزخ میں ہے یا اسی قبر میں؟ پھر بعض اوقات یہ صورت بھی ہوتی ہے کہ مرنے والے کی ظاہری قبر بنی ہی نہیں، سو اس سے سوال کہاں ہو گا؟ حضرت ملا علی قاریؒ اس حدیث کی بحث میں کہ میت سے سوال قبر میں ہوتا ہے (اذا سئل فی القبر) لکھتے ہیں کہ حضورؐ نے لفظ قبر کی تخصیص اس لیے کی کہ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے قبریں بنتی ہیں اور میتیں ان میں اتاری جاتی ہیں، سو لفظ قبر کی تخصیص اس عام عادت کی بنا پر ہے۔ ورنہ جس جگہ میت یا اس کے بدن کے اجزاء ہوں (جیسے پھلیوں کے پیٹ یا درندوں کے پیٹ) وہی اس کی قبر ہوگی اور وہیں اس سے سوال ہو گا۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:-

اذا سئل فی القبر التخصیص للعادة او كل موضع فيه مقبره
فہو قبرہ

ترجمہ: جب قبر میں سوال ہو قبر کی تخصیص اس لیے ہے کہ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے یا سب وہ جگہ جہاں اس میت کا مقرر ہے وہی اس کی قبر ہے (جہاں یہ سوال و جواب ہو گیا)۔ یہاں لفظ او (حرف تردید) عام قبروں کے مقابلے میں ہے کہ کبھی قبر کی صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ عادت عام میں قبر دکھائی نہ دے۔

افسوس کہ بعض نادان اس عبارت کو سمجھ نہیں پائے اور انہوں نے اس سے علین اور سجنین کے مقامات مراد لے لیے۔ کاش! کہ یہ لوگ اسی صفحہ پر ملا علی قاریؒ کے یہ الفاظ بھی پڑھ لیتے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو آخرت میں سوال و جواب کے وقت ثابت قدم رکھتا ہے۔ آپ اس بحث میں لکھتے ہیں:-

(وفی الآخره) احوال برزخ وغیرہ وقیل فی القبر عند السؤال وهو الصحیح كما وقع بالتصریح

ترجمہ: آخرت کے لئے عالم نزع یا کوئی اور جگہ ہے جہاں سوال ہوتا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نزعیہ قبر اور یہود و کفر بائیں ہے۔
اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ قبل ہمیشہ ضعف مقلد کے لیے نہیں آتا کبھی صورت برعکس بھی
ہوتی ہے جیسا کہ یہاں ہے۔ قبر کا سوال و جواب برحق ہے اور میت کے لیے ثابت قدمی کی
دعا بھی بلاشبہ درست ہے۔

قاضی شرف الدین (۱۲۵۵ھ) بھی ایک مقام پر لکھتے ہیں :-

فيه مشروعية الاستغفار للميت عند الفراغ من دفنه وسؤال التثبيت
له لانه يسئل في تلك الحال وفيه دليل على ثبوت حياة القبر و
قد وردت بذلك احاديث كثيرة بلغت حد التواتر وفيه ايضا
دليل على ان الميت يسئل في القبر وقد وردت به ايضا احاديث
صحيحة في الصحيحين وغيرهما وورد ايضا ما يدل على ان السؤال
في القبر مختص بهذه الامة كما في حديث زيد بن ثابت عنه مسلم
ان هذه الامة تتبلى في قبورها وبذلك جزم الحكيم الترمذي^{رحم}

ترجمہ: اس میں میت کے لیے ذوق سے قرأت کی مغفرت طلب کرنے کی مشروعیت اور اس کے لیے ثابت
قدمی کی دعا ہے کیونکہ اس وقت اس سوال کیا جا رہا ہے اور یہ حیات فی القبر کے ثبوت
کی بھی دلیل ہے اور اس موضوع (حیات فی القبر) پر اس قدر احادیث وارد ہیں کہ وہ تواتر کی
حد کو پہنچتی ہیں اور اس میں اس پر بھی دلیل ہے کہ میت کے سوال و جواب قبر میں سمجھے ہیں
اور اس پر بھی صحیح احادیث صحیح بخاری صحیح مسلم اور دوسری کتابوں میں وارد ہیں اور ایسی
روایات بھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ قبر میں سوال ایسی امت سے خاص ہے جیسا کہ صحیح
مسلم میں زید بن ثابتؓ کی روایت میں ہے کہ اس امت کو ان کی قبروں میں ایک ابتلا کا
سامنا ہے اور حکیم ترمذی (صاحب نوادر الاصول) اسی کے قائل تھے۔

مقرر اموات پہی زمین ہے

جس طرح زندوں کی بہاریں اس زمین پر آتی ہیں اموات کے جملہ حالات بھی اسی زمین پر واقع ہوتے ہیں۔ یہ زمین زندوں اور مردوں دونوں کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔
قرآن کریم میں ہے:-

الذی یجعل الارض کفناً ۝ احیاء و امواتاً ۝ (پہلے المراتل آیت ۲۵-۲۶)
ترجمہ کیا ہم نے زمین کو سمیٹ کر رکھنے والی نہیں بنایا؟ (کن کو سمیٹ کر رکھنے والی) زندوں اور مردوں کو۔

یہ آیت بتلاتی ہے کہ جس طرح زندوں پر راحت و تکلیف اسی زمین پر آتی ہے، اموات پر تکلیف و راحت بھی اسی زمین پر آتی ہے۔ عذاب قبر اسی زمین میں ہوتا ہے۔ قیامت تک کے جملہ حالات اس پر یہیں گزریں گے اور پھر یہیں سے حشر کے لیے اٹھنا ہوگا۔
حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:-

زندہ مخلوق اسی زمین میں بسر کرتی ہے اور مردے بھی اسی مٹی میں پہنچ جاتے ہیں۔ انسان کو زندگی بھی اسی خاک سے ملی اور موت کے بعد بھی یہی اس کا ٹھکانہ ہوا تو دوبارہ اسی خاک سے اٹھا دینا کیوں مشکل ہوا۔۔۔۔۔ جو خدا اس حقیر زمین میں اپنی قدرت متعنا دھونے دکھلاتا ہے اور موت و حیات اور سختی و نرمی کے مناظر پیش کرتا ہے کیا وہ میدان حشر میں سختی و نرمی اور نجات و ہلاکت کے مختلف مناظر نہیں دکھلا سکتا۔

جب انسانوں کی تکلیف و راحت اسی زمین پر ہے اور آخرت کی نجات و ہلاکت بھی اسی زمین پر واقع ہوگی تو انسان کی درمیانی منزل (موت کے بعد اور قیامت سے پہلے کی)

کیا اس زمین سے خدا کسی اور زمین پر واقع ہے؟ کیا خدا اس منزل کے مختلف مناظر راحت قبر ہو یا عذاب قبر اس زمین میں واقع نہیں کر سکتا۔ جسے اس دنیا والوں کی آنکھیں نہ دیکھ سکیں اور نہ یہاں کے کان سُن سکیں۔

آپ ارواح کے مقرر علیین یا سچین کو ٹھہرائیں آپ کو کون روکتا ہے بلکہ ابدان یا ابدان کے منتشر ذرات پر جو کچھ گزرتی ہے اُسے زمین سے جوڑے رکھیں تو اس کے لیے آپ اپنے آپ کو اتنی بات نہیں سمجھا سکتے کہ ارواح جہاں بھی ہوں اُن کے زیر اثر یہ زیر زمین ابدان ان برزخی حالات سے یقیناً گزر رہے ہیں جن کی قرآن و حدیث میں خبریں دی گئی ہیں کیا مرنے کے بعد یہی زمین ہمارا ٹھکانہ نہیں اور کیا یہیں سے ہمیں حشر کے لیے نہیں اٹھنا؟ کیا قرآن نہیں کیا؟

منہا خلقناکم و فیہا نفیدکم و منہا نخرجکم تارۃً اخریٰ
ترجمہ: ہم نے تمہیں اسی مٹی سے پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے
اور پھر اسی سے دوبارہ نکالیں گے۔

جو انسان ہوائی جہاز کے حادثے میں جلے وہ بھی اسی زمین سے اٹھیں گے اور جو دریاؤں میں ڈوبے وہ بھی اسی زمین سے نکلیں گے، جنہیں جانور کھا گئے وہ بھی اسی زمین سے نکلیں گے، جنہیں باقہ قبریں نصیب ہوئیں وہ بھی اسی زمین سے نکلیں گے۔ قرآن پاک کی یہ آیات بتلاتی ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کا ٹھکانہ اسی زمین میں ہے اور اسی زمین پر انسان پر راحت و الم کے حملہ حالات گزرتے ہیں۔

گو ہمارے اور ان حالات کے باہین ایک پردہ ہے جو نہ ہٹتا ہے، نہ پھٹتا ہے، مگر بعض غاصانِ خدا کے لیے وہ کبھی کراہت اٹھاتا بھی ہے یہ یہاں رہتے ہیں بھی وہاں کی کرتی جھلک دیکھ پاتے ہیں۔

عالم برزخ کے لیے کسی اور زمین کی تلاش نہ کرو

اجاب گرامی قدر! تم اس بے بنیاد زندگی کے لیے کسی اور زمین کی تلاش میں کیوں لکھ گئے۔ خدا نے جب ہمیں اسی زمین سے اُٹھانا ہے تو اس سے پہلے کی پردے کی زندگی کیا اسی زمین میں نہیں ہو سکتی؟ کیا تم اسی لیے کسی اور زمین کی تلاش میں نکلے ہو کہ یہ زندگی ہمیں نظر نہیں آ سکتی پردے میں ہے اس لیے اس کا ماننا مشکل ہے کیا یونون بالغب (وہ بن دیکھے ایمان لاتے ہیں) اس امت کی شان نہیں؟ قرآن و حدیث چھوڑ کر تم کس فلسفی یا صوفی کے دامن میں پناہ لو گے کہ قبر اس زمین پر نہیں کسی اور جگہ کا نام ہے۔

اگر کسی صوفی نے یہ کہہ دیا کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں تو تم نے اس سے یہ کیسے سمجھ لیا کہ قبر اس پوری زمین میں ہی کہیں نہیں۔ اگر کسی علینے والے یا ڈوسبنے والے کی قبر کہیں گڑھے کی صورت میں نہیں تو اس سے یہ کیسے نکل آیا کہ وہ پوری زمین میں کسی غیر مرئی صورت میں بھی کہیں نہیں؟ کیا تم کسی حدیث سے دکھلا سکتے ہو کہ حشر کے دن کچھ مردے جانوروں کے پیٹوں سے نکلیں گے یا دریاؤں اور سمندروں سے اٹھیں گے یا بجلی کے کھمبوں سے اُتریں گے جہاں وہ جل کر بالکل بے نشان ہو گئے تھے؟ اگر آپ کو یہ بات کسی حدیث میں نہیں ملتی تو محض اس لیے کہ ان قبروں کے قبر ہونے کا انکار نہ کریں کہ بعض اموات کو ظاہر کسی گڑھے میں جگہ نہیں ملتی تھی۔

قرآن و حدیث میں قبر کے معنی وہی ہیں جو عام عرب اپنی زبان کے معروف محاورے میں سمجھ سکتے تھے کسی فرق الادراک منزل میں قبر کی نشاندہی کرنا اس کتاب کی شان نہیں جس کا اپنا دعویٰ یہ ہو۔

وَلَقَدْ بَيَّنَّا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدْرِكٍ

(پ، القمرا بیت ۱۷)

ترجمہ قرآن کو نصیحت پکڑنے کے لیے ہم نے آسان کر دیا ہے۔ سو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟

قرآن کے اسرار و دقائق اپنی جگہ — کوئی ان کا انکار نہیں کر سکتا لیکن اس کے اصول ہدایت بہت آسان ہیں۔

دین فطرت عام انسانی سمجھ سے کلیتہً بالا نہیں کہ کسی طرح سمجھ میں ہی نہ آ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے نصیحت حاصل کرنے کے لیے بہت آسان کر دیا ہے۔ سو اس کے الفاظ انہیں معنوں پر محمول ہوں گے جو عرب اس سے اپنے محاورے کے مطابق سمجھ سکتے تھے۔ اگر کچھ باتیں اس سے وراہ ہیں تو اللہ تعالیٰ نے خود متشابہات کی نشان دہی کر دی ہے اور بتا دیا ہے کہ کہاں الفاظ اپنی ظاہری معنی میں نہ ہوں گے۔

قبر کے بارے میں قرآن و حدیث میں کہیں نہیں کہ اس سے اس کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے، اور یہ کہ قبر کسی اور جگہ ہے اس گڑھے میں نہیں۔

بلغنا انہ من وقف عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فتلا هذه الآية

ان الله وملائكته يصلون على النبي يا ايها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا تسليما

ترجمہ۔ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آئے اور یہ آیت پڑھے اے ایمان والو! اس نبی پر درود و سلام بھیجو۔

پ ۲۲ الاغزاب آیت ۵۶

یہاں ایک عرب قبر کا کیا معنی سمجھ سکتا ہے اور مسلمانوں کے ذہن میں لفظ قبر سے مدینہ منورہ کا روضہ اظہر ہی آئے گا۔ یا مومن اپنے خیال کی دنیا میں مقامِ عِلِّین تک اُڑے گا آخر کچھ قوس چمے کہاں تک پہنچے چلے باؤ گے۔

معنی قبر پر سعودی پیشوا امام عبدالعزیز اول کی شہادت

قبر کے جو معنی ہم قرآن و حدیث اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بیانات سے نقل کرتے ہیں اس دور متاخر میں بھی علماء اسلام نے قبر سے یہ ظاہر قبر ہی مراد لی ہے بجنہ کے شیخ محمد بن سعود کے بیٹے امام عبدالعزیز اول لکھتے ہیں :-

صحابہ کرامؓ ایک دفعہ قحط سالی کے موقع پر دعاء استسقاء کے لیے بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر گئے تھے کہ وہ بارش کے لیے دعا مانگیں۔ جیسا کہ بخاری شریف میں انس بن مالکؓ سے روایت موجود ہے صحابہ کرامؓ نہ تو آپ کی قبر کے پاس آئے نہ وہاں انہوں نے کھڑے ہو کر دعا مانگی۔ حالانکہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں حیات برزخی حاصل ہے۔

یہاں اس بات میں کہ صحابہؓ آپ کی قبر کے پاس نہ آئے کون سی قبر مراد ہے؟ یہی ناکہ جو مدینہ منورہ میں گنبد خضرا میں ہے اور پھر اس کے ساتھ موصوف کا یہ کہنا کہ حضور کو قبر میں حیات برزخی حاصل ہے کیا یہی قبر مراد نہیں؟ علماء بجنہ کے عقیدہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اسی قبر میں جو زیارت گاہ عوام و خواص ہے برزخی حیات سے زندہ ہیں اور برزخی حیات سے مراد یہ ہے کہ حیات آپ کے جسد اطہر میں پردے میں ہے ہر کوئی اسے نہیں دیکھ پاتا۔ علماء اسلام میں سے آپ کی اس قبر میں حیات کا کسی نے انکار نہیں کیا اور آپ اسی حیات سے (اسے دنیا والے بدن کے اعتبار سے دنیوی کہیں یا پردے میں ہونے کے باعث برزخی کہیں) قبر پر آنے والوں کا صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں۔

ہمیں افسوس اس پر ہے کہ ہمارے مخالفین حضور کو اس قبر مبارک میں نہ حیات دنیوی سے زندہ مانتے ہیں نہ حیات برزخی سے۔ اس قبر کو وہ محض ایک گڑھا سمجھتے ہیں جس میں آپ کا بدن مبارک

بالکل پتھر کی طرح بے جان اور بے شعور پڑا ہے۔ استغفر اللہ العظیم۔ جب یہ کہتے ہیں کہ ہم حیاتِ برزخی کے قائل ہیں تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ آپ آسمانوں میں کسی دور کی جگہ میں برزخی حیات سے زندہ ہیں اس قبر میں آپ کو برزخی حیات بھی سرگرم حاصل نہیں ولم یقل بہ لحد من السلف والخلف من علماء اهل السنة والجماعة۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب کے بیٹے امام عبد اللہ کی شہادت

اور حضور کی زندگی قبر میں برزخی زندگی ہے جو شہداء کی زندگی سے بہت اعلیٰ ہے قرآن شریف کی آیات اس پر مخصوص ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہداء سے بلا شک و شبہ افضل ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جب کوئی مسلمان آنحضرت پر (قبر پر) سلام کہے تو آپ اس کا سلام سنتے ہیں یہ اب آپ ہی کچھ غور کریں کہ یہاں قبر سے کون سی قبر مراد ہے اور آپ کا قبر مبارک کے پاس سماع کہاں مانا گیا ہے۔ آپ زائرین کے صلوة و سلام کو کہاں سن رہے ہیں۔

سرخیل علماء نجد شیخ محمد بن عبد اللطیف کی شہادت

علماء آل شیخ میں جو مقام شیخ محمد بن عبد اللطیف کا تھا اس سے اہل علم نا آشنا نہیں آپ نے مسئلہ عذابِ قبر اور مقامِ قبرِ نبوی و صاحت سے لکھا ہے۔

① شہادت در بارہ عذابِ قبر

ہم قبور کے فتنہ (آزمائش) اور اس کے عذاب اور اس میں راحت اور یکہ جسموں میں روحوں کو ڈالاجائے گا ایمان لاتے ہیں۔

② شہادت در بارہ مقامِ قبر اور حیاتِ قبر

آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں لیکن برزخی حیات کے ساتھ۔ اور آپ کی زندگی شہداء کی زندگی سے کہیں بہتر ہے۔ اور آپ کی قبر پر جو آپ کو سلام کہتا ہے آپ سنتے ہیں۔

برزخ کے حالات یہاں مشاہدہ میں نہیں آتے

قرآن کریم میں بعض ایسے برزخی حالات کی خبر دیتا ہے جو ہمارے سامنے واقع ہوتے ہیں مگر ہمیں نظر نہیں آ رہے ہوتے۔ ارشاد ہوتا ہے :-

ولو ترى اذ الظالمون في غمرات الموت والملئكة باسطوا ايديهم

اخرجوا انفسكم - (پ: الانعام ع ۱۱ آیت ۹۴)

ترجمہ۔ اور اگر آپ دیکھیں جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں گھبراتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلاتے ہیں نکالو اپنی جانیں آج تمہیں خواری کا عذاب دیا جائے گا۔ فرشتوں کی ایک یہ بات بھی قرآن کریم نے نقل کی ہے :-

يضربون وجوههم وادبارهم - (پ: الانفال ع ۷ آیت ۵۰)

ترجمہ۔ فرشتے پٹختے ہیں ان کے چہروں پر اور ان کی پیٹھ پر۔

فرشتوں کا جو معاملہ اس مرنے والے سے ہو رہا ہے اس سے اس کے برزخ کا آغاز ہو چکا۔ اب وہ دیکھ بھی رہا ہے اور چھو بھی رہا ہے۔ مگر پاس بیٹھنے والوں کو وہ فرشتے نظر نہیں آ رہے مرنے والا اس وقت دنیا اور آخرت کے درمیان ہے۔ اس وقت ہر نیک و بد فرشتوں کو دیکھتا ہے مگر دوسروں سے وہ پردے میں ہوتے ہیں۔

ہاں اللہ کے کچھ نیک بندے ایسے بھی ہیں جو اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی ملائکہ اعلیٰ اور عالم بالا سے آشنا ہوتے ہیں۔ فرشتوں کا ان کے ہاں آنا جانا ہوتا ہے۔ عالم ناسوت (انسانوں کی دنیا) اور عالم ملکوت (فرشتوں کا جہاں) کے درمیان برزخ کا پردہ نہیں بلکہ ایک حجاب ضرور ہے جو کبھی اٹھ بھی جاتا ہے۔ آنحضرتؐ نے ایک دفعہ یہیں مدینہ میں بیٹھے ملائکہ اعلیٰ میں فرشتوں کا اختتام سنا۔ آپ کے سامنے اس وقت تمام جہان روشن ہو گیا تھا۔

عالم بالا اور کرہ ارضی کے حجابات اور ارتباطات

ہم اہل زمین ملازم اعلیٰ سے پردے میں ہیں۔ فرشتوں کی آمد یہاں زمین پر ہوتی ہے مگر ہمارا دماغ آنا جانا نہیں ہوتا۔ ہم جب تک اس دنیوی زندگی میں ہم سے فرشتے حجاب میں رہتے ہیں۔ وہ یہاں بھی آجائیں تو جب تک اذن الہی نہ ہو ہم انہیں دیکھ نہیں سکتے۔

سوال یہ ہے کہ انبیاء کرام اور ائمہ سچے درجے کے اولیاء کیا وہ بھی ملازم اعلیٰ سے اسی پردے میں ہیں؟ نہیں۔ اُن سے اللہ تعالیٰ نے بار بار یہ پردے ہٹائے ہیں۔ انہیں اس ملازم اعلیٰ سے ایک خاص انس اور ارتباط ہو جاتا ہے۔ ملائکہ یہاں اُتر کر بھی اُن سے مل جاتے ہیں جب اللہ تعالیٰ چاہیں زمین پر بھی کبھی ملازم اعلیٰ کی سیر و سیاحت ہوتی رہتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ يَدُ صُورَةِ التَّمَاثِيلِ
الَّتِي فِيهَا الْأَرْوَاحُ ۖ

ترجمہ: فرشتے اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا ہو یا کوئی تصویر ہو۔ تصویر سے آپ کی مراد ذوی الارواح کی تصاویر ہیں جن میں روح ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں ایک دفعہ حضرت جبریل دروازے پر کھڑے رہے اور اندر نہ آئے۔ آپ نے آہٹ سُنی تو باہر نکلے۔

خُزَّجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَذَاهُ بِحَبْرٍ يَلُ قَاشِعٍ عَلَى الْبَابِ فَقَالَ
مَا مَنَعَكَ أَنْ تَدْخُلَ قَالَ إِنَّ فِي الْبَيْتِ كَلْبًا وَأَنَا لَا تَدْخُلُ بَيْتًا
فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ ۖ

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا دیکھتے ہیں کہ جبریل دروازے پر کھڑے ہیں

آپ نے کہا آپ کو گھر آنے سے کس چیز نے روکا ہے۔ انہوں نے کہا گھر میں ایک کتا ہے اور ہم اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب حضورؐ محاذ خندق سے واپس آئے ہمتیار آمارے اور غل فرمایا تو آپ کے پاس جبریل آئے اور کہا:

اتاه جبریل فقال قد وضعت السلاح واللہ ما وضعتہ | خرج الیہم قال فالی ابن قال ہمناد اشار الی بنی قریظہ فخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الیہم

ترجمہ آپ کے پاس جبریل آئے اور کہا آپ ہتھیار اتار دیجیے میں بخدا ہم نے تو نہیں آمارے آپ ان کی طرف چلیں۔ آپ نے کہا کہ ہر حضرت جبریل نے کہا اودھر اور منہ قرظہ کی طرف اشارہ کیا اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اودھر ہوئے۔

انبیاء کے سوا دوسرے کالمین کے لیے بھی فرشتوں کی یہ رویت ممکن ہے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں میں نے جنگ اُحد کے دن حضورؐ کے دائیں بائیں دو شخص دیکھے جن کے کپڑے سفید تھے۔

رایت یوم احد عن یمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعن یسارہ رجلین علیہما ثياب بیض یقاتلان عنہ کاشت القتال ما رأیتہما قبل ولا بعد

ترجمہ میں نے جنگ اُحد کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور بائیں دو شخصوں کو دیکھا جن کے کپڑے سفید تھے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سخت جنگ لڑ رہے تھے میں نے نہ انہیں کبھی ان سے پہلے دیکھا نہ بعد میں

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں :-

فرشتہ اپنی اصل ہئیت و صورت میں سامنے آجاتے تو اس کی ہئیت کو کوئی انسان برداشت نہیں کر سکتا۔ . . . دوسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ انسان کی شکل میں آئے جیسے جبریل امینؑ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت مرتبہ بشکل انسانی آئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :-

وانہم قد یظہرون لا فاضل الا دمیین فیشر ونہم ویبذرونہم
ترجمہ اور فرشتے اس زمین پر آؤ نچے درجے کے لوگوں کے لیے کبھی ظاہر بھی ہو جاتے ہیں اور انہیں بشارت اور کبھی نذرات کی باتیں بھی کہہ جاتے ہیں۔ ایک اور جگہ پھر لکھتے ہیں :-

اذا ہم اجتمعات کیف شاء اللہ و حیث شاء اللہ

اور ان کے لوگوں سے کبھی اجتماعات بھی ہو جاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ چاہے اور جہاں چاہے۔

یہ سب آمد اور ظہور کسی دوسری شکل میں ہوتا ہے اصل شکل میں وہ دکھائی دیں تو پھر حجت تمام ہو جاتی ہے اور انکار پر فورا عذاب اترتا ہے — اس لیے الہی حکمت مقتضی ہوئی کہ خدا کا پیغام انسانوں پر اترے اور فرشتے بھی نازل ہوں تو انسانی ادائیں۔

وقالوا لولا انزل علیہ ملکؑ ولو انزلنا ملکاً لقضى الامر شملًا
ینظرون ہ ولو جعلناہ ملکاً لجعلناہ رجلاً وللبسنا علیہم ما یلبسون ہ (پ: الانعام ع آیت ۹)

ترجمہ اور کہا انہوں نے کیوں نہیں اتر اس پر کوئی فرشتہ اور اگر ہم فرشتہ

اُتارتے تو اسی وقت قصہ طے ہو جاتا۔ پھر وہ مہلت نہ پاسکتے اور اگر ہم فرشتے کو بھی بھیجتے تو بھی انسانی شکل میں بھیجتے۔ تو ہم ان کو شبہ میں ہی رکھتے جس شبہ میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں۔

اگر فرشتہ اپنی اصلی صورت میں آئے تو یہ لوگ ایک منٹ کے لیے بھی اس کا تحمل نہ کر سکیں۔ اس کے رعب و ہیبت سے دم نکل جائے۔ یہ صرف انبیاء کا ہی ظرف ہوتا ہے جو اصل صورت میں فرشتہ کی رویت کا تحمل کر سکیں بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر میں دو مرتبہ حضرت جبریل کو اپنی اصلی صورت میں دیکھا ہے اور کسی نبی کی نسبت ایک مرتبہ بھی ثابت نہیں ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظرف طبعی دوسرے عام انسانوں کا سا نہ تھا۔ آپ میں اتنی روحانی قوت تھی کہ فرشتوں کو ان کی اصلی ہیبت میں دیکھنے کے متحمل تھے۔ یہاں رہتے ہوئے ملائکہ اعلیٰ سے یہ مناسبت ہو جائے تو پھر یہ تسلیم کرنے میں کیا رکاوٹ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دنیوی حیات میں آپ پر ملائکہ اعلیٰ کے کچھ حبیبے اتار دیئے تھے۔ سو اگر کوئی یہ سمجھ جائے کہ جب آپ خود عالم برزخ میں پہنچے تو وہاں بھی یہ دو جہاںوں کا ارتباط قائم رہا اور وہاں آپ کا یہی دنیوی بدن جسدا طہر ایک برزخی پیرائے میں فائز حیات ہوا تو اس میں کیا شرعی استحالہ لازم آتا ہے۔

آپ کے برزخ کو دوسرے عام انسانوں کے برزخ کے درجہ میں لانا یہ کوئی سنا علم و دانش کا تقاضا ہے۔ یہ کہتے ہیں یہ مثلیت فی البشریت کا تقاضا ہے۔ ہم کو چاہئے ہیں یوحی الی کے بھی تو آخر کچھ مقتضیات ہیں یا نہیں؟ وکفی باللہ شہیدا۔ برزخ کے بعد عالم آخرت ہے۔ اور یہ بھی نبی پاک کا ان کی اپنی شان کے مطابق ہے۔

ان چار جہانوں کے سوا کیا کوئی اور جہان بھی ہے

یہ چار جہانوں کا بیان تھا — ان کے سوا ایک اور جہان ہے جو رہنے کی جگہ نہیں صرف دیکھنے کی چیز ہے۔ اس میں حقائق و معانی حسبِ حال مختلف صورتوں میں دکھائی دیتے ہیں اور نادیدہ حقیقتیں دیدہ بن جاتی ہیں اسے عالمِ مثال کہتے ہیں۔

عالمِ مثال

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بہت سی احادیث سے استنباط کر کے ایک ایسے عالم کا پتہ دیا ہے، جو عالمِ ادراج کے سوا حیاتِ انسانی کے باقی ادوار میں انسان کے ساتھ متوازی چلتا ہے یہ عالمِ عنصری نہیں اسے عالمِ مثال کہتے ہیں :-

دلت احادیث کثیرۃ علی ان فی الوجود عالمًا غیر عنصری یمثل فیہ المعانی باجسام مناسبة لها فی الصفة۔

ترجمہ: بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں کہ ایک اور جہان موجود ہے جو عنصری نہیں۔ اس میں معانی و صفات اور اعراض اُس اُس صورتِ اجسام میں متماثل ہوتے ہیں جو صفات میں اُن کے مناسب ہو۔

یہ گویا ایک صاف پانی کی غیر محدود نہر یا شیشہ ہے جس میں عالمِ شہادت کی وہ چیزیں جو جاندار

۱۔ سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کا قیامت کے دن آنا اعمال کا، جو اعراض میں متحد ہونا، دنیا کا بڑی عورت کی شکل میں آنا موت کا مینڈھ کی شکل میں ظاہر ہونا وغیرہ وغیرہ اسی کی مثالیں ہیں۔ ۲۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱۱ مصر ۳۔ عالمِ شہادت اور عالمِ غیب ایک دوسرے اعتبار سے عالم کی تقسیم ہے۔ ان دونوں کو عالم الغیب والشہادۃ (پیشتر آیت ۲۲) ہی جانتے ہیں۔ عالمِ شہادت ہمارے سامنے ہے اور عالم الغیب کی چابیاں تو ہیں اسی کے پاس — اس لئے جو جن جنہات کا پتہ دیا۔ ان کے سوا ان کی خبر غیب بھی کسی کے سوا نہیں۔

یا مجسم body material نہیں ہیں۔ اپنی مناسب اور موزوں شکلوں Modes میں جاتا رہا اور مجسم ہو کر نظر آتی ہیں مثلاً نیکی virtue جو ایک مریٰ visible چیز نہیں، ایک حسین جمیل شخص کی شکل میں بدی Evil ایک کریمہ المنظر صورت میں، ایمان آفتاب بن کر علم دریا کے طور پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ یہ حقائق و معانی ہیں جو مختلف صورتوں کا لباس پہن رہے ہیں۔ یہ عالم مثال کی شبیہیں اور تصویریں ہیں۔ دنیا کا ایک بوڑھی عورت کی شکل میں آنا، موت کا مینڈھے کی شکل میں ظاہر ہونا، اسی کی مثالیں ہیں۔

یہ معانی کی تصویریں ہیں۔ اس جہان میں کبھی اگلے جہان کے حقائق کی تصویریں بھی ملتی ہیں جنورہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا کہ صورت لی الجنة والنار اسی قبیل سے ہے جنت و جہنم اپنی جگہ محسوس حقیقتیں ہیں۔ یہ کوئی معانی کا اجتماع نہیں۔

عالم مثال کا نقطہ معانی کی تصویروں کے لیے بھی آتا ہے اور حقائق کی تصویروں کے لیے بھی لیکن صرف ان حقیقتوں کے لیے جو اس جہان سے اس جہان میں جلوہ ریز ہوں۔ جیسے کہ جنت و دوزخ جو حضورؐ کو یہاں دکھائی گئی یا حضرت جبرئیلؑ جو ملا اعلیٰ سے اس جہان میں وحیہ کبریٰ کی صورت میں ظاہر ہوتے رہے۔

ہاں اس جہان میں چیزوں کی شکلیں بدلیں۔ جیسے لاکھڑی کا سانپ بن جانا، آگ کا باغ بن جانا، تو یہ عالم مثال کی باتیں نہیں بمعجزات میں حقیقت بدلتی ہے اور یہ فعل خداوندی سے وجود میں آتے ہیں۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ غلیبہ ارشد حضرت حکیم الامتؒ عالم مثال کو عالم غیب اور عالم شہادت کی ایک برزخی منزل بتاتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ عالم ملکوت اور عالم جسمانیات کے درمیان ایک تیسری منزل کا نام ہے۔ یہ برزخ اس برزخ سے جدا ہے جو عالم دنیا اور آخرت کے مابین ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے اپنے حالات ہیں اور ہر ایک کا اپنا مقام ہے حضرت سید صاحب

اس بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں :-

اس عالم کا مستقل وجود ہو یا نہ، مگر اس میں شک نہیں کہ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں ایسے واقعات، حالات، مشاہدات اور کیفیات مذکور ہیں جن کی تشریح اس عالم میں بخوبی کی جاسکتی ہے۔

معراج کی رات حضورؐ نے عالم برزخ کے مسافروں کو عالم مثال میں دیکھا جیسا کہ بیضاوی کی رائے ہے یا ہو سکتا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعی اصل اجسام تھے جو بقدرت الہیہ وہاں لاجمع کئے گئے۔ ان میں کوئی بات ہو اس میں شرک کی کوئی آلائش نہیں ہے۔ جہاں علماء کا اختلاف ہے وہاں ہر پہلو کا ایک احترام ہے جو علماء وہاں اصل اجساد کی حاضری کو قدرت خداوندی کا جلوہ نہیں ایک لائق استہزا منظر سمجھتے ہیں وہ اللہ رب العزت کی پکڑ سے ڈریں۔

چوں خدا خواہ کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پا کاں برد

ہاں آپؐ نے اس رات جو غیبت کرنے والوں کو انسانی گوشت کھاتے دیکھا یا دیکھا کہ لوگ سامنے رکھا اچھا صاف ستر گوشت نہیں کھا رہے اور گندہ اور بدبودار گوشت کھا رہے ہیں یا کچھ ایسے لوگ دیکھے جن کے ہونٹ اونٹ کے سے تھے اور ان میں آگ ڈالی جا رہی تھی۔ یا زانیہ عورتیں دیکھیں جو چھاتیوں کے بل لٹکی تھیں۔ یہ سب واقعات بے شک ان اشخاص و اعمال کی مثالی صورتیں تھیں لیکن اس میں شک نہیں کہ دیکھنے والے کی نظر عالم مثال کی نہیں اس دنیا کی تھی جس نے ابھی موت کو نہ دیکھا تھا اور یہ خدا کا نشان اور اس کا جلوہ تھا کہ عالم دنیا اور عالم برزخ اس رات بل رہے تھے۔ لہٰذا من ایتنا انھو السبع البصیر کی شان ظاہر ہو رہی تھی۔

باقی انبیاء کو درمیانی حیثیت میں رکھتے ہو سکتا ہے اجساد اعلیٰ ہوں اور ہو سکتا ہے

۱۔ سیرت النبی جلد ۲ ص ۳۴۰ ۲۔ و تمثیل الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام (تفسیر بیضاوی ص ۱۸۳ مصر)
۳۔ مثل النبیون فصلیت بہم (تفسیر مظہری جلد ۵) ۴۔ ان کی تفصیل تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۱۱ میں سے دیکھئے

مثالی صورتیں ہوں اور ان میں سے ہر ایک طرف علماء کی ایک جماعت موجود ہے لیکن یہ قول کسی کا نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سیر بزرخی میں اپنے اصل جسد کے ساتھ نہ تھے۔ یہ جسد اس بزرخی سیر میں روح کی لطافت میں تھا تو اب وہ جسد عالم بزرخی میں کیوں روح کے حکم میں نہیں (معاذ اللہ) بے جان و بے حس پڑا ہے۔ استغفر اللہ

حضرت شاہ ولی اللہ کا مسلک

حضرت شاہ ولی اللہ کے ہاں یہ ایک عالم بزرخی کی سیر تھی جہاں آپ کے جسد اطہر پر روح کے خواص طاری کئے گئے اور معانی و واقعات آپ کو مختلف اشکال و صور میں مشاہدہ کئے گئے آپ نے متعدد حقائق و معانی اور مجرمین و منعمین کو مختلف اشکال و صور میں دیکھا لیکن یہ سو فی صد حقیقت ہے کہ آپ خود اس سیر بزرخی میں اپنے اصلی جسد اطہر کے ساتھ تھے اور وہ جسد اطہر اس بزرخی سیر میں روح کے حکم میں تھا اور جس طرح روح پر واز کرتی ہے آپ آن کی آن میں پہلے آسمان پر تھے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں :-

كل ذلك لجسده صلى الله عليه وسلم في اليقظة ولكن ذلك في موطن

هو بين الخ بين المثال والشهادة جامع لاحكامهما فظهر على الجسد

احكام الروح

ترجمہ: آپ کا یہ سارا سفر معراج جاگتے ہوئے آپ کے جسد اطہر کے ساتھ تھا لیکن یہ ان مقامات میں تھا جو عالم شہادت (اس کھلی دنیا) اور عالم مثال کے مابین ایک بزرخی درجہ ہیں۔ اس میں عالم شہادت اور عالم مثال دونوں جمع تھے اور جسد اطہر پر روح کے احکام ظاہر ہوئے تھے۔

آپ کی یہ سیر معراج بتاتی ہے کہ مکہ مکرمہ میں یہ جسد اطہر کس درجہ لطافت پا چکا تھا اور کہاں کہاں جا چکا تھا۔ جہاں جاتے جبریل کے نوری پر چلتے تھے۔ یہ غامی جسد اطہر اس سرحد کو ایک

آن میں پار کر گیا۔ اب وہ جبراطہر حب مدینہ میں مختفی ہوا، یہاں کی آنکھوں سے پردے میں ہوا تو اب اس میں کوئی لطافت اور جلال نہیں کہ روح القدس کے تعلق سے فائز حیات ہو وہ ناقبائت قبر میں بے جان و حس پڑا رہے گا اللہ تعالیٰ کیا اس کے لیے وللاخرة خیر لکم الاولیٰ کی بشارت شعی بھی کہ ہر بعد کی منزل آپ کے لیے پہلے سے بہتر ہوگی۔

ہم نے اس تمہید میں عالم ارواح، عالم دنیا، عالم برزخ اور عالم آخرت کا کچھ مختصر تعارف عرض کیا ہے۔ عالم مثال کی کچھ تفصیل بھی عرض کر دی ہے۔ عالم مثال کے دو پہلوؤں میں سے دوسرا پہلو بے شک علماء کے ہاں ملتا ہے۔ لیکن پہلا پہلو ان کے ہاں عالم ارواح کا ایک جلوہ ہے وہ اسے عالم ارواح کے کھاتے میں اور دوسرے پہلو کو برزخ کے کھاتے میں ڈالتے ہیں۔ گویا ان کے ہاں یہ کوئی مقام نہیں۔ لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ انہیں ان حقیقتوں کا انکار ہے جو ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ حضرت مولانا الدشاش صاحب فرماتے ہیں:-

اما عند علماء الشرع فليس هناك الا العالمان عالم الارواح وعالم الاجسام
وقد يخطر بالبال ان ما سماه الصوفية عالم المثال هو الذي سماه
اهل الشرع عالم المثال ولم يبق فرق الا في التسمية واما ما سماه
الصوفية الارواح المجردة فلم يبحث عنه العلماء

ترجمہ۔ لیکن علماء شرع کے ہاں یہاں دو ہی جہان ہیں۔ عالم ارواح اور عالم جہاد
ہاں کبھی دل میں یہ بات گزرتی ہے کہ صوفیہ جس کا نام عالم مثال رکھتے
ہیں یہ وہی نہ ہو جس کا نام علماء شرع عالم برزخ رکھتے ہیں۔ اس صورت
میں فرق صرف نام کا رہ جائے گا۔ اور صوفیہ جس کا نام ارواح مجرودہ
رکھتے ہیں علماء شرع نے اس سے بحث نہیں کی۔

اسلام میں ابدانِ مثالیہ کا تصور

جو مہربان کو الف بزخیمہ کو اس قبر کے احوال نہیں مانتے اور قبر کی نشاندہی عالمِ خیب کی کسی چھٹی وادی سے کرتے ہیں انہیں مشکل یہ پیش آتی ہے کہ وہاں میت کو لے جائیں کیسے؟ میت تو اس قبر میں دفن ہے جسے یہ لگ قبر ہی نہیں جانتے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:-

دفن کرنے میں اجزاء بدن کے اپنے مقام پر سب کے سب اپنے حال پر برقرار رہتے ہیں تو روح کا علاقہ بدن سے ازراہ نظر و عنایت بجا رہتا ہے۔۔۔ بدن کا مقام معین ہونے سے گویا روح کا مقام بھی معین ہے۔

اس قبر کو قبر نہ مانتے والے عذابِ قبر کے لیے اب کسی اور بدن کی تلاش میں نکلے جو اس دور کی قبر میں پہنچ کر عذاب وصول کر سکے۔ اب انہیں اس بدنِ مثالی سے یہ عقیدہ اختیار کرنا پڑا کہ یہ دور کا بدن اس دور کی جگہ میں عذاب پار رہے اور جس جسم نے گناہ اور جرم کئے تھے وہ قیامت تک قبر میں بے حس و حرکت عذاب سے محفوظ پڑا ہے۔ یہ عجیب عقیدہ ہے جو قبروں پر ہونے والے شرک کو رد کرنے کے لیے ان لوگوں نے بنا رکھا ہے اس کے بغیر شاعتِ توحید و سنت ہو ہی نہیں سکتی۔

یہ عقیدہ انہوں نے قرآن و حدیث سے لیا ہے یا صرف ان سے، یہ آپ ان سے تحقیق کریں ہم صرف یہ کہیں گے کہ قرآن و حدیث میں ہمیں یہ مثالی دنیا کہیں نہیں ملی، شریعت میں عالم ارواح اور عالمِ جہاد کے وراء ہمیں کسی مثالی دنیا کا پتہ نہیں ملا۔ مثالی صدیق تو ملیں، لیکن مثالی ابدان ہم کہیں دیکھ نہ پائے معراج کی رات آپ نے جو کچھ ابدان کو ہوتے دیکھا وہ ابدانِ معذبہ کی مثالی صدیق تھیں۔ اصل عذابِ قبر اصلی (وہ ایک بگ ہو یا متعدد ذرات میں منقسم) کو ہو رہا تھا۔

علمائے شریعت کے ہاں جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے آپ مطالعہ کر چکے، ایسے بدن مثالی کا کوئی تصور نہیں جو عذاب پانے کے لیے بتایا گیا ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے جو عالم مثال کا پتہ دیا ہے وہ اپنے کشف سے دیا ہے۔ حضرت صوفیہ کلام کے ان نظریات کی بنیاد ان کے مشاہدات ہیں۔ انہیں اپنی جگہ رکھتے ہوئے ہمیں اپنے عقائد کتاب و سنت سے لینے چاہئیں۔ کرامیہ اور اہل سنت میں یہ بحث تو چلی کہ عذاب برزخ صرف روح پر ہے یا روح اور بدن دونوں پر۔ لیکن یہ بحث خیر القرون میں کہیں نہیں ملتی کہ کسی نے عذاب قبر کے لیے کوئی مثالی بدن تلاش کیا ہو اور اس حبیہ عنصری کو نہایت احتیاط سے سچا لیا ہو۔

نسباً ہے ہمارے یہ کرم فرما حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال پیش کرتے ہیں کہ وہاں عدالت کی سزا ایک مثالی بدن پر وارد کی گئی اور اصل بدن عنصری کو اللہ تعالیٰ نے نہایت احتیاط سے محفوظ کر لیا۔ یہ جواب عذر گناہ بدتراز گناہ ہے۔

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نیم

جن لوگوں نے یہ سمجھا کہ عذاب قبر کی طرح نعیم قبر بھی مثالی جسموں سے متعلق ہے۔ وہ شہداء کلام کی حیات برزخی کو پرندوں کی صورت میں لے آئے اور انہوں نے اتنا بھی نہ سوچا کہ مثالی بدن کسے کہتے ہیں اور یہ کہ پرندے کن کی مثالی صورت ہیں؟ انسانوں کی؟ مثالی بدن تو وہ ہے جو اصل بدن جیسا ہو اور اس کی مثال ہو۔ روح متجسد ہو تو یہ وہی شکل اختیار کرے گی جو اصل جسم کی ہو پرندوں کو اجساد مثالی کہنا یہ کون سا علم کلام ہے۔

روح اس شکل میں متجسد ہو تو یہ عالم ابداع کی ایک صورت ہوگی کوئی علیحدہ عالم مثال نہ ہو گا۔ اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ روح ایک ہی صورت میں متجسد ہو، اس کی متعدد صورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ یہ متعدد صورتیں صور مثالی ہوں گی، اجسام مثالی نہ ہوں گے جیسا کہ وہم کر لیا گیا ہے بعض ادبیاء جو کبھی کئی صورتوں میں دیکھے گئے وہ محض ان کی مثالی صورتیں تھیں۔ یہ کوئی مثالی اجسام نہ تھے۔

یہ مشاہدات اور عجائب و کوائف اپنی جگہ، لیکن ظاہر ہے کہ عقائد کی اساس صوفیہ کے یہ مشاہدات نہیں ہو سکتے۔ صوفیہ گو محققین ہی ہوں عقائد کی اساس نہیں بن سکتے۔ عقائد کی بناء دلائل قطعیہ پر ہونی چاہیے۔ صوفیوں کے مشاہدات پر نہیں۔ اور مسائل کی بناء بھی مجتہدین کے فیصلوں پر ہونی چاہیے نہ کہ صوفیوں کے اقوال پر۔ — حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۵۴۴ھ) لکھتے ہیں :-

صوفیہ کا عمل حلت و حرمت میں سند نہیں ہے ہمیں اتنا کافی ہے کہ ان کو معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں اس میں امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے قول کا اعتبار ہے نہ کہ ابو بکر شبلیؒ اور ابوالحسن نورثیؒ کے عمل کا۔ اس زمانہ کے کچھ صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر قصور و مرددین و ملت میں داخل کر لیا ہے اور اس کو نیکی اور عبادت سمجھتے ہیں بلکہ

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ قبر، میت، روح، جسد، الم، راحت اور ادراک کے وہ اطلاقات جو کتاب و سنت میں ملتے ہیں، انہیں چھوڑ کر اور ان کے ظاہری معنوں سے منہ موڑ کر عقائد کی بناء صوفیہ کے مشاہدات اور ابدان مثالیہ پر رکھنا اور اشاعت و توحید و سنت اسے ہی سمجھنا کہ عالم نیرخ کا عذاب و ثواب کسی مثالی جسد کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے کوئی صحیح علمی موقف نہیں کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ یہ بات کہیں قرین عقل نہیں۔

صوفیہ نے جو دیکھا ضروری نہیں کہ اُسے صحیح سمجھا ہو۔

صرف انبیاء کرام ہیں جن کا خواب بھی وحی ہے۔ ان کے فہم پر خدا کی حفاظت کا سایہ ہوتا ہے جو ان کی خطا اور بقا علی السخط سے حفاظت کرتا ہے۔ مجتہد کی یہ شان نہیں کہ اس کی خطا سے حفاظت موعود ہو۔ جب وہ گہرائی میں اترتا ہے تو بات کبھی درست بیٹھتی ہے اور کبھی خطا — عارف کشف سے دیکھتا ہے یا غیب کے پردے میں جھانکتا ہے تو ضروری نہیں کہ وہ بات کو صحیح پالے۔ کیا مشاہدے اور ادراک میں کبھی غلطی نہیں ہو سکتی۔

عارف جامی لکھتے ہیں انسان جو روح اور بدن کا مجموعہ ہے۔ اس کے دنیا اور بدن کے حالات مختلف ہیں۔ یہاں بدن کے احکام غالب ہیں روح اس کے ضمن میں متاثر ہوتی ہے۔ وہاں روح کے احکام غالب ہیں اور بدن اس کے ضمن میں متاثر ہوتا ہے۔ اس مشاہدے میں عذاب روح پر اترتا ہے اور بدن اس سے متاثر ہوتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ وہاں عذاب کے تھوکنے یا راحت کی لہریں پہلے روح پر ہی آئیں اور چونکہ جسم اس کے لیے بمنزلہ آلہ ہے اس لیے وہ بدن پر آکر رہیں گی اور یہ قول صحیح قرار پائے گا کہ قبر کی واردات روح اور بدن دونوں پر ہوتی ہیں۔ سو کسی عارف نے پہلی منزل مشاہدہ کی اور بتایا کہ عذاب روح کو ہورہا ہے، تو ہمارے یہ کرم فرما چڑھ دوڑے کہ دیکھو کرامیہ کی بات درست نکلی۔ — عزیزان گرامی اس صورت حال میں بدن کے ادراک کی نفی نہیں ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ عذاب روح پر اتر رہا ہے اور اس کے تعلق سے بدن متاثر ہو رہا ہے یہی روح و بدن کا عذابِ قبر ہے۔

اگر روح خود مثالی صورت میں یا کسی پندے کی صورت میں متحد ہو اور اس پر عذاب یا راحت اترے (گو اس کے ضمن میں بدن اصلی بھی عذاب و راحت کا ادراک کرے) اور وہ عارف کہہ دے کہ عذاب اس جسدِ برزخی کو ہورہا ہے تو اس میں شریعت کی کسی بات سے ٹکراؤ نہیں ہے۔

ہمیں اپنے کرم فرماؤں سے یہ گلہ نہیں کہ وہ صوفیہ کرام کے ان مشاہدات کی خبر کیوں دیتے ہیں۔ ہمارا شک وہ صرف یہ ہے کہ بزرگوں کے ان مشاہدات کو قرآن و حدیث کے کھلے اطلاقات کے انکار کا زینہ تو نہ بنائیں۔

مسئلہ عذابِ قبر کی اساسی حیثیت

عذابِ قبر کا مسئلہ اہل السنۃ کے اساسی عقائد میں سے ہے۔ کتبِ حدیث اور عقائد کی کتابوں میں اس کے بابِ بندے ہیں۔ جمہور اہل سنت اس میں روح و بدن دونوں کے اہم و

راحت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ کوئی عود روح نہ بھی مانے، تعلق روح مان لے۔ عذاب و راحت دونوں پر جانے تو وہ ہمارے ہاں منکرین عذاب قبر میں سے نہیں ہے۔ بدن یک جا نہ ہو، ذرات منتشر ہیں منقسم ہو اور ان پر ایک بار یک رابطے سے عذاب اترنا مانے تو اسے بھی منکرین عذاب قبر میں سے نہ جانا جائے۔ بدن کا یکجا ہونا ہمارے ہاں اس کے لیے شرط نہیں ہے۔

لیکن اگر وہ ان تمام کیفیات کو اصل بدن سے بالکل لا تعلق کر دیں اور سارا عذاب کسی اور بدن پر ڈال دیں تو پھر آپ ہی فیصلہ کریں کہ انہیں اہل سنت میں شمار ہونے کا کیا حق باقی رہ گیا ہے۔ ہم کہیں گے تو شکایت ہوگی۔ محض ضد و عناد سے معتزلہ کرامیہ شیعہ اور ظاہریہ کے دامنوں میں پناہ لینا اور قرآن و حدیث کے مقابلے میں صوفیوں کے مشاہدات سے مشک کرنا سخت نا عاقبت اندیشی ہے۔

انکار عذاب قبر کی ضرورت کیوں پڑی

کرامیہ کا اصل اختلاف حیات النبی کے موضوع پر تھا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد وفات حقیقی نبی نہ مانتے تھے، آپ کی حکمی رسالت کے قائل تھے۔ اس مہم کو سر کرنے کے لیے انہیں ابتداء سے روح و بدن کی لا تعلق کی ضرورت تھی۔ عذاب قبر میں وہ صرف روح کے عذاب کے قائل ہوئے، شہداء کی حیات مانی تو صرف پرندوں کے قالب میں۔ الغرض اس موضوع کا جہاں تک پھیلاؤ تھا۔ یہ لوگ عقیدہ اہل سنت کی تمام کڑیوں کو ایک ایک کر کے توڑتے گئے۔

ہمارے عہد میں بھی اختلاف عقیدہ حیات النبی سے شروع ہوا۔ یہ حضرات ابتداء میں عذاب قبر سے منکر نہ تھے۔ لیکن مسئلہ جب اطراف و جوانب میں پھیلا تو انہیں بھی عذاب قبر میں معتزلہ کے ساتھ جانا پڑا۔

آپس میں یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم عامہ اموات میں کسی درجے کی حیات کا اقرار کر لیں تو پھر ہمیں شہداء کی بھی حیات جہانی کا اقرار کرنا پڑے گا۔ اس لیے ہم ابتداء سے ہی انکار ضروری سمجھتے ہیں۔

کہ عامہ اموات کے لیے عذابِ قبر روح و بدن کے تعلق سے نہیں ہے۔ یہ اس لیے کہ ہمیں انتہا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر کا کسی درجے میں اقرار نہ کرنا پڑے۔

جب کسی نے گڑھے میں گبنے کی ہی نیت کر رکھی ہو تو اُسے کون روک سکتا ہے مختلف ہو تو حل ہو سکتا ہے ضد اور عناد کا کوئی علاج نہیں۔

یہ گمراہی جس ترتیب سے اُٹھی ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہم بھی اسی ترتیب سے چلیں۔ پہلے اسلام کے عقیدہ برزخ پر کچھ بحث ہو جائے۔ اس کے ضمن میں مسئلہ عذابِ قبر پر کچھ بحث ہو جائے۔ پھر حیاتِ الشہداء پر کچھ بحث ہو جائے۔ اور آخر میں مسئلہ حیاتِ انبیاء پر عقائد اہل السنۃ و الجماعۃ کی روشنی میں حق بات کہہ دی جائے۔

ہم نے حق بات کہنی ممتی کہہ دی۔ اب اسے دلوں میں اتارنا یہ ہمارے بس کی بات نہیں۔ دل اللہ رب العزت کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں جس طرح وہ چاہتا ہے وہ انہیں پھیرتا ہے۔ احباب سے گزارش ہے کہ وہ ہماری محرومات کو ضد و عناد اور تعصب کی عینک اتار کر پڑھیں۔ ان شاء اللہ بہت سے بیمار دلوں کو شفا ہوگی۔ وهو المستعان وعلیہ التکلان۔
یا قوہ الیس منکر جلاؤں شدید۔

عالم ارواح، عالم دنیا، عالم برزخ، عالم آخرت اور عالم امثال کے حالات اور ان کی صفات آپ کے سامنے ہیں انہیں عالم برزخ میں قبر کے الم و لذت کی کیفیت اور اس کا ادراک اُس جیسے جہانِ برزخ کا سب سے بڑا نازک مسئلہ ہے۔ اس کھلے جہان میں ہم اس پر ایمان لانے کے تو مکلف ہیں۔ کیونکہ قرآن پاک اور احادیث میں اسے ان مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کی قدر مشترک اسے تو اتر کا درجہ دیتی ہے لیکن اسے یہاں پوری طرح جان لینا ہمارے بس میں نہیں۔ تاہم اپنے قارئین کی سہولت کے لیے ہم اسے کچھ سہل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ واللہ و الحمد التوفیق۔

عذاب القبر

①- ثم السؤال عندی یكون بالجسد مع الروح كما اشار اليه صاحب الهداية[ؒ]

ترجمہ۔ میرے نزدیک قبر کا سوال و جواب روح و جسد کے مجموعہ سے ہوگا اور صاحب ہدایہ نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

②- یصح ان یعرض علی الانسان المجموع المركب من الجسد والروح مقعده من الجنة والنار ویحس اللذة والالم[ؒ]

ترجمہ۔ یہ صحیح ہے کہ قبر میں جنت اور دوزخ کے ٹھکانے روح و جسد کے مجموعہ پر پیش ہوتے ہیں اور روح و جسد سے مرکب انسان ہی قبر کے لذت و الم کا ادراک کرتا ہے۔

③- ولا یرد تعذیب المیت فی قبره لانه توضع فیہ الحیات عند العامة بقدر ما یحس بالالعد والبنیہ لیسب بشرط عند اهل السنة بل تجعل الحیاة فی تلك الاجزاء المتفرقة لا یدر کہا البصر[ؒ]

ترجمہ۔ عذاب قبر کا الکل نہ کیا جائے، کیونکہ جمہور اہل سنت کے نزدیک میت میں اس قدر حیات رکھی جاتی ہے کہ وہ لذت و الم کا ادراک کر سکے، اور جسم کا یکجا ہونا اس ادراک الم کے لیے اہل سنت کے ہاں کوئی شرط نہیں، بلکہ وہ حیات اجزائے منتشرہ میں بھی اس طرح رکھی جاسکتی ہے کہ یہ ظاہری آنکھیں اُسے نہ پاسکیں۔

④- واعلم ان اهل الحق اتفقوا على ان الله تعالى يخلق في الميت نوع حياة في القبر قد وما يتالم او يتلذذ به

ترجمہ: یہ جان لیجئے کہ اہل حق (اہل سنت) کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ میت میں سجاوٹ قبر ایک اس طرح کی حیات ضرور پیدا فرما دیتے ہیں کہ وہ معاملات قبر میں، اَلْم یَا لَذَّت کا ادراک کر سکے۔

⑤- ان مذهب سلف الائمة وائمتها ان الميت اذا مات يكون في نعیم او عذاب وان ذلك يحصل لروحه وبدنه

ترجمہ: سلف امت اور ائمہ اہل سنت کا فیصلہ یہی ہے کہ مرنے کے بعد میت کے لیے نعیم و عذاب کے معاملات برحق ہیں اور (قبر میں لذت و اَلْم کا) یہ ادراک روح و بدن کے مجموعہ کے ساتھ ہوتا ہے۔

⑥- ان النعيم والعذاب لا يكون الا على الروح وان البدن لا ينعم ولا يعذب وهذا قول الفلاس المنكرين لمعاد الابدان وهو لا ينفك عن اجماع المسلمين ويقولون كثيرا من اهل الكلام من المعتزلة وغيرهم الذين يثرون بمعاد الابدان لكن يقولون لا يكون ذلك في البرزخ وانما يكون عند القيام من القبر ولكن هؤلاء ينكرون عند البدن في البرزخ فقط

ترجمہ: قبر کا ثواب و عذاب صرف روح کو ہوتا ہے اور بدن کو اس سے کوئی تعلق نہیں، یہ اُن فلاسفہ کا قول ہے، جو "معاد ابدان" کے بھی منکر ہیں اور یہ لوگ بالاجماع مسلمان نہیں معتزلہ کے مشکئین کا جو "معاد ابدان" کا اقرار کرتے ہیں، بھی قبر کے ثواب و عذاب کے متعلق یہی عقیدہ ہے۔ وہ معاملہ ابدان کو صرف

حشر میں تسلیم کرتے ہیں، برزخ میں اس کے قائل نہیں۔ ان معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ عذاب قبر صرف روح سے متعلق ہے، بدن کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

④۔ بدنِ اول را از حصولِ احکامِ برزخ چارہ نبود و از عذاب و ثواب قبر گزیدہ...

..... افسوس، ہزار افسوس، اس قسم بطلانِ خود را بسندِ شیخی گرفتہ اند و معتزائے اہل اسلام گشتہ ضلّوا و اضلّوا۔

ترجمہ۔ اس سے پہلے بدن (عنصری) پر احکامِ برزخ ضرور وارد ہوتے ہیں اور اس بدنِ اول کو عذابِ قبر اور ثوابِ قبر کے معاملات سے ہرگز چھٹکارا نہیں۔ افسوس ہزار افسوس، ان فریبِ کاردوں پر جو شیخ ہوئے کی مسند بچائے ہوئے ہیں کلاموں کے مقتدا بنتے ہیں (اور پھر ان امور کا انکار کرتے ہیں) یہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

تفصیح المباحث

مختلف ادوارِ حیات کی تفصیل اس لیے کی گئی ہے کہ اصل موضوع جس پر پورے سوادِ عظیم کا اجماع ہے مشتتبہ ہو کر نہ رہ جائے۔ برزخی کیفیات کی تفصیل اس لیے ہے کہ اس دنیا والے بدن یا اس کے اجزاء کو عالمِ برزخ میں روح سے کئی طور پر جدا نہ سمجھا جائے۔ بلکہ ہر کسی کے لیے اُس کے مقام کے مطابق روح و بدن کا تعلق قائم تسلیم کیا جائے۔

عبدِ اہل اسلام کا اتفاق اور اجماع ہے کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وفاتِ شریفہ وارد ہوئی اور طریقِ جانِ موت سے ”کل نفس ذائقة الموت“ کا وعدہ پورا ہوا آپ کے لیے جس قسم کی وفاتِ مقدر تھی اُس کا درود ہوا، اور آپ نے یقیناً اس عالمِ دنیا سے عالمِ برزخ میں انتقال فرمایا۔ روضہ منورہ برزخ کا محل اور آخرت کی پہلی منزل ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ارشاد فرماتے ہیں۔

حسب ہدایت کُل نفس ذلّت الموت اور اذک میت و انہم میتون
مقام انبیائے کرام علیہم السلام خاص کر حضرت سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کی
نسبت موت کا بھی اعتقاد ضرور ہے۔

باجملہ موتِ انبیاء اور موتِ عوام میں زمین و آسمان کا فرق ہے بلکہ
اس پر بھی پورے سوادِ اعظم کا اجماع ہے کہ حضورؐ کے پر وہ قبر میں جانے کے بعد
پھر آپؐ کے جسدِ اطہر میں حیاتِ نو نادی گئی۔ دُخلِ مدح سے اس دُنیا والے
جسمِ منصری میں اعادۂ حیات ہوا یا تاثیرِ روح سے آپؐ کے جسدِ منصری میں حیاتِ
نوٹ آئی، اس میں کچھ خفیف سا اختلاف ہوا لیکن انجام کار سب کا اتفاق
ہے کہ آپؐ کا جسدِ اطہر روضۂ منورہ میں محض بے حس و بے شعور نہیں، بلکہ فائزِ الحیات
ہے آپؐ کی یہ حیاتِ قدسیہ باعتبار تعلق بالبدن جسمانی، باعتبار تعلق بالرزق
رُوحانی اور باعتبار تعلق بالعالم برزخی ہے۔

ان سطور سے یہ حقیقت بے غبار ہو گئی کہ اصل مبحثِ مطلق حیات نہیں بلکہ حیاتِ بعد
الوفات ہے۔ پس وہ آیات یا روایات جن سے ثبوتِ وفاتِ سید الکائنات کا استدلال
ہوتا ہو، ہمارے تدعا کے قطعاً خلاف نہیں۔ مسئلہ زیرِ بحث میں انہیں بار بار دہرانا اور محلّ نزاع
بنانا یقیناً خروج عن المبحث ہے۔ اہل سنت کا عقیدہ حیاتِ النبی کے مسئلہ میں یقیناً حیاتِ
بعد الوفات کا ہے۔ پہلے وفات کا مدود بعد کے زندہ ہونے کے ہرگز متنافی نہیں۔ خطبہ صدیقی
مرف ان لوگوں کے خلاف ہی پیش ہو سکتا ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی قسم کے
طریانِ موت کے قائل نہ ہوں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ طریانِ موت کی کیفیت میں تو اختلاف
کر سکتے ہیں، لیکن درودِ موت سے انہیں بھی اختلاف نہیں، یہ حقیقت اُن کو بھی تسلیم ہے کہ جس قسم
کی وفات آپؐ کے لیے مقدر تھی وہ آپؐ پر وارد ہوئی، اور وعدہ الہیہ حضورؐ پر بھی پورا ہوا۔

طریق موت اور اعادہ حیات کے احتمالات ثلاثہ

صورت واقعہ — کچھ بھی ہو

روضہ منورہ کی حیات جسمانی پھر بھی قدر مشترک ہے

احتمال اول

آپ کی وفات شریفہ بمعنی ابانۃ الروح عن الجسد ہے۔ لیکن روح مبارک جبہ اطہر سے جدا ہونے اور رفیق اعلیٰ اور علیین کی سیر کرنے کے بعد پھر قبر شریف میں رکھے ہوئے جبہ اطہر لے اعلیٰ علیین میں اس وقت داخلے اور تعلق قائم کر کے پھر روح کے واپس ہو جانے پر تعجب نہ ہو۔ اس لیے کہ جب حضرت جبریل اور میکائیل علیہما السلام نے ایک خواب میں حضور کو اس عالم کی سیر کرائی تھی۔ اور حضور اکرمؐ نے وہاں اپنی منزل دیکھی تھی، تو آپ اس میں داخل ہونے لگے تھے۔ ظاہر ہے کہ آپ کا داخل ہونے کا ارادہ وہاں رہنے کے لیے نہ تھا۔ بلکہ آپ محض سیر کے طور پر وہاں داخل ہونا چاہتے تھے۔ اس پر حضرت جبریل اور حضرت میکائیل نے کہا تھا۔ انہ بقى لك عمر لم تستكملہ فلا استکملت اتيت منزلك (بخاری کتاب الجنائز جلد ۱۸۵) آپ کی عمر شریف میں سے کچھ حصہ باقی ہے۔ جب آپ اس کی تکمیل فرمائیں گے تو پھر آپ اپنی اس منزل میں آئیں گے۔ جب یہ کلام اس وقتی داخلے کے جواب میں تھا تو متبادر ہوتا ہے کہ اشکمال عمر کے بعد وہاں جو داخلہ میسر ہو گا وہ بھی بطور سیر اور کچھ وقت کے لیے ہی ہو گا۔ بعد میں کیا ہو گا، یہاں اس کی تفصیل نہیں اور نہ یہ اس کا مقام تھا۔ ہاں اس روایت کے کسی طریق میں ہمیں یہ الفاظ کہیں نہیں مل سکے کہ آپ اشکمال عمر کے بعد اس منزل ہی میں ہمیشہ رہیں گے۔ من ادعیٰ فعلیہ البیان۔ بہر حال یہ ایک خواب تھا جس کی تحقیق اس وقت مقصود کلام نہیں ممکن ہے اس کی تعبیر کچھ اور ہو۔

میں لڑادی گئی۔ روح اقدس کا اعلیٰ علیتین سے تعلق بھی رہا اور روضۂ منور میں رکھے جسید اطہر میں بھی حیاتِ لوٹ آئی اور اس طرح روح و بدن میں ویسا ہی قوی تعلق قائم ہو گیا جو اس دنیا میں تھا۔ بلکہ اس سے بھی قوی تر، کیونکہ یہ حیاتِ دنیوی رزقِ مادی کی محتاج ہے۔ لیکن اس عالمِ بزرگ کی حیاتِ عنصری جسمانی اس دنیا کے رزقِ مادی پر مبنی نہیں، اس کا تقوم رزقِ روحانی پر ہے اور یہ ہمارے شعور سے بالاتر ہے۔

احتمال دوم

آپ کی وفاتِ شریفہ بمعنی ابانۃ الروح عن الجسد ہی ہے لیکن بعد کا اعادۂ حیات دخولِ روح سے نہیں، اتصالِ روح سے ہے۔ روحِ مبارک جسید اطہر سے جدا ہو کر رفیقِ اعلیٰ اور خطیرۂ قدسیہ میں پہنچی۔ پھر اسی ستر سے اس کا پرتو قبر شریف میں رکھے ہوئے جسید اطہر پر پڑنے لگا۔ اس سے جسید عنصری کا شعور بیدار ہوا اور روح و بدن میں نہایت قوی علاقہ قائم ہو گیا۔ روح و بدن کے اس تعلق سے حیاتِ جسمانی قائم ہوئی اور روضۂ منورہ پر عرض کیئے گئے صلوٰۃ و سلام کو آپ خود سنتے ہیں۔

احتمال سوم

آپ کی وفاتِ شریفہ بمعنی ابانۃ الروح عن الجسد نہیں، بلکہ بمعنی قبضِ روح ہے۔ انقباضِ الروح فی القلب سے روح اقدس سارے جسم سے یہ موجودہ تعلق منقطع کر کے قلبِ مبارک میں مستور ہو گئی۔ پھر وہاں روح اور حیات میں تلازمہ ہٹ گیا۔ آثارِ حیات قلبِ منور سے پھر پھیل گئے اور روحِ مبارک اس تعلق کے باوجود علیتین سے بھی متعلق ہو گئی۔

خلاصہ یہ کہ حیاتِ ایک لمحہ کے لیے بھی مرتفع نہ ہوئی اور ”روح بمعنی حیات“ کا کٹلی انقطاع نہ ہوا۔ گو انقباضِ الروح فی القلب سے موت کا وعدہ بھی پورا ہو گیا۔ اس عالم

میں روح و حیات میں تلازم نہیں۔ آثارِ حیات بھلب ہو کر قلب میں اس لیے منتقل ہوئے کہ اختلافِ دارین کا تحقق ہو سکے، کیونکہ موت ذریعہ ہے اس عالم میں منتقل ہونے کا۔ اور قاعدہ ہے حیم اسرار میں بغیر آمین دربار کے کوئی شخص داخل نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے درود و قات پر صحابہ کرامؓ نے آپ کو دفن کر دیا اور روضہ منورہ میں پھر آپ کے جسد اطہر میں حیات پھیلا دی گئی اور روح و بدن کا ویسا ہی تعلق قائم ہو گیا جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔ ماسوا اس کے کہ لوازمِ حیات وہاں صرف وہی ہیں۔ جن کا پتہ ہمیں شریعت کی طرف سے ملتا ہے۔ اس دنیا کی زندگی کے جمیع لوازمات کا تحقق وہاں ضروری نہیں۔

تبصرہ : طریاں موت اور اعادہ حیات کی ان تین صورتوں میں سے کوئی ایک محلِ نزاع نہیں اور نہ ان میں سے کسی ایک کے امر واقع ہونے پر ہمیں اصرار ہے۔ بحث و تحقیق وہیں ہونی چاہیے، جہاں ترتیبِ احکام مختلف کر دیں لے رہا ہو اور جہاں بہر صورت قدر مشترک ایک ہی ہو اور ترتیبِ آثار و احکام میں، خواہ کوئی بھی احتمال اختیار کر لیں، نتیجہ ایک ہی ہو، وہاں ان مباحث میں الجھ کر رہ جانا خود ایک اندازِ جنون ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے طریاں موت اور اعادہ حیات کے لیے جس صورت کو امر واقع قرار دیا ہے، اس کے متعلق لکھتے ہیں :-

ہم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے لیے ایسے یقین کے خواستگار نہیں کہ وہ ہم سنگ یقین توحید و رسالت ہو، فقط اس قدر کافی ہے کہ منشاء ترتیبِ آثار و احکام ہو سکے بلکہ

گو عقیدہ تو یہی ہے اور میں تو جانتا ہوں، انشاء اللہ العزیزہ ایسا ہی رہے گا، مگر اس عقیدہ کو عقائد ضروریہ سے نہیں سمجھتا۔

پس جب حضرت حجۃ الاسلامؒ نے اپنی اختیار کردہ صورت سے اختلاف کرنے کا خود

دوسروں کو حق دیا ہے، تو اب اس خاص جزئیہ میں حضرت سے اختلاف خود ان کے مسلک سے خروج نہیں۔ ہاں اگر قدر مشترک ہی کا کہ روضہ منورہ میں جبہ اطہرِ عرض ہے جس و شعور نہیں، بلکہ اس میں حیاتِ عنصری بہرِ صورت کیفیتِ موت موجود ہے، انکار کر دیا جائے تو پھر اس اصل کے انکار کو ایک خاص صورتِ موت کے انکار پر قیاس نہیں کر سکتے۔ یہ یقیناً اکابرِ اہل سنت کے مسلک سے گریز پائی ہو گئی۔

روحِ مبارک نے علین سے پر تو ڈال کر جبہ اطہر میں حیات کو ٹائی ہو یا قدرتِ ایزدی سے خود روح ہی بدن میں داخل ہو چکی ہو یا قلبِ منور میں مستور حیات پھر سارے بدن میں پھیلا دی گئی ہو۔ صورتِ واقعہ خواہ کچھ ہو، مالِ کار سب کا ایک ہے اور وہ یہ کہ روضہ منورہ کی حیاتِ جہانی تمام احتمالات اور مسالکِ فکر کی قدر مشترک ہے۔

تفصیل مذکور سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ مسئلہ زیرِ بحث فقط یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ شریف میں حیاتِ عنصری سے زندہ ہیں یا جبہ اطہرِ عرض سے جان پڑا ہے۔ یہ بحث ہرگز نہیں کہ۔

① — حضور پر وفاتِ شریف کا درود ہوا تھا یا نہیں یا

② — یہ طریقِ موت اقطاع الروح عن الجسد کے معنی میں تھا یا قبض روح کے معنی میں یا

③ — روحِ مبارک کا مستقر مقامِ علین ہے اور وہ وہاں سے روضہ منورہ میں رکھے گئے۔ جبہ اطہر پر پر تو حیات ڈال رہی ہے یا خود روح ہی دوبارہ جبہ اطہر میں داخل ہے۔

اور رفیقِ اعلیٰ سے فقط ایک تعلق باقی ہے، وغیرہ ذلک من المداہک۔ ان کیفیات کو موضوع بنالینا یقیناً خروج من المبحث ہوگا اور یہ امور قطعاً نقطہ اشتراک "قبر شریف کی حیاتِ عنصری" کے عوارضِ ذاتیہ میں سے نہیں، ان احتمالاتِ غلطیہ میں سے کسی ایک یا دو کے بالکل خلاف واقعہ ثابت ہو جانے سے بھی اصل مسئلے کا انکار یا ابطال لازم نہیں آتا۔

اصل مبحث حیاتِ البنیٰ

باعتبار تعلق بالبدن — حیاتِ جسمانی
 باعتبار تعلق بالعالم — حیاتِ برزخی
 باعتبار تعلق بالرزق — حیاتِ روحانی

مشتک مفاد حیاتِ جسمانی برزخی ہے۔

(ولولا الاعتبارات لمبطل المحکمة)

حیاتِ جسمانی

زندہ اُسے ہی کہتے ہیں جس کے بدن میں حیات ہو، خواہ دخولِ روح سے، خواہ اتصالِ روح سے۔ فقط روح کے زندہ ہونے سے کسی کو زندہ نہیں کہا جاتا، اس لیے کہ روح تو ہوتی ہی زندہ ہے، خواہ مسلمان کی ہو یا کافر کی۔ روح جہاں بھی ہوگی، زندہ ہی ہوگی پس کسی شخصیت کے زندہ ہونے یا نہ ہونے کا معیار جسم ہے اور یہی زندگی کا محل ہے جس کے بدن میں حیات ہو وہ زندہ ہے اور جس کی روح یا حیات اس کے بدن سے منقطع ہے وہ زندہ نہیں اور نہ اُسے کوئی شخص زندہ سمجھتا ہے۔

قرآن عزیز میں جہاں بھی انسانی حیات کا تذکرہ ہے، اُس کا محل جسم ہی ہے۔ شہداء کے متعلق ارشاد فرمایا :-

① وَلَا تَقُولُوا الْمَن يَقْتُلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أحياءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ

(پ البقرہ آیت ۱۵۴)

ترجمہ۔ اور تم انہیں، جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں، مردے نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تمہیں پتہ نہیں چلتا۔

یہاں احياء انہی کو فرمایا، جو میں یقتل کے ماتحت آتے تھے اور ظاہر ہے قتل کا محل

جسم ہے نہ کہ روح — پس حیات کا محل بھی جسم ہی ہے نہ کہ روح — اگر جسم میں زندگی ہو تو وہ زندہ ہے۔ اگر جسم زندہ نہیں تو کوئی زندگی نہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ شہداء کے اجسام سامنے بالکل مُردہ نظر آتے ہیں، بلکہ بعض اوقات لاش بھی ایک جگہ نہیں ہوتی تو کس طرح تسلیم کر لیا جائے کہ وہ جسمی طور پر زندہ ہیں؟

جو اباعرض ہے کہ اسی لیے تو اللہ رب العزت نے ارشاد فرمادیا تھا — وَلَٰكِنْ تَشْعُرُونَ — لیکن تمہیں پتہ نہیں چلتا — اگر ہمیں اس حیات کا پتہ نہیں چلتا، تو یہ ایک پردہ ہے، حق یہی ہے کہ حیات ثابت ہے اور وہ جسمی حیات ہے

قاضی شہ کا فی ۳ (۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں :-

ورد النص في كتاب الله في حق الشهداء أنهم أحياء موزنون

وان الحياة فيهم متعلقة بالجسد فكيف بالانبياء المرسلين

ترجمہ: نص قرآن وارد ہے کہ شہداء زندہ ہوتے ہیں، انہیں رزق بھی دیا جاتا

ہے اور یہ کہ ان کی حیات جسمانی ہوتی ہے (خواہ ہمیں اس کا ادراک نہ ہوتا

ہو) پس انبیائے مرسلین کی حیات اظہر کس طرح جسمانی نہ ہوگی۔

② واذا قال ابراهيم رب ادنى كيف تحى الموتى .

(پ ۱۱ البقرہ آیت ۲۶۰)

ترجمہ: اور جب ابراہیمؑ نے کہا: اے پروردگار! مجھے دکھائیے کہ آپ کس طرح

مُردوں کو زندہ فرماتے ہیں۔

یہاں حیات کا محل اسے ہی بتایا ہے جسے کہ ”موتی“ کہا گیا ہے اور ظاہر ہے روح

ہمیشہ زندہ ہوتی ہے اسے میت کبھی بھی نہیں کہا جاتا۔ موت کا محل جسم ہی ہے اور ”موتی“

اجسام ہی کو کہا گیا ہے پس حیات کا محل بھی جسم ہی ہے نہ کہ روح۔

③ فاماته الله مائة عام۔ (پ البقرہ ع ۲۵ آیت ۲۵۹)

ترجمہ۔ حضرت عزیرؑ کو سو سال تک موت سے رکھا

اس میں بھی امانت کا محل جسم ہی ہے نہ کہ رُوح۔ حضرت عزیرؑ کی رُوح پر تو موت قطعاً نہ آئی تھی۔ پس جس طرح موت کا محل جسم ہے نہ کہ رُوح، اسی طرح حیات کا محل بھی جسم ہی ہے۔ جب حیات جسم میں ہو تو زندہ ہے جب نہ ہو تو زندہ نہیں۔

④ اخـیٰ ہذہ۔۔۔۔۔ میں بھی محل حیات جسم ہی ہے نہ کہ رُوح۔

ان حقائق سے واضح ہے حیات ہوتی ہی جسمانی ہے۔ اگر رُوح کا تعلق بدن کے ساتھ نہ ہو تو اسے کوئی حیات نہیں کہتا اور نہ ہی یہ حیات کی کوئی قسم ہے۔ خواہ مخواہ اسے حیات رُوحانی کہتے چلے جانا ایک مغالطہ اور فریب ہے، اسی طرح موت کا محل بھی جسم ہی ہے۔ مالک بن ربیع اپنے مرثیے میں کہتا ہے۔

ولما تراءت عند مرو منیتی

وحلّ بہا جسمی وحانت وفاتی

ترجمہ۔ اور جب مرو کے پاس میری موت سامنے آئی اور اس کا محل میرا جسم بنا اور میری وفات کی گھڑی آپہنچی۔

لہٰذا پیش نظر ہے کہ جس طرح جُحد بنی آدم پر فعل امانت محض ایک آنی اور صرف چند لمحات کے لیے وارد ہوتا ہے۔ بعد ازاں برزخی معاملات شروع ہو جاتے ہیں۔ حضرت عزیرؑ پر ایسا نہ ہوا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سو سال تک موت کی حالت میں رکھا، آگے کے برزخی معاملات ان پر وارد نہ فرمائے کیونکہ آگے جا کر انہیں اسی دنیا میں زندہ کیا جاتا تھا۔ پس جب موت سابقہ سے انتقال دارین کا تحقق نہ تھا۔ تو برزخی معاملات کو روک لیا گیا۔ یہاں مائة عام کی قید اسی لیے ہے کہ جب دوسرے بنی آدم پر فعل امانت کے بعد معاملات برزخ جاری کر دیئے جاتے ہیں۔ یہاں معاملہ عجیب ہو رہا ہے۔ پس اسے ایک ضابطہ بنانا اور موت انبیاء کے لیے بطور ایک کلیہ کے پیش کرنا کس قدر کھلی خطا ہے۔

حیاتِ برزخیہ

نہایت غور سے، کہ انبیاء کرامؑ کی حیاتِ عنصری جسمانی کے انکار کو حیاتِ برزخی کے مبہم اقرار میں لپیٹنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حالانکہ حیات کی کوئی قسم برزخی نہیں۔ حیاتِ برزخیہ میں علاقہِ نوعیت کا نہیں، ظرفیت کا ہے۔ اور حیاتِ برزخی سے مراد حیاتِ فی البرزخ ہے، نہ یہ کہ حیات کی اپنی کوئی قسم برزخی ہے۔ نہ یہ مطلب ہے کہ آپ کو عالمِ برزخ میں حیاتِ جسمانی حاصل نہیں۔

پس جن بزرگوں نے حیاتِ برزخی کی تصریح کی ہے، ان کی مراد روضۂ منورہ کی حیاتِ عنصری جسمانی کا انکار ہرگز نہیں۔ اسی طرح جنہوں نے حیاتِ روحانی کے الفاظ استعمال کیے، ان کا منشاء یہی تھا کہ باعتبار تعلق بالرزق وہ روحانی حیات ہے، نہ یہ کہ حیات کی کوئی اپنی قسم روحانی بھی ہے۔ اندر میں صورتِ حیاتِ روحانی یا حیاتِ برزخی کے قول سے قبر شریف کی حیاتِ جسمانی کا انکار ہرگز لازم نہیں آتا۔

خلاصۃ المراد یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ثانیہ کی ان جہات (برزخی، روحانی معنوی) میں کوئی اختلاف نہیں، انہیں خواہ مخواہ محلِ بحث بنانا اصل موضوع کو الجھانے کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اصل موضوع تحقیق صرف حیاتِ جسمانی ہے اور وہی محلِ نزاع بنتی ہوئی ہے۔ پس اصل بحث یہ ہے کہ :-

”سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے روضۂ شریفہ میں حیاتِ عنصری جسمانی حاصل ہے یا جبہ اطہر محض بے جس و شعور پڑا ہے“ (معاذ اللہ)

روح کی حقیقت

بقیۃ السلف بحر العلوم حضرت علامہ سید نور شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بالفاظِ عارف جامیؒ یہاں تین چیزیں ہیں :-

- ① وہ جو اہر جن میں مادہ اور کمیت دونوں ہوں، جیسے ہمارے ابدانِ مادیہ۔
- ② وہ جو اہر جن میں مادہ نہیں صرف کمیت ہے، جنہیں صوفیاء "اجسامِ مثالیہ" کہتے ہیں۔
- ③ وہ جو اہر جو مادہ اور کمیت دونوں سے خالی ہوں، جن کو صوفیاء "ارواح" یا حکماء "جو اہر مجرّدہ" کے نام سے پکارتے ہیں۔

مہجور اہلِ شریع جس کو رُوح کہتے ہیں وہ صوفیہ کے نزدیک "بدنِ مثالی" سے موسوم ہے جو بدنِ مادی میں علول کرتا ہے اور بدنِ مادی کی طرح آنکھ، ناک، کان ہاتھ، پاؤں وغیرہ اعضاء رکھتا ہے۔ یہ رُوح بدنِ مادی سے کبھی جدا ہو جاتی ہے ہے اور اس عبادی کی حالت میں بھی ایک طرح کا مجہول کیفیت علاقہ بدن کے ساتھ قائم رکھ سکتی ہے جس سے بدن پر ہر حالت میں موت طاری نہیں ہونے پاتی۔ گویا حضرت علی مرتضیٰؑ کے قول کے مطابق، جو بغویؒ نے اللہ تعالیٰ کا نفس حینِ موت ہما کی تفسیر میں نقل کیا ہے، اس وقت رُوح خود علیحدہ رہتی ہے، مگر اس کی شعاع جسد میں پہنچ کر بقائے حیات کا سبب بنتی ہے، جیسے آفتاب لاکھوں میل سے ہذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:-

الحیوة فی اللغة شئء مفائر للروح لا عینہ بل ثمرۃ تعلقة وقد زعم بعض الناس انه نفس الحیوة وليس كذلك۔

ترجمہ: حیات اور رُوح لغت کی رو سے دو مختلف حقیقتیں ہیں حیات رُوح کا عین نہیں، بلکہ اس کے تعلق کا ایک ثمرہ ہے بعض عام لوگوں کا گمان ہے، کہ رُوح ہی نفسِ حیات ہے، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بھی لکھتے ہیں:-

سیاسے از اشاعرہ و خفیۃ در اعادۃ روح تردد کردہ اند و تلازمہ روح و حیات
را منع نموده۔

ترجمہ: بہت سے اشاعرہ اور خفیۃ (حیات فی القبر کے لیے) اعادۃ روح کے
باب میں متردد رہے ہیں (یعنی اسے قطعی نہیں جانتے رہے) اور حیات اور روح
کے تلازمہ کے قائل نہیں ہیں۔

یعنی قبر میں حیات جسمانی کے لیے اعادۃ روح ضروری نہیں، محض تعلق روح سے بھی وہاں
حیات کا تحقق ہو جاتا ہے۔

مفارقت بدن کے بعد روح کا شعور

امام رازیؒ اس پر دلائل پیش کرتے ہوئے کہ ”روح مفارقت بدن کے بعد بھی جزئیات
کا ادراک کر سکتی ہے۔“ فرماتے ہیں:-

فوجب القطع بان النفس بعد مفارقة البدن مدركة للجزئیات۔

ترجمہ: یہ بات قطعی طور پر تسلیم کرنی چاہیے کہ نفس انسانی بدن سے جدا ہونے کے باوجود

ان جزئیات کا ادراک کر سکتی ہے جو اس بدن پر وارد ہوں۔

ان تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ اصل موضوع ”اعادۃ روح“ بھی نہیں، بلکہ ”ثبوت حیات

بعد النفات لیسۃ الکائنات“ ہے اور اسی موضوع پر ہم کچھ گزارشات کرنا چاہتے ہیں۔ عودِ روح کی
بحث اگر کہیں آئی ہے تو ضمناً آئی ہے۔ حیات شہداء کا بیان بھی صرف اس لیے ہے کہ ان
کی حیات جسمانی کا ثبوت انبیاء کرام کی حیات ثابت کرنے کے لیے ایک زینہ کے وجہ میں ہے
اور ان کی حیات سے انبیاء کی حیات بدالالت التزامی ثابت ہوتی ہے۔ اب ہم اس باب
کو شروع کرتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق وبہ ازمۃ التحقیق۔

حیاتِ شہداء

عامہ اموات کی برزخی زندگی اور اس کا اصلی بدن یا اس کے ذرات منتشرہ سے تعلق بایں قدر کہ عذابِ قبر یا اس کی نفیم کا ادراک ہو سکے تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے آچکا ہے یہ ایک روحانی زندگی ہے جس کا قرآن پاک کی مختلف آیات میں اشارۃً ذکر ہے بقول حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم۔

مرنے اور دفن ہونے کے بعد قبر میں انسان کا دوبارہ زندہ ہو کر فرشتوں کے سوالات کا جواب دینا۔ پھر اس امتحان میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب یا عذاب کا ہونا قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارۃً اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ستر احادیث متواترہ میں بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ مذکور ہے جس میں مسلمانوں کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

لیکن حیاتِ شہداء عامہ اموات کی طرح صرف روحانی نہیں جسمانی ہے اور وہ اپنے حق میں اسے جسمانی ہی محسوس کرتے ہیں۔ عامہ اموات کی برزخی زندگی قرآن کریم میں اشارۃً اور شہداء کرام کی جسمانی برزخی زندگی قرآن پاک میں عبارتہً مذکور ہے۔ حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اس سے بھی زیادہ کامل جسمانی برزخی زندگی قرآن کریم سے دلالتاً ثابت ہو رہی ہے۔ حیاتِ انبیاء کی بحث ہم انشاء اللہ آگے جا کر کریں گے۔

یہاں موضوعِ سخن حیاتِ شہداء ہے جو قرآن کریم میں عبارتہً النص سے مذکور ہے جس کا انکار کفر ہے۔ اس کا سمجھنا اس کے انکار کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ نہ اس کا کسی

مثال میں آنا اس کے شعور میں آنے پر نتیجہ خیز ہو سکتا ہے۔

نامناسب نہ ہو گا اگر ہم حیاتِ شہداء پر قرآنی شہادت پیش کرنے سے پہلے نفسِ حیات پر کچھ گزارش کر دیں۔ اس کے ضمن میں موت پر بھی کچھ بحث ہو جائے گی۔
ابن عبد الہادیؒ (م ۴۴۷ھ) لکھتے ہیں :-

والحياة جنس تحتها انواع وكذلك الموت فاشبات بعض انواع الحياة
لا يزيل اسم الموت كالحياة البرزخية واشبات بعض انواع الموت
لا ينافي الحياة كما في الحديث الصحيح عن النبي صلى الله عليه وسلم
انه كان اذا استيقظ من النوم قال الحمد لله الذي احيانا بعد املنا
واليه المنشور

ترجمہ: حیات ایک جنس جس کے تحت کئی انواع ہیں اسی طرح موت ایک جنس ہے جس کے تحت کئی انواع ہیں سو کسی ایک قسم کی حیات کا اور دو موت کے منافی نہیں جیسا کہ حیات برزخی ہیں تو ایسا ہے اور کسی ایک نوع کی موت کا اثبات حیات کے منافی نہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے آپ جب نیند سے اٹھتے تو کہتے کہ سب حمد و ثنا اسی ذات کے لیے ہے جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی دی اور اسی کی طرف اٹھ جانا ہے۔

سو حیات کی اگر مختلف انواع مان لی جائیں تو یہ کوئی ایسی گھائی نہیں جس پر پہلے کوئی نہ آیا ہو ہمارے دوست ہمیں بے جا طعنہ دے رہے ہیں۔ اسی طرح موت کی بھی انواع ہیں۔
○ — ایک حیات وہ ہے جس میں روح اور بدن کا تعلق صرف اس درجہ میں ہے کہ عذابِ قبر اور اس کی نفیم کا ادراک ہو سکے یہ ایک روحانی حیات ہے اور اس میں جسم سے قدرے تعلق بھی ہے۔

② — ایک وہ حیات ہے جو روح کے بدن میں ہونے سے قائم ہوتی ہے لیکن روح کا بدن سے تعلق تصرف نہیں ہوتا نہ اس سے بدن کا تغذیہ و تنمید ہے نہ اس کے لیے پانی اور ہوا لازمی ہیں۔ یہ اعادہ برزخ کے ساتھ برزخی زندگی ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ زندگی پانے والے اسے حسی طور پر جسمانی زندگی محسوس کریں۔

③ — ایک حیات وہ ہے جو روح کے بدن میں داخلے اور تصرف تعلق سے قائم ہوتی ہے۔ اس میں آب و ہوا کے خارجی اثرات نشو و نما اور مادی خوراک درکار ہوتی ہیں جیسی کہ ہماری اس دنیا کی زندگی ہے۔

④ — ایک زندگی روح اور بدن غرضی کے اتصال سے قائم ہے اس میں روح کا تعلق تصرف امتنا ہے کہ پورا بدن نرم و نازک اور محفوظ رہے۔ انہیں اس علم کے مناسب رزق ملتا ہے اور ان سے عالم غیب کے افعال و آثار کا ظہور ہوتا ہے اور وہ اپنے حق میں اسے جسمانی حیات محسوس کرتے ہیں اور مختلف اعمال بھی (جیسے نماز پڑھنا) کرتے ہیں پر دیکھنے والوں کو ان میں سے کوئی حرکت دکھائی نہیں دیتی۔ ہاں انہیں اللہ تعالیٰ اس جہان کے زائرین کا سلام نسا دیتے ہیں۔ یہ انبیاء کرام کی حیات برزخی ہے۔

⑤ — چوتھے درجے میں جس حیات کا ذکر ہے اگر وہ کھلے بندوں ہو اور ایک دوسرے کو نظر آئے اور یہ ہو بھی وفات کے بعد تو یہ صرف عالم آخرت کی زندگی ہے۔ اہل جنت جنت میں اسی زندگی سے رہیں اور پھر اس گے اور اہل جہنم بھی آخرت میں اسی جسم اور زندگی سے معذب ہوں گے۔ اہل جنت اور اہل جہنم کے لیے اپنی اپنی برات کا رزق ہوگا۔

زندگی کے یہ مختلف محال ہم نے اس لیے ذکر کر دیئے ہیں کہ متعدد انواع حیات کو سمجھنے میں مدد ملے اور زندگی کی مختلف حقیقتوں کا ادراک ہو سکے۔

سوال : قبر کی برزخی زندگی ایک علیحدہ نوع ہے۔ کیا یہ تعبیر کہیں سلف نے بھی اختیار کی ہے کہ وہاں مختلف انواع حیات کے الفاظ میں یا زندگی کی حقیقت ایک ہی ہے۔

جواب : ہاں آپ شرح العقائد اٹھا کر دیکھیں علامہ نسائیؒ (۹۲ھ) لکھتے ہیں
 ویجوز ان یخلق اللہ تعالیٰ فی جمیع اجزاء البدن او فی بعضہا نوعاً من الحیوة
 قدر ما یدرک العذاب ولذۃ النعم ^۱

ترجمہ۔ اور یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پورے بدن میں یا اس کے کسی حصے
 میں زندگی کی کوئی ایسی نوع قائم کر دے اسے عذاب کی تکلیف یا آرام
 کی لذت کا ادراک ہوتا رہے۔

حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) برزخ میں روح لوٹنے کے ذیل میں لکھتے ہیں :-
 لان ذلک الرد نوع اخر غیر الممہود ^۲

ترجمہ۔ یہ روح کا بدن کی طرف لوٹنا روح و بدن کے تعلق کی اور نوع ہے جو اس دنیا کے تعلق سے مختلف ہے
 اور علامہ علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں :-

ان اهل الحق اتفقوا علی ان اللہ یخلق فی المیت نوع حیوة فی القبر ^۳
 ترجمہ۔ سب اہل حق اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت میں ایک خاص
 طرح کی زندگی پیدا کر دیتا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ) اس نوع حیات کو ادراک سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اس
 کی اپنی تخلیق ہے۔

ان اللہ تعالیٰ یخلق فیہ ادراکاً یسمی ویعلم ویلد و یأمر ^۴
 ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس میت میں ایسا ادراک پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ سنتا بھی ہے
 سمجھ بھی لیتا ہے آرام اور تکلیف محسوس کرتا ہے۔

اور یہی بات علامہ اکرمیؒ نے روح المعانی میں کہی ہے ^۵

یہی بات علامہ ابن عبد الہادیؒ (۷۴۷ھ) لکھتے ہیں۔
نوع حیات برزخیہ۔

ترجمہ: حیات برزخی زندگی کی ایک دوسری نوع ہے۔

اس زندگی سے اسم موت کلیۃً اٹھنا ضروری نہیں دونوں جمع ہو سکتے ہیں

موت کی بھی اسی طرح انواع ہیں یہ محض عدم حیات کا نام نہیں اس کی اپنی تخلیق ہے
خلق الموت والحیاء (۲۹: الملک) قرآن کریم کی نص صریح ہے۔ سو جب یہ ایک مستقل وجودی
شے ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی بھی کئی انواع ہو سکتی ہیں۔ الحیوة جنس تحتہ انواع وکذا لکھا
حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کو عام اموات کی
سی موت نہیں سمجھتے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ موت کی مختلف انواع کا عقیدہ رکھتے تھے۔
قرآن کریم میں حضورؐ کے میت ہونے کو اوروں کے میت ہونے سے جدا بیان کیا گیا ہے۔ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت میت ہونے کے ان میتوں میں شامل نہیں کیا گیا۔ فرمایا۔
انک میت وانتم میتون (۲: الزمر) یہ نہیں کہا انک وانتم میتون۔ اس سے
پتہ چلا آپ کی موت ایسی نہیں جو جمع وجوہ سے اوروں کی موت جیسی ہو۔ حضرت شیخ عبدالحق
محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت جمیع وجوہ و معانی میں لازم نہیں کہ ایسی موت
ہو جیسے کہ عام اموات کی ہوتی ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت جس اور شعور
کے ذہاب اور تعطل کی حد تک ہے۔

امام اکبرؒ (۷۴۸ھ) لکھتے ہیں حضرت صدیق اکبرؓ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کو
عام اموات سے ایک جدی موت سمجھتے تھے۔ ہمارے نزدیک شہداء کی موت بھی عام اموات
سے جدی موت ہے کہ باوجود موت کے حیات ان سے منتفی نہیں ہوتی۔ حضرت شیخ عبدالحق

حضور کے اہلک حضور کی ملک میں باقی تھے۔ صدیق اکبر حضور کی نیابت میں ان میں
تعرف کرتے تھے۔ صدیق اکبر جانتے تھے کہ حضور کا ملک حضور کے اہلک پر باقی
ہے جیسا کہ امام اکبرین نے کہا ہے۔

یہ صرف متاخرین کا ہی موقف نہیں امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے بھی سنن کبریٰ جلد ۱، ص ۶۴
پر یہ باب باندھا ہے۔

باب کان مالہ بعد موتہ قائماً علی فقہ و ملکہ۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بعض دنیوی احکام میں ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مستمر تھی اس کا
حاصل اس کے سوا کیا سمجھا جاسکتا ہے کہ آپ کی موت روح مبارک کی مفارقت کے باوجود
محض ساثر حیات ہو منزلِ حیات نہ ہو۔

یہ حضرت صدیق اکبر، امام بیہقی، امام اکبرین اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی
کا تفرقہ نہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بھی اسی موقف پر ہیں۔ علامہ سمہودیؒ (۹۱۱ھ) شیخ
ابو منصور البغدادیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

قال الاستاذ ابو منصور البغدادی قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا
صلی اللہ علیہ وسلم حتی بعد وفاتهؐ۔

ترجمہ۔ ہمارے محققین علماء کلام نے لکھا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی
مناسب وفات کے بعد زندہ ہیں اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔
حضور کی وفات جو آپ کے مناسب حال تھی کیسی تھی ضروری نہیں کہ ہم اس کی کہنہ پائیں
ہاں اتنا مان لیں کہ وہ عام اموات سے کچھ مختلف تھی تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جس میں کوئی
تفرقہ ہو۔ پہلے بھی کئی حضرات کہہ چکے ہیں کہ آپ کو وہ وفات آئی جو آپ کے حسبِ حال تھی۔

ہم انشاء آگے چل کر اس پر بحث کریں گے۔

یہاں ہمارا موضوع حیاتِ شہداء ہے۔ اس کے بعد حیاتِ انبیاء کو بحث آئے گی۔ جس کے ضمن میں بطور مقدمہ ہم انشاء اللہ العزیز کے پچھلے موت پر بحث کریں گے۔ واللہ ولی التوفیق و
میدہ اذمہ التحقيق۔ یہ اثباتِ حیاتِ شہداء حیاتِ انبیاء کے لیے بمنزلہ مہتد سچھے۔

حیاتِ شہداء قرآن کریم کی روشنی میں

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أحيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ۔

(پ: البقرہ ۱۰، ع: ۱۹۔ آیت ۱۵۴)

ترجمہ۔ اور نہ کہو ان کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں کہ وہ مردے ہیں۔ نہیں وہ تو زندے ہیں لیکن تمہیں سمجھ نہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں :-

یعنی جس نے اللہ کے لیے جان دی وہ اس جہان میں جیتے ہیں مگر تم کو ان کی زندگی کی خبر اور اس کی کیفیت معلوم نہیں اور یہ سب صبر کا نتیجہ ہے۔

وَلَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أحيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

يَرْزُقُونَ ۚ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ

بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۚ

يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَفَضْلِهِ وَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ

الْمُؤْمِنِينَ ۚ (پ: آل عمران، ع: ۱۷۰۔ آیت ۱۶۹)

ترجمہ۔ اور تم ہرگز نہ سمجھو ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مردے۔

بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے۔ خوشی کرتے ہیں اس پر

۱۔ پچھلی آیت اس پر ختم ہوئی ان اللہ مع الصابرين یہ جملہ اس سے ربط کے لیے بیان فرمایا۔

جو اللہ نے ان کو دیا اپنے فضل سے اور خوشی لیتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی تک ان کے پاس نہیں پہنچے ان کے پیچھے اس واسطے کہ نہ ڈر ہے ان پر اور نہ ان کو غم۔ وہ خوش ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی مزدوری ضائع نہیں کرتا۔ صحابہؓ کے سامنے بدر اور احد کے نقشے تھے، شہیدوں کی یادیں تھیں، اللہ رب العزت نے فرمایا اپنی زبان پر بھی یہ لفظ نہ لاؤ کہ وہ مُردے ہیں بلکہ تمہارے گمان میں بھی یہ بات نہ ہو کہ وہ مُردے ہیں ایسا خیال رکھنے کی بھی تمہیں اجازت نہیں۔

ایک اہم سوال اور اس کا جواب

جب وہ سامنے مرے اور قتل ہوئے اور پھر صحابہؓ نے انہیں دفن بھی کیا تو اب کیسے کہا۔ ماماتوا وہ مرے نہیں یا قتل نہیں ہوئے۔ کیا کل نفس ذائقۃ الموت سے وہ مستثنیٰ ہیں؟

جواب

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ تم یہ نہ کہنا۔ ماماتوا (وہ مرگ آشنا نہیں ہوئے) یا ماقتلوا (وہ قتل نہیں ہوئے) بلکہ فرمایا تم یہ نہ کہو کہ وہ مُردے ہیں یعنی اب وہ مُردے ہیں ایسا نہ کہنا نہ سمجھنا۔ بے شک وہ مرگ آشنا ہوئے انہوں نے موت کا پیالہ پیا۔ ان کا کفن دفن برحق۔ لیکن اب وہ مردہ نہیں اس جہان میں زندہ ہیں اور ان کی وہ زندگی حقیقی ہے اور زندگی کا پورا لطف انہیں حاصل ہے۔

ماماتوا جملہ فعلیہ ہے تمہیں یہ کہنے کا حکم نہیں دیا تم بے شک کہو قتلوا (وہ مارے گئے) تم کیا یہ تو اللہ تعالیٰ نے بھی کہہ دیا ہے ہاں اموات۔ یہ جملہ اسمیہ ہے یہ کہنے سے تمہیں

رہ کا گیا۔ اب تم یہ نہ کہو وہ مردے ہیں۔ وہ مردے نہیں زندہ ہیں۔

ان آیات میں بَلْ اضرابیہ ہے جو پہلی بات کا ابطال کرتا ہے۔ یہاں بَلْ قَتَلُوا کا ابطال نہیں کر رہا۔ قَتَلُوا ایک حقیقت ہے بل کا اضراب ہم اموات کہنے اور سمجھنے کے متعلق ہے۔ سو ان کے زندہ ہونے کے عقیدہ میں ان واقعات سے ہرگز کوئی تعارض اور ٹکراؤ نہیں۔ ان پر موت کا اتنا بھی برحق اور لگے جہاں میں حیات جسمانی پانا بھی برحق اور ان آیات میں انہی اجسام کو زندہ کہا گیا ہے جو قَتَلُوا کا مورد بنے تھے۔ اختلاف زمان سے دوسری بات کا ماننا پہلی سے ٹکراؤ اور تعارض نہیں بل کا اضراب ہم اموات پر ہے اور امر واقع اور عقیدہ صادقہ یہ ہے کہ ہم احیاء (وہ زندے ہیں)۔

بل کے بعد جو جملہ ہو وہ پہلے جملے کا ابطال کرتا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى میں جس فلاح کی خبر دی گئی ہے تم اسے پانہ سکو گے کیونکہ تم دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دے رہے ہو۔ یہاں بل اضرابیہ کے ساتھ بل تو ثَرْدَنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا فرمایا۔ اس نے تمہارے فائز فلاح ہونے کا ابطال کر دیا۔

مشرکین سمجھتے تھے کہ بدر اور احد کے شہید عدم میں چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی کی خبر دی یہ قصر قلب ہے مشرکین انہیں موت پر ختم سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حیات پر بند کر دیا۔ وہ حقیقی طور پر زندہ ہیں مردہ کہنا تو درکنار تمہارے گمان میں بھی یہ بات نہ آئے کہ وہ مردے ہیں۔

یہاں زندہ کن کو کہا گیا

یہاں زندہ اجسام انہی کو کہا گیا ہے جن پر مشرکین کا فعل قتل وارد ہوا تھا۔ یہاں اجسام ہی قتل کا مورد تھے اور انہیں اجسام کو وہاں زندہ کیا گیا۔ یہ سمجھنے میں اگر دقت ہو تو لا تشعرون کہ تم شعور نہیں رکھتے کہہ کر اس تذبذب کو رفع کر دیا گیا۔

جس طرح قرآن کریم میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا۔ ما قتلوه یقیناً بل دفعہ اللہ الیہ۔ انہوں نے مسیح کو پورے وثوق سے قتل نہیں کیا بلکہ جس بدن کے وہ مورد قتل ہونے کے مدعی ہوئے ہیں اس بدن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا ہے رفع اسی جسم کا ہوا جس پر وہ فعل قتل وارد کرنے کے مدعی تھے۔

اسی طرح جن شہدائے بدر واحد پر وہ عمل قتل سے ان کے اموات ہونے کے مدعی تھے۔ انہی شہداء کے بارے میں اس کا ابطال کیا گیا کہ وہ مردے نہیں زندے ہیں اور ان کی حیات کا اثبات کیا گیا۔ اور شک تک کرنے سے منع کر دیا گیا۔

قتل کون ہوا؟ جسم — زخمی کون ہوا؟ جسم — تلواریں اور تیرے کن پر چلے؟ جسموں پر — نہ روح زخمی ہوئی۔ نہ کسی جسد مثالی پر تلوار چلی۔ سو یہ بات کہ وہ زندہ ہیں یہ اپنی اجسام کی خبر ہے جو میدان جہاد میں تڑپے اور پھڑکے اور جنہیں صحابہؓ نے دفن کیا۔ شہیدوں کی روح زندہ ہے۔ یہ بالکل بے محل بہت ہے وہ تو مری ہی نہ تھی نہ جسد مثالی مرا تھا۔ سو فعل قتل جس سے متعلق ہوا حالت حیات بھی اسی کی ہوئی۔ ان اجسام پر بے شک وعدہ موت پورا ہوا۔ لیکن اب یہ زندہ ہیں اور زندگی کے تمام لوازم انہیں اُس جہان میں میسر ہیں۔ بل احياء نے ہم اموات کا کلی طور پر ابطال کر دیا ہے۔

اگر صرف روح کی زندگی ملد ہوئی تو لا شعرون کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ روح زندہ ہے اجسام مردے ہیں۔ یہ بات تو ہر کسی کو سمجھ آ رہی تھی۔ اس بات میں کس کو استبعاد تھا جو لا شعرون کہہ کر ختم کیا گیا۔ یہ شہداء کی جسمانی حیات ہے جو ہمارے حواس سے ہالا تھی۔ اس نارسانی سے جو بے چینی تھی اسے لا شعرون سے دور کیا گیا۔

اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کی حیات کے کچھ لوازم بھی ذکر فرمائے۔

فرمایا یٰر ذقون انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے۔ صرف روح کو کھانے پینے کی کیا ضرورت ہے؟ نہ جسد مثالی رزق کا محتاج ہے۔ کھانا پینا تو اسی جسم کی صفات میں سے ہے

جب یہ صفت ذکر کی گئی تو تاکید ہو گئی کہ شہداء کی حیات جسمانی ہے صرف روحانی نہیں اور عنصری بدن سے ہے کسی اور جسم سے نہیں۔ جسم مثالی کھانے پینے سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اس کی کچھ بحث آگے آئے گی۔

فرحین بما آتاهم اللہ من فضله۔ خوشی اور غم کی لہریں بدن میں اٹھتی ہیں۔ یہ حاصلاتِ روحوں میں نہیں جاگتے۔ فرحِ زندگی کی صفات میں سے ہے مردوں کے حالات میں سے نہیں۔

یستبشرون بالذین لو یلحقوا ہم۔ اس بات کی خوشی کہ ان کے بھائی بھی انہیں آملیں گے ان کے چمڑوں میں محسوس ہو رہی ہے۔ وہ یہ خوشی اپنے بشرہ میں دہریے میں، محسوس کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کھال اور چمڑے انہی ابدان کے ہیں، ابدانِ مثالیہ کے نہیں۔ دوزخ کی آگ کھالوں کو جھلس دے گی۔ (لواحة للبشر (پا المذثر) بدن عنصری میں خوشی کی لہریں اٹھتی ہیں تو ان چہروں کو مستبشرہ کہا جاتا ہے۔

وجوه یومئذ مسفرة ضاحكة مستبشرة۔ (نپ: عبس۔ آیت ۴۹)

سو اس میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ یستبشرون کا فاعل ابدان ہیں۔ الذین لو یلحقوا ہم سے بھی وہ پورے النان ہیں جو انہیں آملیں گے۔ یہاں منیر ہم کا مرجع کون ہیں؟ وہ ابدان جو ابھی ان سے نہیں ملے۔ ورنہ روح کے لیے تو قرب و بعد زمانی کوئی چیز نہیں۔

سوال

اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے بدنوں کو تو یہ مرتبہ ملا کہ انہیں عالمِ برزخ میں گو یہاں کی آنکھیں اس حیاتِ حسی کا مشاہدہ کر سکیں حسی حیات دی گئی اور یہی ابدان عالمِ برزخ میں فائز الحیات ہوئے لیکن ان کی روحوں کو بھی کیا کوئی امتیازی شان ملتی ہے؟

اجواب

اس عالم میں روح جس طرح بدن میں قید ہے۔ بدن سے نکلنے کے بعد اس کا ادراک اور دائرہ سیر بہت بڑھ جاتا ہے۔ اس کا قبر کے سوال و جواب کے وقت بدن میں اعادہ بھی ہو تو کالمین کے لیے یہ اعادہ انشراح ہے اعادہ قید نہیں وہ روحیں عالم بالا سے ایک تعلق رکھتے ہوئے بھی ابدان کی طرف لوٹ سکتی ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موت کے بعد روح کا ادراک بڑھ جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں :-

وارواح الکمل اذا فارقت اجسادھا صارت کالموج المکفوف لا یہزمها ارادة متجددة وداعیہ ساعده ولكن النوس اللتی هی دونھا تلتصق بالهمة نوراً و هیئة مناسبة للارواح

ترجمہ کامل لوگوں کی ارواح جب اپنے اجساد سے جدا ہوتی ہیں وہ اسی موج کی طرح ہو جاتی ہیں جوڑ کی ہو۔ انہیں کوئی نیا ارادہ اور پیش آنے والا داعیہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتا۔ لیکن سچے طبقے والے نفوس اپنی ہمت سے ان سے ملحق ہو کر نور اور ایک ہئیت مناسب پیدا کر لیتے ہیں۔

یعنی وہ روح ایک موج مکفوف کی طرح ہے جس سے سچے والے اثر قبول کرتے ہیں۔ یہاں قبروں کے ابدان بھی اگر کالمین کے ہوں تو وہ ارواح عالیہ سے اثر قبول کرتے ہیں اور ان کا اس جگہ سے خاص ربط ہوتا ہے جہاں وہ مدفون ہوں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اس بحث کے آخر میں لکھتے ہیں :-

وہی المکنی عنہ بقولہ علیہ السلام ما من احد یسلم علی الاسراء
اللہ علی روحی فاراد علیہ السلام وقد شاہدت ذلک ما لا
احصى فی مجاورتی المدینہ سکنۃ الف ومائة واربع واربعین

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ باب الاذکار ص ۲۷ ۲۔ ایضاً ج ۲ ص ۷۷

ترجمہ۔ اور اسی کی طرف کنایہ ہے حضور کے اس ارشاد میں کہ جب کوئی مسلم بچہ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو اُدھر لوٹا چکے ہوتے ہیں سو میں بھی اس پر سلام لوٹاتا ہوں۔ ^{۱۴۴} اللہ میں جب میں مدینہ منظر ہوا تھا تو میں نے بار بار اس کا مشاہدہ کیا۔

اب آپ ہی بتائیں حضرت شاہ صاحب کا مسلک قبر مبارک کے جسد اطہر کے بارے میں کیا ہے؟ آپ جب روضہ نبویؐ پر حاضر ہوتے رہے اور سلام عرض کرتے رہے تو آپ نے اپنا مشاہدہ کیا بتایا ہے؟ — کیا روح انور کا تعلق قبر مبارک میں رکھے جسد اطہر سے ہے یا نہیں؟ آپ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اس شہادت کو پڑھیں اور بار بار پڑھیں۔

جسد اطہر کی نشان عالم برزخ میں

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نزدیک عالم برزخ میں جسد اطہر کی نشان کیا ہے؟ آپ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر معراج عالم برزخ کی ہی ایک سیر تھی اس رات آپ کے جسد اطہر پر روح کے خواص جاری کر دیئے گئے اور حقائق و معانی مختلف اشکال و صورت میں آپ کو مشاہدہ کرائے گئے۔ حدیث میں اس کی پوری تفصیل ملتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سیر برزخی میں اپنے اصل جسد اطہر کے ساتھ تھے اور یہ جواب نہیں بیداری کا واقعہ تھا۔ جسد اطہر اس برزخی سیر میں روح کے حکم میں اچکا تھا اور جس طرح روح پرواز کرتی ہے آپ ان کی آن میں پہلے آسمان پر تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :-

کل ذلك لجسده صلى الله عليه وسلم في اليقظة ولكن ذلك في موطن هو

برزخ بين المثال والشهادة جامع لاحكامها فظهر على الجسد احكام الروح.

ترجمہ: آپ کا یہ سارا سفر اپنے جسد مبارک کے ساتھ تھا اور بیداری میں تھا لیکن یہ ایسے موطن میں تھا جو عالم شہادت اور عالم مثال کے مابین ایک برزخی درجہ ہے اور یہ دونوں احکام کو جامع ہے اس وقت جسد پر روح کے احکام چل رہے تھے۔ آپ کی سیر معراج بتلاتی ہے کہ مکہ مکرمہ میں ہی آپ کا یہ روح اطہر روح کے الطف مقام پر آچکا تھا اور حضرت شاہ صاحبؒ کے ہاں آپ اپنی وفات سے پہلے بھی ایک برزخی سیر سے گزارے گئے تھے۔ پھر جب آپ مدینہ منورہ آگئے اور اس پر اتمامِ نعمت کی دہلیز پانگئے (ماکان موعود) فی قولہ تعالیٰ ویتحننعتہ علیک) تو اب یہ جسد اطہر کس شان اور لطافت پر ہو گا اسے عالم برزخ کے سیاحوں کے سوا اور کون سمجھ سکتا ہے۔ ہاں ہم یہ ماننے کے لیے قطعاً تیار نہیں کہ وہ جسد اطہر جو مکہ مکرمہ میں پوری لطافت سے برزخی سیر کر چکا تھا وہ اب انک میت و انفس میتوں کے وعدہ کو پورا کر کے اس مقام پر آگیا تھا کہ اب تاقیامت اس روح مقدسہ سے بیگانہ رہے جس کے تعلق سے اس پر سفر معراج میں خود روح کے احکام طاری تھے۔ وہ جسد اطہر جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کی مکی زندگی میں ہی جلا رتنام بخش دی تھی وہ اب تاقیامت قبر میں بے جان و بے حس پڑا ہے۔ استغفر اللہ العظیم۔ کیا یہ عقیدہ اسقاطِ آیت وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ سے نصاً متضاد منہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ تو اپنے سلسلہ کے مشاہدات میں روضۃ النور کی حاضری میں یہ جلوے دیکھ آئے ہیں اب انہیں پڑھ کر بھی اگر کسی کو صحتِ عقیدہ کی دولت نہ ملے تو ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں۔

مہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل

کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ مے آرد سکنہ را

حق یہ ہے کہ کالین کی روح کا ادراک وفات کے بعد اور وسیع ہو جاتا ہے۔ اس دنیا کی زندگی میں حضورؐ کی رویت بصری اور قوتِ سمعی صحابہؓ کی سی نہ تھی۔ آپ روح الامین کو آیا

دیکھتے تھے اور آپ کے قریب بیٹھے دوست اس کیفیت کے آثار تو دیکھتے لیکن فرشتوں کو نہ دیکھتے اور نہ سنتے آپ کی نگاہ بھی برزخ کے پردوں کو چیر کر دور کے نقشے دیکھ لیتی اور قبروں کے پاس سے گزرتے آپ کبھی برزخی آوازیں بھی سن لیتے۔ جب دنیا میں یہ حال تھا تو اس وادی کے مسافروں کے اس بیان کو بھی مان لیجئے کہ کاملین کی روح کا ادراک وفات کے بعد اور بڑھ جاتا ہے۔ اور وہ اپنے اجسام مدفونہ سے بھی کلیتہً بے توجہ نہیں ہوتیں۔ روحی کمالات کا فیض ان پر بھی اترتا ہے۔ مولانا رومؒ لکھتے ہیں :-

بشش تا مرغ از قفس آید بروں

تا بہ بینی ہفت چرخ او را زبون

ترجمہ۔ انتظار کر یہاں تک کہ روح اس بدن سے پرواز کرے پھر تو دیکھے کہ کس طرح سات آسمان اس کے آگے زیر ہیں۔

سو اس میں شک نہیں کہ وفات کے بعد روح کا ادراک اور وسیع ہو جاتا ہے۔ اس کی برکتیں اگر سات آسمانوں تک جاسکتی ہیں تو کیا زمین میں رکھے بدن کو ان میں سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ جب اس روح کے آگے سات آسمان زیر ہیں تو روح الارواح کا اشراف و اشراق صرف اس جسد اطہر کے لیے ہی ممنوع ہے جو زمین میں دفن ہے؟ وہاں فرشتے بھی حاضری دیتے ہیں اور سلام پیش کرنے والے نمائندین کا تانتا بھی ہر آن اور ہر لمحہ بندھتا ہے؟ یا اس بدن اطہر میں وہ انجذاب نہیں کہ وہ اس روح عالی سے فیضیاب ہو۔

آئیے برزخی مشاہدہ کے ایک اور سیاح سے اس کی تصدیق حاصل کیجئے۔ شیخ الاسلام

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (۱۳۷۷ھ) لکھتے ہیں :-

یہ برزخی حیات بعض پہلوؤں سے اس دنیوی حیات سے قوی تر بھی ہے۔

یہ اس لیے کہ دنیوی حیات کے عجایب اس برزخی حیات میں اٹھ جاتے ہیں۔

آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی
اور اذ قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت دجہ سے اس سے قوی تر ہے۔

ہم یہ کہہ رہے تھے کہ شہداء بعد قتل ایک ایسی زندگی پالیتے ہیں جسے وہ حسا محسوس
کرتے ہیں اور ان کی وہ زندگی جسمانی ہوتی ہے اس میں ان کی روح کا ادراک اور بڑھ جاتا ہے
کا ملین کی ارواح میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برزخی ادراک کا ذکر غمنا آگیا ہے۔ اصل موضوع
ارواح شہداء کی امتیازی شان ہے۔ اب اس کا ایک پہلو ملاحظہ کیجئے۔

(ب) پھر روح کو قوت متحد بھی ملتی ہے۔ روح خود ایک جسم کی شکل اختیار کرتی ہے
وہ کسی دوسرے جسم میں بطریق حلول نہیں اترتی یہ تنازع ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش
نہیں، یہاں روح خود ایک جسم کی صورت میں ابھرتی ہے اور یا پرندے کے بدن میں اس
تعلق سے آتی ہے جو سوار کو سواری سے ہوتا ہے اور اس میں بھی تنازع کا کوئی مشابہ نہیں۔
شہداء کی رو میں پرندوں کی سی صورت اختیار کرتی ہیں اور سیر بھی کرتی ہیں۔ حضرت
قتادہ رضی اللہ عنہ (۱۱۸ ھ) کہتے ہیں:-

بلغنا ان ارواح الشهداء في صور طير بيض تاكل من ثمار الجنة۔

ترجمہ ہم کو روایت پہنچی ہے کہ شہداء کی رو میں سفید پرندوں کی شکل اختیار
کرتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا سبز پرندوں کی صورت میں آنا بھی منقول ہے۔
ان ارواح الشهداء في طير خضر تعلق من ثمار الجنة۔

ترجمہ بے شک شہیدوں کی رو میں سبز رنگ پرندوں میں اترتی ہیں اور
جنت کے پھل کھاتی ہیں۔

سنن نسائی میں حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:-

ان نسمة المؤمن طائر في شجرة الجنة حتى يبعثه الله الى جسده يوم القيمة.

ترجمہ: مومن کی روح باغِ حُت میں ایک پرندے کی صورت میں رہتی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کے جسم میں قیامت کے دن (کاملتہ) لوٹا دے۔

روح الامین بھی وحیہ کلبی کی صورت میں متجسد ہوئے۔ پھر اگر کاملین کی روحیں بھی کسی اور صورت میں تجسد کریں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:-

وان شئت قلت بتمثل الروح نفسها صورة لان الارواح في غاية اللطافة
وفيهما قوت التجسد كما يشعر به ظهور الروح الامين عليه السلام بصورة
وحية الكلبيؑ

ترجمہ: آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ روح خود پرندے کی صورت میں متمثل ہو گئی کیونکہ ارواح میں انتہائی لطافت ہوتی ہے اور ان میں قوتِ تجسد بھی ہے حضرت روح الامین جبریل علیہ السلام کا وحیہ کلبی کی صورت میں متمثل ہونا اس کا پتہ دیتا ہے۔

روح کے اس کمالِ لطافت اور تجسدِ صورت کے باوجود اس کا تعلق کسی بدن مثالی سے ہو یا قبر کے بدنِ عنصری سے ہو یا دونوں سے ہو تو روح کے اس اشراف کے لیے کوئی دلیل منعِ شرعیّت میں وارد ہے؟ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:-

لا مانع من تعلّقها ببدن برزخی معاًثر لهذه البدن الكثيفؑ

ترجمہ: روح کا تعلق کسی اور برزخی بدن سے بھی ہو جو اس بدنِ کثیف کے علاوہ ہو شرعیّت میں کوئی دلیل اس سے مانع نہیں ہے۔

جب یہاں کوئی مانع نہیں اور علین میں ہونے کے باوجود روح کا تعلق کسی برزخی

بدن سے ہو سکتا ہے اور ارواح کی یہ وسعت وہاں تک اثر انداز سمجھی جاسکتی ہے تو قبر کے بدن عنصری سے اس کے تعلق میں کیا امر مانع ہے جس کا مشاہدہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو سہاۃ کو روضہ نبوی پر بار بار ہوتا رہا ہے اور تاریخ کے مختلف موڑوں پر اگر کہیں شہداء کے اجسام کھلے تو ان میں زندگی کے اثرات دیکھے گئے۔

سو یاد رکھیے روح کا ملین کے اس درجہ لطافت اور تجسّد صورت کے باوجود ان کے تعلق بالبدن العنصری سے کوئی شرعی مانع موجود نہیں ہے۔ ارواح شہداء کو جو بدن عنصری میں آنے کی اجازت نہ دی گئی تو وہ اس عالم (عالم دنیا) میں اپنے ابدان عنصریہ میں لوٹنے کی گزارش مکتی۔ تاکہ ایک دفعہ پھر وہ میدان جہاد میں آئیں اور اللہ کی راہ میں پھر شہید ہوں۔ اُن کی تمنا عالم برزخ میں اپنے ابدان میں آنے کی نہ مکتی۔ عالم برزخ میں تو اُن کے وہ بدن از روئے نص قرآن زندہ ہیں اور وہ جہاں دار العمل نہیں دارالہجر اس ہے۔ دار العمل صرف یہ دنیا ہے جس کے اعمال اگلے جہان میں پھل لاتے ہیں۔

عالم دنیا میں روحوں کے دوبارہ نہ لوٹنے کو عالم برزخ میں روحوں کے اپنے بدنوں میں نہ لوٹنے کی دلیل بنانا اگر علمی خیانت نہیں تو اور کیا ہے۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شہداء خود تمنا ہی عالم دنیا میں لوٹنے کی کریں گے۔ حدیث میں یہاں صریح طور پر دنیا کا لفظ موجود ہے اور ان کی جنت میں بھی جب کہ وہ وہاں ابدان عنصریہ سے پہنچے ہوئے ہوں گے یہی تمنا ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

ما احد يدخل الجنة يحب ان يرجع الى الدنيا وله ما على الارض من شيء

الا الشهيد يتمنى ان يرجع الى الدنيا فيقتل عشر مرات

ترجمہ۔ کوئی شخص جو جنت میں جائے اس بات کا خواہاں نہیں ہوتا کہ اسے دنیا میں پھر بھیجا جائے دنیا کی ہر چیز کا مالک بنا کر، مگر شہید وہ تمنا کہ تلبے کہ ایک دفعہ

پھر وہ دنیا کو جانے اور اسی طرح دس دفعہ وہ اُسر کی راہ میں مارا جائے۔

ارواحِ شہداء کے سبز پرندوں کی صورت میں آنے یا سفید پرندوں کی صورت میں آنے کی روایات مختلف ہیں، پھر یہ اختلاف بھی کہ ارواح خود ان صورتوں میں متجسد ہوتی ہیں یا خواہل طیور میں اس طرح اتنی ہیں جیسے سوار سوار ہیں لے لے، الفاظ میں بہت اختلاف ہے۔ غالباً اسی اضطراب کے باعث امام بخاری باوجود آیت ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا کا باب باندھنے کے آپ اس میں حدیث طیر خضر نہیں لائے۔ امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت پیش کی ہے۔ امام نووی نے اسے حل کرنے کی بہت کوشش کی ہے مگر بات ہیں کی وہیں رہتی ہے۔

قال القاضي قال بعض المتكلمين على هذا الاشبه صحة قول من

قال طير او صورة طير او اكثر ما جاءت به الرواية

واستبعد بعضهم هذا ولم ينكره اخرون وليس مافيه ينكر ولا فوق

بين الامر بين رواية طير او جوف طير اصح معنى له

ترجمہ: قاضی نے بعض متکلمین سے نقل کیا ہے کہ زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی

ہے کہ روح خود پرندوں کی شکل میں آئے اور زیادہ روایات میں یہی بات ملتی ہے

اور بعض لوگوں نے اسے مستبعد جانا ہے اور دوسروں نے اس کا انکار نہیں کیا اور

اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس پر شریعت میں انکار وارد ہو۔ اور دونوں اقدال میں

کوئی زیادہ فرق نہیں ہے، اور پرندے کی صورت یا پرندے کے پیٹ میں جا کی روایت زیادہ صحیح ہے

یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ

سے بھی مروی ہے اور ان میں سے کوئی بھی اُسے آیت ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله

کی تفسیر قرار نہیں دیتا۔ بیشتر روایات میں اس آیت کا ذکر تک نہیں ملتا۔ پھر ان روایات میں

کہیں یہ بات بھی نہیں ملتی کہ آخرت میں ارواح شہداء کو ان پرندوں سے کیسے پہانی ملے گی۔ جب وہ اپنے اصلی اجساد کے ساتھ انسانی شکلوں میں جنت میں جائیں گے جبر کے دن وہ کس وقت اپنی پرندوں کی قبائلیں گے۔ اس کا کسی ضعیف حدیث میں بھی اشارہ نہیں ملتا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ شہیدوں کی روحوں میں ارواح مجرّمہ کی صورت میں نہیں وہ پرندوں کی صورت میں متجسّم ہیں۔ لیکن ان ارواح متجسّمہ کا کسی اور برزخی بدن سے یا قبروں کے عنصری بدن سے کوئی تعلق ہے یا نہیں اس سے یہ روایت بالکل خاموش ہے۔ سوا سے حیات شہداء کی تفسیر قرار دینا یہ سمجھ میں نہیں آتا اور نہ اس آیت ولکن لا تشعرون کی تصریح اس کی تائید کرتی ہے۔

لا مانع من تعلّمها ببدن برزخی مغائر لهذا البدن الكثيف بل

ترجمہ۔ روح کا تعلق کسی برزخی بدن سے بھی ہو جو اس عنصری بدن کے علاوہ ہو اس سے شرعاً کوئی چیز مانع نہیں۔

مغائر لهذا البدن الكثيف بدن برزخی کی تشریح ہے۔ اس میں اس بدن عنصری سے تعلق کی نفی کا دعویٰ نہیں ہے۔ جو علماء اسے بدن عنصری سے روح کا تعلق نہ ہونے کی دلیل بنا رہے ہیں اور کہتے ہیں۔

ان میں تعلق روح بالجسم العنصری کا نام تک بھی نہیں بلکہ اس کی نفی صریحاً مذکور ہے۔

وہ عبارت کو سمجھ نہیں پائے مغائر لهذا البدن بدن برزخی کی صفت ہے اس میں بدن عنصری سے تعلق کی نفی نہیں جیسا کہ سمجھ لیا گیا ہے۔ فوا حسرتا علی ضیعة العلم۔

ارواح کا پرندوں کی شکل پانا کیا یہ ان کی زندگی ہے۔

قرآن کریم نے جس پر عظمت پیرا ہے اور پشکوہ الفاظ میں شہداء کا بعد قتل زندہ ہونا

بیان کیا ہے اور اس حیات کو اتنا لطیف اور مخفی بتایا ہے کہ تم اس کو پا نہیں سکتے۔ اس تک پہنچ نہیں سکتے (ولکن لا تشعرون) اس کی یہ شرح اتنی آسان کہ انہیں پرندوں کی شکلیں دے دی جاتی ہیں اور وہ سیر کرتے پھرتے ہیں بس یہی ان کی زندگی ہے۔ یہ بات غور طلب ہے۔ کیا حدیث میں جہنمیوں کا سیاہ پرندوں کی شکل جانا مذکور نہیں کیا وہ بھی زندہ ہیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو بتائیے ان دو زندگیوں میں باعتبار زندگی کیا فرق ہے؟ باعتبار راحت اور عذاب بیشک فرق ہے مگر باعتبار زندگی کیا فرق ہے۔ وہ جنت میں سیر کرتے ہیں۔ یہ جہنم میں تڑپتے پھرتے ہیں مگر باعتبار زندہ ہونے کے ان میں کیا فرق ہے؟ ہمارے پاس اس کا مثبت جواب ہونا چاہیئے۔ اگر نہیں تو ہمیں ولکن لا تشعرون کے دبیز پردے کے پیچھے رہنا چاہیئے۔

یہ سمجھ لینا کہ صحابہ کرام لا تشعرون پر قانع نہ رہے اور وہ اسے شعور میں لانے کی برابر کوشش کرتے رہے اور ان کے بارے میں پوچھتے رہے یہ بات غور طلب ہے۔ پھر حضورؐ نے بھی جواب میں آیت ولکن لا تشعرون نہ پڑھی۔ جواب میں شہیدوں کا پرندوں کی شکل میں آنا بیان کر دیا اور بس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا مختلف مواقع پر قرآن کی آیات سے استدلال نہیں فرمایا۔ پھر یہاں آپ نے آیت ولکن لا تشعرون کیوں نہ پڑھ دی۔

شہداء سبز پرندوں کے روپ میں

ارواحِ شہداء کو سبز پرندوں میں اتار دیا جاتا ہے اور ارواحِ کفار کو سیاہ پرندوں کے قالب میں — فرق ہے تو یہ کہ —

- ① سبز پرندے جنت میں ہیں اور سیاہ پرندے دوزخ میں ہیں۔
 - ② سبز پرندے سیر میں چلتے پھرتے ہیں اور سیاہ تڑپتے پھرتے ہیں۔
 - ③ سبز پرندوں کی روایات ادبچی کتابوں میں اور سیاہ کی سنجلی کتابوں میں۔
- یہ سب فروق سہی مگر جس بات کو نظریں تلاش کرتی ہیں وہ ان کی حیات ہے کیا زندگی

زندگی میں فرق ہے یا زندگی ایک ہی نوع کی ہے۔ جنت اور جہنم کی تقسیم تو ویسے ہی مومنین اور کفار میں قائم ہے۔ اس میں شہداء کی کوئی تخصیص نہیں۔ پھر خوشی سے چلنا پھرنا اور ترپنا یہ نعیم و عذاب کے کوائف ہیں۔ زندگی دونوں میں برابر ہے۔ ہاں وہ حیات جو صحابہؓ کے شعور سے بھی بالا ہے وہ کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں اس کا بیان کہاں ہے؟ آپ نے تو اسے حیات شہداء کی کیفیت اور لا تشعرون کی تفسیر قرار نہیں دیا اور نہ ان سے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ آپ ارشاد الہی ولكن لا تشعرون کے خلاف اسے شعور میں لانے کی مثالیں بیان فرمائیں۔

کفار سیاہ پرندوں کے روپ میں

آیت النار یعرضون علیہا (مومن) کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:-
آل فرعون کی روحیں سیاہ پرندوں کی شکل میں ہر روز صبح و شام دو مرتبہ جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں اور جہنم کو دکھا کر ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا ٹھکانہ یہ ہے۔^۱

حافظ ابن کثیرؒ (۷۴۴ھ) لکھتے ہیں:-

فاما حصول ذلك للجسد في البرزخ وقام له بسببه فلو يدل عليه الاستدلال
في الأحادیث المرضیة۔^۲

یعنی قرآن و حدیث کو ملا کر مسئلہ یہ ہوا کہ عذاب و ثواب قبر و روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے اور یہی حق ہے..... اور آل فرعون کی روحیں سیاہ رنگ پرندوں کے قالب میں ہیں۔ ابن کثیرؒ یہ بات پہلے ص ۱۵ پر کہہ آئے ہیں۔ ایک شخص نے امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) سے کہا:-

ہم نے سمندر میں سے کچھ پرندے نکلے دیکھے ہیں جن کے پرندوں پر سفیدی تھی اور ان کی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہ جھنڈ کے جھنڈ اس سمندر (بحر قلزم) سے نکلے ہیں اور بحرِ غربی کے کنارے جاتے ہیں پھر حبِ تیسرے پہر کا وقت ہوتا ہے تو ایسے ہی سیاہ پرندے آکر سمندر میں گھس جاتے ہیں۔

اس پر امام ابو زہریؒ (۱۵۷ھ) نے فرمایا :-

ان پرندوں کے حواصل میں آلِ فرعون کی روحیں ہیں جو صبح و شام جہنم پر پیش کی جاتی ہیں۔۔۔۔۔ یہ آلِ فرعون چھ لاکھ جنگی سوار تھے۔ علامہ نسفیؒ (۱۷۱ھ) بحر الکلام میں لکھتے ہیں :-

واما ارواح الکفار فی جوف طیر سود تحت الارض السابعة۔

ترجمہ۔ اور کافروں کی روحیں ساتویں زمین کے نیچے سیاہ پرندوں کے پیٹ میں ہوتی ہیں۔

سواگر پرندوں کے قالب میں آنا ہی زندگی ہے تو پھر شہداء کی کیا تخصیص رہی پرندوں کے قالب تو جہنمیوں کو بھی ملتے ہیں اور سبز اور سیاہ پرندوں کی دونوں قسم کی روایات حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ہی مروی ہیں۔ سو یہ صرف ارواح کے تجدد کا بیان ہے اُن کی حیات کی تفصیل نہیں اور نہ یہ روایات آیت لا تشعرون کو منسوخ کرتی ہیں کہ اب ہمیں ان کی حیات کا شعور حاصل ہو گیا ہے اور بات سمجھ میں آگئی ہے۔

غذا روح کی ضرورت ہے یا بدن کی

کھانا پینا یہ بدن کی ضرورت ہے روح کی نہیں۔ روح کی غذا تسبیح و تقدیس اور اللہ کی یاد کے سوا کچھ نہیں۔ جنت میں شہداء کی روحیں اگر سبز رنگ کے پرندوں کی صورت میں متجدد

ہو کہ سیر کرتی ہیں۔ تو ظاہر ہے انہیں کھانے کی حاجت نہیں ہوتی۔ غذا ہمیشہ سے بدن کی طلب رہی ہے نہ کہ روح کی۔

قرآن کریم نے شہداء کو جو زندہ کہا تو اس کی دلیل میں یہ نزقون بھی فرمایا معلوم ہوا یہ ابدان کی زندگی ہے صرف روح کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے الفاظ میں نزقون ان کی دلیل حیات کے طور پر بیان فرمائے ہیں۔

علامہ ابو عبد اللہ القرطبی (۶۱۱ھ) فرماتے ہیں۔

بل احياء دليل على حياتهم وانهم يرزقون ولا يرزق الا حي.

ترجمہ۔ بل احياء (وہ زندہ ہیں) ان کی حیات کی دلیل ہے اور یہ کہ انہیں رزق

ملتا ہے اور رزق تو زندوں کو ہی دیا جاتا ہے نہ کہ مردوں کو۔

حیات شہداء بنص قرآن ایسی واضح ہے کہ معتزلہ جو عام عذاب قبر کو بدن سے متعلق

نہیں ملتے وہ بھی ملتے ہیں۔

بل احياء لادلة الكلام عليهما قوله تعالى يرزقون كما يرزق الاحياء ياكلون

ويشربون وهو تأكيد لكونهم احياء وصف حالهم التي هم عليها.

ترجمہ۔ وہ زندہ ہیں اللہ کے کلام میں نزقون کی دلالت اسی پر ہے جیسا کہ دوسرے

سب زندوں کی صفت ہے وہ کھاتے بھی ہیں اور پیتے بھی ہیں اور یہ کہ ان کے

زندہ ہونے کی تاکید ہے ان کا وہی حال بتایا گیا جس میں کہ وہ ہیں۔

برزخ کی یہ غذا اسی جنس کی ہوتی ہے جو وہ اس دنیا میں کھاتا پیتا تھا گو نوع اس

کی دوسری ہو۔ ابن رسول صاحبزادہ ابراہیمؑ کی وفات ہوئی تو حضورؐ نے بتلایا کہ ابراہیمؑ کے

لیے اگلے جہان میں دو دھڑ پلانے والی موجود ہے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اگلے جہان میں یوزقون کی شان شہداء سے خاص نہیں۔

عن عدی بن ثابت قال سمعت البراء قال لما مات ابراهیم قال رسول الله
صلی الله علیہ وسلم ان له مرضعاً فی الجنة۔

ترجمہ حضرت براء کہتے ہیں جب حضورؐ کے بیٹے ابراہیم کی وفات ہوئی تو آپ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا اس کے لیے جنت میں دودھ پلانے والی موجود ہے۔
دنیا میں ابراہیم کی غذا دودھ تھی تو آگے بھی دودھ ملا گو وہ دودھ اُس عالم کا تھا جو
ضروری نہیں کہ اس دودھ جیسا ہو۔

ایک سوال

اگلے جہاں کے رزق سے اگلے جہان والے غذا پائیں یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے لیکن
یہاں کے ابدان جیسے شہداء کرام جو حیات جسمانی سے فائز الحیات ہیں وہ اُس جہان کے رزق
سے کیسی سیری حاصل کر سکتے ہیں؟

اجواب

کیا آپ نے یہ مطالعہ نہیں فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں عالم دنیا میں بھی کبھی
غیبی رزق سے مستمتع ہوئے جو بدن میں تو قوت پیدا کرتا لیکن اسے منہ سے کھانے کی ضرورت
نہ ہوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صوم وصال (رونے) جوڑ کر رکھے تو بعض
صحابہؓ نے بھی ایسا کرنا چاہا حضورؐ نے انہیں منع فرمایا اور بات کھل دی۔
لست کا حدکرا فی یطعمو ربی ولسیقینی۔

ترجمہ میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں ہوں میرا پروردگار مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے
حضورؐ کا یہاں کا جبہ اطہر اس عالم غیب کے کھانے سے سیری محسوس کرتا تھا۔ سو شہداء

بھی اگر جسمانی حیات سے زندہ ہوں اور اللہ رب العزت انہیں ان کے مناسب حال رزق پہنچائے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

تیسری صدی کے علماء میں سے کسی نے یہ سوال نہیں اٹھایا کہ ان و نیدی ابدان کا اس عالم غیب کے رزق سے سیری حاصل کرنا ہمارے سمجھ میں نہیں آتا۔ سب اہل حق تسلیم کرتے تھے کہ اللہ کی قدرتوں کا احاطہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ ہمارا فرض اللہ رب العزت نے اور اس کے رسول برحق نے جو کچھ فرمادیا اس پر بے چوں و چرا ایمان لائیں۔

آیت حیاتِ شہداء کے تقاضے

آیت حیاتِ شہداء کے آخر میں یہ بات بڑی صراحت سے کہی گئی ہے ولکن لا تشعرون۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ تم اس حیاتِ شہداء کو اپنے شعور میں نہیں لاسکتے اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ قرآن کی یہ بات کہ تم اس کا شعور نہیں رکھتے کیا یہ ہمیشہ کے لیے نہیں ہے یہ کہہ کر فرما کہتے ہیں کہ یہ وعدہ آیت اسی وقت تک کے لیے تھا جب تک حضورؐ نے ارواحِ شہداء کے حوصلہ طور میں آنے اور جنت میں داخلہ لینے کی بات نہ فرمائی تھی جب آپؐ نے امت کو حیاتِ شہداء کا شعور بخش دیا تو اب آیت لا تشعرون منسوخ ہو گئی۔ استغفر اللہ العظیم۔

اب ان کی زندگی جنت میں اسی طرح کی ہے جس طرح اور مومنین کی ہوگی۔ اُن کی بھی حیاتِ روحانی اور ان کی بھی حیاتِ روحانی — آیت حیاتِ شہداء میں جو ان کی جسمانی حیات کا بیان تھا سب کا سب ختم ہو گیا۔ اس سے زیادہ اس آیت کی تحریف اور کیا ہوگی۔ اعاذنا اللہ منہ۔

ہم قادیانیوں کو بار بار کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے مدعی (اَنَا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ۔ پٹ النصار ع ۲۲) جس جسم کو قتل کرنے کے مدعی تھے اللہ نے اسی کو اٹھایا اسی کا رفع کیا۔ بل دفعہ اللہ الیہ میں بل اضرابیہ ہے۔ یہود کا جس چیز کے قتل کا

دعوئے ہے۔ اللہ رب العزت کا اسی کے رفع کا دعویٰ ہے۔ سو حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع جسمانی کا عقیدہ ضروریات میں سے ہے۔

اب وہی بات ہمیں اپنے ان کرم فرماؤں کو کہنی پڑ رہی ہے کہ من یقتل فی سبیل اللہ میں جو زیر قتل آئے انہی بارے میں بل اضرابیہ البالیہ وار دے کہ وہ اموات نہیں۔ انہیں اموات نہ کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں تمہیں سمجھ نہ آئے تو لا تشعرون کے تحت قبول کر لو۔ ضروری تو نہیں کہ عالم غیب کی ہر بات سمجھی جائے۔

ان کرم فرماؤں نے آیت کی جو تفسیر بنا رکھی ہے وہ بل اضرابیہ پر نظر رکھنے والوں اور لا تشعرون پر یقین رکھنے والوں کے لیے کسی طرح لائق فہم نہیں۔ ان کے بیان کا حاصل یہ ہے کہ :-

”جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں ان کی روحیں پرندوں کی صورت میں سیر کرتی ہیں تم انہیں مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں تمہیں ان کی زندگی کی سمجھ نہیں آ سکتی“

جب وہ پرندوں کی شکل میں آگئے تو سمجھ تو آگئی۔ جنت میں چلنے پھرنے والے کیا سب شہید ہوں گے یا شہداء کے علاوہ بھی وہاں کسی کو داخلہ ملے گا پھر ان کے بارے میں کیا وہی کہا جائے گا کہ ان کی زندگیوں کا بھی تم شعور نہیں رکھتے یا یہ اور شکلوں میں وہاں جائیں گے اور شہید پرندوں کی شکل میں — کچھ تو سمجھاتے کہ ان میں ایک لا تشعرون کے تحت ہیں اور دوسرے شعور کے تحت۔ ان میں فارق آیت کون سی ہے؟

کچھ تو کہتے کہ لوگ کہتے ہیں

آج غالب غزل سرا نہ ہوا

قرآن کی آیت پکار پکار کہہ رہی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور ان کے جو ابدان مقتول ہوئے انہیں مردے نہ کہو۔ ان کی زندگی تمہارے حواس سے بلا ہے تم اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔

اور ارجح کا مقدر علیین میں مان کر کیا تم بہ تعلق روح ابدان مقتولہ کی زندگی نہیں مان سکتے جو یہاں کی آنکھوں سے تو پردے میں ہے لیکن لا تشعرون کے تحت ہمارے ایمان میں ہے حدیث طبرستان کی بے شک تصدیق کہ لیکن ابدان شہداء کو ہرگز مردہ نہ کہو۔ ان میں ایسی زندگی ہے جو تم سے پردے میں ہے۔ اور اس جہت سے وہ زندہ ہیں۔

قرآن کریم کے ان ظاہر معنوں کو کسی خبر واحد سے جو دلالت بھی مضطرب ہو پھیر دینا یہ علم کی کون سی خدمت ہے اور حوام میں اس خبر واحد کو متواتر اور قطعی الدلالة سمجھنا اس سے بڑھ کر حوام سے قریب کاری کیلئے ہے؟ جو مفسرین آیت ولا تذروا ذرۃ وزرا اخروی کو قبر سے متعلق قرار دیں ان کے سوا کون ہے جو برزخ میں شہداء کی حیات جمالی کا انکار کر سکے۔ ہر کسی نے اپنی اپنی قبر میں جانا ہے لا تذروا ذرۃ وزرا اخروی کوئی کسی کا بوجہ نہ اٹھائے گا۔

اب ہم ایسی تغیرات کو کس طرح تسلیم کر لیں۔ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کے کلام لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات کے مقابلہ میں ان کے ابدان مقتولہ کو اموات ہی کہنا ہے تو جسے قرآن کے انکار کی یہ روش پسند ہو وہ تسلیم کسے روح کے کو الف سن کہ ابدان مقتولہ کی زندگی جو نفس قرآن سے ثابت ہے اس کا انکار نہیں تو گوارا نہیں۔

بل احياء

حياة الشهداء ثابتة في الآيات والاحادیث وقد اختلفوا فيها وذهب كثير من السلف الى انها حياة حقيقية بالروح والجسد و لكن لا ندرکها ولا نعلم حقیقتها ولا نعلم من احوال البرزخ التي لا یطلع علیها۔

ترجمہ: شہیدوں کی زندگی آیات اور احادیث سے ثابت ہے، اور (کرامیہ میسے) لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہے اور اسلاف کی اکثریت (اہل السنۃ و الجماعۃ) اس طرف گئی ہے کہ شہداء کی یہ زندگی حیاتِ حقیقی ہے جو روح اور بدن کے ساتھ ان کو حاصل ہوتی ہے لیکن ہم اسے محسوس نہیں کہہ پاتے اور نہ ہم اس کی حقیقت جانتے ہیں اور اس لیے بھی کہ یہ برنخ کے حوال ہیں سے ہے جس پر انسان مطلع نہیں ہوتا۔

ان الشهداء بعد موتهم وقتلهم احياء عند ربهم يرزقون فرحين
وهذه صفة الاحياء في الدنيا واذا كان هذا في الشهداء كان الانبياء
بذلك احق واولى به

ترجمہ: بیشک شہداء اپنی موت اور قتل سمجھنے کے بعد اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے اور وہ خوش ہیں اور یہ دنیا میں زندوں کی صفت ہے جب شہداء کا یہ حال ہے کہ وہ زندہ ہیں تو انبیائے کرام تو اس شان کے زیادہ حقدار اور اہل ہیں۔

جماعتِ اہلحدیث کے بزرگ قاضی شوکانی (۱۲۵۵ھ) لکھتے ہیں:-

معنى الآية عند الجمهور وانهم احياء حياة محقة ثم اختلفوا فمنهم
من يقول انهم ترد اليهم ارواحهم في قبورهم فيتعلمون وقال مجاهد
يرزقون من ثمر الجنة وذهب من عدد الجمهور الى انها حياة مجازية
والصحيح الاول والمراد بالرزق المعروف في العادات على ما ذهب
اليه الجمهور

ترجمہ: اور آیت حیاتِ شہداء کے معنی جمہور کے نزدیک یہ ہیں کہ وہ حیاتِ حقیقی کے ساتھ زندہ ہیں، پھر اس میں اختلاف ہے کہ کیا ان کی روحیں قبروں میں ان کی

طرف ٹوٹائی جاتی ہیں اور وہ وہاں اور اک نعیم کرتے ہیں۔ امام تفسیر مجاہد (۱۱۸ھ) کہتے ہیں انہیں وہاں جنت کے پھل دیئے جاتے ہیں اور جمہور اہل السنۃ والجماعہ کے سوا جو لوگ ہیں (جیسے معتزلہ اور کرامیہ) وہ کہتے ہیں کہ یہ حیات حقیقی نہیں مجازی ہے اور صحیح بات پہلی ہی ہے کہ یہ ان کی (قبر کی حیات) حقیقی حیات ہے اور رزق سے سزا دہی رزق ہے جسے عادۃ رزق کہا جاتا ہے جیسا کہ جمہور اہل اسلام کا مسلک ہے۔

مفسرین میں جب اختلاف ہو کہ ابدال شہداء میں روحیں لوٹتی ہیں یا نہیں تو کسی نے نہ کہا۔ جب حضورؐ نے حیات شہداء کی تفسیر پر بندوں کی سیر سے کر دی ہے۔ اب تم ان بدنوں کو کیوں زیر بحث لا رہے ہو۔ ان بدنوں کے لیے حیات حقیقی کیوں ثابت کر رہے ہو اور پھر اسے جمہور اہل اسلام کا مسلک کہہ رہے ہو۔ کیا جمہور اسلام اور ارجح شہداء کے قنادیل عرش سے لٹکنے کے خلاف تھے؟ نہیں انہیں نہ اس حدیث سے انکار تھا نہ قرآن کریم سے۔ قرآن کریم کی رو سے وہ شہداء کی حیات جسمانی کے بھی قائل تھے اور روح کے اپنے مقامات ربیعہ کا بھی وہ انکار نہ کرتے تھے جس کے اثر سے ابدال قبروں میں زندگی پاتے ہیں۔ قاضی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں۔

ورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشہداء انہم احياء یرزقون و ان الحیوة فیہم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء المرسلینؐ

ترجمہ: قرآن کریم میں شہیدوں کے بارے میں نص موجود ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ انہیں رزق دیا جاتا ہے اور ان کی حیات جسد کے ساتھ ہے۔ یہ حیات انبیاء و مرسلین کو بدرجہ اولیٰ حاصل ہے۔

ہم نے قاضی صاحب کو اس لیے پیش کیا ہے کہ ایک قاضی ہمیں بھی پیش آئے ہیں وہ تقلید سلف میں ہمارے خلاف تھے اور یہ قاضی تائید سلف میں ہمارے خلاف ہیں۔

یہ غیر متقلد بزرگ تو اپنی بات کہہ چکے۔ اب تیرہویں صدی کے ایک متقلد بزرگ سے بھی سن لیجئے۔ ان سے تمک کے بغیر آپ چودہویں صدی کے ان کرم فرماؤں سے نہیں بچ سکیں گے۔ علامہ محمود اکوئی (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:-

واختلف في هذه الحياة وذهب كثير من السلف الى انها حقيقية
بالروح والجسد ولكن لا تدركهما في هذه النشأة واستدلوا بسباق
قوله تعالى عند ربهم في رزقون^۱

ترجمہ۔ اور اس زندگی میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اسوف کی اکثریت اسی بات پر ہے کہ ان کو حقیقی حیات حاصل ہے جو روح اور جسد کے ساتھ ہوتی ہے لیکن ہم اسے اس جہان میں دیکھ نہیں پاتے اور ان سلف صالحین نے عند ربہم میں رزقون سے استدلال کیا ہے۔

علامہ اکوئی نے سلف کا مسلک ہم تک پہنچا دیا ہے اور اسے مجبور کا مسلک کہا ہے اس کے بعد اب کیا تردد باقی رہ گیا۔

يرزقون لكونهم احياء والقول بان ارواحهم متعلق بالافلاك
والكواكب فتلتذّبذالك وتكتسب زيادة كمال قول مابط الى الثرى
ولا اظن القائل به قرع سمعه الروايات الصحيحة والاخبار المصريّة
بل لم يذق طعم الشريعة الفراء ولا تراعى له منهج
المحجة وخبر القناديل لا ينور كلامه ولا يزيل ظلامه فلم يرى
ان حال الشهداء وحياتهم ورام ذلك^۲

۱۔ شہداء کی حیات اور رزق کو روحانی رزق بتلانا اور سمجھنا کہ ان کے ارواح
آسمانوں اور ستاروں پر ہوتے ہیں اور اس میں لذت محسوس کرتے ہیں

اور کمال بڑھاتے ہیں۔ یہ اپنی لوگوں کا کہنا اور سمجھنا ہو سکتا ہے جن کے کانوں میں صبح اور صبح روایات اور اخبار کی آواز نہیں پڑی، بلکہ ایسے لوگ شریعتِ غزّٰی کی لذت سے آشنا نہیں ہیں اور ان کو محبتِ بیعت کی راہ نہیں دکھائی گئی۔ اللہ کی قسم شہداء کا حال اور ان کی زندگی روحانی رزق اور زندگی سے بالا و برتر ہے۔ — پھر آگے جا کر لکھتے ہیں :-

ان الذیۃ دلت علی عرض الارواح علی النار غدوۃ و عشیۃ فی البرزخ و لیس فیہ حلالۃ علی اتصال تالمہا بل جہادھا فی البرزخ اذ قد یکون ذلک مختصا بالبرزخ فاما حصول خلک للحد فی البرزخ و تالمہ فلم یدل علیہ الا السنۃ فی الاتحادیت للرضیۃ الا فی ذکرہا بل شہداء کی امتیازی حیات یہ ہے کہ ان کی ارواح کو تجسد ہے (یہ بہر یا سفید پرندوں کی صورتیں ہیں) اور اس تجسد کو شہداء کے دنیوی اجساد سے اس قدر اقبال اور تعلق ضرور ہے کہ اس نے دنیوی اجساد کے اندر حیات پیدا کر رکھی ہے۔

یہ شہداء کی زندگی کا بیان ہے کہ ارواح شہداء کا پرندوں کی صورت میں پرواز کرنے کے باوجود اپنے دنیوی اجساد سے ایک گونہ تعلق ضرور ہے اور اسی کے سبب ان کو حیاتِ جسمانی حاصل ہے۔ تاہم یہ حیات ایسی ہے کہ ہم اس دنیا میں رہتے ہوئے اس کا ادراک نہیں کر پاتے۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ خود کسی کے لیے برزخ کے یہ پردے اٹھا دیں۔ عارفین نے جب کبھی شہداء یا انبیاء کو ان کی قبروں میں زندگی کے پورے آثار سے دیکھا وہ کشف کی آنکھوں سے دیکھا ورنہ وہ دنیا اس دنیا سے پردے میں ہے۔

پردہ اٹھانے کی مثالیں

برزخ کے پردے قبروں کی عام برزخی واردات پر ہیں۔ نعیم صالحین اور عذابِ مجرمین

دونوں پردے میں ہیں جنوں سے پردے اُٹھے تو آپ نے دو قبروں میں دو مجرمین کو گھرے عذاب میں پایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس گزے تو انہیں قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

معتزلہ کی ایک غلط تاویل اور اس کا جواب

قرآن کریم نے شہداء کے زندہ ہونے کی جو خبر دی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ انہیں قیامت کے دن زندہ کیا جائے گا اور اس دن وہ ہمیشہ کی آرام کی زندگی پائیں گے۔ فرحین بما اقامہم من فضلہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ یہی نہیں کافر بھی اس دن زندہ کئے جائیں گے مگر وہ اس دن انتہائی تکلیف میں ہوں گے۔

الجواب: آیت حیات شہداء کا جملہ ولکن لا تشعرون (اور لیکن تم زندگی کا شعور نہیں رکھتے) اس کی تردید کرتا ہے کیوں اس دن (قیامت کے دن) تو سب ایک دوسرے کی زندگی کا شعور رکھتے ہوں گے۔ ہر زندہ دوسرے کو زندہ نظر آئے گا اور اس دن کسی کی زندگی چھپی زندگی نہ ہوگی۔ یہاں ہمیں شہداء کی زندگی کے بارے میں کہا گیا ہے۔ ولکن لا تشعرون۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شہداء کی زندگی جس کی اس آیت میں خبر دی گئی ہے قیامت سے پہلے کی ہے ان کے مارا جانے اور قیامت کے مابین ان کا برزخ ہے اور اسی برزخ میں وہ حیات جسدی سے زندہ ہیں۔

حافظ ابو بکر جصاص رازی (۳۷۰ھ) لکھتے ہیں:-

فيه اخبار باحياء الله تعالى الشهداء بعد موتهم ولا يجوز ان يكون المراد انهم سيعيون يوم القيامة لانه لو كان هذا مراده لما قال ولكن لا تشعرون لان قوله ولكن تشعرون اخبار بفقد علمنا بحياتهم بعد الموت ولو كان المراد الحياه يوم القيامة لكان المومنون قد شعروا به وعرفوا قبل ذلك فثبت ان المراد الحياه الحادثه بعد موتهم قبل

یوم القیمہ واذا جازان یکن المؤمنون قد احيوا فح قیومہم قبل
 یوم القیمہ وہم المنعمون جازان یحیی الکفار فی قیومہم فیعذبون
 وھذا یبطل قول من ینکر عذاب العتبر

ترجمہ۔ اس آیت میں شہداء کے مارے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے
 ان کے زندہ کئے جانے کی خبر دی گئی ہے اور یہ صحیح نہیں کہ اس سے مراد
 قیامت کے دن زندہ کیا جانا ہو ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ نہ کہتے لیکن لا تشعرون

کیونکہ یہ جملہ کہ تم ان کی اس زندگی کو دیکھتے نہیں ہمارے ان کی اس زندگی کو جاننے کی نفی کرتا ہے
 اور اگر اس آیت سے یہی مراد ہو تو مومن تو اس دن ان کی اس زندگی کو دیکھ لیں گے۔ اور
 پہچان لیں گے پھر لا تشعرون کیا؟

سو بات یہی ہے کہ اس سے ان کی وہ حیات مراد ہے جو ان کو مارا جانے کے
 بعد قیامت سے پہلے حاصل ہوگی۔ اور خیب یہ ممکن ہے کہ مومنوں کو ان کی قبروں میں زندگی
 ملے اور وہ وہاں نعیم قبر پائیں تو یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ کافروں کو بھی ان کی قبروں میں زندہ
 کیا جائے اور ان کو ان میں عذاب ملے۔ اس سے معتزلہ کا عقیدہ انکار عذاب قبر باطل ٹھہرتا
 ہے وہ سمجھتے ہیں عذاب بئیر کوئی شے نہیں نہ وہاں کوئی زندگی ہے اور نہ عذاب۔

برزخ کا ایک اپنا حال ہے

برزخ کا ماقبل سے جدا اور مابعد سے مختلف ایک اپنا حال ہے اس کا اثبات عقیدہ برزخ
 کا اقرار اور اس کا انکار عالم برزخ کی کھلی نفی ہے۔ انسان انبیاء ہوں یا شہداء موت کا پہل عبور کر کے
 ہی اس جہان میں داخل ہوتے ہیں اور اس جہان کی ایک اپنی زندگی ہے جسے برزخی زندگی
 کہا جاتا ہے یہ زندگی دنیوی ابدان سے متعلق ہو تو اسے جسمانی حیات بھی کہا جاتا ہے گویا ہمارے شعور
 اور ادراک سے بالا ہو حشر کے دن جب قبروں سے اٹھیں گے تو وہ ایک کھلی حیات ہوگی۔

برزخ کی یہ حیات ماقبل کی وفات سے متصادم نہیں نہ یہ مابعدِ عالمِ آخرت کی کھلی زندگی کے منافی ہے ماقبل کی وفات سے انبیاء اور شہداء کو عالمِ برزخ میں مردے نہیں کہا جاسکتا۔

انبیاء کرام کے لئے ان کی موت کا اقرار اور حالاً انہیں مُردہ کہنے سے انکار

یہ اس بحث کا مرکزی نقطہ ہے۔ انبیاء بے شک اپنے وقت میں موت کا ذائقہ چکھ آئے ہیں لیکن حالاً وہ اموات نہیں احیاء ہیں۔ مردے ہوئے نہیں زندہ نہیں۔ ہمارا یہ استدلال اسی منہاج پر ہے جس منہاج پر ہم نے حیاتِ شہداء پر استدلال کیا تھا۔ ماضی میں دونوں (شہداء اور انبیاء) موت آشنا ہوئے۔ اب دونوں اموات نہیں احیاء ہیں۔ ان دونوں ان کے میت ہونے کا فیصلہ درست نہیں۔ حالاً ان کے احیاء ہونے کا عقیدہ ضروریاتِ مذہبِ اہل سنت سے ہے۔

شہداء کے لئے موت وارد ہونے کا اقرار اور حالاً انہیں مُردہ کہنے پر انکار

قرآن کریم نے شہداء سے موت وارد ہونے کی نفی نہیں کی۔ ایسا ہوتا تو یوں فرماتے۔ وَلَا تَقُولُوا الْمَيِّتُ قَتَلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَنَّهُمْ مَاتُوا لیکن ایسا نہ کہا، بلکہ فرمایا انہیں اموات (مردے) نہ کہو انہیں مُردے نہ سمجھو۔ اب بعد وفات وہ زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل (موت وارد ہونے) کے بعد حیات بخش رکھی ہے۔

عالمِ برزخ میں شہداء کی زندگی روحانی ہے یا جسمانی۔ اس کا فیصلہ میں بقتل کو دیکھ کر کریں۔ زندگی کا حکم اسی پر ہے جس پر قتل وارد ہوا اور ظاہر ہے کہ وہ جسم ہے جس پر قتل وارد ہوا۔ قرآن کریم نے اسی کے مُردہ ہونے کا ابطال کیا اور اس کے زندہ ہونے کا اثبات کیا ہے۔

بل اضرابیہ البطالیہ ماقبل کا ابطال کرتا ہے مابعد کا اثبات کرتا یہاں بل سے شہدائے
مردے ہونے کی نفی کی ان کے زندہ ہونے کا اثبات کیا۔ سو ان کی زندگی حقیقی اور جسمانی ہے اور
وہ روح اور جسم دونوں سے زندہ ہیں۔ گو ہمیں اس کا ادراک اور شعور نہ ہو۔ ولکن لا تشعرون
اس پر قرآنی شہادت ہے

یہی جسمانی زندگی ان کا مخصوص اور امتیازی درجہ ہے۔ یہ قول حضرت ابن عباسؓ۔ مجاہدؒ
حسن بصریؒ اور دیگر کئی صحابہؓ اور تابعین کا ہے کہ وہ جسمانی حیات سے زندہ ہیں۔ لیکن اس
میں پھر اختلاف ہوا کہ ان کی ارواح پر ندوں کی صورت میں متجسد ہیں اور پھر ابدان پر سایہ فگن
ہیں یا وہ اجساد مثالیہ میں اُتری ہوئی ہیں۔ صورت حال جو بھی ہو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ان کا
ان کے اصل دنیوی اجساد سے کوئی تعلق نہیں۔

علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۱ھ) لکھتے ہیں:-

ولا یعجز الله تعالى ان يحل به حياة تكون سبب الحس والادراك وان كان
نواه رمة مطروحة على الارض لا يتصرف ولا يرى فيه شيء من علامات الحياة
فقد جاء في الحديث ان المؤمن يسمع له مدی بصره ويقال له ثم نومته العرس
مع اننا لان شاهد ذلك اذ البرزخ برزخ اخر بمعزل عن اذهانا
وادراك قوانا۔

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس سے عاجز نہیں ہے کہ شہدائے دنیوی اجسام میں زندگی اُتار
دے اگرچہ ہم اس کو زمین ہی میں گلا سٹرا دیکھیں اور حیات کے اثرات ان میں نہ دیکھ
پائیں۔ اور یہ ہماری کمزوری ہوگی کیونکہ اصل حقیقت کچھ اور ہے گو ہم اسے پوری
طرح سمجھنے میں ناکام رہیں اس کی مثال میں حدیث پیش کی جاسکتی ہے کہ مومن کے
لیے اس کی قبر نظر کی حد تک کھول دی جاتی ہے اور اس کو کہا جاتا ہے کہ اس میں لہن

کی نیند کی طرح سو جاؤ۔ حدیث کی اس خبر کے باوجود ہم میت کی قبر کو اس حد تک
کھلا ہوا نہیں دیکھتے نہ میت کو اس میں دلہن کی مانند سویا ہوا پاتے ہیں مگر اس
کے یہ معنی نہیں کہ یہ خبر امر واقعہ نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ برزخ اور
عالم غیب کے احوال ہیں جن کا یہاں کی آنکھ سے دیکھنا بہت مشکل ہے۔
پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:-

والذی یعمل القلب الیہ ان لہما تیک الابدان شہا تہا ما صویا بھذہ الابدان وان الموات مختلفۃ
الاجزاء متفاوتۃ۔ اذ فرق بین العالمین شتان مابین البرخیین۔ ویمکن حمل احادیث الطیر علی
تشبیہ ہذہ الابدان الخفۃ الطریۃ بسرۃ حرمکما وفعالہا حیث شاعت بالطیر المختصرۃ
ترجمہ۔ اور جس بات سے میرے دل کو تسلی اور اطمینان ہے وہ یہ ہے کہ برزخی
ابدان کو ان ابدان کے ساتھ پوری پوری صورت مشابہت ہے۔ اگرچہ دونوں
کے اجزاء متفاوت اور ان کے عناصر مختلف ہوں اس لیے کہ دونوں جہانوں میں
فرق ہے اور ہو سکتا ہے کہ حدیث میں سرعت حرکت کے اعتبار سے تشبیہ ہو۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب (گوجرانوالہ) کہتے ہیں شہداء کو رزق دیا جانا ان کی حیات جہانی
کی دلیل نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ قرآن کریم اس عطا کو غیر شہداء سے بھی متعلق کرتا ہے اور زندہ صرف
شہداء کو کہا گیا ہے۔ سو شہداء کو رزق دیا جانا ان کی جہانی زندگی کی دلیل نہیں ہے۔ نیز اس رزق
کو عند ربہم کہا گیا ہے جو روحانی رزق کے لیے آتا ہے۔ جو جب رزق روحانی ہے تو ان کی
زندگی بھی روحانی ہوگی۔ مولانا نے اس سلسلہ میں اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

والذین ہاجرُوا فی سبیل اللہ ثم قتلُوا اَوْ ماتُوا لیس زقتہم اللہ ذقًا

حسنًا۔ (پاک: الحج ع ۸ آیت ۵۸)

ترجمہ۔ اور جو لوگ گھر چھوڑ آئے پھر اللہ کی راہ میں مارے گئے یا مر گئے تو اللہ تعالیٰ

انہیں خاص رزق حسن عطا فرمائیں گے۔

یہاں عام مرنے والوں سے بھی رزق حسن کا وعدہ ہے کیا وہ بھی زندہ ہیں؟ اگر رزق دیا جائے زندگی کی دلیل ہے تو چاہیے کہ وہ بھی زندہ ہوں؟

اجواب

اس آیت میں اوصاتوا (یا وہ مر گئے) کے الفاظ عام اموات کے بارے میں نہیں ہیں یہ ان لوگوں کے بارے میں ہیں جو اپنے گھروں سے اللہ کی راہ میں نکلے اور پھر اسی راہ عمل میں مے وہ اور اس راہ عمل میں مارے جانے والے دونوں کے لیے اس آیت میں وعدہ رزق ہے۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ وہ متوفی فی سبیل اللہ بھی شہید کا درجہ رکھتے ہیں قتل فی سبیل اللہ اور متوفی فی سبیل اللہ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے درجہ شہادت دیا ہے اور دونوں سے رزق حسن کا وعدہ ہے۔

فعالمہ بن عبید (۵۷ھ) نے دیکھا کہ لوگ قتل فی سبیل اللہ کے جنازہ کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں تو انہوں نے فرمایا۔

فاما من قتل فی سبیل اللہ ... فانه حتی عند ربہ یرزق واما من توفی فی سبیل اللہ من مہاجر لو غن مہاجر فقد تفضلت هذه الآية الکريمة مع الاحادیث الصحیحة اجراء الرزق علیہ۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ متوفی فی سبیل اللہ بھی شہید ہے وہ عام مرنے والوں میں سے نہیں۔ عام اموات کے مقابلہ میں یہاں قتل فی سبیل اللہ اور متوفی فی سبیل اللہ دونوں باجہ شہادت ماجر ہیں اور حیاتِ جہانی اور رزق حسن پاتے ہیں۔

مولانا اسماعیل صاحب کی قرآن پاک پر مآثر اللہ وسیع نظر ہے لیکن حدیث میں آپ کا مطالعہ کمزور ہے اگر ان احادیث پر آپ کی نظر ہوتی تو آپ ایسی بات نہ کہتے۔

① — حضرت ابو مالک اشعریؓ روایت کرتے ہیں۔

جو اللہ کی راہ میں نکلا پھر فوت ہو گیا یا مارا گیا۔ اس کے گھوڑے یا اونٹ نے اسے مار ڈالا یا اس پر کوئی تکلیف آگئی وہ شہید ہے۔

② — حضرت معاذ بن جبلؓ (۱۸ ھ) روایت کرتے ہیں۔

جس نے اخلاص اور سچائی سے خدا سے مقام شہادت پایا وہ طبعی موت پائے یا مارا جائے اس کے لیے مرتبہ شہادت ہے۔

③ — حضرت عمرؓ نے اثنائے خطبہ میں فرمایا۔

لوگو! ایسا کہو جیسا حضورؐ فرما گئے جو اللہ کی راہ میں مارا گیا یا فوت ہوا وہ حقیقت میں ہے۔

④ — سہیل بن حنیف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔

جس نے سچے دل سے شہادت کو چاہا اللہ تعالیٰ اسے شہادت کا درجہ دیں گے اگرچہ وہ اپنے بستر پر فوت ہو گیا۔

مولانا اسماعیل صاحب قرآن کریم کے محاورہ عند ربہم یرزقون کو بھی نہیں سمجھے۔ خواہ مخواہ

کہے جا رہے ہیں کہ انہیں روحانی رزق ملتا ہے۔ حضرت مریمؑ کے پاس جب بیت المقدس میں خلاف

موسم پھیل آتے تو حضرت زکریاؑ یا علیہ السلام اس پر حیران ہو گئے۔ آپ نے ان سے پوچھا تو حضرت مریمؑ

نے بتایا۔ ہومن عند اللہ (پ آپ آل عمران ص ۴) یہ کوئی روحانی رزق نہ تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ

وہ خاص اللہ کے ہاں سے آتا تھا۔ حضرت مریمؑ کا جسد دنیوی تھا اور یہ رزق بھی اس کے مناسب

دنیوی۔ اللہ تعالیٰ بغیر اسباب کے انہیں مہیا فرمائیں تو محض اس وجہ سے انہیں روحانی

رزق نہیں کہہ دیا جاتا۔ ایسے مواقع پر خدا کی قدرت پر نظر رکھنی چاہیے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں۔

خدا کی قدرت سے اسی طرح مجھے یہ چیزیں پہنچائی جاتی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ کہا۔

فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ (نپ العنکبوت آیت ۱۰)

ترجمہ۔ تم اللہ کے ہاں سے رزق ڈھونڈو۔

معلوم ہوا کہ عند اللہ یا عند ربہم کچھ روحانی رزق سے ہی خاص نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں کے دنیوی رزق پر بھی یہ محاورہ استعمال کیا ہے۔ افسوس مولانا محمد اسماعیل صاحب اسے سمجھ نہیں سکے

حیاتِ شہداء کے شواہد

①۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں اُحد کے دن میرے والد نے مجھے کہا شاید آج میں سب سے پہلے شہید ہو جاؤں۔ حضورؐ کے بعد کوئی مجھے تم سے پیدا نہیں ہوگا اور دنیا اور اپنی بہنوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں واقعی سب سے پہلے میرے والد مارے گئے۔ اُس دن دو دو شہید ایک جگہ دفن کئے گئے تھے میں نے نہ چاہا کہ میرے والد کے ساتھ کوئی اور دفن ہو۔ میں نے چھ ماہ بعد اپنے والد کی قبر کو کھولا تاکہ آپ کو علیحدہ دفن کر دوں۔

فَكَانَ أَوَّلُ قَتِيلٍ دُفِنَ مَعَهُ أُخْرَى قَبْرَهُ ثُمَّ لَمْ تَطْبُخْ لِي أَنْ أُتْرِكَ مَعَ أُخْرَى اسْتَنْجَتُهُ بَعْدَ سِتَّةِ أَشْهُرٍ فَلَاذًا هُوَ كَيَوْمِ وَضَعْتُهُ هَنِيئَةً غَيْرَ ذَنَةٍ

ترجمہ۔ آپ جنگ اُحد کے پہلے شہید تھے میں نے آپ کے ساتھ ایک اور شخص کو بھی آپ کی قبر میں دفن کر دیا پھر مجھے یسا اچھا نہ لگی کہ میں اپنے والد کو کسی اور شخص کے ساتھ رکھوں میں نے پھر چھ ماہ کے بعد آپ کے وہاں نکالا آپ اسی حال میں جیسا کہ میں نے آپ کو دفن کیا تھا صراحتاً ایک کان میں تھوڑا سا تغیر تھا۔

حضرت جابرؓ کے والد عبد اللہ بن عمر و انصاریؓ کے ساتھ آپ کے بہنوئی حضرت عمرو بن ابوجحؓ دفنائے گئے تھے۔

②۔ تقریباً پچاس سال بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ حکومت میں مدینہ منورہ کے قریب نہرِ کھنصر کھودی گئی۔ اس کھدائی میں نسید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کا جسدِ ملاوہ اسی طرح تھا جس طرح دفن کیا گیا تھا اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تھی۔ بیچہ انگلی پر لگ گیا تو خون بہنے لگا۔ حافظ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:-

وما وجد فی صدر هذه الامة من شهداء احد وعین هم علی هذه الصورة ولم يتغیر وابدال دھور الطویلة حمزة بن عبدالمطلب فانه وجد حین حفر معاویة العین صحیحاً لم يتغیر اصابته الناس اصبعه فذمیت۔

ترجمہ۔ بعد اس امت کے پہلے دور میں جو شہداء احد وغیرہ اسی صورت میں پائے گئے جسے زمانے گزرنے کے بعد بھی ان میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ ان میں حضرت حمزہؓ بھی ہیں۔ حضرت معاویہؓ نے جب اپنے دور میں ایک نہر کھودی تو انہیں حضرت حمزہؓ کو اسی طرح پایا گیا آپ میں کوئی تغیر واقع نہ ہوا تھا۔ کام کرنے والے کا بیچہ آپ کی انگلی پر لگ گیا تو اس سے خون جلدی ہو گیا۔

③۔ حضرت عمرو بن ابیجوحؓ اور عبد اللہ بن عمرو الفلہیؓ ایک دفعہ پھر بوجہ سیلاب دوسری جگہ منتقل کیے گئے:-

فوجد المدینة کما تھما مائتا بالامس وکان احدھما قد جرح فوضع یدہ علی جرحہ فدفن وهو کذلک فارسلت یدہ عن جرحہ ثم ارسلت فرجعت کما کانت۔

ترجمہ۔ وہ دونوں اس طرح پائے گئے گویا کل فرت پہلے میں ان میں سے ایک احد کون زخمی ہوا تھا اور اس نے اپنا ہاتھ اپنے زخم پر رکھا ہوا تھا اور اسی حالت میں وہ دفن

کر دیا گیا میں نے آپ کا ہاتھ زخم سے ہٹایا اور پھر تھوڑا دیا۔ وہ وہیں جا لگا جہاں کہ پہلے تھا۔

④۔ حضرت عمرؓ کے زلمے میں بخران کے ایک آدمی نے ایک جگہ جہاں قبریں تھیں، زمین کھودی تو حضرت عبداللہ بن تلمیذ کا جسد ملا۔ ہاتھ سر پر رکھا ہوا تھا۔ راوی کہتا ہے:-
فاذا اخرفت يده عنها تنبعت دما واذا ارسلت يده سدها عليها
فلمسكت دما۔

ترجمہ جب میں آپ کا ہاتھ زخم سے ہٹاتا تو اس زخم سے خون پھوٹ پڑتا اور جب میں آپ کے ہاتھ کو چھوڑ دیتا تو وہ وہیں جا لگتا اور اس کے خون کو روک دیتا۔
⑤۔ ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی دیوار گر گئی جب اسے بنانے لگے تو ایک قبر سے قدم ظاہر ہوا۔ لوگ گھبرا گئے کہ یہ حضورؐ کا قدم نہ ہو حضرت عروہؓ نے وہ قدم پہچان لیا اور بتایا یہ حضرت عمرؓ کا قدم ہے۔
⑥۔ حضرت امیر معاویہؓ کے دور حکومت میں جب نہر نظامہ کھودی گئی اور درمیان میں شہداء کی قبریں کھلیں تو دیکھا کہ ان کے جسد تروتازہ ہیں اور بال بٹھے ہوئے ہیں۔ اتفاقاً ایک شہید کے پاؤں پر کدال لگی تو خون جاری ہو گیا۔ جب وہ جگہ کھودی گئی تو سب طرف مشک کی خوشبو پھیل گئی۔

⑦۔ حضرت حذیفہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مزارات دریائے دجلہ کے کنارے تھے۔ ۶۹۳۰ء کے قریب کی بات ہے۔ دریائے دجلہ کا ٹٹا ان کے مزارات کے قریب آ پہنچا۔ حکومت عراق نے حکم دیا کہ ان مزارات کو حضرت سلمان فارسیؓ کے احاطہ میں منتقل کر دو اور پھر ایسا ہی کیا۔ پھر جنازے ہوئے اور آٹھ دس ہزار آدمیوں نے ان میں شرکت کی۔ ایک صاحب الطاف حسین جوان جنازوں میں شریک ہوئے تھے۔ ان کا بیان ہے:-

لے سیرت ابن ہشام جلد ۲۵ و تفسیر فاذن جلد ۲۸ لے صحیح بخاری جلد ۱۸۶

لے وفاء الوفاء جلد ۳ ص ۹۳۹

قبر سے نکلے ہوئے جنازوں کی موجودگی اور غلطی کی آہ و بکا نے قیامت کا نمونہ
برپا کر رکھا تھا۔ اکثر آدمی روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔ نعشیں تیرہ سو سال
گزرنے کے بعد بھی بالکل سالم تھیں۔ کفن ہاتھ لگانے سے بوسیدہ تھا۔ ایک
صاحب کی وارثی سفید مٹی اور ایک کی سیاہ۔

یہ واقعہ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کی اگست ۱۹۶۴ء کی اشاعت میں اسی طرح منقول
ہے اور اس کا عنوان ہے:-

ناقابل انکار صداقت

قصبہ سلمان پاک جو بغداد سے ۱۰۰ میل کے فاصلے پر ہے، زمانہ قدیم میں جس کا نام ”مدائن“ تھا۔
یہاں اکثر صحابہ کرامؓ گورنری کے عہدے پر فائز رہے۔ یہاں ایک شاندار قبرے میں حضرت سلمان فارسیؓ
مشہور صحابی مدفون ہیں اور آپ کے گنبد مزار سے متصل نبی آخر الزمانؐ کے دو صحابہ حضرت حذیفہ الیمانیؓ
اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ کے مزارات ہیں۔ ان دونوں اصحاب رسولؐ کے مزارات پہلے سلمان پاک
سے دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک غیر آباد جگہ پر تھے۔

ہوایہ کہ حضرت حذیفہؓ نے خواب میں ملک فیصل اول شاہ عراق سے فرمایا کہ ہم دونوں کو
موجودہ مزاروں سے منتقل کر کے دریائے دجلہ سے تھوڑے سے فاصلہ پر دفن کر دیا جائے۔ اس
لیے کہ میرے مزار میں پانی اور جلابہ کے مزار میں نمی شروع ہو گئی ہے۔

شاہ یہ خواب مسلسل دو راتوں میں دیکھتا رہا اور شاید بے پروائی یا انہماک امپراطنت
کے باعث ٹھہل گیا، تیسری شب حضرت موصوف نے عراق کے مفتی اعظم کو خواب میں یہی ہدایت
فرما کر کہا۔ ہم دو راتوں سے بادشاہ کو کہہ رہے ہیں لیکن اس نے اب تک انتظام نہیں کیا۔ اب یہ
مہتابا رکام ہے کہ اس کو متوجہ کر کے اس کا فدی بند و بست کرادے۔

چنانچہ اگلے روز صبح ہی صبح مفتی اعظم نور السعید پاشا وزیر اعظم کو ساتھ لے کر بادشاہ سے

ٹے اور اس سے اپنا خواب بیان کیا۔ شاہ فیصل نے کہا، میں بھی دو راتوں سے خواب میں یہی دیکھ رہا ہوں۔

آخر کافی غور و مشورے کے بعد شاہ نے مفتی اعظم سے کہا کہ آپ مزارات کھولنے کا فتویٰ دے دیں تو میں اس کی تعمیل کے لیے تیار ہوں۔ جب مفتی اعظم نے مزارات کے کھولنے اور لاشوں کو منتقل کرنے کا فتوے دے دیا تو یہ فتوے اور شاہی فرمان دونوں اس اعلان کے ساتھ اخبارات میں شائع کر دیئے گئے کہ بروز عید قربان بعد نمازِ ظہران دونوں اصحابِ رسول کے مزارات کھولے جائیں گے۔

اخبارات میں یہ حال شائع ہونا تھا کہ تمام دنیائے اسلام میں یہ خیر سبجلی کی طرح پھیل گئی۔ رٹنر اور دوسری خیر رساں ایجنسیوں نے اس خیر کو تمام دنیا میں پہنچا دیا۔ حسن اتفاق دیکھئے کہ ان دنوں موسمِ حج ہونے کے باعث تمام دنیا سے مسلمان حج کے لیے حرمین شریفین (مکے مدینے) میں جمع ہو رہے تھے۔ جب انہیں یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے شاہِ عراق سے یہ خواہش ظاہر کی کہ مزارات حج کے چند روز بعد کھولے جائیں تاکہ وہ بھی شرکت کر سکیں۔ اسی طرح حجاز، مصر، شام، لبنان، فلسطین، ترکی، ایران، بلجاریہ، افریقہ، روس، ہندوستان وغیرہ ملکوں سے شاہِ عراق کے نام بے شمار تار پہنچے کہ ہم بھی جنازوں میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔ مہربانی فرما کر مقررہ تاریخ چند روز بڑھا دی جائے۔

چنانچہ دنیا کے مسلمانوں کی خواہش پر یہ دوسرا فرمان جاری کر دیا گیا کہ اب یہ رسم حج کے دس دن بعد ادا کی جائے گی اور اس کے ساتھ ہی خواب میں اہل مزارات کی عجلت کی تاکید کے پیش نظر احتیاطی تدابیر بھی کی گئیں کہ پانی مزارات تک پہنچنے نہ پائے۔

آخر کار وہ دن بھی آگیا جس کی آرزو میں لوگ جوق در جوق مسلمان پاک میں جمع ہو گئے۔ دو شنبہ کے دن، بارہ بجے کے بعد لاکھوں انسانوں کی موجودگی میں مزارات کھولے گئے تو معلوم ہوا کہ حضرت حذیفۃ الیمانیؓ کے مزار میں کچھ پانی آچکا تھا اور حضرت جابرؓ کے مزار میں نمی پیدا ہو چکی تھی۔

مالانکہ دیاتے دبلد وہاں سے کم از کم دو فرلانگ دور تھا۔

تمام ممالک کے سفیر عراقی حکومت کے تمام ارکان اور شاہ فیصل کی موجودگی میں پہلے صحت حذیفہ الیمانی کی نعش مبارک کو کرین کے ذریعے زمین سے اس طرح اڑپاٹھایا گیا کہ ان کی نعش کرین پر نصب کئے ہوئے سٹریچر پر خود بخود آگئی۔ اب کرین سے سٹریچر کو علیحدہ کر کے ہنرمیں شاہ فیصل مفتی اعظم عراق، وزیر مختار جمہوریہ ترکی اور پرنس فاروق ولی عہد مصر نے کندھا دیا اور بڑے احترام سے ایک شیشہ کے تابوت میں رکھ دیا۔ پھر اسی طرح حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی نعش مبارک کو منزاہ سے باہر نکالا گیا۔

نعش ہائے مبارک کا کفن، حتیٰ کہ ریش ہائے مبارک کے بال تک بالکل صحیح حالت میں تھے نعشوں کو دیکھ کر یہ اندازہ ہرگز نہیں ہوتا تھا کہ یہ تیرہ سو سال قبل کی نعشیں ہیں، بلکہ گمان یہ ہوتا تھا کہ شاید انہیں رحلت فرمائے دو تین گھنٹے سے زائد وقت نہیں گزرا سب سے عجیب بات یہ تھی کہ ان دونوں کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور ان میں اتنی پراسرار چمک تھی کہ بہتوں نے چاہا کہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھیں لیکن ان کی نظریں اس چمک کے سامنے ٹھہرتی ہی نہ تھیں اور ٹھہر بھی کیسے سکتی تھیں؟

بڑے بڑے ڈاکٹریہ دیکھ کر دنگ رہ گئے ایک جرمن ماہر چشم جو بین الاقوامی شہرت کا مالک تھا، اس تمام کارروائی میں بڑی دلچسپی لے رہا تھا۔ اس نے یہ منظر دیکھا تو بس دیکھتا ہی رہ گیا، وہ اس سے کچھ اتنا بے اختیار ہوا کہ ابھی نعش ہائے مبارک تابوتوں میں ہی رکھی گئی تھیں کہ آگے بڑھ کر مفتی اعظم عراق کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا، آپ کے مذہب اسلام کی حقانیت اور ان صحابہؓ کی زندگی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟ لایے مفتی اعظم، ہاتھ ڈھانکے میں مسلمان ہوتا ہوں۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

اس موقع پر ایک جرمن فلم ساز کمپنی نے کمال کید کمال کیا کیا بلکہ وہ دور دراز سے آئے ہوئے مشتاقانِ دید پر احسان کیا کہ اس نے شاہ عراق کی منظوری سے اپنے خرچ پر عین منارات

کے اوپر دوسو فٹ بلند فولاد کے چار کھمبوں پر کوئی تیس فٹ لمبا اور بیس فٹ چوڑا ٹیلی ویژن کا
سکرین لگا دیا۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ کھمبوں کے چاروں طرف بھی پھت سے طعن چار سکرین
لگا دیئے۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ ہر کوئی اپنی جگہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر مزارات کے کھلنے کے
وقت سے لے کر آخر وقت تک تمام کارروائی دیکھتا رہا۔ زیارت کے جوش میں کوئی ریل پیل
جہیں ہوئی۔ اور اس طرح ہزاروں لوگ اس بٹر بونگ میں پس کر مرنے سے بچ گئے۔ مردوں،
عورتوں اور بچوں نے نہایت اطمینان سے پوری کارروائی دیکھی۔

دوسرے دن بغداد کے سینماؤں میں اس واقعہ کے فلم دکھائے گئے۔ اس واقعہ کے فوراً
بعد بغداد میں کھلبلی مچ گئی اور بے شمار یہودی اور نصرانی خاندان بلا کسی جبر کے اپنے جہل و گمراہی پر
افسردہ، اپنے گناہوں پر نادم، ترساں و لرزاں جوق در جوق مسجدوں میں قبول اسلام کے لیے
آتے تھے اور مطمئن شادال و فرحان واپس جاتے تھے۔ اس موقع پر مشرف بہ اسلام ہونے والوں
کی تعداد اتنی تھی کہ اس کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔

یہ ”چشم دید واقعہ“ کسی کتاب میں لکھا ہوا اگلے زمانے کا تاریخی واقعہ نہیں ہے۔ یہ ہمارے
ہی زمانے کا آنکھوں دیکھا حال ہے۔ اس کو زیادہ عرصہ بھی نہیں گزرا۔ ۱۹۳۲ء میں اس معجزہ کا ظہور
ہوا ہے۔ اس کو ہر مذہب و ملت اور کئی ممالک کے اشخاص نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس کی
دنیا کے اخباروں نے جلی عنوانات سے تشہیر کی ہے اور اس کے ہر جگہ چھپے ہیں۔ یہ مزارات
گناہم افراد کے بھی نہ تھے۔ یہ نبی اسوۃ الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مشہور و معروف صحابہؓ
کے مزار تھے جن کو پہلے بھی لوگ جانتے اور مانتے تھے اور جواب بھی مرجع خلافت بنے ہوئے ہیں۔

ہر شخص ٹھنڈے دل سے غور کرے کیا علم و عقل قیاس اور سائنس کے پاس اس کا کوئی جواب ہے؟
کیا کوئی صاحب عقل و ہوش جس کے دل میں خدا ہی بھی شائبہ حق و انصاف ہے اس کا انکار کر سکتا ہے کہ ان صحابہؓ
رسول کو یہ حیات برزخی ہر نسبت سے حاصل ہوئی وہ مکیں گنبد خضریٰ بھی اسی جہدِ باطن سے حیات برزخی رکھتے ہیں۔

یہاں مزارات سے کون سی قبریں مراد ہیں؟ یہی وہ جو یہاں محسوس و مشاہد ہیں یا یہ کہیں عالم غیب میں تھیں اور اللہ رب العزت نے ان اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قبروں اور ان کے اجساد مدفونہ کو جو عزت اور کرامت بخشی، کیا وہ اپنی گڑبھوں سے متعلق نہ تھی جو یہاں زمین میں کھودے گئے اور اپنی میں یہ اجساد کہ یہ اس شان سے سالم اور محفوظ رہے۔ ان میں آثار حیات اگر ہمیں محسوس نہ ہوں تو آیت قرآنی لا تشعرون کے تحت ہمیں اس پر ایمان لانے میں کون سی چیز مانع ہے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

دنیا نے جن صحابہؓ کی حیات برزخی کا یہ مشاہدہ کیا وہ حضرت حذیفہؓ اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ رضی اللہ عنہما تھے۔ یہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھیوں میں اور ان کی خلافت تسلیم کرنے والوں میں سے تھے۔ ان کی یہ حیات اگر ایک طرف اسلام کا اعجاز ہے تو دوسری طرف حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی خلافتوں کے برحق ہونے کا آسمانی نشان بھی ہے۔

جو لوگ صحابہؓ پر بستے ہیں اور انہیں ان کی خلافتوں میں صادق اور امین نہیں جانتے وہ اپنے ان ابدان کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیئے جاتے ہیں اور انہیں ان کے ان کے مثالی اجساد میں رکھا جاتا ہے اور ان کا حشر بھی ان کی انہی مثالی صورتوں میں ہوگا۔

امول قصبی مشہور کتب مسلم الثبوت کی شرح فرائح الرحمن جو قم سے شائع ہوئی ہے میں ہے:-

انهم بمثل هذه الاقاريل خرجوا عن رتبة الاسلام ولذا رآهم بعض اهل رضوان الله

تعالیٰ علیہم اجمعین علی صورة الاختازیر كما هو مشروح فی الفتوحات المکیة للشیخ الاکبر

وارد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بل حکم بعض اهل الله تعالیٰ رضوان الله

علیہم انهم یحشرون علی صورة الاختازیر

عاصل یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ اور ان کے ساتھیوں پر زبان درازی کرنے والے اور

انہیں حق پر تسلیم نہ کرنے والے آخرت میں خنزیریوں کی صورت میں اٹھائے جائیں گے۔

حیاتِ انبیاء کی ایک جھلک

جب صور پھونکا جائے اور حشر کی گھڑی آپہنچے

الحمد لله وسلاماً علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :-

جب قیامت کا بگل بجے گا اور صور پھونکا جائے گا کل روائے زمین ۔ اللہ تعالیٰ کی ایک مٹھی میں ہوگی اور ساتوں آسمان کا غد کی طرح اس کے ایک ہاتھ میں ہوں گے اور اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں اور اس کی مثال نہیں دی جاسکتی۔

اس دن جب سب مردے قبروں سے اٹھیں گے انبیاء کرام کا احیاء ہوگا یا ان کا طویل بے ہوشی سے افاتہ ہوگا بصورتِ ثانی وہ پہلے سے زندہ سمجھے جائیں گے۔ جواب اس نفع ثانیہ سے ہوش میں آگئے۔ اس بات کی تحقیق کے لیے ہمیں قیامت کی خبروں میں لفظ افاتہ کی تلاش ہوگی۔

یہ گھڑی جس کے واقع ہونے کا وقت اللہ ہی کو معلوم ہے کیسے قائم ہوگی۔ قرآن کریم میں اس کی اس طرح خبر دی گئی ہے :-

ونفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء الله
ثم نفخ فیہ اخری فاذا هم قیام ینظرون ۝ واشرق فی الارض نور یتجا
ووضع الکتاب وحیٰ بالنبیین والشہداء وقضیٰ بینہم بالحق وهم
لا یظلمون ۝ (پ ۱۴ : الزمر ع ۷۸ آیت ۶۸)

ترجمہ۔ اور پھونکا جائے گا صور۔ پھر بے ہوش ہو جائے جو کوئی آسمانوں میں ہے اور زمین میں۔ مگر جس کو اللہ چاہے پھر پھونکا جائے دوسری بار تو وہ سب اٹھ کھڑے ہوں گے دیکھتے ہر طرف۔ اور زمین اپنے رب کے نور سے

بلکہ گائے کی اور لایا جائے گا بنیوں کو اور شہیدوں کو اور فیصلہ ہو گا لوگوں میں انصاف سے۔ اور ان پر ظلم نہ ہو گا اور سہرچی کو جو اس نے کیا پورا ملے گا اور وہ خوب جاننے والا ہے جو یہ کہتے رہے۔

علماء محققین کے نزدیک کل دو دفعہ نفع صدور ہو گا۔ پہلے مرتبہ میں سب کے ہوش اُڑ جائیں گے۔ پھر زندے تو مردے ہو جائیں گے اور جو سرچکے تھے ان کی ارواح پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو جائے گی بعد میں دوسرا نفع ہو گا جس سے مردوں کی ارواح اُبدان کی طرف واپس آجائیں گی اور بے ہوشوں کو افاقہ ہو گا

اس وقت محشر کے عجیب و غریب منظر کو حیرت زدہ ہو کر تکتے رہیں گے پھر خداوند قدوس کی پیشی میں تیزی سے حاضر کئے جائیں گے۔۔۔۔۔ اس وقت حق تعالیٰ کی تجلی اور نور پر کیفیت سے محشر کی زمین چمک اٹھے گی۔ حساب کا دفتر کھلے گا اور اعمال نامے سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔

عربی میں صعق کا لفظ غشی اور موت دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔
صعق الرجل اذا غشى عليه وصعق الرجل اذا مات۔

صور پھونکا جانے پر جو صعق ہو گا وہ موجود زندوں کے لیے پیغام موت ہو گا اور جو پہلے سرچکے ہیں اور بعد الوفات زندہ تھے ان کے لیے یہ صعق غشی کا ہو گا وہ یہ آواز سنتے ہی بے ہوش ہو جائیں گے۔

اب سارے اولین و آخرین موت کی آغوش میں ہیں جو پہلے سرچکے ہیں وہ تو زیرِ زمین تھے ہی۔ جواب مرے وہ بھی سب پہلوں کے ساتھ موت کے پردے میں ہیں۔ چار مقرب فرشتے یا حمل العرش پر شاید اس نفع کا اثر نہ ہو اور وہ الامن شاء الله کا استثناء پالیں لیکن جو طبقہ قیامت قائم ہونے سے پہلے حیات بعد الوفات پا چکا اس پر اس صعق کا اثر بے ہوشی کا ہو گا

— نفخہ سنتے ہی بے ہوش ہو جائیں گے۔

پھر دوسرا صعقہ ہو گا اور سب لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے جو موت کی آغوش میں گئے تھے۔ وہ سب زندہ ہو گئے اور جو بے ہوش ہوئے وہ ہوش میں آجائیں گے۔ قبروں میں انبیاء کا مقام کیا ہے؟ مقام حیات ہے ہو تو وہ ہمیشی سے افاقہ میں آئیں گے۔ اموات ہوں تو زندہ کئے جائیں گے۔ مردوں پر تو واذا النفوس زوجت کا عمل ہو گا اور بے ہوشی والے تو پہلے ہی روح و بدن کے ساتھ ہیں۔ ہاں اس دن روح و بدن کامل صورت میں جمع ہوں گے۔

انبیاء کرام اس دن ہمیشی سے اٹھیں گے۔ وہ موت سے حیات میں نہیں ہمیشی سے افاقہ میں آئیں گے۔ ان کا برزخ ختم ہو جائے گا اور آخرت شروع ہو جائے گی۔ اب ان کی زندگی پردے کی نہیں کھلی ہوگی اور وہ ایک دوسرے کے سامنے کھلی اور کامل حیات میں ہوں گے حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

لا تخيروني على موسى فان الناس يصعقون فاكون اول من يفيق فاذا

موسى باطش بجانب العرش فلا ادري اكان فيمن صعق فافاق قبلي

او كان ممن استثنى الله عز وجل

ترجمہ: تم مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو۔ لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور میں پہلا ہوں گا

جسے ہمیشی سے افاقہ ہو گا تو میں کیا دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں میں نہیں کہہ سکتا

کہ وہ ہمیشی ہو نہ ہوں میں گئے تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا ہمیشی ہی نہ ہوئے تھے، ان

میں تھے جنہیں اللہ عز وجل نے اسی آزمائش سے مستثنیٰ رکھا۔

یہ آپ کا ہمیشی سے افاقہ دوسرے نفخہ کے بعد ہو گا۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:-

اني اول من يرفع رأسه بعد النفخة الاخيرة

ترجمہ: میں پہلا شخص ہوں گا جو نفخہ ثانیہ کے بعد سر اٹھائے گا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ نفخہ اولیٰ اور نفخہ ثانیہ کے مابین کچھ وقت ضرور ہوگا۔ کتنا ہوگا۔
اس میں کوئی قطعی بات نہیں کہی جاسکتی لیکن اتنی بات ہے ایک فاصلہ ضرور ہے اور اصل قیامت
وہی ہے جو دوسرے نفخہ کے بعد قائم ہوگی قرآن کریم میں ہے۔

ثم نفخ فيه اخری فاذا هم قیام ینظرون ۵ رپ ۲۴: الزمر ص ۵۸ آیت ۵۸
ترجمہ۔ پھر دوسری بار نفخہ صور ہوگا تو سب اٹھ کھڑے ہوں گے ایک دوسرے
کو دیکھتے۔

یہ برزخ اور راحت میں فرق ہے۔ برزخ میں ایک دوسرے کو دیکھنا نہیں اور آخرت
میں سب ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔

صحیح احمدیث میں نفخہ افاقہ کی تلاش تھی۔ انبیاء کرام کے لیے نفخہ ثانیہ ہر نفخہ لفاق من قبلہ
اور اول من ینفخ کے الفاظ صحیح بخاری سے مل گئے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کرام
عالم برزخ میں اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اس عالم کے اعتبار سے وہاں ان کی نیند ایک بہشتی
کی سی ہوگی جو نفخہ ثانیہ پر ختم ہو جائے گی اور اب سب ایک کھلی زندگی میں آجائیں گے۔
یہ دوسرے نفخہ پر آپ کا اٹھنا کہاں سے ہوگا؟ مدینہ منورہ کی قبر مبارک سے —
حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا :-

فان الناس یصعقون یوم العقیۃ فاکون من تنشق عنه الارض فاذا
انا ہونی اخذ بقائمۃ من قوائم العرش فلا ادری کان فیمن صعق ام
حوسب بصعقۃ الاولیٰ۔

ترجمہ۔ سو سب انسان (جو زمین پر زندہ ہوں گے) قیامت کے دن (صور
پھونکا جانے سے) مرجائیں گے۔ اس کے بعد میں پہلا ہوں گا جس سے قبر
پھٹے گی دھلے گی اور میں نکلوں گا، کیا دیکھوں گا کہ میرے عرش کا پایہ پکڑے

کھڑے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ بے ہوشی میں آئے یا انہیں وہی بہشتی کافی ہوگئی۔ جو انہیں پہلے (کوہ طور پر) پیش آچکی ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلا نفخہ اس وقت ہوگا جب انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں ہوں گے اور دنیا آباد ہوگی۔ پہلا نفخہ قیامت کا بگل ہوگا اور دنیا کے سب انسان مرجائیں گے پھر جب دوسرا نفخہ ہوگا تو پہلے مرے ہوئے لوگ جو اپنی قبروں میں یا ذرات منتشرہ میں ہوں گے سب زندہ ہو جائیں گے اور جو پہلے نفخہ سے مرے تھے اور ان کے دفن ہونے کی نسبت نہ آئی تھی وہ پھر زندہ ہو جائیں گے اور اولین و آخرین سب کا حشر ہوگا۔

خافظ ابن کثیر دمشقیؒ لکھتے ہیں:-

ترجمہ نفخہ اولیٰ وہ ہے جس سے زمین و آسمان میں زندہ نفوس سب مرجائیں گے مگر جن کو اللہ چاہے۔ اور دوسرے نفخہ سے سب مرے ہوئے زندہ ہو جائیں گے اور قیامت کے ہولناک مناظر کا سامنا کریں گے۔

رہا انبیاء کرام کا معاملہ وہ پہلے نفخہ سے بے ہوش ہو جائیں گے اور دوسرے نفخہ سے ان کی بے ہوشی جاتی رہے گی اور وہ اپنی قبروں سے نکلیں گے۔ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھلے گی اور آپ ہوش میں آئیں گے۔ اچانک عرش پر نظر پڑے گی تو موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پچڑے نظر آئیں گے معلوم ہوتا ہے وہ پہلے نفخہ پر قبر میں بے ہوش ہی نہ ہوئے ہوں گے۔

یہ صدمت حال کیا بتا رہی ہے؟ اوروں کا موت سے حیلہ نہ میں آنا اور انبیاء علیہم السلام کا بہشتی سے افاقہ میں آنا اور ان کی قبروں کا کھلنا اور پھر کل بنی نوع انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو جانا۔

نفخہ اولیٰ اور ثانیہ کے مابین کتنا وقت ہوگا؟ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ

روایت کرتے ہیں جنہوں نے فرمایا اور بت آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے شروع کی — آپ فرماتے ہیں۔

يُخْرِجُ الدَّجَالَ فِي أَمْتِي فَيَلْبِثُ فِيهِمْ أَرْبَعِينَ فَيُبْعَثُ اللَّهُ عَنْ وَجْهِ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ... فَيُظْهِرُ فِيهِ لَكَ ثُمَّ يَلْبِثُ النَّاسَ بَعْدَهُ سَنِينَ سَبْعًا لَيْسَ بَيْنَ الْإِثْنَيْنِ عَدَاوَةٌ ثُمَّ يَرْسِلُ اللَّهُ رِيحًا بَارِدَةً مِنْ قَبْلِ الشَّامِ فَلَا يَبْقَى أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ إِيْمَانٍ إِلَّا قَبَضَتْهُ... وَيَبْقَى شَرَارُ النَّاسِ فِي خَفَةِ طَيْرٍ وَأَحْلَامِ السِّبَاعِ... وَهِيَ فِي ذَلِكَ دَارَةُ اسْرَاقِهِمْ حَسَنٌ عَيْشُهُمْ ثُمَّ يَنْفُخُ فِي الصُّورِ فَلَا يَسْمَعُهُ أَحَدٌ إِلَّا أَصْعَقَ لَهُ بِهِ

اے تعالیٰ حضرت عیسیٰ کو بھیجے گا آپ دجال کو قتل کریں گے پھر شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا چلے گی اور جس کے دل میں ذرہ بھرا ایمان ہو گا وہ اس کے چھوٹنے سے مر جائے گا صرف اہل شرہ جانبیں گے طیور کی طرح ان میں توہم لغو اور اضطراب ہو گا فسق و فجور کے دلدادہ اور فساد پر آمادہ ہوں گے خیالات ان کے بڑے ہوں گے اور حالات بے وقار ہوں گے عقیدیں ناقص ہوں گی اور علم و علم سے خالی ہوں گے۔ قلت رحم۔ ہلاک۔ اتلاف بغضب اور وحشت ان کی زندگی ہوگی۔ نہ نیکی کو نیکی جانیں گی نہ بُرائی کو بُرائی مانیں گے۔ شیطان کے اُگسانے اور ترغیب پر وہ شرک کریں گے رزق ان کا وسیع ہو گا۔ صاحب مال اور صاحب حیثیت ہوں گے ایسے وقت اور ایسے حالات میں صور چھوٹکا جائے گا۔

ثُمَّ يَرْسِلُ اللَّهُ مَطَرًا كَأَنَّهُ الطَّلُّ فَتَنْبَتُ مِنْهُ أَجْسَادُ النَّاسِ ثُمَّ يَنْفُخُ فِيهِ أُخْرَى فَاذْهَبُوا قِيَامَ يَنْظُرُونَ قَالَ فَنَمُ يَقَالُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ هَلْوَ الْخُ... وَبَكَوْ قَنُومِ

انہم مسئلہ۔

پہلے نفخہ کی جس کے کان میں آواز پڑے گی وہ مرجائے گا کوئی زندہ باقی نہ رہے
 گا سب مرجائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ شبنم کی طرح بارش برسائے گا جس سے اجسام
 اگل آئیں گے۔ پھر دوسرا نفخہ ہوگا اور سب اٹھ کھڑے ہوں گے اس وقت
 سب ننگے ہوں گے اور کہا جائے گا چلو اب اپنے رب کی طرف چلو۔ اوسکا
 قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نفخہ اولیٰ اور نفخہ ثانیہ کے درمیان کچھ وقت ضرور ہوگا۔ اصل
 قیامت وہی ہے جو دوسرے نفخہ پر قائم ہوگی۔
 قرآن کریم کہتا ہے:-

ثم نفخ فیہ اخری فاذا هم قیام ینظرون ہ (پ ۲۴: الزمر)
 ترجمہ۔ پھر دوسری بار نفخہ صور ہوگا تو وہ سب کھڑے ہو جائیں گے ایک دوسرے
 کو دیکھتے۔

اس صورت حال میں انبیاء کرام کا اپنی قبروں سے اٹنا ہمیشی سے اقلقے کی صورت میں ہو
 گا۔ موت سے حیات کی صورت میں نہ ہوگا جس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ اپنی قبروں میں پہلے
 سے زندہ ہیں جو نفخہ اولیٰ سے صرف ہمیشی میں جائیں گے اور دوسرے نفخہ سے وہ ہوش میں
 آجائیں گے اور ان کی قبریں کھل جائیں گی۔ امام نوویؒ (۶۰۰ھ) فرماتے ہیں:-

وهذا من اشکل الاحادیث لان موسیٰ قدمات فکیف تدرك الصعقة
 انما تصعق الاحیاء

ترجمہ۔ یہ مشکل ترین احادیث میں سے ہے موسیٰ علیہ السلام تو فوت ہو چکے ہوئے
 ہیں۔ صور پھونکا جانا ان پر کیا اثر کرے گا (وہ تو پہلے سے فوت شدہ ہیں) صور پھونکا

لہ قبروں کے اندر انسانی ڈھانچوں کے ریزے سب یکجا ہونے لگیں گے۔ بدن پھر سے بن جائیں گے

جانے سے تو جو زندہ ہیں وہ مریں گے (نہ کہ وہ جو پہلے سے بزرخ میں حیات پائے ہوئے ہیں)۔

پھر آگے چل کر آپ قاضی عیاضؒ (۴۴۵ھ) سے اس کا حل پیش کرتے ہیں۔
 قال القاضی فیحتمل ان هذه الصعقة صعقة فرع بعد البعث حين
 تنشق السموات والارض فتنتظم حينئذ الآيات والاحاديث و
 يؤيد قوله صلى الله عليه وسلم فافاق لانه انما يقال افاق من
 الغشي وامّا الموت فيقال بعث منه وصعقة الطور لم يكن موتاً و
 اما قوله صلى الله عليه وسلم فلا ادري افاق قبلي فيحتمل انه
 صلى الله عليه وسلم قاله قبل ان يعلم انه اول من تنشق عنه الارض
 ان كان هذا اللفظ على ظاهره وان نبينا صلى الله عليه وسلم اول
 من تنشق عنه الارض على الاطلاق

ترجمہ ہو سکتا ہے صعقة سے مراد جب آسمان اور زمین پھٹ چکے ہوں گے
 صعقة فرع مراد ہو اس کے تمام آیات اور احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے اور حضورؐ کا ارشاد
 بھی اس کی تائید کرتا ہے جب آپؐ نے کہا کہ موسیٰؑ افاق میں آئے تو یہ اسے ہی
 کہا جاتا ہے جو بے ہوشی سے ہوش میں آئے۔ موت سے جو اٹھا یا جلے
 اسے بعث کہتے ہیں طور کی بہشتی موت نہ تھی اور حضورؐ کا یہ کہنا میں نہیں
 جانتا کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش آئے ہو سکتا ہے یہ اس سے پہلے کی بات ہو
 جب آپؐ کو علم دیا گیا کہ سب سے پہلے آپؐ کی قبر کھلے گی۔

یہاں یہ بات معلوم رہے کہ نفع اولیٰ جس سے ہر ایک زندہ (بائنشئنا ومن شئنا منہ) مَر
 جائے گا اس وقت انبیاء کرام کس حال میں ہوں گے، وہ اس وقت نہ مریں گے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:-

ان الذين يصعقون هم الاحياء واما الموتي فهم في الاستثناء في قوله
تعالى الا من شاء الله ولا يعارض ما ورد في هذا الحديث ان
موسى ممن استثنى الله لان الانبياء احياء عند الله وان كانوا في صورة
الاموات بالنسبة الى اهل الدنيا وقد ثبت ذلك للشهداء ولا شك
ان الانبياء اعلى رتبة من الشهداء ورد النص بح بان الشهداء ممن
استثنى الله به

ترجمہ جو لوگ زندہ ہیں پہلے صعقہ میں سریں گے اور جو پہلے سے مرے ہیں وہ
الّا من شاء اللہ کے استثناء میں داخل ہیں اور یہ بات اس حدیث کے
خلاف نہیں جس میں موسیٰ ان میں شمار ہیں جو مستثنیٰ کئے گئے کیونکہ انبیاء
سب اللہ کے ہاں زندہ ہیں اگرچہ وہ اہل دنیا کی نسبت سے اموات کی صورت
میں ہیں اور یہ مرتبہ شہداء کو حاصل ہے اور انبیاء کو بلا شک شہداء سے کئی درجہ
اعلیٰ ہیں اور ان کے مستثنیٰ ہونے کی تصریح موجود ہے۔

انبیاء علیہم السلام الا من شاء اللہ کے استثناء میں داخل ہیں جیسے کہ پہلے سے فوت
شدہ لوگ اس استثناء میں شامل تھے۔

سولفۃ اولیٰ میں سرت صرف زندوں کے لیے ہے اور جو پہلے سے مُردہ ہیں وہ اس
صعقہ الموت میں نہیں آئیں گے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ کے ہاں زندہ ہیں گو عام اہل
دنیا کے مقابل وہ اموات کی صورت میں ہیں تاہم (حقیقتہً وہ اموات میں نہیں ہیں) جب شہداء
کے لیے اس صعقہ سے استثناء موجود ہے تو انبیاء تو اس سے بھی اُوپر کے درجے میں ہیں۔
انبیاء کرام صعقہ اولیٰ سے مستثنیٰ ہیں اور وہ نفخۃ ثانیہ میں اٹھیں گے۔ اس وقت اُن

پر اس صفت سے ایک گھبراہٹ کی صورت پیدا ہوگی۔ یہ صفت ان کے لیے صفت فزع ہے جس سے سب سے پہلے آپ کو آفاقہ ہوگا۔ جو مردہ ہیں وہ اس صفت ثانیہ سے زندہ ہو جائیں گے انبیاء علیہم السلام جو پہلے اپنی قبور میں زندہ رہے ان کی قبریں کھلیں گی اور وہ اس صفت سے گھبراہٹ میں ہوں گے۔ پھر سب انسان زندہ ہوں گے اور انبیاء کرام بھی آفاقہ میں آجائیں گے اور پھر سب خدا کی طرف چل دیں گے۔

حیات انبیاء کی یہ ایک کھلی جھلک آپ کے سامنے ہے اور یہ اس حدیث کے مین مطابق ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور وہ وہاں مصروف طاعات بھی ہیں اس حدیث کی پوری بحث انشاء اللہ آگے آئے گی۔

قرآن کریم اور عقیدہ حیات النبی

قرآن کریم کا یہ کھلا عنوان آپ کے سامنے ہے کہ شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں تم انہیں مردہ نہ کہو علماء کرام نے اس حیات شہداء سے بدلاتہ النص حیات انبیاء بھی ثابت کی ہے ہمارے مخالفین کو بھی اس کا اقرار ہے۔ پھر معلوم نہیں وہ کون سا داعیہ ہے جو عقیدہ حیات انبیاء کے انکار کے لیے نہیں قرآن کے گرد لے آیا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم میں اس مسئلہ کی کہیں صراحت نہیں ہے پھر ان نادانوں کا بار بار کہنا کہ اس عقیدے کے اثبات میں کتاب اللہ پیش کرو۔ اگر خود اپنے اکابر سے بغاوت نہیں تو اور کیا ہے۔ قاضی شمس الدین صاحب لکھتے ہیں:-

قرآن کریم میں اس مسئلہ کی صراحت کہیں بھی نہیں۔ ہاں شہداء کے حق میں ارشاد ہے بل ہم احياء ولكن لا تشعرون۔ اس کے بطور دلالت النص سمجھ میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام جن کا وہ شہداء سے بھی بہت بڑا ہے وہ بعد الوفاۃ زندہ ہیں اور اس طرح علماء کرام نے زاد ہم اللہ شرفاً یہ مسئلہ قرآن کریم سے نکالا۔ دلالت النص اسے کہتے ہیں کہ ایک چیز مذکور ہو اور دوسری اس کے بطور اولیٰ سمجھ میں آئے۔ اس دور میں (پہلے دور میں) اس کے ساتھ اتنا ایمان لانا کافی تھا کہ یہ حضرت زندہ ہیں جس زندگی کا ہمیں شعور نہیں اور بس یہ

بلہ مسالک العلماء ص ۲۹ معلوم نہیں قاضی صاحب نے بلہ ہم احياء کے الفاظ قرآن میں کہاں دیکھے ہیں۔

قاضی صاحب کی بس یہاں آکر رُکی ہے کاش کہ ان کے نوجوان ساتھی بھی اپنی بس یہیں پر روک دیتے اور بات آگے نہ بڑھتی۔ مگر افسوس کہ انہوں نے مجتہد بن کر قرآن کریم سے نئے سرے سے اتہابا کرنا شروع کر دیا اپنے مقلد ہونے کو مہجول گئے اور دعویٰ کر دیا کہ انبیاء کرام کی بعد الوفاۃ زندگی کی نفی قرآن کریم میں صراحت سے موجود ہے (استغفر اللہ العظیم) قرآن کریم پر یہ مشق ظلم اس دور کی علمی بے راہروی کی انتہا ہے۔

قاضی شمس الدین صاحب نے اپنی اس مذکورہ عبارت میں پانچ باتوں کا کھلا اقرار ہے۔

- ① حیات النبی ایمانیات میں سے ہے۔
- ② قرآن میں اس مسئلے کی کہیں صراحت نہیں ہے۔
- ③ جس طرح شہداء بعد الوفاۃ زندہ ہیں انبیاء کرام بعد الوفاۃ بطریق اولیٰ زندہ ہیں۔
- ④ جس طرح علماء حیات النبی کے قائل ہوئے ان کے لیے زاد ہم شرفاً کی دُعا ہے۔
- ⑤ جن علماء نے قرآن سے مسئلہ حیات النبی نکالا اس دور میں ان کی کسی نے مخالفت نہ کی تھی۔

پہیں ان نادانوں سے شکوہ نہیں جو اس مسئلہ میں بار بار قرآنی آیات کا مطالبہ کرتے ہیں اور وہ قاضی صاحب کی اس بات کو غلط کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں اس مسئلے کی کہیں صراحت نہیں۔ ہم یہاں یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ان کا قاضی صاحب کو غلط کہنا خود غلط ہے۔

ہاں یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ قرآن کریم میں حیاتِ انبیاء کے کئی اقتضائے موجود ہیں۔

① واسئلہن ارسلنا من قبلك من رسلنا۔ (پ، الزخرف آیت ۴۵)

② ولقد اٰتینا من سبى الکتاب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ۔

رپ، الم سجدہ آیت ۲۳)

قرآن کریم میں اگر بقول قاضی صاحب اس مسئلے کی کہیں صراحت نہیں تو اس صورت میں احادیث صریحہ کیا اس مسئلے کا فیصلہ نہ کر سکیں گی؟ صحابہ کا اس صورت میں علمی پیمانہ کیا تھا؟ وہ مسائل کس ترتیب سے حل کرتے تھے؟

کاش اہل نادان دوست اس مسئلے کو سمجھے ہوتے۔

پھر اتنی ہی بات نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ شہادت حیات شہداء کے
عنوان سے بھی زندہ ہیں اور یہ تو قرآن کی عبارت النصف ہے جس کا منکر مسلمان نہیں رہ سکتا۔
اب آئیے دیکھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے شہادت پائی۔ وہیں خیر کے
دن ایک یہودیہ نے آپ کو زہر دیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت اس کے اثر کو روک لیا۔
روکنے میں یہ حکمت تھی کہ اللہ تعالیٰ کا حضور سے وعدہ تھا کہ آپ حق بات کہتے رہیں میں آپ کو
لوگوں سے بچاؤں گا۔ وہ تبلیغ رسالت کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ اللہ کے رسول غائب
آکر رہتے ہیں۔ ارادہ خداوندی ہوا کہ اس وعدے کا خلاف نہ ہو۔ اس زہر کا اثر روک لیا گیا جب
آپ جملہ فرائض ادا کر چکے اس زہر کا اثر عود کرنے لگا۔

یہ اسی طرح ہے کہ جب غار ثور میں سانپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایڑی کو ڈسنا تو
اس زہر کو اثر کرنے سے روک دیا گیا۔ حضور آپ کو اللہ کی طرف سے ان اللہ معنا کا وعدہ حفاظت
دے چکے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس زہر کے اثر سے محفوظ رہے اور جب تک حضور کی معیت
رہی سانپ کے زہر کا اثر نہ رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پھر اس زہر نے اثر دکھانا
م شروع کیا یہاں تک کہ آپ اسی تکلیف سے حیات شہداء کے ایوان میں داخل ہو گئے۔
علامہ شعبی (۱۰۳ھ) قسم کھا کر کہتے ہیں حضرت ابوبکر زہر سے حضرت عمر قتل سے شہید ہوئے۔

آنحضرت کا مرتبہ شہادت

فتح خیبر کے بعد آپ چند دن وہیں ٹھہرے ایک یہودی عورت زینب بنت جاحش ایک بھنی ہوئی بکری
جس میں اس نے زہر ملا یا تھا آپ کی خدمت میں پیش کی آپ نے چھکے ہی اپنا ہاتھ روک لیا اور فرمایا اس بکری میں زہر ملا ہوا
ہے اس وقت تو آپ اس کے اثر سے محفوظ رہے لیکن آخر میں یہ اثر پھر عود کر آیا۔ آپ مرض العفات میں فرماتے
تھے یہ اسی کا زہر ہے جو میں نے خیبر میں کھایا تھا۔ سو آپ کا مرتبہ شہادت برحق ہے۔

ایک ہم سوال یہ ہے کہ اگر آج بھی کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ ابدان جن پر کفار قتل وارد کرنے کے مدعی ہوئے زندہ ہیں اور ان کی یہ جسمانی زندگی ہمارے شعور سے بالا ہے اور وہ اسے پرندوں کی سی زندگی نہیں کہتا صرف روح کا تجدد سبز پرندوں یا سفید پرندوں کی صورت میں مانتا ہے اور کافروں کی روح کا تجدد سیاہ پرندوں میں تسلیم کرتا ہے وہ کس درجے کا مجرم ہے؟ کیا اس متفقہ عقیدہ سے نکل گیا جس کے بارے میں اور پر کہا گیا ہے کہ حیاۃ انبیاء میں نزاع نہیں وہ تو بالاتفاق ثابت ہے۔

اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ انبیاء اور شہداء حالاً اموات ہیں احیاء نہیں قرآن کی آیت اموات غیر احیاء انہی کے متعلق ہے۔ وہ موت کا پل عبور کرنے کے بعد اب زندہ نہیں تو کیا وہ اوپر کے بیان کردہ عقیدہ حیات النبی کا قائل سمجھا جاسکے گا۔

ہم ان دونوں سوالوں کا جواب نہیں دینا چاہتے کیونکہ ہمارے کرم فرما اور پس کر چکے ہیں ہم بات کو کیوں آگے بڑھائیں ان کی بس یہاں رکھی ہے۔

اتنا ایمان لانا کافی تھا کہ یہ حضرات زندہ ہیں جس زندگی کا ہمیں شعور نہیں اور بس۔

قاضی شمس الدین صاحب ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

عزیزان من! حیاۃ الانبیاء میں نزاع نہیں وہ تو بالاتفاق ثابت ہے ہم اس کے جواب میں اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں۔

بزرگان من! جب حیاۃ النبی میں کوئی نزاع نہیں یہ مسئلہ اہل سنت میں بالاتفاق

طے شدہ ہے تو جنہوں نے اسے اختلافی بنا دیا آپ نے ان کے خلاف بھی کبھی کچھ کہا ہے؟

کم از کم اتنا ہی ہمیں بتادیں کہ اتفاق میں جو شخص اختلاف پیدا کرے اس کا حکم کیا ہے؟

آپ نے عقیدہ حیاۃ النبی کا اقرار جن واشگاف لفظوں میں کیا ہے اسے پھر دیکھیں۔

مسئلہ حیات النبی کا تعارف

۴ حضرت ابو جہر شہادت فی سبیل اللہ قرآن کی عبارت النفس کی رو سے زندہ ہیں اور بطور
 نبی اور رسول بھی آپ قرآن کی دلالت النفس سے زندہ ہیں۔ قاضی شمس الدین صاحب کا یہ کہنا عجیب ہے
 کہ حیات الانبیاء میں نزاع نہیں۔ انبیاء بالاتفاق زندہ ہیں۔

جب ہمارا اور ہمارے دوستوں کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم میں مسئلہ ملاحضت
 سے کہیں مذکور نہیں اسے قرآن کریم کی دلالت النفس سے ثابت کرنے کے بعد اگر ہم ان احادیث
 صریحہ کو دیکھ پائیں جن میں انبیاء کو اسی طرح احیاء کہا گیا ہے جس طرح قرآن کریم نے شہداء
 کو احیاء کہا ہے۔ تو کیا مسلمان کا جذبہ ان احادیث کی تصنیف ہونی چاہیے یا ان احادیث
 سے قرآن کی تائید ہونی چاہیے۔ اس کا ایک ہی جواب ہے وہ جواب کبھی نہ ہو سکیں گے۔

حيات بعد الوفات لسيد الكائنات

الباب الاول وفيه خمسة فصول

حدثنا هارون بن عبد الله اخبرنا حسين بن علي عن عبد الرحمن بن يزيد بن جابر عن ابي الاشعث الصنعاني عن اوس بن اوس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان من افضل ايامكم يوم الجمعة فيه خلق آدم وفيه قبض وفيه النفخة وفيه الصعقة فاكثروا على من الصلوة فان صلواتكم معروضة على قال قالوا يا رسول الله وكيف تعرض صلواتنا عليك وقد ارميت قال يقولون بليت فقال ان الله عز وجل حرم على الارض الاجساد الانبياء.

سنن ابي داود جلد ١ ص ١٥٠، ص ٢١٢، سنن نسائي جلد ١ ص ١٥٢، سنن ابن ماجه ص ٤٤، ص ١١٩
سنن دارمي ص ١٩٥، مستدرک، حاکم جلد ١ ص ٢٤٨، جلد ٣ ص ٥٢٠، مسند امام احمد جلد ٣
سنن کبریٰ بیہقی جلد ٢ ص ٢٢٨ والطبرانی کما فی نیل الاوطار جلد ٣ ص ٢١، ص ٢٢٠ و احمد کما
فی التفسیر لابن کثیر جلد ٣ ص ٥١٤ وابن خزیمہ وابن حبان وسعید بن منصور فی سننہ و
وابن ابی شیبہ فی مصنفہ کما فی شرح العلامة البوسنی ص ٢٨٠ مہر المصنف جلد ٣
ولآئل النبرث لابن قیم ص ٢٩٢ مسر

له قال ابن حبان في صحيحة حدثنا ابن جزيمة حدثنا ابو كريب حدثنا حسين بن علي حدثنا
عبد الرحمن بن يزيد بن جابر فصرح بالتعاق منه (جلاء الاقدام للمحافظ ابن القيم ص ٢٢ طبع امرتسر)

ترجمہ حضرت اوس بن اوسؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمام
 دلوں میں سے افضل جمعہ کا دن ہے، اسی دن آدم کی تخلیق ہوئی۔ اسی دن ان
 کی روح قبض ہوئی۔ اسی دن مور ٹھونکا جائے گا اور اسی قیامت کی بے ہوشی
 ہوگی پس جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا درود
 بے شک مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! جب آپ
 قبر میں گھل چکے ہوں گے تو اس وقت ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا
 آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء
 کے جہوں کو مٹی بنائے۔

① — صحابہ کرامؓ کا یہ سوال کہ بعد الوفات ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا
 دراصل آنحضرتؐ کے اس ارشاد سے پیدا ہوا تھا۔
 فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ

ترجمہ۔ بے شک تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت یہ ارشاد فرما رہے تھے، اس زندگی
 میں آپ پر صلوٰۃ و سلام بلا ریب روح مع الجسد پر پیش ہوتا تھا۔ اس حیات میں یہ تصور بھی نہیں
 کہ روح اور جسم کبھی ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ اس پر یہ سوال یہ پیدا ہوا کہ بعد الوفات
 یہ عرض صلوٰۃ و سلام صرف روح مجرد پر ہوگا یا بدستور روح مع الجسد ہی پر پیش ہوتا رہے
 گا۔ آنحضرتؐ کا ارشاد فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ جملہ اسمیہ میں ہے۔ صحابہؓ نے جب اس
 استہرا پر متعجب ہو کر قبل الوفات اور بعد الوفات میں فرق معلوم کرنا چاہا، تو آپ نے ہر دو میں
 فرق کرنے کے بجائے ایک اصولی بات بتادی کہ پیغمبروں کی وفات کے بعد وہ حالت نہیں ہوتی
 جو عام دوسرے انسانوں کی ہوتی ہے۔ آپؐ نے جو کچھ فرمایا، وہ اسی کا جواب تھا۔

» زمین پر حرام ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے۔«

گویا آپ نے قبل الوفات اور بعد الوفات کے عرض صلوٰۃ و سلام کو برابر رکھا۔ اب ظاہر ہے کہ قبل الوفات یہ عرض صلوٰۃ و سلام روح مع الجسد پر پورے شعور سے ہوتا تھا۔ پس اس یقین سے چارہ نہیں کہ بعد الوفات بھی یہ عرض صلوٰۃ و سلام روح الجسد پر پورے ادراک و شعور سے ہو رہا ہے، ورنہ بنائے سوال اور جواب میں کوئی تطابق نہیں رہتا۔

② ————— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ » زمین پر حرام ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے « صرف ارمیت (آپ مٹی میں گھل چکے ہوں گے) کے مقابلہ میں نہیں، بلکہ کیف تعرض صلوٰۃ علیک کے جواب میں ہے۔ یعنی ارشاد نبوت صرف یہ نہیں کہ انبیائے کرام کے اجسادِ مطہرہ مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوتے۔ بلکہ آپ کا منشاء یہ ہے کہ انبیائے کرام کے اجسادِ مطہرہ اس طرح محفوظ ہوتے ہیں کہ ان پر صلوٰۃ و سلام برابر پیش ہوتا رہتا ہے۔ اس لیے کہ اصل سوال یہ تھا۔

کیف تعرض صلوٰۃ علیک و قد ارمیت۔

ترجمہ: ہمارا درد آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا جب کہ آپ مٹی میں گھل چکے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ یہاں جواب میں یہ مراد ہرگز نہیں کہ اجسادِ مطہرہ صرف اس طرح محفوظ ہیں کہ اپنی اپنی قبور میں محض بے حس و شعور پڑے ہیں۔ بلکہ منشاء رسالت میں ایسی محفوظیت مراد ہے کہ ان پر صلوٰۃ و سلام پیش ہو سکے۔ اگر اجسادِ محفوظہ پر صلوٰۃ و سلام پیش نہ ہوتا ہو اور انہیں اس صلوٰۃ و سلام کا بالکل شعور نہیں ہوتا تو حدیث کے دونوں جملوں میں کوئی ربط نہیں رہتا۔ سوال و جواب کا اقتضایہ یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر محض بے حس و شعور اگرچہ محفوظ نہ ہو، اس میں ایسی حیات ہو کہ اس پر صلوٰۃ و سلام پیش ہو سکے۔

③ ————— صحابہ کرامؓ کے سوال میں » ارمیت « اور اس کے جواب میں » اجساد الانبیاء « کے اطلاقات قطعاً اور یقیناً اس دنیا والے جسدِ عنصری سے متعلق ہیں۔ یہاں اس شبہ کی قطعاً

گنجائش نہیں کہ شاید اجسادِ مثالیہ مراد ہوں پس اس یقین سے چارہ نہیں کہ اب صلوٰۃ و سلام روضہ متورہ کے اسی جسدِ عنصری پر پیش ہو رہا ہے جس پر درودِ موت ہوا تھا اور جسے صحابہ نے دفن کیا تھا جسدِ الطہر وہاں مع الروح ہے، تو عرضِ صلوٰۃ و سلام کا محل بنا ہوا ہے مجھن بے جان جسم پر درود پیش کرنے کا تو کوئی معنی ہی نہیں۔ اگر اس کا کچھ امکان ہوتا کہ بے جان بدن یا اجزائے بدن پر بھی عرضِ صلوٰۃ و سلام ہو سکے تو صحابہ کرامؓ کبھی یہ سوال پیدا نہ کرتے۔

کیف تعرض صلوٰۃنا علیک وارہت۔

اور اگر بے جان بدن پر ہی یہ عرضِ صلوٰۃ و سلام ہے، تو پھر سارے بدن کے یک جا ہونے یا ذراتِ بدن کے منتشر ہونے میں کیا فرق ہے۔ پھر اتنے اہتمام سے کیوں کہا گیا کہ انبیاء کے اجساد محفوظ رہتے ہیں، مٹی نہیں ہوتے۔ فتکوفان ذلک من مدارک الاذکیاء۔ مولانا محمد بشیر قنوجی تفہیم المسائل فارسی ص ۸۵ پر اس حدیث خفیہ اجساد سے اسی طرح استدلال فرما رہے ہیں۔

کشف

بعض حیران کن واقعات یا تصورات جب لطفِ طبع کے لیے کہے یا سنے جاتے ہیں، تو انہیں لطیفہ کہتے ہیں۔ ایسے لطائف اچھے جا صے ذوقِ طبع کا سامان ہوتے ہیں۔ لیکن ایسے ہی بعض اوقات جہالت کی انتہا، نظر کے فریب یا تاویل کے فساد کو بھی لطیفوں کے طور پر ذکر کر دیتے ہیں۔ جو واقعہ ہم عرض کرنا چاہتے ہیں وہ بھی فسادِ تاویل کی انتہائی مثال ہے۔ چونکہ اُسے نقل کرنے میں بھی طبیعت پر گرائی ہوتی ہے، اس لیے اسے لطیفہ کے بجائے کشف کے عنوان سے ذکر کیا جاتا ہے۔

پچھلے چند ماہ کا واقعہ ہے، ایک تقریر کے سلسلہ میں ضلع کیمبل پور جانا ہوا، وہاں چند روز پہلے کے ایک جلسہ کی روئیداد بعض لوگوں سے سُنانے کا اتفاق ہوا۔ ایک عالم نے اس حدیث پر بحث

کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ قبر میں اجساد کا محفوظ رہنا نبوتِ صادقہ کی علامت ہے۔ سچے مدعیِ نبوت اور اور جھوٹے مدعیِ نبوت کا اس طرح سے پتہ چل سکتا ہے کہ قبر کھول کر دیکھ لو، جھوٹے مدعی کی لاش گل ٹھڑ کر ریزہ ریزہ ہو چکی ہوگی اور سچے پیغمبر کا جسد بالکل محفوظ ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فرمانا کہ ”زمین پر حرام ہے کہ پیغمبروں کے جسدوں کو کھائے“ سچے اور جھوٹے نبیوں کا امتیاز کرنے کے لیے تھا۔ (معاذ اللہ) اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ قبروں کو کھول کر سچے نبیوں کی پہچان ہوتی ہے، اس کے سوا ان کی صداقت کا کوئی نشان نہیں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

اگر یہ بیان دلفکارِ صحیح ہے تو فوراً کیجئے کہ کس طرح منشائے نبوت کو مسخ کرنے کی کس طرح بے باک کوشش کی گئی ہے۔ ارشادِ نبوت کو سباق و سباق سے بے نیاز کرنے اور اُسے ایسا معنی پہنانے پر، جو آج تک کسی شارحِ حدیث کو نہیں سونپھے، حیرت درحیرت ہوتی ہے۔

اَلَا يٰۤاَقُوْمَنَا اَنْتَبِهُوا فَاِنَا
مَخَاسِبُ فِي الْقِيَمَةِ عِزْ شَكَّ

اگرچہ یہ ارشادِ نبوت اجسادِ ابراہیم کی محفوظیت — ایسی محفوظیت کہ اس پر صلوٰۃ و سلام پیش ہو سکے — اور ایسا صلوٰۃ و سلام پیش ہونا جیسا کہ قبل اوقات ہوتا تھا یعنی روح و جسد کے مجموع پر — پر دلیلِ تاوطن اور شاید صادق ہے — تاہم تائیدِ مزید کے لیے یہ بھی سنئے۔

تائیدِ مزید

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوالدرداء سے یہ روایت اس طرح منقول ہے کہ حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلٰی الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يَّرْتَقِ بِلَہ

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے
پس اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اُسے رزق بھی ملتا ہے۔

لیجئے، جو مضمون حضرت اوس بن اوسؓ کی روایت سے اس طرح ثابت ہوتا تھا۔
فان صلواتکم معروضۃ علیؑ — بنائے سوال کیف تعرض صلواتنا
علیک و قد ارمیت۔

ان الله حرم علی الارض اجساد الانبیاء — جواب برائے صورت عرض
صلوة و سلام بعد الوفات۔

نتیجہ۔ — بعد الوفات حیات جسمانی

حضرت ابوالدرداءؓ کی روایت میں وہی نتیجہ خود الفاظ ثبوت بن کر سامنے آگیا۔
فنبی الله حی برزق — اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اُسے رزق بھی دیا جاتا ہے۔
اس جزد کے متعلق بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ مدرج من الراوی ہے۔ محدثین میں سے
کسی نے یہ تصریح نہیں کی۔ یہ ادعاء اور حکم اور راجح کہاں تک صحیح ہے۔ یہ اس کی تفصیل کا موقع
نہیں۔ ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ انبیاء کے اجسادِ مطہرہ کے محفوظ ہونے اور ان پر صلوة و سلام
کے پیش ہوتے رہنے سے، حیاتِ البنی کا جو استدلال ہم نے پیش کیا ہے، وہ دوسری روایت
میں بعینہ جزد و حدیث کے طور پر موجود ہے اور اگر یہ راوی حدیث کی اپنی تفسیر اور اور راجح ہے تو
بھی اس میں ہماری ہی تائید ہے کہ حدیثِ خطِ اجساد کا اس کے پورے سیاق و سباق کے ساتھ
جو مطلب ہم نے سمجھا تھا، اس حدیث کے روایت کرنے والے بھی وہی مطلب لے رہے ہیں
مقامِ تعجب ہے کہ اجسادِ الانبیاء کے واضح سیاق کے باوجود فتنی اللہ تعالیٰ میں خالق کا مطلب یوں
بیان کیا جائے کہ اس میں مطلق حیات کا ثبوت ہے۔ حیاتِ جسمی کا اس سے کوئی تعلق نہیں
علمی دنیا میں اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا۔

والبقى يصرح امله والظلم مرتقه الوخير
حضرت ابوالدرداءؓ کی یہ روایت ایک اور سند اسناد سے بھی طبرانی میں موجود ہے۔

رجال اسناد روایت ابی الدرداءؓ

- ① حافظ ابن حجر عسقلانیؒ — قلت رجاله ثقات (تہذیب جلد ۳ ص ۲۹۸)
- ② الحنفی عائشہ عزیزی شرح جامع صغیر — رجاله ثقات (السراج المنیر جلد ۱ ص ۲۹ مصر)
- ③ ملا علی قاریؒ — باسناد جید نقلہ میرک عن المنذری وله طرق كثيرة
بالفاظ مختلفه (مرقات جلد ۳ ص ۲۲۲)
- ④ قال الدمیری رجاله ثقات. (فیض القدیر للنہادی جلد ۲ ص ۸۷)
- ⑤ رواہ ابن ماجہ. بن جال ثقات (ذرقانی شرح مواہب جلد ۵ ص ۲۳۶)
- ⑥ قال المنذری. اسنادہ جید (ترجمان السنۃ جلد ۳ ص ۱۹۷)
- ⑦ علامہ سہروردیؒ — رواہ ابن ماجہ باسناد جید. (خلاصۃ الوفاء ص ۴۸)
- ⑧ قاضی شرفکافیؒ — اخرج ابن ماجہ باسناد جید (نیل الاوطار جلد ۲ ص ۲۱)
- ⑨ مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ — باسناد جید. (دعون المعبود جلد ۱ ص ۴۰۵)
- ⑩ تنقیح الرواۃ ص ۲۵۵ باسناد جید (وترکنا البقايا متخافة التطويل)
تلك عشرة كاملة.

الفصل الاول

وفيه ستة من المباحث

المبحث الاول : احوال رواة حديث اوس بن اوس

پہلا راوی جس پر تمام ائمہ حدیث کا اشتراک ہو جاتا ہے، حسین بن علی الجعفی ہے، اس کے بعد عبدالرحمن بن زید بن جابر، پھر ابوالاشعث صنعانی اور ان کے بعد حضرت اوس بن اوس انصاری کے منقرضہ صحابی ہیں۔ اندریں صورت صرف حسین بن علیؑ، عبدالرحمن اور ابوالاشعث کے منقرضہ تراجم پیش کیے جاتے ہیں۔

حسین بن علی — ثقہ عابد. (تقریب ص ۱۱۳، کشف الاستار ص ۲۶)

عبدالرحمن بن زید

عبدالرحمن بن زید دو ہیں، ایک عبدالرحمن بن زید بن تمیم۔ دوسرے عبدالرحمن بن زید بن جابر ابن تمیم کو ضعیف کہا گیا ہے، لیکن ابن جابر ثقہ اور قوی ہے۔ اس حدیث کے سلسلہ اسناد میں عبدالرحمن بن زید بن جابر ہے، ابن تمیم نہیں بعض حضرات نے ان اسانید کو دیکھ کر جہاں صرف عبدالرحمن بن زید تھا، اُسے ابن تمیم سمجھ لیا اور حدیث کی تصنیف کر دی۔ حالانکہ ابوداؤد اور نسائی

۱۔ قال ابوداؤد حدثنا هارون بن عبد الله اخبرنا حسين بن علي (جلد ۱ ص ۱۵۸) قال النسائي اخبرنا اسحق بن منصور قال حدثنا حسين بن علي (جلد ۱ ص ۱۵۸) قال احمد حدثنا حسين بن علي (ابن كثير جلد ۳ ص ۵۳) قال ابن ماجه. حدثنا ابو بكر بن ابی شيبة حدثنا حسين بن علي (ص ۱۱۹) قال ابن خزيمة حدثنا ابو كريب حدثنا حسين بن علي حدثنا عبد الرحمن (جلد ۱ ص ۱۵۸) قال ابن القيم (ص ۱۱۹)

کے متن میں ابن جابر کی تصریح موجود ہے۔

نہایت افسوس کا مقام ہے کہ بعض لوگ ان دونوں کو خواہ غلط فہم کر رہے ہیں۔ جن لوگوں کی کئی اصل کتب حدیث تک نہیں ہوتی، ان کی نادانیت کا ناجائز فائدہ اٹھا کر انہیں مغالطہ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ پھر یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ سچے راوی حسین بن علی نے یوں ہی ابن جابر کہہ دیا ہے۔ (معاذ اللہ، استغفر اللہ) صد اور نقشب نے یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ ہر صداقت مشتبہ نظر آتی ہے۔

وقد تركتني لا اعلی لمحدث

حديثاً وان ناجيته و نجاني

سُنیے، حافظ ابن قیم فرماتے ہیں۔

وقوله ان ظن انه ابن جابر وانما هو ابن متم وعلط في اسم جده بعيد فانه لم يكن يشبهه علي حسين هذا بهذا القدر و علمه بهما و سماعه منهما.

ترجمہ بعض لوگوں کا یہ گمان کہ یہ راوی ابن متم ہے، اسے ابن جابر کہنے میں غلطی ہو گئی ہے، صحیح نہیں۔ حسین بن علی جیسے راوی حدیث پر ایسا شک بہت بعید ہے۔ حسین بن علی کا معیار تنقید اور دونوں عبد الرحمن نامی راویوں کو ذاتی طور پر جاننا اور ان سے سننا ہرگز اشتباہ کی گنجائش نہیں دیتا۔
رايت الدارقطني قد ذكر ذلك نصاً.

ترجمہ میں نے دیکھا ہے کہ دارقطنی نے اسے بطور نفی ذکر کیا ہے۔

عبد الرحمن بن يزيد بن جابر نے کھول، زہری، عطیہ بن قیس، عمیر بن مانی، ابو الاشعث، صفیانی اور عطاء خراسانی سے احادیث سنیں اور ان سے ان کے بیٹے عبد اللہ، حسین بن علی سمجھنی

اور دوسرے کئی لوگوں نے روایات لیں، آپ امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارکؓ کے بھی شیخ حدیث تھے۔

امام یحییٰ بن معین، ابن سعد، امام نسائی اور دوسرے کئی محدثین نے عبدالرحمن بن یزید بن جابر کو ثقہ قرار دیا ہے۔

ابن المدینی کہتے ہیں کہ یہ صحابہؓ کے بعد فہمائے شام کے دوسرے طبقہ میں سے تھے یعقوب بن سفیان کہتے ہیں کہ جابر کے بیٹے عبدالرحمن اور یزید دونوں ثقہ ہیں۔

ابوداؤد کہتے ہیں ”ہو من ثقات الناس“ اُن کے بیٹے ابو بکر نے کہا ہے ”ثقة مامون“ ابو حاتم کہتے ہیں ”صدوق لا بأس بہ ثقة“۔

وفات ۱۵۲ھ، عمر تقریباً ۸۴ سال۔ ابن جابر کے اساتذہ میں ابواللیث الصنعانی کا اسم گرامی ذکر ہو چکا۔ یہی استاد اس حدیث حفظ جہاد انبیاء کو روایت کر رہے ہیں۔ ابن ہثیم کے اساتذہ میں کہیں ابوالاشعث کا نام نہیں ملتا۔

پیش نظر رہے کہ وہ شخص جسے عبدالرحمن بن یزید کے دادا کے نام پر اشتباہ ہوا اور ابن ہثیم کے بجائے ابن جابر کہہ گیا تھا، درحقیقت ابواسامہ ہے، حسین بن علی نہیں۔ اس پر علل رجال کے ماہر فن دارقطنیؒ نے نص فرمائی ہے۔

خلاصہ کلام یہی ہے کہ یہ عبدالرحمن بن یزید بن جابر ہے اور ثقہ صدوق راوی حدیث ہے۔ مقام افسوس ہے کہ وہ لوگ، جو طبقات رواۃ اور علل رواۃ پر نظر نہیں رکھتے، از خود جرح و تعدیل میں امام بن بیٹھتے ہیں۔

ابوالاشعث الصنعانی — شرح جلیل بن آدمہ

ثقة من الثانية شہد فتح دمشق ۱۵۰ھ

۱۵ جلاء الافہام ص ۴۷ ۱۵ تہذیب جلد ۶ ص ۲۹۸ ۱۵ ایضاً جلد ۶ ص ۲۹۵

۱۵ دیکھئے تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۲۱۵ ۱۵ تقریب التہذیب ص ۲۲۱

ثقة راوی ہیں۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے ان سے احتجاج کیا ہے مجلی انہیں ثقہ کہتے ہیں ابن حبان نے بھی آپ کو ثقات میں لکھا ہے۔

المبحث الثانی

صرف راویوں کی ہی توثیق اور ان کا باہمی اقبال نہیں۔ ائمہ فن جس حدیث کو صحیح قرار دے دیں، ہم راویوں کی بحث میں گئے بغیر بھی ان پر اعتماد کریں گے۔ سہرن میں اس فن کے ائمہ کی پیروی کی جاتی ہے۔ یہاں بھی آپ دیکھیں کن کن ائمہ کبار اور محدثین کرام نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے اور اُسے قبول کیا ہے۔ ہم صرف ۳۲ ناموں پر اکتفا کرتے ہیں۔ ورنہ اُسے قبول کرنے والے ائمہ علم کی تعداد سو سے متجاوز ہے۔

۱. امام احمد (۲۴۱ھ) ۲. امام ابو داؤد (۲۴۵ھ) ۳. امام نسائی (۳۰۳ھ) ۴. امام
- ابن خزیمہ (۳۱۱ھ) ۵. ابن حبان (۳۵۴ھ) ۶. دارقطنی (۳۸۵ھ) ۷. امام بیہقی (۴۵۸ھ)
۸. حاکم (۴۳۰ھ) ۹. ابونعیم الاصفہانی (۵۳۰ھ) ۱۰. بغوی (۵۱۶ھ) ۱۱. نووی (۶۷۶ھ) ۱۲.
- ابن وحید (۶۰۰ھ) ۱۳. علامہ منذری (۶۵۶ھ) ۱۴. حافظ عبدالغنی النابلسی (۶۴۲ھ) ۱۵. حافظ ابن کثیر
- (۷۴۴ھ) ۱۶. حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) ۱۷. حافظ ابن القیم (۷۵۱ھ) ۱۸. خطیب بئر زئی (۷۴۴ھ)
۱۹. حافظ ذہبی (۸۴۸ھ) ۲۰. حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) ۲۱. حافظ عینی (۸۵۵ھ) ۲۲. حافظ
- سخاوی (۹۰۳ھ) ۲۳. علامہ سبکی (۹۷۱ھ) ۲۴. علامہ ابن عبدالبادی (۹۴۴ھ) ۲۵. علامہ طبری
۲۶. علامہ سمہودی (۹۱۱ھ) ۲۷. امام ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) ۲۸. شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۱ھ)
۲۹. قاضی شُرکانی (۱۲۵۰ھ) ۳۰. شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) ۳۱. شاہ اسماعیل شہید
- (۱۲۹۷ھ) ۳۲. حجت الاسلام علامہ اندر شاہ کشمیری (۱۳۵۱ھ) وغیرہم من الاکابر رحمہم اللہ تعالیٰ۔

ان سب حضرات کی عبارات پیش کرنے کی گنجائش نہیں تاہم بعض عبارات پیش خدمت ہیں:-

توالجات از بعض توالجات

① شیخ الاسلام حافظ ذہبیؒ

تلخیص المستدرک للعلامة الذہبی «على شرط البخاری»

② حضرت امام نوویؒ

روينا في سنن أبي داود والنسائي وابن ماجه بالاسانيد الصحيحة عن

اوس بن اوس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم... الحديث

علامہ منذری نے اسے حسن الاسناد قرار دیا ہے۔

اس حدیث کے کئی طرق ہیں جنہیں علامہ منذری نے جمع کیا ہے جن سے حدیث بہت قوی ہو

جاتی ہے۔ ولله حدیث طرق جمعها المندری فی جزء فتعدد الطرق یثد بعضها بعضاً۔

علامہ نابلسی فرماتے ہیں حسن صحیح۔

③ خاتمة الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ

الف: ورد الامر باكثر الصلوة عليه الجمعة من حديث اوس بن

اوس وهو عند احمد وابي داود وصحيحه ابن حبان۔

ب: ورد الامر باكثر من ايام الجمعة في حديث صحيح كما تقدم۔

ج: عند ابي داود والنسائي وصحيحه ابن خزيمة وغيره عن اوس

بن اوس رفعه۔

۱۔ تلخیص المستدرک جلد ۱ ص ۲۴۸، جلد ۲ ص ۵۶ ۲۔ کتاب الافکار کتاب الصلوة علی رسول اللہ ص ۴۸
۳۔ القول البلیغ للبخاری ص ۱۱۹ ۴۔ تنقیح الرواة جلد ۱ ص ۱۵۵ ۵۔ ترجمان السنۃ جلد ۱ ص ۲۹ ۶۔
فتح الباری جلد ۱ ص ۲۲ کتاب الدعوات ص ۵ دہلی ۷۔ فتح الباری ۲ ص ۱۰ کتاب الانبیاء ص ۲۲

④ شیخ الاسلام علامہ عینیؒ

الف : صحیح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لا تأکل اجساد
الانبياء علیہم الصلوٰۃ والسلام۔^۱

ب : وهو اليوم رای والحال انه اليوم (کما وضع لان الارض لا تأکل اجساد
الانبياء علیہم السلام۔^۲

⑤ حافظ ابن کثیرؒ

قد صحح هذا الحديث ابن جریرمة وابن حبان والدارقطنی و
النووی فی الاذکار۔^۳

ان پانچوں حوالوں کا خلاصہ یہی ہے کہ حضرت اوس بن اوسؓ کی یہ روایت کہ انبیائے کرام
کے جسموں کو اللہ تعالیٰ نے مٹی پر حرام کر دیا ہے اور یہ کہ ان پر صلوٰۃ و سلام پیش ہوتا رہتا ہے، بالکل
صحیح الاسناد ہے اور یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے۔

⑥ حافظ ابن قیمؒ

ومن تأمل هذا الاسناد لم يشك في صحته لشدة روايته وشهرتهم
وقبول الائمة حديتهم۔^۴

ترجمہ : اور جس نے بھی اس حدیث کی سند میں غور کیا، اُسے اس حدیث کی صحت
میں کوئی شک نہ رہا، کیونکہ اس کے سب راوی ثقہ اور مشہور ہیں اور ائمہ حدیث
نے ان سب کی روایات قبول کی ہیں۔

قد صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لا تأکل اجساد الانبياء
... الى غير ذلك مما يحصل من جملة القطع بان موت الانبياء انما

۱۔ عینی علی البخاری جلد ۲ ص ۶۹ ۲۔ بنایہ جلد ۱ ص ۱۰۹ ۳۔ تفسیر لابن کثیر جلد ۳ ص ۵۱۴

۴۔ جلاء الافہام ص ۴۴

هو راجع الى ان غلبوا عنا بحيث لا نذكرهم وان كانوا موجودين احياء^۱

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ زمین انبیائے کرام کے جسموں کو نہیں کھاتی، ایسے دلائل سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ انبیائے کرام کی موت کا معنی یہ ہے کہ وہ ہم سے اس طرح غائب کر لیے گئے ہیں کہ ہم ان کا ادراک نہیں کرتے، ورنہ وہ تو موجود اور زندہ ہیں۔

④ علامہ ابن عبد الہادی (۴۴۴ھ، ۴۴۵ھ)

حدیث صحیح لان رواۃ کلہم مشہورون بالصدق والامانة والثقة والعدالة ولذلك صححه جماعة من الحفاظ كابي حاتم بن حبان والحاافظ عبد الغنى النابلسی وابن دحيه وغيرهم ولم يات من تكلم فيه وعلمه بحجه بيّنه^۲ ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ اس کے سب راوی صدق و امانت اور عدالت میں مشہور ہیں۔ حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور کسی شخص نے اس حدیث پر کوئی مدلل اعتراض نہیں کیا۔

⑤ امام الحدیث والفقہ تلامذہ علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری

قال ميرك ورواه ابن حبان في صحيحه والحاكم وصححه وزاد ابن حجر بقوله وقال صحيح على شرط البخاري ورواه ابن خزيمة في صحيحه قال النووي اسناده صحيح وقال المنذرى له علة دقيقة^۳ اشار اليها البخاري نقله ميرك قال ابن وحية انه صحيح بنقل العدل

۱ کتاب الروح ص ۳۴ ۲ الصائم المنکی ص ۱۰ ۳ یہ علت غالباً عبدالرحمن بن زید کے ابن تیمیہ یا ابن جابر ہونے کی وجہ سے ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ عبدالرحمن بن زید بن جابر ہے، ابن تیمیہ نہیں جو محل جرح تھا۔ پس سند بالکل بے غبار رہی۔ واجب الحافظ عماد کی فیہ من العلة وراجع لاجلاء الافہام ص ۴۵، ص ۴۶

عن العدل ومن قال انه منكرا وغریب بعلّة خفیة فقد استروح
لان الدار قطنی ردها.

یعنی جس شخص نے اس حدیث کو "منکر" یا "غریب و معتل" کہا ہے، اس نے نہایت
پہچانت کہی، کیونکہ امام دارقطنی جیسے ماہر فن نے اس علت کو مردود قرار دیا ہے۔
⑨ شیخ عبدالحق محدث دہلوی

در حدیث صحیح آمدہ است کہ بسیار گوئید در روز جمعہ درود بر من زیرا کہ صلوة
شما معروف منی گردد بر من. ازیں جا معلوم می شود کہ حیات انبیاء حیات جسمی
دنیاوی است نہ بجز بقائے ارواح.

ترجمہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو
کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کی حیات
اس دنیا والے جسم سے ہے نہ کہ فقط ارواح کے زندہ رہنے سے۔

⑩ حافظ عبد الغنی النابلسی

قال الحافظ عبد الغنی النابلسی انه حسن صحیح.

⑪ خاتم المحدثین حضرت العلامة محمد انور شاہ کشمیری

ومما كُفِرَ به الفقهاء الحجاج... لان في هذا الكلام تكذيباً
لرسول الله صلى الله عليه وسلم نعوذ بالله من اعتقاد ذلك فإنه صحيح
عنه صلى الله عليه وسلم انه قال ان الله عز وجل حرم على الارض
ان تأكل اجساد الانبياء رواه ابو داود.

۱۔ مرقات جلد ۲ ص ۱۱ مصر ۱۹۲۷ء دارج النبوت جلد ۲ ص ۹۲ ۳۔ ترجمان السنۃ جلد ۳ ص ۲۹۶
۲۔ جامع لہ الکامل للہبر جلد ۱ ص ۱۹ بحاشیہ الدکتور ذری کی مبارک جلد ۱ ص ۱۵۳ ص ۱۵۴
بحاشیہ ابراہیم ۵ خزائن الکسار ص ۱۹

ترجمہ: فقہائے کرام نے جن وجوہ کی بنا پر حجاج کی تکفیر کی تھی، ایک اُن میں سے
اس ارشادِ پیغمبر کی تکذیب بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء
کرام کے جسموں کو کھائے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت
ہو چکی ہے اور اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

ابن عربی (۵۴۲ھ) کہتے ہیں یہ حدیث ثابت نہیں۔ اُن کے ذہن میں غالباً یہ بات ہوگی
کہ اس حدیث کا مرکزی راوی عبدالرحمن بن زید بن تمیم ہے جو منکر الحدیث ہے۔ امام بخاری اُسے
عبدالرحمن بن زید بن جابر نہیں مانتے؟

جواب: آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ اس روایت میں عبدالرحمن بن زید کس سے روایت کر
رہا ہے؟ ابوالاشعث الصنعانی سے۔ اب آپ دیکھیں کہ ابوالاشعث عبدالرحمن بن زید بن
جابر کے اساتذہ میں مذکور ہے یا عبدالرحمن بن زید بن تمیم کے اساتذہ میں۔ ہم پہلے کہہ آئے ہیں
کہ ابن تمیم کے اساتذہ میں کہیں ابوالاشعث کا نام نہیں ملتا۔

دارقطنی نے امام بخاری پر کئی تعقبات کئے ہیں امدان کی بعض آراء کی سختی سے تردید کی ہے۔ امام
بخاری کا جو معیار صحیح بخاری میں ہے وہ ان کی دوسری کتابوں میں نہیں۔ یہ بات کہ یہ راوی ابن تمیم
ہے ابن جابر نہیں، صحیح بخاری میں نہیں۔ ابن عربی نے غالباً اسے اُن کی تاریخِ کبیر سے لیا ہوگا۔
حسین بن علی جیسے ناقد سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی، کہ اُن پر اُن کا استاد ہی مشتبہ رہے کہ وہ ابن
جابر ہے یا ابن تمیم۔ امام دارقطنی نے امام بخاری کی اس رائے کی تردید کی ہے۔

شارح صحیح بخاری حافظ ابن حجر نے فتح الباری کتاب الانبیاء میں امام بخاری کی غلط فہمی کا
پورا تعاقب کیا ہے۔ خطیب بغدادی (۴۶۴ھ) بھی اس بحث میں دارقطنی کے ساتھ ہیں۔
حافظ سخاوی (۹۰۲ھ) لکھتے ہیں۔

لكن قدرد هذه الحلة الدارقطني وقال ان سماع حسين عن ابن جابر
ثابت والى هذا اجتمع الخطيب

ترجمہ۔ لیکن اس علت کو دارقطنی نے تسلیم نہیں کیا وہ کہتے ہیں حسین کا سماع
ابن جابر سے ثابت ہے اور خطیب بغدادی بھی اسی طرف جھکے
ہوتے ہیں۔

المبحث الثالث

ان بندگوں کی عبارات، جنہوں نے اس حدیث کا مطلب روضہ منورہ کی حیات یقین کیا ہے
نہ من تنہاوریں نے غانہ مستم جنید و شبلی و عطار ہم مست

۱۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ ۲۔ حافظ ابن القیم ۳۔ علامہ طیبی ۴۔ علامہ سید جمال الدین
۵۔ علامہ سندھی ۶۔ امام تلام علی قاری ۷۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۸۔ قاضی شوکانی
۹۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن ۱۰۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری وغیرہم من الاکابر۔
پیش نظر ہے کہ ان عبارات سے ان ائمہ و اکابر کے اپنے اپنے مذہب بیان کرنا مقصود
نہیں بلکہ ارشاد نبوت کا صحیح مفہوم متعین کرنے کے لیے یہ اہل فن کی وہ بے لاگ شہادتیں ہیں جن
کے مقابلے میں کسی احتمال ثانی کی گنجائش نہیں۔

① آنحضرت کے ارشاد پر کہ ”مہتار ادرود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے“ صحابہ کرام کا یہ سوال کہ
”بعد الوفاات یہ کیسے پیش ہوگا“ اور اس پر آپ کا یہ جواب کہ وفات کے بعد پیغمبروں کے جسموں
کے ساتھ عام دوسرے انسانوں جیسا معاملہ نہیں ہوتا۔ یعنی وہ اس طرح محفوظ رہتے ہیں کہ ان پر
صلوٰۃ و سلام پیش ہوتا رہتا ہے۔ ان تمام ائمہ کا تذکرہ کرتے اور سوال و جواب کے باہمی ربط کو
حل کرتے ہوئے علامہ طیبی ۴ اس حدیث کا نتیجہ یوں بیان کرتے ہیں:-

وَيُؤَيِّدُهُ مَا يَسْرُدُ فِي الْحَدِيثِ الثَّالِثِ قَوْلُهُ فَنَبَى اللَّهُ حَيَّ يَرْزُقُ ۝

ترجمہ: حدیث حفظِ اجسادِ انبیاء کے اس مطلب کی تائید میں دوسری حدیث میں حضرت
الفاظ بھی مل جاتے ہیں کہ اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے۔
(۲) عمدۃ المتقین حضرت علامہ سندھیؒ حاشیہ نسائی میں اس حدیث حفظِ اجسادِ انبیاء
پر رقمطراز ہیں :-

والجواب بقوله صلى الله عليه وسلم ان الله حرم على الارض اجساد
الانبياء كناية عن كون الانبياء احياء في قبورهم ۝

ترجمہ: آنحضرتؐ کا یہ ارشاد فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ پیغمبروں
کے جسموں کو کھائے، یہ اس کا کنایہ ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں
میں زندہ ہوتے ہیں۔

(۳) شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ :-

قال اكثر واعلى من الصلوة يوم الجمعة فان صلواتكم معروضة
على فقالوا كيف تعرض صلواتنا عليك وقد ارميت اى بليت قال ان
الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء فاخبر انه يسمع
الصلوة من القريب ويبلع ذلك من البعيد ۝

ترجمہ: حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، کیونکہ
تمہارا درود مجھ پر پیش ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا کہ پیغمبروں کے جسموں کو مٹی بنانا زمین
پر حرام ہے اور اس حدیث میں حضورؐ نے یہی بات بتلائی ہے کہ آپؐ قبر کے
قریب پڑھے جانے والے درود کو خود سنتے ہیں اور دور کا پڑھا ہوا درود
(بتوسط ملائکہ) پہنچایا جاتا ہے۔

تنبیہ

یہاں فاخبر انہ لسمع الصلوة من القریب میں دو احتمال ہیں :-

اول یہ کہ یہ پہلی حدیث خطِ اجسادِ انبیاء کا مفہوم اور نتیجہ ہے، یعنی جسدِ اطہر اس طرح محفوظ ہے کہ اس پر صلوٰۃ و سلام پیش ہوتا رہتا ہے اور آپ قبر مبارک میں اس طرح زندہ ہیں کہ قریب کے درود کو خود سُننے میں مطلب یہ کہ وہاں آپ کو حیاتِ جسدی حاصل ہے۔

ثانیاً ہو سکتا ہے کہ شیخ الاسلام کی مراد ان الفاظ سے وہ دوسری حدیث ہو جو حضرت ابو ہریرہؓ سے بالفاظِ اختلافِ اصہبائی، ابنِ حبانؒ اور بیہقیؒ نے روایت کی ہے۔ اس میں من صلی علیٰ عند قبری . . . الحدیث کے الفاظ میں قریب و بعید درود پڑھنے کے احکام صراحت سے منقول ہیں۔ اس صورت میں امام ابن تیمیہؒ کا دونوں حدیثوں کو فاخبر سے جوڑنا اس بات کا اشارہ ہے کہ خطِ اجسادِ انبیاء و الی روایت اور روضۃ اطہر کے قریب سے درود شریف خود سُننے کی روایت مآلِ کار ایک ہیں اور مضمون دونوں کا روضۃ منورہ کی حیاتِ جسمانی ہے۔

④ شیخ الاسلام حافظ ابن قیمؒ :-

ومعلوم بالضرورة ان جسده صلی اللہ علیہ وسلم فی الارض طری
مطراً وقد سألہ الصحابة کیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد
ارمت فقال ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء ولو
لم یکن جسده فی صریحہ لما اجاب بهذا الجواب وقد صح عنه ان اللہ
تعالیٰ وکل بقبرہ المسئکة یبلغون عن امتہ الاسلام و صح عنه
انہ خرج بین انجب بکرو عمر وقال هکذا نبعث هذا مع القطع
بان روحہ الکریمۃ فی الرفیق الاعلیٰ فی اعلیٰ علیین مع ارواح

الانبیاء... فالروح هناك ولها اتصال بالبدن في القبر واشراف
عليه وتعلق بحيث يصلي في قبره ويد سلام من سلم عليه وهي
في الرفيق الاعلى

ترجمہ یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر بالکل تمتد تازہ روضہ
منورہ میں تشریف فرما ہے۔ آپ سے صحابہؓ نے پوچھا تھا کہ وفات کے بعد آپ پر صلوٰۃ
وسلام کیسے پیش ہوتا رہے گا، اس پر آپ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے
کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے۔ اگر آپ کا جسد اطہر قبر شریف میں نہ ہوتا تو ہرگز یہ جواب
ارشاد نہ فرماتے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی صحیح طور پر ثابت
ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے روضہ منورہ کے ساتھ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں

۱۔ کتاب الروح ص ۵۴ حیدرآباد ۱۰۔ یہ غالباً اس نظریے کی تردید ہے جو علامہ قزوینیؒ کا ہے کہ انبیاء کرام
کے اجساد مطہرہ، دفن کے کچھ دنوں بعد اپنی قبروں میں باقی نہیں رہنے دینے جاتے، وہاں سے انہیں اعلیٰ
علیین یا حظیرۃ قدسیہ میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ گریا انبیاء کرام کی حیات جہانی انہیں قبور میں نہیں ہوتی۔ بلکہ
اعلیٰ علیین میں وہ اسی جسد عنصری سے زندہ ہوتے ہیں شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس اختلاف کا حاصل
یوں بیان کرتے ہیں: پس محصل اختلاف در دوام و استمرار است در قبول سجایا تیکہ پیش از وفات بود
(جذب القلوب ص ۱۸۶) امام بیہقی نے ایک احتمال کے درجے میں اس طرف اشارہ کیا ہے وقد یحتمل ان
یکون المراد به رفع اجسادهم مع ارواحهم (حیات انبیاء امام بیہقی ص ۱۴۷) حافظ ابن قیم اس نظریے
کی احادیث کی روشنی میں تردید فرماتے ہیں اور ثابت کر رہے ہیں کہ انبیاء کرام کو ان کی قبور ہی میں حیات
جسدی حاصل ہوتی ہے، ہاں یہ روح کی وسعت اور کمال ہے کہ اس کا استقرار علیین میں بھی ہوا اور
اتصال جسد اطہر کے ساتھ بھی ہو۔ یہاں تک کہ وہ قبور شریفہ میں نمازیں بھی پڑھتے ہوں۔ لہٰذا اس حدیث
سے واضح ہوا کہ عرض صلوٰۃ وسلام روئے ہی پر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جسد عنصری وہیں ہے،
اگر اس پر فیضان حیات نہ ہو تو فرشتے مقرر کرنے کا کیا فائدہ؟

جو آپ کو آپ کی امت کا سلام پہنچاتے رہتے ہیں اور یہ بھی آپ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے باہن تشریف لائے اور فرمایا کہ ہم اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔ ان سارے حقائق کے ساتھ بات قطعی ہے کہ آپ کی روح مبارک اعلیٰ علیتین میں رفیق اعلیٰ میں ہے۔ جہاں کہ دوسرے انبیاء کرام کی ارواح مقدسہ ہیں۔ پس روح تو وہاں ہے اور وہیں سے اسے روح مندرہ میں رکھے جسد اطہر کے ساتھ اتصال ہو رہا ہے۔ روح و بدن کا ایسا قری تعلق قائم ہو چکا ہے کہ آپ اپنی قبر شریف میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

وہذا التعلق رای موسیٰ قائماً یصلیٰ فی قبرہ ۛ

ترجمہ۔ روح و بدن کے اسی تعلق کی بناء پر آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا تھا۔

حافظ ابن قیمؒ کے کلام کا خلاصہ یہی ہے کہ انتقال بہ برزخ کے بعد روح کو اس قدر وسعت حاصل ہو جاتی ہے کہ رفیق اعلیٰ میں استقرار کے باوجود قبور شریف کے اجسام مطہرہ اس کے اتصال سے زندہ ہوتے ہیں اور اپنی اپنی قبروں میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ وہاں روح اور حیات میں تلازم نہیں۔ تقویم حیات کے لیے فقط اتنی تاثیر اور اتنا اتصال ہی کافی ہے۔ واللہ اعلم

⑤ شیخ الاسلام حضرت علامہ عینیؒ:

صبح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لا تأکل اجساد الانبیاء
... فتحصل من جملة هذا القطع بانهم غیبوا عنا بحیث لا ندرکهم و
ان كانوا موجودین احياء وذلك كالحال فی الملائكة علیہم الصلوٰۃ و
السلام فانهم موجودون احياء لا یراہم احد من نوعنا الا من خصه

اللہ تعالیٰ بکرامتہ واذا تقررا نملوا حیاء ۱۰۰

ترجمہ آنحضرتؐ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ زمین انبیائے کرام کے جسموں کو نہیں کھاتی، ایسے ارشادات سے یہ نتیجہ قطعی طور پر حاصل ہوتا ہے کہ انبیائے کرام زندہ ہیں۔ صرف وہ ہم سے غائب کر لیے گئے ہیں کہ ہم اُن کا ادراک نہیں کر سکتے جیسا کہ فرشتوں کا معاملہ ہے کہ وہ زندہ بھی ہیں اور موجود بھی، لیکن ہم اُن کو پا نہیں سکتے۔ ہاں جن پر اللہ تعالیٰ کرامت فرمادے، وہ انہیں دیکھ بھی سکتے ہیں یہ بات طے شدہ ہے کہ انبیائے کرام زندہ ہیں۔

یہ مٹی انبیاء کے جسموں کو نہیں کھاتی۔ اس سے صرف یہی نہ سمجھیں کہ اُن کے ابدان محفوظ ہیں۔ سوال صرف حفاظت کا نہیں، اس احساس کا تھا کہ درود و سلام کس وجہ و اقدس پر پیش ہوا کرے گا۔ سو بدن اطہر صرف اس طرح محفوظ نہیں کہ صرف مٹی نہ ہو۔ اس میں تازگی اور نرمی آج بھی اسی طرح ہے جو وفات کے وقت تھی۔ وقت گزرنے سے بدن طیب میں کسی قسم کا اکڑاؤ پیدا نہیں ہوا صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ وہ آج بھی اسی طرح ہے جیسے قبر مبارک میں رکھا گیا تھا۔ اس پر علامہ عینیؒ لکھتے ہیں :-

وهو اليوم (ای والحال انه اليوم) كما وضع لان الارض لا تاكل اجساد الانبياء عليهم السلام ۱۰۱

ترجمہ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آج بھی اسی طرح ہیں جیسے اس وقت جب آپ کو قبر مبارک میں اتارا گیا تھا کیونکہ یہ مٹی پیغمبروں کے اجساد کو ریزہ ریزہ نہیں کرتی۔

⑥ حضرت امام ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری :-

قال ای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ حرم علی الارض ای منعها و فیہ مبالغۃ لطیفۃ اجساد الانبياء ای من ان تأکلها

فان الانبياء في قبورهم احياء فمحصل الجواب ان الانبياء
 احياء في قبورهم فيمكن لهم سماع صلوة من صلى عليهم . قائل
 ترجمہ: آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ پیغمبروں کے
 جسموں کو کھائے، یہ اسی لیے تھا کہ انبیاء کے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے
 ہیں (صحابہؓ کے اس سوال کے کہ بعد الوفات یہ صلوة و سلام کیسے پیش ہوگا)
 جواب میں یہ ارشاد فرمایا، اس کا ماحصل ہی یہ ہے کہ انبیاء اپنی قبور شریفہ میں
 اس طرح زندہ ہوتے ہیں کہ جو ان پر صلوة و سلام پڑھے، اُسے وہ خود
 سن سکتے ہیں۔

آگے جا کر لکھتے ہیں:-

ان الصحابة رضی اللہ عنہم سألوا بیان كيفية العرض بعد اعتقاد
 جواز ان العرض كائن لا محالة لقول الصادق فان صلواتكم معروضة
 عليّ لكن حصل لهم الاشتباه ان العرض هل هو على الروح المجرد او على
 المتصل بالجسد وجواب ان جسد النبي كجسد كل احد فكفى الجواب ما
 قاله علي وجه الصواب

ترجمہ: صحابہؓ نے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے (بعد وفات) آپ پر درود و
 سلام پیش کرنے کی کیفیت پوچھی، یہ ان کا اعتقاد پہلے سے تھا کہ درود و سلام
 تو ہر حال میں پیش ہوتا ہے۔ آپؐ فرما چکے تھے تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے
 انہیں اشتباہ اس میں تھا کہ یہ پیش ہونا درود کا صرف روح مجرد پر، یا اس روح پر جو
 متصل بالجسد ہو اور وہ (صحابہ کرامؓ) یہ سمجھے تھے کہ پیغمبر کا جسد ہر ایک کے جسد کی طرح
 ہے سو آپؐ نے جو جواب دیا وہ درستگی (عقیدہ کی اصلاح) میں کافی ہے۔

لا شك ان حفظ اجسادهم من ان تدم خرق للعادة المسقرة فكما ان الله تعالى يحفظها منه فكذلك يمكن من العرض عليهم من الاستماع منهم صلوات الامة عليه

ترجمہ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء کے اجساد کا بکھرنے سے محفوظ رہنا عام عادت زمانہ کے خلاف ہے پس جیسے اللہ تعالیٰ ان اجساد کی ریزہ ریزہ ہونے سے حفاظت فرما رہا ہے اس طرح یہ بھی ناممکن نہیں کہ ان (اجسادِ کریمہ) پر دوسرا پیش بھی ہوا اور وہ امت کا درد بھی امت سے کس پائیں۔

علامہ عینی کی طرح علامہ علی قاریؒ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جواب سے یہ قطعی عقیدہ اختیار کرتے ہیں کہ حیاتِ انبیاء میں اب کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ حافظ ابن حجرؒ بھی کہتے ہیں:-
قال ابن حجر وما افاده من ثبوت حياة الانبياء حياة بها يتعبدون و يصلون في قبورهم مع استغنائهم عن الطعام والشراب كالملائكة امر لا مزية فيه۔

ترجمہ۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں انبیاء کی (بعد وفات) ایسی حیات جس سے وہ تعبیدی امور سجال لاتے ہوں اور اپنی قبور شریفہ میں نمازیں بھی پڑھیں اور فرشتوں کی طرح اس جہان کے سے کھانے پینے سے مستغنی رہیں۔ (عاجتِ مند نہ ہوں) یہ ایسا امر ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔

امر لا مزية فيه (یہ ایسی بات ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں کیا جاسکتا) کے الفاظ پر غور کریں اور دیکھیں کہ دسویں صدی کے اس مجدد کی نظر میں اس مسئلے کی اساس کتنی مضبوط ہے۔
④ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ:-

اس حدیثِ غنظہ اجسادِ انبیاء کا مفہوم یوں بیان فرماتے ہیں:-

۱۔ انہیں جاسم معلوم ہے کہ حیاتِ انبیاء حیاتِ جسمی و دنیاوی است نہ بحیرہ
بقائے ابدی۔

۲۔ گناہ است از حیات و حیاتِ انبیاء متفق علیہ است، یہی کس را دروے
خلو فی نیست حیاتِ جسمانی و دنیاوی حقیقی و دریں حدیث کہ فرمود،
ان الله حرم علی الارض اجساد الانبیاء اثرات است بآں۔

۳۔ کنایہ عن حیاتہما کما یأتی من حدیث ابی الدرداء والمذہب
ان الانبیاء احياء حیوة حقیقیہ۔

۴۔ بدانکہ در حیاتِ انبیاء علیہم السلام، و ثبوتِ ایں صفت سرایشاں را در تشریح
آثار و احکام اہل بیچ کس را از علماء خلاصہ فی نیست۔

۵۔ انبیاء علیہم السلام کو موت نہیں، وہ زندہ اور باقی ہیں، اُن کے واسطے وہی
ایک موت ہے، جو ایک دفعہ آپ کی اس کے بعد اُن کی روحیں بدن میں لوٹنا
دی جاتی ہیں اور جو حیات اُن کو دنیا میں تھی، وہی عطا فرماتے ہیں۔
⑧ مقتدائے فرقہ اہل حدیث فاضل جلیل قاضی شاکانیؒ لکھتے ہیں:-

والاحادیث فیہا مشروعیۃ الا کثیر من الصلوۃ علی النبیؐ یوم
الجمعة وانما تعرض علیہ واندہ حتی فی قبرہ قال ان الله
حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء وقد ذهب جماعة من
المحققین الی ان رسول الله صلی الله علیہ وسلم حتی بعد وفاته۔

ترجمہ۔ احادیث سے اِن امور کی شرعی حیثیت ثابت ہے۔ ۱۔ مجاہد کے دن آپ
پر درود کثرت سے پڑھا جائے۔ ۲۔ درود شریف آپ پر پیش ہوتا ہے۔

۱۔ جامع النبوت جلد ۲ ص ۹۲ طبع قدیم ۲۔ اشعۃ النعمات جلد ۳ ص ۶۱ ۳۔ لمعات التبیق ص ۳۳

۴۔ جندب القلوب ص ۸۸ لکھنؤ ۵۔ تکمیل الایمان مترجم ص ۵۵ ۶۔ نیل الاوطار جلد ۳ ص ۲۱، ص ۲۱

۴. آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ چنانچہ حضورؐ نے فرمایا کہ رب العزت نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیائے کرام کے جہوں کو مٹی بنائے اور محققین کی ایک پوری جماعت اس تحقیق پر پہنچی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات شریفہ کے بعد پھر زندہ ہیں۔

⑨ پیشوائے اہل حدیث محقق عظیم آبادیؒ بھی فرماتے ہیں:-

اجساد الانبیاء (ای من ان تأکلھا) فان الانبیاء فی قبورہم احياء
فان الانبیاء فی قبورہم احياء۔

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جہوں کو کھائے اس ارشاد نبوت کی بناء پر ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح بتل میں ہے۔

کیا یہاں بھی کسی مخالف کا منہ بند کرنے کے لیے انبیاء کی حیاتِ قبریہ کا بیان ہو رہا ہے یا محدث سیاح و پوری ارشاد نبوت کا منشاء واضح کرنے کے لیے حدیث کی شرح فرما رہے ہیں اور اُن سے پہلے بھی اس حدیث کی شرح میں یہی کچھ کہا جاتا رہا ہے فتفکر وایا اولی الالبصار۔

حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ اور فرقہ اہل حدیث نے اس ارشاد نبوت کا مطلب کیا سمجھا، اور کس وضاحت سے اس کا مدلل رد و غلطی کی حیاتِ غمیری قرار دیا۔ یہ سب آپ کے سامنے ہے اب آئیے حنفیہ کرام کے طبقہ دیوبند سے بھی استفادہ کیجئے:-

⑩ صدر المحققین رئیس المتحدثین شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ حاشیہ ابنی داؤد میں تصریح

فرماتے ہیں:-

ان الصحابة سألوا بيان كيفية العرض بعد اعتقادهم بانه كائن

لامحالة لقول الصادق دقاً لا اشتباه ان العرض هل هو على الروح

المجرد او علی المتصل بالجسد حسبوا ان جسد النبی کجسد کل احد
فکفی فی الجواب ما قاله علی وجه الصواب۔

ترجمہ۔ صحابہ کرامؓ کا یہ اعتقاد تو یقینی تھا کہ درود آپ پر پیش کیا جاتا رہے گا کیونکہ
آپ یہ ارشاد فرما چکے تھے پس اُن کا سوال صرف پیش ہونے کی کیفیت سے متعلق
تھا کہ وفات شریفہ کے بعد یہ درود صرف روح مجرد پر یا روح متصل بہ جسد
پر اُس کا عروج ہو گا۔ حضور اکرمؐ کا جواب کہ انبیائے کرام کے اجسادِ مطہرہ مٹی نہیں
ہوتے۔ اس سوال کی کیفیت کا کافی جواب تھا۔

خلاصہ یہ کہ جسد اطہر اس طرح محفوظ ہے کہ اس پر صلوٰۃ و سلام برابر پیش ہوتا رہتا ہے
اور روح مبارک کا اس جسد سے اتصال ہے۔ یہ کہنا کہ قبر مبارک میں جسد اطہر بالکل بے جان اور
بے شعور پڑا ہے یہ عقیدہ اہل بدعت کے سوا اور کسی کا نہیں ہو سکتا وہ معتزلہ ہوں یا کرامیہ۔ اہل السنۃ
والجماعۃ میں سے کوئی حیاتِ انبیاء کا منکر نہیں رہا۔

حضرت شیخ الہندؒ نے یہاں اپنی بات نہیں کہی صحابہ کرامؓ کا عقیدہ پیش کیا ہے وہ حضرت
قدسی صفات عرض صلوٰۃ و سلام میں کیا عقیدہ رکھتے تھے یہ آپ دیکھ چکے ہیں۔ ان کا یہ اعتقاد محض
ایک ظنی درجے کا تھا یا وہ اس عقیدے کو یقینی درجے میں اپنائے ہوئے تھے اس کے لیے آپ
ان الفاظ کو بار بار پڑھیں۔

جو لوگ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے اس بیان کو کہ انبیاء کے
سماع عند القبر میں کسی کو اختلاف نہیں۔ بطور استہزار سے پڑھتے ہوں ان کے لیے حضرت
شیخ الہندؒ کی شرح حدیث کو ٹھکانا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ و اصحاب الشمال ما
اصحاب الشمال۔

والی اللہ المشتکی وهو المستعان وعلیہ التکلان۔

المبحث الرابع

حديث ابى هلال الدرداء واحوال رواته

حدثنا عمرو بن سعد المصري ثنا عبد الله بن وهب عن عمرو بن الحارث
عن سعيد بن ابى هلال عن زيد بن ايمن عن عباد بن نسي عن ابى
الدرداء قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اكثروا الصلوة على

له عمرو بن سعد المصري ابو محمد المصري ثقة من الحادية عشرة، ثقة راوي حديث ہیں، (تقریب ص ۲۹۲)
له عبد الله بن وهب بن مسلم مولاہم ابو محمد المصري الفقيه ثقة حافظ عابد من التاسعة
(تقریب ص ۲۹۵) له ثقة ضیہ حافظ من السابعة (تقریب ص ۲۹۸) له الليثي مولاہم ابو العلاء المصنف
قل مدنی الاصل قال ابن يونس بل نشاء بها صدوق، (تقریب ص ۱۹۵) صدوق راوي
حديث ہیں، ابن خزم سے پہلے کسی نے ان پر جرح نہیں کی اور ابن خزم کی جرح کا منشاء ان کا اپنا
اعتقاد تھا۔ وہ عذاب قبر کے قائل نہ تھے اور اجساد قبریہ کی کسی قسم کی حیات کا انہیں اقرار نہ تھا۔
ابوداؤد کی روایت جس میں قبر میں عود روح کا بیان ہے، اس کی سند میں ایک راوی منہال بن عمار
تھے، ان پر بھی ابن خزم نے جرح کر دی تھی، تنقیح الرأۃ ص ۳۱۲ میں ہے۔ ولما راى ابن خزم
حديث المنهال راى على معتقده في انكار عذاب الاجساد في قبرها طعن فيه و طعنه
مردود والحديث صحيح، (جلد ۳ ص ۳۱۲) ثم زيد بن ايمن روى عن عباد بن نسي
وعنه سعيد بن ابى هلال ذكره ابن حبان في الثقات روى له ابن ماجه حديثا واحدا في
فضل الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم قلت رجاله ثقات

یوم الجمعة فانه مشهور قسمة المشكة وان احدا لن يصلي على الا
عرضت على صلواته حتى يعزغ منها قال قلت وبعد الموت قال وبعد الموت
ان الله حرم على الارض ان تأكل اجساد الانبياء فنبى الله حي يرزق.
ترجمہ: عباد بن نسی حضرت ابو الدرداء سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ مجھ کے
دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔ کیونکہ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور
کوئی مجھ پر درود نہیں پڑھتا۔ مگر یہ کہ اس کے فادغ ہوتے ہی وہ مجھ پر پیش کر دیا
جاتا ہے۔ ابو الدرداء کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ کیا وفات کے بعد بھی آپ پر درود
پیش ہوتا رہے گا، آپ نے فرمایا کہ وفات کے بعد بھی اسی طرح پیش ہوتا رہے
گا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرم کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسوں کو کھائے۔ پس اللہ کا
پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اُسے رزق بھی دیا جاتا ہے۔

عبادہ بن نسی

مشہور تابعی ہیں۔ وفات ۳۸ھ میں ہوئی۔ حضرت اوس، عبادہ بن صامت، ابو الدرداء
اللہ دوسرے کئی محدثین سے احادیث سنیں۔ زید بن امین اور سعید بن ابی ہلال وغیرہ نے ان سے
روایات لیں۔ امام احمد، یحییٰ بن معین، امام نسائی اور ابن سعد انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ امام بخاری
نے بھی ان کی تعریف کی ہے۔ حاکم ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:-

ثلاثة نفر ينزل بهم الخيول وينص بهم على الاعداء عبادہ بن نسی
رجاء بن حیاة وعدی بن عدی

ترجمہ: تین ایسی عظیم شخصیتیں ہیں کہ ان کے وسیلے سے بارشیں برستی ہیں اور ان کی
برکتوں سے دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی رہی ہے۔ ان میں سے پہلے عبادہ بن نسی
ہیں (تہتمل بالذوات)

”تہذیب الکمال“ میں بھی حضرت ابوالدرداءؓ سے اُن کی حفظ احادیث انبیاء والی روایت

منقول ہے۔ اس کے آخر میں بھی فتنی اللہ حق ین ذق کے الفاظ موجود ہیں۔

عبادہ بن نسی سے اگلے راوی حضرت ابوالدرداءؓ ہیں۔ ان کا ترجمہ نقل کرنے اور اُن کی تعدیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ وہ ایک نہایت علیل القدر صحابی رسول ہیں۔ عبادہ بن نسی سے سچے سب راوی ثقہ ہیں اور ان کے تراجم ماسیہ میں پیش ہو چکے ہیں اور اس پوری سند پر ماہرین حدیث کی ایک پوری جماعت ”اسنادہ جید“ کا حکم لگا چکی ہے۔ کما تقدم قبیل المبحث الاول قال الحافظ المسند — اسنادہ جید۔

عراقی شرح ترمذی میں لکھتے ہیں کہ زید بن امین اور عبادہ بن نسی کے باہین القطاع ہے۔ جو اُبا عرض ہے کہ اصل القطاع اس حدیث کی طبرانی کی سند میں ہے جو سعید بن ابی ہلال عن ابی الدرداءؓ کے طور پر منقول ہے، وہاں رجال بھی محل کلام ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن قیمؒ نے علماء الافہام میں تصریح کی ہے۔ زید بن امین اور عبادہ کے باہین دعویٰ القطاع ثابت نہیں۔ اس پر دلیل مطلوب ہے محض نقل دعویٰ ہی کافی نہیں۔ پھر بتایا جاتے کہ یہ کن سی قسم کا القطاع ہے، مضر ہے یا غیر مضر پھر بصورت حضرت کن کن محدثین نے اس روایت کو رد کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں، زید بن امین کا عبادہ بن نسی سے روایت کننا ثابت ہے اسی طرح سعید بن ابی ہلال عبادہ سے روایت کرتے ہیں۔ رہا یہ سوال کہ عبادہ بن نسی کی روایت حضرت ابوالدرداءؓ سے ثابت ہے یا نہیں؟ سو اس کا جواب بھی اثبات میں ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے تصریح کی ہے کہ عبادہ کی روایت حضرت ابوالدرداءؓ سے ثابت ہے۔

محدثین نے اس حدیث کو قبول کیا ہے اور اس کی سند کو جید کہا ہے۔ سند جید تھی ہوتی ہے کہ ضعف رواۃ اور انقطاع سے پاک ہو۔ سو اس عام قبولیت کے مقابل ان شاذ اقوال میں وہ قوت نہیں جاتی کہ روایت کو رد کیا جاسکے۔

اگر یہ روایت مُرسل ہے تو پیش نظر ہے کہ ہم اس سے بالاستقلال استدلال نہیں کر رہے
 بلکہ اسے حضرت اوس بن اوسؓ کی مذکورہ سابقہ روایت کی تفسیر میں پیش کیا جا رہا ہے اور یہاں اس
 کا قبول کسی کے ہاں محل اعتراض نہیں۔ جن محدثین کو احتجاج بالمرسل میں کلام ہے۔ وہ بھی تفسیر المتصل
 بالمرسل میں مرسل کا اعتبار کرتے ہیں۔ ترمذیؒ کی متصل روایت (بالفاظ تدریب) خیر نساؓ تھا
 فاطمہ کی تفسیر سند عمارت بن ابی اسامہ کی روایت میں خیر نساؓ تھا عالمہا و فاطمہ خیر
 نساؓ تھا عالمہا کے ساتھ اسی اصول پر کی گئی ہے۔ حالانکہ ثانی الذکر صحیح سند کے باوجود مرسل ہے اور
 سند میں انقطاع ہے۔ مگر چونکہ تفسیر و توضیح میں پیش کی جا رہی ہے، اس لیے محدثین شافعیہ بھی جو
 احتجاج بالمرسل کے قائل نہیں، اسے قبول کر رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ تفسیر المتصل بالمرسل کے باب میں
 بھی اس ابن ماجہ کی حید الاستناد حدیث کا اعتبار نہ کیا جائے۔

وکل من تأمل فیہ علم وتیقن ان العلم بالان سال من الدقیق الذی لا یتوکلہ

الا الموفق او الطالب المتحقق۔

المبحث الخامس

تدقيق الكلام في عرض الصلوة والسلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ان صلواتکم معروضة علی دہمہاد و رُود
مجہ پر پیش کیا جاتا ہے، یہ آپ نے کب فرمایا؟

یہ آپ کی حیاتِ طیبہ کی بات ہے۔ اس وقت آپ پر درود و سلام کس طرح پیش
ہوتا تھا؟ جواب ظاہر ہے کہ جو قریب آکر آپ پر سلام کہے، آپ خود سنتے تھے اور جو دور سے
پڑھا جائے یا دوسرے بلاد و ممالک میں ہو وہ آپ کو فرشتے پہنچاتے ہیں۔ یہ بات اتنی ظاہر ہے
کہ اس کے کسی پہلو میں کوئی علمی تشکیکی نہیں۔

فرشتے آپ پر امت کا درود و سلام کیسے پہنچاتے ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ جانیں، وہ فرشتے
جانیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن پر وہ درود و سلام پیش ہوتا تھا اور آپ نے اس کی اپنی اہمیت کو
بائیں بالفاظ (ان صلواتکم معروضة علی) اطلاع دی تاہم یہ صحیح ہے کہ یہ ایک بزرخی کیفیت تھی۔
جسے دوسرے لوگ نہ دیکھ پاتے تھے اور نہ سنتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس دنیوی حیات
میں ان بزرخی کیفیات سے بالکل مانوس تھے۔ معراج کی رات آپ اس دنیوی جہد سے ہی اس بزرخی
سیرگاہ میں لے جائے گئے تھے۔ یہاں حضور کے دنیوی جہد اور بزرخی نظاروں کا اجتماع متعلقہ قرآن
پاک کی رُود سے اسراء کے جلووں میں لغزیدہ من اياتنا (تاکہ ہم اپنے بندے کو نشان دکھائیں) کی
شان ہی تہجدہ گر تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہر طرف ہزاروں کی تعداد میں پھیلے تھے اور پھر ہر ایک امتی
آپ پر سینکڑوں بار درود بھیجتا تھا اور یہ سارا درود و سلام حضور پر ہر ایک ایسے لطیف پیرایہ میں پیش

ہوتا تھا کہ ہم اسی مادی کے ناشنا اس باب میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔

درود و سلام آپ پر کسی سرئی شکل میں پیش ہوتا تھا یا آپ صرف اس پر اطلاع پاتے تھے آپ نے اس کی تفصیل نہیں بتائی تاہم یہ صحیح ہے کہ آپ نے اپنی اس دنیوی حیات میں اعمالِ حق کے بہت سے برزخی بدلے دیکھے ہیں۔

ایک دفعہ اللہ رب العزت نے حضور کے سینہ مبارک پر اپنی قدرت کا ہاتھ رکھا تو آنحضرتؐ مدینہ منورہ میں بیٹھے طاء اعلیٰ (اوپر کے جہان) کی باتیں سُنانے لگے۔ فرشتے کفارات کی باتیں کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے پوچھا :-

فَمَا يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَىٰ كَسْ بَاتٍ مِّنْ أُوْهِدِ الْهَلْ جَبْرًا كُرْهِيْهِمْ۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتایا :-

عَرَضْتُ عَلَىٰ أَجْرًا مَّتَى . . . وَعَرَضْتُ عَلَىٰ ذَنْبٍ أَمَّتِي فَلَمْ ارْذَنْبًا

اعظم من سورة من القرآن او آية او يثمار رجل ثم نسيمها۔

ترجمہ مجھ پر میری امت کے انعامات اعمال پیش کئے گئے۔ . . اور مجھ پر میری امت کے گناہ بھی پیش کئے گئے۔ سب بڑا گناہ میں نے یہ دیکھا کہ کوئی شخص قرآن کریم کی کوئی سورۃ یا آیت یاد کر کے بھلا دے۔

اجور و ذنوب کن امور کی صدائے بازگشت ہے۔ یہ کس چیز پر مرتب ہوئے ؟ اعمال پر۔

سو اگر اجور و ذنوب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش ہو سکتے ہیں تو امت کے اعمال آپ پر کیوں پیش

نہیں ہو سکتے ؟ اسکا ثبوت بھی حدیث میں مل جاتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

حَيَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ وَمَمَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ تَعْرِضُ عَلَيَّ أَعْمَالُكُمْ فَمَا كَانَ مِنْ حَسَنٍ حَمْدُ

اللَّهِ عَلَيْهِ وَمَا كَانَ مِنْ مَّثِيٍّ اسْتَغْفَرْتُ اللَّهَ لَكُمْ۔

ترجمہ میری زندگی بھی تمہارے لیے خیر اور میری وفات بھی تمہارے لیے خیر۔ اس مہلت میں تمہارے اعمالِ نیک پر پیش کئے جائیں گے جو اچھے ہوں گے۔ اس پر میں اللہ کی حمد کہوں گا اور جو میرے ہوں گے ان پر میں تمہارے لیے اللہ سے استغفار مانگوں گا۔ آپ اپنی امت کے نیک اعمال سے خوش ہوتے ہیں اور یہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ آپ پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہوں۔ قاضی شوکانی (۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں :-

انہ یسر بطاعات امتہ وان الانبیاء لا یسلون۔^۱

ترجمہ۔ آپ اپنی امت کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ انبیاء کے اجداد پرانے نہیں ہوتے۔

درود و سلام کا آپ پر پیش ہونا احادیث میں اس کثرت سے وارد ہے کہ اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کیفیت اس کی اللہ کو ہی معلوم ہے لیکن بعض روایات میں اس کے اوقات بھی دیئے گئے ہیں۔ حضرت امام شافعی روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا :-

اذا کان یوم الجمعة وليلة الجمعة فاکثروا الصلوة علیؑ

ترجمہ۔ جب جمعہ کا دن ہو یا جمعہ کی رات تو مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔

یہ تو کثرت سے درود پڑھنے کی ترغیب ہے۔ اب پیش کیے جانے کا موقعہ بھی معلوم کر لیں۔

سعید بن منصور اپنی سنن میں یہ روایت لائے ہیں :-

اکثروا الصلوة علی فی کل یوم جمعة فان صلوة امتی تغضب علی فی کل یوم جمعة۔^۲

ترجمہ۔ مجھ پر جمعہ کے روز درود کثرت سے پڑھو کیونکہ میری امت کا درود مجھ پر ہر جمعہ کے دن پیش ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں آپ پر کس پیرائے میں صلوٰۃ و سلام پیش ہوتا تھا۔ صحابہؓ نے اس کی آپ سے کبھی کیفیت نہ پوچھی۔ البتہ انہیں یہ اشکال پیش آیا کہ آپ کی وفات کے بعد یہ عرض صلوٰۃ و سلام جبہ اطہر پر کیسے ہو گا۔ جب کہ آپ مٹی میں گھل چکے ہوں گے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ انبیاء کے اجساد کبھی مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوتے، محفوظ رہتے ہیں۔

اس جواب سے یہ بات واضح ہو گئی کہ وفات کے بعد آپ پر عرض صلوٰۃ و سلام نئے سرے سے شروع نہ ہو گا بلکہ اسی عرض کا تسلسل ہے جو آپ کو اس دنیا میں حاصل تھا۔ جب یہاں یہ عرض روح و جبہ کے مجموع پر متواتر ہاں بھی یہ عرض صلوٰۃ و سلام اس جبہ اطہر پر ہوتا ہے جس کے محفوظ رکھنے کی اللہ تعالیٰ نے ضمانت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی روح اقدس کو اس طرف متوجہ کر دیتا ہے عرض صلوٰۃ و سلام پہلے ہے اور رد اللہ علی روحی (روح اقدس کا اس طرف متوجہ ہونا) اس کے بعد ہے۔ حدیث کی ترتیب یہی ہے۔

حیوة الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام متفق علیہا لا خلاف لاحد فیہ فقال
المحافظ معناه رد اللہ علی نطقی

ترجمہ۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات اہل اسلام میں متفق علیہ ہے کسی شخص کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں روح لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ مجھ پر میرے نطق کو لوٹا دیتا ہے جس سے میں اس کو جواب دیتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان رد اللہ علی روحی کا مطلب یہ نہیں کہ حضور کو اس وقت زندہ کیا جاتا ہے۔ آپ کی حیات تو اپنی جگہ متفق علیہ ہے۔ یہاں مراد رد اللہ علی نطقی ہے۔ — چوتھی توجیہ ہے جو حافظ ابن حجر نے کی ہے یہ ہے :-

المراد بالروح النطق فتجوز فیہ من جهة خطابنا بما نفہمہ

ترجمہ۔ یہاں روح سے مراد نطق ہے یہ ہمارے خطاب کی جہت سے کہ ہم اسے

سمجھ پائیں درست ہے (ایسے معنی ہو سکتے ہیں)۔

طہرائی میں ہے، آپ فرماتے ہیں۔

لیس من عبد یصلی علی الابغنی صلاتہ — قلنا و بعد وفاتک قال و بعد وفاتی ان الله حرم علی الارض ان تاكل اجساد الانبیاء علیہ

ترجمہ۔ کوئی ایسا بندہ نہیں کہ وہ مجھ پر درود نہ بھیجے مگر یہ کہ اس کا درود مجھے پہنچتا ہے (ہم نے پوچھا) اور وفات کے بعد بھی؟ آپ نے فرمایا اور میری وفات کے بعد بھی۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے

آپ کو صلوٰۃ و سلام پہنچتا ہے۔ یہ دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ قریب ہے ہو تو براہ راست اور دُور سے ہو تو توسط ملائکہ — یہ بات یقینی ہے کہ آپ کو صلوٰۃ و سلام پہنچتا ہے۔

اس حدیث میں پہلے روح کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ معلوم ہوا حیات آپ کو پہلے سے حاصل ہے۔ جب کوئی شخص آپ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح اقدس کو جو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی ذات و تجلیات میں حالت استغراق میں ہے کچھ ادمر بھی توجہ فرمادیتے ہیں اور آپ کو اس کا درود و سلام پہنچا دیا جاتا ہے اور ہمیں معلوم نہیں اسی روح اقدس کی جہات توجہ کتنی کروڑوں ہیں جو ہر امتی کا صلوٰۃ و سلام لے لیتی ہیں۔ بلکہ سلام کرنے والوں کو آپ جواب بھی دیتے ہیں۔ احادیث میں اس سلسلے میں رد اللہ علی روحی کے الفاظ ہیں و رد اللہ الی روحی کے الفاظ نہیں۔ پہلے جملہ کا ترجمہ ہے مجھ پر روح لوٹائی جاتی ہے۔ دوسرے جملہ کا ترجمہ ہے روح میری طرف لوٹائی جاتی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں۔

اگر لفظ الی روحی فرمایا گیا ہوتا تو آپ کا شبہ وارد ہو سکتا ہے الی اور علی کے فرق سے آپ نے فصول فرمایا۔ علی استعلاء کے لیے ہے اور الی نہایت طرف کے لیے ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ و سلام سے پہلے روح کا

(اس جہت میں) استقلال نہ تھا نہ یہ کہ وہ جسم اطہر سے بالکل خارج تھی اور اب اس
کہ جسم اطہر کی طرف ٹوٹا یا گیا ہے۔
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں :-

اکثر شارحین نے روح کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ کی روح پاک
کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی اور جلالی تجلیات کے
کے مشاہدہ میں مصروف رہتی ہے۔۔۔۔۔ پھر جب کوئی امتی سلام کرتا ہے اور وہ
فرشتہ کے ذریعہ یا براہ راست آپ تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ
کی روح (ایک جہت سے) اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ سلام کا جواب
دیتے ہیں پس اس روحانی توجہ و التفات کو روح سے تعبیر فرمایا گیا۔

سلام پیش کرنے والوں کی طرف روح اقدس کی ہزاروں جہات متوجہ، محیب اور متبدن
رکھی کسی طرف اور کبھی طرف ہیں مگر اس سے روح اقدس کا ذات و تجلیات الہی میں استغراق
متاثر نہیں ہوتا اس میں فرق نہیں ہوتا آپ ہمہ وقت جمال و جلال کے مشاہدہ میں مستغرق ہیں
آٹھویں صدی کے مشہور محدث عاقل ابن الملقن (۸۰۴ھ) فرماتے ہیں :-

المراد بروح الروح النطق لانه صلى الله عليه وسلم حث في قبره وروحہ

لا تفارقه لما صح ان الانبياء احياء في قبورهم۔

ترجمہ۔ روح در روح کے بدن کی طرف لوٹنے سے مراد نطق ہے (کہ آپ جواب
دے سکیں) کیونکہ حضورؐ تو اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی روح اقدس تو کبھی بھی
اپنے جد نہیں ہوتی یہ بات صحیح سند ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔
عاقل ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) نے روح سے پیدا ہونے والے اشکال کے متعدد

جواب دیئے ہیں۔

الخامس انه يستغرق في امور الملاء الاعلى فاذا سلم اليه رجع اليه فلهمة
ليجيب من سلم عليه ۛ

ترجمہ: پانچویں بات یہ ہے کہ آپ ملا را علی کے جلووں میں مستغرق رہے ہیں پس
جب کوئی شخص آپ پر سلام بھیجتا ہے تو آپ کا فہم آپ کی طرف واپس لوٹتا
ہے تاکہ آپ اس کے سلام کا جواب دیں۔

پھر اس پر ایک اور اشکال وارد کرتے ہیں اور پھر اس جواب پر یہ بحث ختم کر دیتے ہیں۔
ان امور الاخرة لا تدرك بالعقل واحوال البرزخ اشبه باحوال الاخرة
والله اعلم ۛ

ترجمہ: آخرت کے حالات عقل سے جانے نہیں جاسکتے اور عالم برزخ کے حالات
آخرت کے حالات سے بہت ملتے جلتے ہیں۔

حافظ ابن حجر کے شاگرد محدث سخامی (۵۹۰ھ) علامہ تقی الدین اسبکی سے روروح کا

معنی نقل کرتے ہیں۔

يحتمل ان يكون رذا مغرباً وان تكون روحه الشريفة مشغولة
بشهود الحضرة الالهية والملاء الاعلى عن هذا العالم فاذا سلم عليه اقبلت
روح الشريفة على هذا العالم ليدرك سلام من يسلم عليه ويرد عليه ۛ
ترجمہ: یہاں روروح سے مراد روح کا حسا لوٹنا نہیں معنوی طور پر لوٹنا ہے
وہ اس طرح کہ آپ کی روح شریفہ اس عالم سے ہٹ کر دربار الہی اور
ملا را علی کے شہود میں مشغول رہے۔ پھر جب کوئی شخص آپ پر سلام کہے
تو آپ کی روح شریفہ اس عالم پر ظہور کرے تاکہ سلام کرتے والے کے سلام
کا ادراک کرے اور اسے جواب بھی دے۔

علامہ جلال الدین سیوطی (۸۹۱ھ) جملہ رد اللہ علی سادھی کو جملہ مالیہ قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں عربی قاعدہ ہے کہ جملہ مالیہ حب ماضی کے طور میں ہوتا ہے اس میں قد متقدم نکالنا پڑتا ہے۔ جیسے قرآن کریم میں ہے :-

اوجاؤکم حصرت صدورہم ان یقاتلوا قومہم۔

(پ، النساء، ع ۱۲ آیت ۹۰)

ترجمہ۔ یادہ آئے تمہارے پاس درحالیہ تنگ آچکے ہیں ان کے دل تمہاری لڑائی سے یا یہ کہ اپنی قوم سے لڑیں۔

حصرت فعل ماضی ہے جیسے ساد فعل ماضی ہے۔ اس صورت میں حدیث معنی اس طرح واضح ہوگی۔

ما من احد یسلم علی الا وقد رد اللہ علی روحی قبل ذلک و ارد علیہ۔

ترجمہ۔ کوئی ایسا شخص نہیں کہ وہ مجھ پر سلام بھیجے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے مجھ پر میری طرف کوٹا دیں اور یہ کہ میں اس کا جواب دوں۔

آپ آئیے گیارہویں صدی کے مصر کے نامور عالم علامہ احمد بن محمد النعناعی (۱۰۶۹ھ) کا جواب بھی ملاحظہ کیجئے :-

لان الکن لا یخلو من مسلم یسلم علیہ فی کل لحظة۔

ترجمہ۔ کیونکہ جہاں کسی ایسے وقت سے خالی نہیں کہ مسلمان وہاں ہر لمحہ عرض سلام نہ کر رہے ہوں۔

اب بارہویں صدی میں چلئے۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی سر کر سلام اسی روضہ قدسیہ کو ہی سمجھتے ہیں جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دفن ہیں اور جہاں زائرین لاکھوں کی تعداد میں حاضری دیتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں :-

وارواح الکمل اذا فارقت اجسادها صارت كاللوج المكفوف لا يلهيها
لواحه متجدده وداعيه سانحة ولكن النفوس التي هي دونها تلتصق
بالعنة فتجلب منها لوسا و هيئة مناسبة للارواح وهي المكنى عنه
بقوله عليه السلام ما من احد يسلم علي الا رد الله علي روحه حتى ارده عليه
السلام وقد شاهدت ذلك ما لا احصى في مجاورتي المدينة سنة الف
ومائة واربع واربعون ۛ

ترجمہ اور کالمین کی ارواح جب اپنے اجساد سے جدا ہوتی ہیں تو وہ ایک رُک کی ہوئی
موج کی صورت میں پہنچاتی ہیں۔ اب انہیں کوئی نیا ارادہ اور پیش آنے والا داعیہ
حرکت نہیں دے سکتا۔ ہاں وہ نفوس جو درجہ میں ان سے کم ہوتے ہیں وہ (اپنی روح
کی) ہمت سے ان سے جا بچھٹتے ہیں اور ان سے نور اور سعیت جو اپنی ارواح کے
مناسب ہو جلب کرتے ہیں (اپنی طرف کھینچتے ہیں) حضور کے اس ارشاد میں کہ
جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر نوادیتا ہے
(متوجہ کر دیتا ہے) حتیٰ کہ میں اس پر سلام نوادیتا ہوں اسی طرف اشارہ ہے
اور میں نے ۱۱۴۴ھ میں جب میں مدینہ کی مجاورت میں تھا، میں نے اس سلام
و جواب کا اتنی دفعہ مشاہدہ کیا کہ میں شمار نہیں کر سکتا۔

اس سے پتہ چلا کہ روح اقدس عالم بالا میں ہو کہ جب اظہر پر اس طرح تجلی رہتا ہے کہ آپ
نارین کا سلام سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں اور جو لوگ آرام گاہ نبوت اور مزار پُر نور پر مجاورت
اختیار کئے بیٹھے ہیں وہ دن رات ان جلوں سے متمتع اور فیضیاب ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۲۹۷ھ) فقر و اختیار نہیں کرتے۔ آپ لکھتے ہیں :-
جب کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح

پرفتنوح کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ و تقبیات اللہ سے بوجہ محبوبیت
و محبت تمام جو آپ کو حاصل رہتی ہے اپنے ہوش و ادھر دھیان کرنا، عطا فرما
دیتا ہے۔

اب چودہویں صدی میں بھی یہی معنی حدیث سنیں اور یقین کریں الاسم اللہ علی روحی
کے الفاظ ہرگز یہ نہیں کہتے کہ سلام سے پہلے بدن اطہر روح سے بالکل بے تعلق تھا حضرت مولانا
غلیل احمد محدث سہارنپوریؒ (۱۳۴۱ھ) لکھتے ہیں:-

قال القاضي لعل معناه الى روحه المقدسة في شان ما في حضرة الالهية
فاذا بلغه سلام احد من الائمة رد الله تعالى روحه المطهرة من تلك
الحالة الى رد من سلم عليه.

ترجمہ: قاضی عیاض کہتے ہیں یہ معنی ہو سکتا ہے کہ آپ کی روح اقدس اللہ تعالیٰ
کے حضور حاضر ہو اور جب کبھی آپ کو امت میں سے کسی کا سلام پہنچے تو اللہ تعالیٰ
آپ کی روح اطہر کو اس حالت سے اس کی طرف لوٹا دیتے ہیں جس نے آپ
پر سلام عرض کیا۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم کی پہلی جلد میں اس پر پوری بحث کی ہے۔ یہ چودہ سو
سال کا علمی سرمایہ ہے جو ہم نے آپ کے سامنے لا کر رکھ دیا ہے۔ چودہ سو سال کے اعیان امت میں
ایک ایسا عالم نہیں ملتا جس نے الاراد اللہ علی روحی سے یہ استدلال کیا ہو ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم قبر میں زندہ نہیں ہیں اور روح اسی وقت لوٹتی ہے جب کوئی آپ پر سلام کرے۔

اب ہم اس بحث کو شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا دامت برکاتہم کے بیان پر ختم کرتے ہیں
آپ فرماتے ہیں حضور پر عرض صلوة و سلام جب اطہر اور روح اقدس دونوں پر ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ
اس کا تعلق صرف روح سے ہو اور جب اطہر کسی شعور اور ادراک کے بغیر قبر مبارک میں بے جان پڑا

ہر آپ حدیث ان صلوٰتکم معروضۃ پر رکھتے ہیں۔

اور حدیث پاک میں اس طرف اشارہ ہے کہ درود روح مبارک اور بدن مبارک (دونوں) پر پیش ہوتا ہے۔

اس بات سے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس دنیا میں بھی صلوٰۃ و سلام پیش ہوتا تھا اور آپ کو یہاں کئی برزخی مناظر دکھادیئے جاتے تھے اور یہ کہ آپ کبھی عذاب قبر کی آوازیں بھی سن لیتے اور کبھی بغیر کھائے پئے روزوں میں وصال فرماتے اور دل آپ کا کبھی نہ سوتا تھا ہمیشہ بیدار رہتا تھا یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ

آپ کی دیکھنے کی قوت اور دلوں جیسی نہ تھی۔ آپ کی سینے کی روحانی قوت اور لوگوں کی طرح نہ تھی۔ آپ کا مادی غذا کا احتیاج اور لوگوں کی طرح کا نہ تھا۔ آپ کا قلب مبارک نرالی شان کا حامل تھا اور آپ کا بدن اطہر عام ابدان سے مختلف تھا۔

حسبوا ان جسد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کجسد کل احد فکفی فی الجواب ما قالہ علی وجہ الصواب۔

ترجمہ۔ انہوں نے گمان کیا تھا کہ نبی پاک کا جسد اطہر بھی دوسرے لوگوں کے جسد کی طرح ہوگا۔ حضورؐ نے جو جواب دیا۔ وہ صحیح صورت بتانے کے لیے کافی تھا۔

ہم یہ بات صرف اپنی عقیدت سے بیان نہیں کر رہے صحابہ کرامؓ بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پیش ہوتا ہے۔ اسود بن یزید کہتے ہیں سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۱ھ) فرمایا کرتے تھے۔

اذا صلیتم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاحذروا الصلوٰۃ علیہ فانکم لاتدرون لعل ذلک یعرض علیہ۔

ترجمہ۔ جب تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو تو بڑے اچھے پیارے میں پڑھو۔

تم نہیں جانتے ہو سکتا ہے وہ (قبولیت کے ساتھ) آپ پر پیش کیا جا رہا ہو۔
 شاگردوں نے کہا پھر آپ ہمیں سکھائیں ہم کیسے اپنے درود کو اچھا بنائیں۔ تو آپ
 نے فرمایا یوں کہو:-

اللہم اجعل صلوتک ورحمتک وبرکاتک علی سید المرسلین و امام
 المتقین و خاتم النبیین محمد عبدک ورسولک امام الخیر وقائد
 الخیر ورسول الرحمة. اللہم ابعثہ مقاماً محموداً یغبط بہ الاولون و
 الآخرون اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراہیم
 وعلی آل ابراہیم انک حمید مجید. اللہم باریک علی محمد وعلی آل
 محمد کما باریک علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم انک حمید مجید۔

نوٹ :-

قارئین سے درخواست ہے کہ آپ بھی ایک دفعہ پوری توجہ کے ساتھ اس پیرایہ میں حضورؐ
 پر درود بھیجیں۔ اگر قبول افتد زبے عز و شرف۔ جمعہ کے دن یہ عمل کریں تو انشاء اللہ زیادہ
 فائدہ مند رہے گا۔

درود پہنچانے والے کارکنان الہی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-
 ان اللہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام۔
 ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے سیاحتِ ارض پر مقرر ہیں وہ میری امت کا
 سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔

درود پڑھنے والے تو بے شک زمین پر ہیں۔ اب درود جسے پہنچانا ہے وہ اگر آسمانوں پر

ہو یا اعلیٰ علیین میں تو وہ فرشتے جو اس کام پر کارکنان الہی لگے ہوئے ہیں سیاحین فی الارض (زمین پر پھرنے والے) کیسے تصور ہوں گے۔ اگر وہ درود شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر انور پر پہنچاتے ہوں تو بات صاف سمجھ میں آتی ہے کہ یہیں سے لیتے ہیں اور یہیں پہنچاتے ہیں اور اسی سبب سے وہ سیاحین فی الارض محسوس ہوتے ہیں اور وہ زمین و آسمان میں چکر لگانے والے نہ ہوئے۔ لیکن اگر درودِ روضہ انور پر پیش نہیں ہوتا تو سیاحین فی الارض میں خطرناک تاویل کرنی پڑے گی۔ حضور جب اس دنیوی زندگی میں تھے تو اس وقت حضورؐ کو جو فرشتے درود پہنچاتے تھے وہ بھی تو یہی سیاحین فی الارض تھے۔ آپ کی وفات سے اس نظام میں تو کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب سیاحین فی الارض حضورؐ کے امتیوں کا سلام اپنے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عرض کرتے ہوں گے یا وہاں ان کا سردار کوئی اور فرشتہ ہو گا جو ساری دنیا میں دور رہنے والے امتیوں کے سلام ان سے لے گا اور ان امتیوں کی طرف سے حضورؐ کو پہنچائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پیش ہونے کی روایات اس قدر ہیں کہ ان پر تو ترجمانی کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ کوئی مسلمان نہیں جو حضورؐ پر خلوص دل سے صلوٰۃ و سلام کہے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش نہ ہوتا ہو۔ آپ نے فرمایا :-

عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اكثر والصلوة علی یوم الجمعة فانه مشہود تشہدہ الملائكة وان احدا
لن یصلی علی الاعرضت علی صلواته حتی یفرغ منها۔

ترجمہ جمعہ کے دن مجھ پر درود کثرت سے پڑھا کر دو۔ یہ یوم مشہود (حاضری کا دن) ہے اس دن فرشتے حاضری دیتے ہیں۔ کوئی شخص مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر یہ کہ وہ مجھ پر پیش ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہو جائے۔

یعنی جمعہ کے دن تو وہ پڑھتے پڑھتے ہی پیش ہو رہا ہے۔ کیونکہ جمعہ کے دن فرشتے آپ

پر عامری دیتے ہیں کہ امت کا صلوٰۃ و سلام آپ کو پہنچا دیں۔ دوسرے دنوں میں پڑھا جانے والا بھی جمعہ کے دن ہی پیش ہوتا ہے۔

سیاحین فی الارض کا دائرہ کار

درود و سلام پہنچانے والے فرشتوں کا دائرہ کار دور سے درود پڑھنے والوں اور حضورؐ کے روضہ پاک کے مابین ہے جو خود آ کر سلام عرض کریں اس میں فرشتے واسطہ نہیں بنتے۔ (تعالیٰ قاری ۱۰۴ ص) لکھتے ہیں:-

درود و سلام پہنچانے کے لیے فرشتوں کا تقرر اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو روضہ اطہر سے دور ہو۔

شیخ عبدالحق دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں:-
نیز از ابن عمرؓ آمدہ ومن صلّ علی عند قبری زدت علیہ ومن صلّ علی
فی مکان آخر یبلغونیہ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جو میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود پڑھے گا میں اس پر اور سلام کہوں گا اور جو کسی اور جگہ سے مجھ پر درود پڑھے گا وہ (سمجھ) مجھے فرشتوں نے پہنچایا ہے (اس میں میری طرف سے جواب لازم نہیں)۔

قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) اس قسم کی احادیث پر جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پیش ہونے کا بیان ہے بحث کرتے ہوئے اپنا حاصل مطالعہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں:-

والاحادیث فیہا مشروعیۃ الاکثان من الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الجمعة وانما تقرض علیہ صلی اللہ علیہ وسلم وانه حی فی قبرہ

وورد النص في كتاب الله في حق الشهداء منهم احياء يرزقون وان

الحياة فيهم متعلقة بالمجد فكيف بالانبياء والمرسلين

ترجمہ۔ اور احادیث میں جمعہ کے دن بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے درود پڑھنے کی مشورت ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ بنی اکرم پر پیش کیا جاتا ہے اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور قرآن کریم میں شہداء کے حق میں یہ نص موجود ہے کہ وہ زندہ ہیں اور انہیں (اگلے جہان کے حسب حال) رزق بھی ملتا ہے صلوات اللہ علیہ کی حیات صرف روح کی نہیں جس کے ساتھ ہے جب شہداء کا یہ حال ہے تو انبیاء و مرسلین کی حیات (فی القبر) کتنی قوی ہوگی۔

ایک سوال

درود پڑھنے والوں کا درود اگر اس زندگی میں بھی حضور پر پیش ہوتا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مقام مدینہ میں تھے اور کسی نے خبر دی کہ حضرت عثمانؓ مکہ میں شہید کر دیئے گئے ہیں اور آپ نے ان کے خون کے بدلہ میں پندرہ سو صحابہؓ سے بیعت لی اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے بھی اپنے بائیں ہاتھ سے بیعت لی تو آپ کو ان کا درود پیش ہونے سے کیوں پتہ نہ چلا کہ آپ مکہ میں زندہ ہیں، شہید نہیں کئے گئے۔ آپ کو پتہ چل جانا چاہیے تھا کہ قتل عثمانؓ کی اطلاع غلط ہے؟

جواب :-

① جب آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی بیعت لی تو کیا یہ اس بات کا اشارہ نہیں کہ آپ کا گمان یہی تھا کہ یہ خبر غلط ہے۔

② اگر حضرت عثمانؓ شہید بھی ہو گئے ہوتے اور یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور یہ بات بھی اپنی جگہ ثابت ہے اور نچے درجے کے مقربین برزخ اور حشر میں بھی اعمال طاعت

میں لگے رہتے ہیں۔ گویا ان پر قرض اور واجب نہ ہو تو اگر حضرت عثمانؓ کی طرف سے درود برابر ادا تھا۔ تو کیا یہ اس کا محمل نہیں ہو سکتا تھا کہ آپ عالم برزخ میں حضورؐ پر درود و سلام بھیج رہے ہوں اس احتمال کے ہوتے ہوئے حدیث میں اس خبر شہادت سے آپ پر درود پیش ہونے کی روایات رد نہیں کی جاسکتیں۔

③ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ پر پوری اہمیت کا درود اجمالاً پیش کیا جاتا ہو تفصیلاً نہیں یا یہ کہ صرف جہہ کو پیش ہوتا ہو۔ ہر روز نہیں۔

④ آپ پر اعمال اہمیت پیش ہونے کی روایات تو ملتی ہیں۔ آپ پر حالات اہمیت پیش ہوتے ہوں۔ یہ بات کسی روایت میں نہیں ملتی۔ اہمیت کے مجموعی حالات کی آپ کو اطلاع ملتی ہو۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فردا فردا ہر ایک کی آپ کو اطلاع دی جائے۔ ان امور میں غور کرنے سے آپ کے شہادت کا انشاء اللہ العزیز ازالہ ہو جائے گا۔

یہ فصل درود و سلام کے پیش ہونے کے بارے میں تھی۔ یہ حدیث ان صلواتکم معروضة علی کا مختلف پہلوؤں سے بیان تھا۔ رہا حضورؐ کے روضہ پاک پر حاضر ہو کر خود براہ راست درود و سلام پڑھنا تو یہ پیش ہونے کا موضوع نہیں۔ اس پر ایک مستقل باب آگے آ رہا ہے۔

المبحث السادس — التحقیق المفید فی الذب عن الشیخ الشہید

بعض مبتدعین حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کے ذمہ یہ لگاتے ہیں کہ وہ انبیائے کرام کے (وفات شریفہ کے بعد) مٹی کے ساتھ مٹی ہو جانے کے قائل تھے۔ ان کے نزدیک یہ حدیث کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے اجسادِ مطہرہ مٹی پر حرام فرمادینے، ثابت نہیں۔ اور اگر ثابت تھی، تو پھر ان کی تحقیق میں ضعیف ہوگی۔ اس الزام کے لیے حضرت شہیدؒ کی جو عبارت جو پیش کی جاتی ہے، وہ یہ ہے :-

یعنی میں بھی ایک دن سر کر مٹی میں ملنے والا ہوں، ترکب سجدے کے لائق ہوں۔

یہاں لفظ "ملنا" محل اعتراض ہے اور اسی پر الزام کی ساری عمارت تعمیر کی جاتی ہے
حالانکہ مٹی کے ساتھ ملنا اور بات ہے اور مٹی ہونا اور بات ہے۔

اردو زبان میں لفظ "ملنا" کے یہ معنی ملتے ہیں۔

پیوستہ ہونا، ملحق ہونا، چسپاں ہونا، ایک ذات ہونا۔ **تذکرۃ اللغات جلد ۴ ص ۱۳۲**
مقرر ضمیمہ خواہ مخواہ اس لفظ کو چوتھا معنی پہناتے ہیں۔ تاکہ پھر کفر کی مشین کو حرکت دے
سکیں۔ حق یہ ہے کہ حضرت شیخ شہیدؒ کی عبارت میں یہ پہلے معنی مراد ہیں۔ اس تشریح میں حضورؐ کی
طرف سے یہ کہا جا رہا ہے کہ مجھے بھی ایک دن پردہ قبر میں جانا ہے۔ مٹی میں ملنے والا ہوں۔ اس
سے مراد یہی ہے کہ ایک دن مجھے قبر کی مٹی سے ملحق ہونا ہے، نہ یہ کہ مجھے مٹی ہو جانا ہے۔ **دعاؤ اللہ**
اردو زبان کا جامع ترین لغت، "جامع اللغات" جلد ۲ ص ۵۱۵ میں خاک میں ملنا کے معنی دفن
ہونا اور مٹی میں پڑنا بھی لکھے ہیں۔ جلد ۴ ص ۴۴ میں لکھا ہے۔

مٹی سے مٹی مل جانا، دفن ہونا۔

خاک میں ملنا۔ دفن ہونا۔

مٹی میں مل جانا۔ دفن ہو جانا۔

ان تصریحات کی موجودگی میں ظاہر ہے کہ مٹی میں ملنے والا ہوں کا معنی یہی ہے کہ ایک دن
مجھے قبر میں دفن ہونا ہے۔ اب اسے ضد و عناد سے ان معنوں پر محمول کرنا، جو مصنف کے ماشیہ
خیال میں بھی نہ گذرے ہوں۔ کس قدر فریب اور ظلم ہے۔ والی اللہ المشتکی!

پیش نظر ہے کہ جب کوئی چیز دوسری چیز کے ساتھ کسی ایک جہت سے چسپاں ہو تو اس
ملنے کو اس طرح تعبیر کرتے ہیں کہ "یہ چیز اس چیز سے ملی ہوئی ہے" لیکن اگر اقل الذکر کو اس
ثانی الذکر چیز نے چاروں طرف سے احاطہ کر رکھا ہو اور اس کی ہر جہت اس سے ملحق ہو رہی ہو
تو پھر پہلی چیز کے متعلق یہ نہیں کہا جائے گا کہ "یہ چیز اس سے ملی ہوئی ہے" بلکہ زیادہ بلیغ انداز
یہی ہو گا کہ "سے" کے بجائے "میں" کا لفظ اختیار کیا جائے۔ حضور اکرمؐ کے حبیب اطہرؑ پر روضہ
منورہ ہر جہت سے چسپاں ہو رہا ہے۔ اس لیے حضورؐ کی طرف سے یہ معنوں ان لفظوں میں
ادا کیا گیا۔ مٹی میں ملنے والا ہوں۔ تو کب سجدے کے لائق ہوں۔

ولیسے نور اللغات جلد ۳ ص ۲۸ پر لکھا ہے کہ ”میں“ کبھی ”سے“ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں درخت میں باندھ دو یعنی درخت سے باندھ دو۔

مقتدین محض بغض و عناد اور اپنی کور باطنی کی وجہ سے اس عبارت کے معنی بگاڑتے ہیں اور اس مضمون کو حدیث غلط اجتہاد انبیاء سے خواہ مخواہ نکالتے ہیں۔ حالانکہ حضرت شیخ شہید اور ان کے مقلد اعتقاد میں اس عبارت کا مفہوم ہمیشہ یہی سمجھا گیا کہ حضور اکرمؐ ایک دن ضرور پر دہ قبر میں تشریف لے جائیں گے اور اس کے لیے آپ کو اس دروازے سے بھی گزرنا ہو گا جس کے بغیر کوئی اس عالم سے اس عالم میں منتقل نہیں ہو سکتا اور اسی دروازے کو موت کہتے ہیں جس کی لذت آشنائی انبیاء کے لیے بھی ضرور ہے۔ کَلْ نَفْسٌ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں :-

مٹی میں ملنے کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ مٹی ہو کر زمین کے ساتھ غلط ہو جائے جیسا سب اشیاء زمین پر پڑ کر خاک ہو کر زمین ہی بن جاتی ہیں، دوسرے مٹی سے متصل ہونا، یہاں (یعنی مولانا اسماعیل شہیدؒ کے کلام میں) مراد دوسرے معنی ہیں اور جبراً انبیاء علیہم السلام کے خاک نہ ہونے کے مولانا اسماعیل شہیدؒ بھی قائل ہیں۔ محدثین حنفیہ اورشافعیہ نے بھی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جس کی تشریح کے ضمن میں مولانا اسماعیل شہیدؒ نے عبارت ذریعہ بحث لکھی تھی، اس حضرت کی طرف سے ایک ایسے ہی مضمون کو ادا کیا ہے :-

اسجد واللہ الذی لا یموت لمن ملکہ لا یزول فانک انما تسجد لی
الان ممابۃ واجلا لا فاذا صرت دھین رمیں امتنعت عندہ

ترجمہ: سجدے تم اس ذات کو کرو جو زندہ ہے اور اس پر فنا کبھی نہ آئے گی اور جس کی بادشاہی لازوال ہے بے شک تو اس وقت تو میری ہیبت اور میری

تعلیم کے لیے سجدہ کرنے کو تیار ہو رہا ہے لیکن جب میں مٹی کے قبضے میں چلا
جائوں گا تو اس وقت تو سجدے سے رک جائے گا۔

علامہ طیبی شافعیہ میں اور ملا علی قاری حنفیہ میں بہت بلند پایہ ائمہ فقہ و حدیث ہیں۔ انہوں
نے ارشاد نبوت کے اس مضمون کو اس حضرت کی طرف سے اسی طرح ادا فرمایا ہے جس طرح کہ مولانا
اسماعیل شہیدؒ نے اس مضمون حدیث کو بیان کیا ہے۔ ہاں ان بزرگوں کے الفاظ فاذا صرت دھین
ومس۔ جب میں قبر کی مٹی میں گرفتار ہو جائوں۔ مگر مولانا شہید کے مقابلے میں وہ زیادہ سخت ہیں۔
بعض معتقدین مٹی کی پوری بحث ہی کو بدفطن بنا لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ حضور
الور علی اللہ علیہ وسلم کا جبہ اطہر ہی خاکی نہ تھا۔ نہ مٹی سے بنا اور نہ مٹی میں رہنے کا سوال پیدا ہوتا
ہے۔ یاد رہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب حضور الور کی حدیث نقل فرما رہے ہیں کہ حضور الور
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

انا وابوبکر وعمر خلقنا من تراب واحدة فنهان دفن۔ فتاویٰ افریقیہ ص ۸۵
ترجمہ۔ میں اور ابو بکر و عمر ایک ہی مٹی سے بنے ہیں اور اسی میں دفن ہوں گے۔
معلوم ہوا کہ جبہ اطہر خاکی ہی تھا اور ذات اقدس کو مٹی سے گریز نہ تھا۔ ہاں آپ اپنی صفات
میں منبع نور و عرفان اور مرکز ہدایت و ایمان تھے اور اس سے کس بدبخت کو انکار ہو سکتا ہے۔

مولانا شہیدؒ کا حفظ جبہ اطہر کا عقیدہ

مولانا شہیدؒ کا عقیدہ تھا کہ آپ کا جبہ اطہر روضہ میں محنتی اور محفوظ ہے ریزہ ریزہ نہیں۔ آپ
مشنوی سلک نور میں لکھتے ہیں :-

ان آنکھوں سے ہر چند وہ جسم پاک
دلے نور ان کا ہے قائم مقام
بظاہر ہوا محنتی زیر خاک
کہ ہر پاک دل میں ہے ان کا مقام
جو زیر پردہ ہے وہ آپ کا جسم ہے جو ہر جگہ پھیلا ہے وہ آپ کا نور ہے۔

الفصل الثانی

وفیہ ستۃ من المباحث

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-
 ما من احد یسلم علی الاسراء اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام
 ترجمہ کوئی شخص ایسا نہیں کہ مجھ پر سلام بھیجے مگر یہ کہ اللہ میری روح مجھ پر لوٹا دے
 گاہ یہاں تک کہ میں اس کا جواب دوں (وعلیک السلام کہوں)

المبحث الاول فی معنی الحدیث

- اس حدیث پر یہ چند سوال اُٹھتے ہیں ان پر غور فرمالیجئے :-
- ① سلام کرنے والا سلام کہنے کے لیے کہاں آئے؟ مدینہ منورہ کے روضۃ اطہر پر یا اپنے تصور میں اعلیٰ علیین پہنچے۔ پھر یہ کہ کیا دور سے بھی آپ کو سلام کیا جاسکتا ہے جس طرح درود بعید سے بھی بھیجا جاسکتا ہے؟
 - ② سلام کرنے والا روح اقدس پر سلام عرض کر رہا ہے یا جبکہ اطہر پر؟ اللہ مجھ پر روح لٹاتا ہے، یہاں مجھ سے مراد جبکہ اطہر نہیں تو اور کیا چیز ہے جس پر روح اقدس لوٹتی ہے؟
 - ③ اگر جبکہ پر روح لوٹتی ہے تو کیا وہ بے جان محض ہے جس پر درود سلام پیش ہوتا ہے یا وہ جبکہ اطہر زندہ ہے اور اس پر روح لوٹنے کا مطلب روح اقدس کا اس زائر کی طرف متوجہ ہونا ہے؟

④ جب ہر وقت روضہ منورہ پر زائرین کا ایک تانتا بندھا ہے تو روح اقدس کا اثر فساد یا اس کی توجہ بدن اطہر پر دائم ہے یا انقطاع۔ اس دوسری صورت میں اس کی صورت عمل کیا ہوگی؟

اجوابات

سلام گرامی یہاں سے بھی گزارش کرتے ہیں اور ہر نماز میں السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے بھی روئے زمین پر گھومتے ہیں جہاں کسی نے آپ پر سلام کہا۔ انہوں نے حاضری پر وہ سلام حضور کے گزارش کر دیا مگر حدیث زیر بحث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سلام جسد اطہر پر ہی عرض کیا جائے گا۔ روح کے آنے جانے یا توجہ کرنے کا محل روضہ پاک ہی ہے۔ اور روح اقدس اس جسد اطہر پر ہی متوجہ ہوتی ہے جو روضہ پاک میں مدفون ہے۔ سو زائرین سلام کے لیے یہی حاضری دیں۔ روح کا قریبہ بتلا رہا ہے کہ جہاں بدن اطہر ہے وہیں سلام پیش ہوتا ہے۔

حافظ ابن قدامہ حنبلی (۵۶۲۰ھ) نے اس روایت میں عند قبری کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں اب ظاہر ہے کہ قبر سے مراد وہی جگہ ہوگی جسے لوگ قبر جانتے ہوں نہ کہ اعلیٰ علیین کی کوئی اور جگہ۔

ما من احد یستل علی عند قبری الحدیث

حضور کی قبر یہی ہے جس پر زائرین حاضری دیتے ہیں۔ روح اقدس اعلیٰ علیین میں ہو تو بھی قبر مبارک یہی ہے اور اسی دنیوی جسد اقدس میں بدنہ فی حیات ہے جو دیکھنے والوں کو تو نظر نہ آئے لیکن آپ اس میں نمازیں بھی پڑھتے ہوں اور سلام زائرین کا جواب بھی دیتے ہوں بلکہ دوسرے پڑھنے والوں کا سلام بھی فرشتے آپ کو یہیں پہنچاتے ہیں اور روح اقدس کی کچھ جہات ان کی طرف متوجہ ہوتی ہوں۔ آفتاب کی کہ وڑوں کہیں زمین پر جلوہ ریزہ ہوں اسے تو آسمانی سے تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ کیونکہ مشاہدہ ہے اور اس لیے کہ یہ عام ہے لیکن روح اقدس کی کہ وڑوں روحانی کہوں کا تسلیم

لہ المغنی جلد ۲ ص ۵۵۸ روایت عن احمد اسے ہم تائیداً نقل کر رہے ہیں۔ لہ قال ابن عبد الہادی ہو صلی اللہ علیہ

وسلم لیسع السلام من القبر وتبلغہ الملائکۃ الصلوۃ والسلام من البعد، (الصارم المنکی ص ۲۸۲)

کہ لینا ہمارے دوستوں کے لیے سوداں روح بنا ہوا ہے کیونکہ یہ جلد سے برزخی ہیں اور ان کی آنکھوں سے او جمل ہیں۔ اور معتزلہ ان چیزوں کو ماننے کے لیے تیار نہیں جو ان کے حواس میں نہ آئیں۔

حدیث میں سلام کا ذکر پہلے ہے اور درود روح کا بعد میں — اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ سلام دائرین جبراطہ پر ہی پیش ہوتا ہے۔ علامہ زین الدین ابو بکر المرعئی (۵۸۱۲) لکھتے ہیں:

اعلم ان كتب السنة متضمنة للاحادیث البلیة علی ان روح النبی

صلی اللہ علیہ وسلم ترد علیہ وانہ یسمع ویند علیہ السلام۔

ترجمہ۔ جان لو اہل سنت کی کتابوں میں کتنی احادیث ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اطہر آپ کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور آپ سلام سنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔

علامہ عزیزی جامع صغیر میں لکھتے ہیں:

الارد اللہ علی روحی ای ماد علی نطقی لانہ حی دامت و سراج لا تقارقہ۔

ترجمہ۔ بگئیہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے یعنی میرا نطق اور تکلم مجھے دیا جاتا ہے (یہ تشریح اس لیے ضروری ہے کہ آپ زندہ ہیں اور آپ کی روح متوجہ آپ کے جبراطہ نہیں ہوتی۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی اس حدیث سے حیات انبیاء پر استدلال کرتے ہیں۔

بدانکہ حیات انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین متفق علیہ است میان علماء

ملت و بیچ کس را خلاف نیست درال۔۔۔۔۔ ای حدیث صحیح است مامن مسلم

یسلم علی الاسماء اللہ علی روحی۔

ترجمہ۔ جان لو کہ حیات انبیاء اللہ کے نبیوں کی حیات اللہ کے صلوات اور تسلیات ان پر

ہوں تمام علمائے امت کے ہاں متفق علیہ ہے کسی عالم کا اس کے اختلاف نہیں۔ یہ حدیث

صحیح ہے کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جب مجھ پر سلام بھیجے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح متوجہ نہ کر دے۔

ہمارے یہ کم فرما بھی کہتے ہیں کہ شیخ عبدالحق کا اسے متفق علیہ کہنا درست نہیں شیخ فصیح میں
مستاہل تھے ہم عرض کرتے ہیں امام ابن تیمیہؒ تو مستاہل نہ تھے۔ ان سے کرن متشدد زیادہ ہو گا۔ آپ
بھی یہی بات کہتے ہیں جو حضرت شیخ نے کہی ہے۔

وافق الأئمة على أنه مسلم عليه عند زيادته وعلى صاحبيه لما في السنن
عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال ما من مسلم يسلم على
الاسم الله على روجه.

ترجمہ: اور اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہو چکا ہے کہ حضور کی قبر کی زیارت کے وقت آپ پر اور حضرت
ابوبکرؓ و عمرؓ پر سلام عرض کیا جائے سنن میں حضرت ابوہریرہؓ سے یہ حدیث مروی ہے کہ اسے حضور سے نقل
کرتے ہیں کہ کئی مسلمان ایسا نہیں کہ جب عجم پر صلوٰۃ و سلام بھیجے مگر کہ اللہ تعالیٰ عجم پر بھی صلوٰۃ و سلام بھیجے۔
امام طبرانی اور بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

المبحث الثاني — اس حدیث کی سند تحقیق

صحاح ستہ میں یہ حدیث ابو داؤد کی روایت سے ہے۔ اس کے راوی یہ ہیں۔

- ۱۔ ابو داؤد صاحب سنن۔ ۲۔ ابو عاتم محمد بن حنف۔ ۳۔ عبد الرحمن بن یزید المقرئ۔
- ۴۔ حیوٰۃ بن شریح۔ ۵۔ ابو صخر حمید بن زیاد۔ ۶۔ یزید بن عبد اللہ بن قسیط۔ ۷۔ حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ صحابی رسول۔

ابو عاتم محمد بن حنف کہ امام نسائی نے ثقہ کہا ہے۔ عبد الرحمن بن یزید المقرئ کہ بھی امام
نسائی نے ثقہ کہا ہے۔ حیوٰۃ بن شریح کہ امام بخاری بن معین ثقہ کہتے ہیں۔ علما مصر کے استاد تھے۔
ابو صخر حمید بن زیاد کو دارقطنی جیسے متقدم نے بھی ثقہ کہا ہے۔ یزید بن عبد اللہ بن قسیط کہ امام نسائی

۱۔ فتاویٰ امام ابن تیمیہ جلد ۴ ص ۳۶ ۲۔ تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۲۸۴ ۳۔ ایضاً جلد ۶ ص ۸۴

۴۔ ایضاً جلد ۳ ص ۱۷۵ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۸۴ ۶۔ تہذیب جلد ۳ ص ۲۴۲

ثقة اور محدثین معین لیس بد بائیں کہتے ہیں۔ ان روایات میں کوئی کتاب نہیں۔ جو داخلین ان روایت
حدیث کو کتاب کہتے ہیں وہ خود بڑے کتاب ہیں۔

تصحیح محدثین

① حافظ ابن کثیر (۷۴۴ھ) امام نووی (۶۷۶ھ) سے اس کی تصحیح نقل کرتے ہیں۔

امام نووی کتاب الاذکار میں لکھتے ہیں۔ بالاسناد الصحيح مثلاً اور ریاض الصالحین ص ۴۹۲
میں بھی اس کی تصحیح کرتے ہیں۔

یہ ساتویں آٹھویں صدی کی شہادت ہے۔ علامہ سبکی (۷۷۱ھ) لکھتے ہیں۔ امام احمد (۲۴۱ھ)

ابو داؤد (۲۴۵ھ) نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے۔ یہ تیسری صدی کی شہادت ہے۔

② حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں۔ رواۃ ثقات (اس کے سب راوی ثقہ ہیں)۔

③ علی شیخ احمد العزیزی (۱۰۵۰ھ) شارح جامع الصغیر لکھتے ہیں۔ اسنادہ حسن۔

④ علامہ سہروردی (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں۔ روی ابو داؤد بسند صحيح۔

⑤ علامہ زرقانی (۱۱۱۲ھ) لکھتے ہیں۔ باسناد صحيح۔

⑥ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں۔۔۔ اس حدیث صحیح است۔

⑦ نزاب صدیق حسن خاں (۱۲۴۴ھ) لکھتے ہیں۔۔

قال النووي في الاذکار اسنادہ صحيح وقال ابن حجر رواۃ ثقات۔

⑧ امام العصر علامہ نور شاہ کشمیری (۱۲۵۳ھ) لکھتے ہیں۔ رواۃ ثقات۔

⑨ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ) لکھتے ہیں۔۔

۱۔ تہذیب جلد ۱۱ ص ۳۴۲ قال ابن عبد البر ثقة من الثقات ۲۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۵۱۴ ۳۔ فتح الباری جلد ۳

۴۔ السراج المنیر جلد ۲ ص ۲۴۹ ۵۔ وفاء الوفاء ص ۴۰۳ جلد دوم ۶۔ زرقانی شرح مواہب جلد ۸ ص ۳۰۸ ۷۔

مناہج النبوة جلد ۲ ص ۴۲ ۸۔ دلیل الطالب ص ۸۴ ۹۔ عقیدۃ الاسلام ص ۵۲

عن ابی ہریرہ رفعہ ما من احد یسلم علی الارذ اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام
ورواتہ ثقات انہ یستفرق فی امور الملاء الاعلیٰ فاذا سلمہ الیہ حجج
الیہ فہما لیحبیب من سلم علیہ^۱

① محدث العصر علامہ طغرا احمد عثمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں :-
رواہ ابو داؤد بسند صحیح واعتمد علیہ جماعة قال السبکی وهو اعقاد صحیح^۲

ایک اعتراض :- وہ یہ کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور یزید بن عبد اللہؓ کے درمیان انقطاع ہے امام مالک
نے یزید بن عبد اللہ بن قسیط پر جرح کی ہے اور یہ کہ یزید بن عبد اللہؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ
کا زمانہ نہیں پایا ؟

الجواب وہو صدق والصواب

یہ صحیح نہیں کہ امام مالک یزید بن عبد اللہ بن قسیط کو لائق اعتماد نہ سمجھتے تھے۔ ابو حاتم کی
راے صحیح نہیں۔ امام ابن عبد البر مالکی ہیں انہوں نے ابو حاتم کا رد کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :-
ویزید قد اجمع بہ مالک فی مواضع من الموطا وهو ثقة من الثقات^۳

حافظ ابن حجر یہ بھی لکھتے ہیں۔ روی عن ابن عمر والجب ہریرہ۔

اب کیسے مان لیا جائے کہ یزید بن عبد اللہؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو نہیں پایا۔ یزید بن عبد اللہؓ کی
عمر حضرت ابو ہریرہؓ (۵۸ھ) کی وفات کے وقت ۲۶ سال کے قریب تھی۔ تحمل روایت میں سب سے
زیادہ سختی کو فیوں کے ہاں تھی وہ بھی بیس سال کی عمر پر کسی کو سماع سے نہیں روکتے تھے ہم یہ کیسے
تسلیم کر لیں کہ یزید بن عبد اللہؓ اس عمر تک حضرت ابو ہریرہؓ جیسی شخصیت سے بیگانہ رہے ہوں۔

حدیث مذکور آپ کی مدینہ مبارکہ کی حیات پر نص ہے۔ رد اللہ علی روحی سے جو ایہام پیدا
ہوتا تھا وہ امت کے مابقی صلوة وسلم اور دہاں ہر وقت کی ماضی خاص و عام کے باعث

کسی درجہ میں درخورد اعتناء نہیں۔ افسوس صد افسوس کہ ہمارے بعض کرم فرما اب آگے ان روایات سے کھلا
تقدم کہہ رہے ہیں جن میں جمعہ کے دن آپ پر صلوٰۃ و سلام کے پیش ہونے کا بیان ہے۔ سو مناسب
ہوگا کہ اس اضطراب کو بھی رفع کر لیا جائے۔ معلوم رہے کہ یہ اضطراب سند کا نہیں مضمون کے ظاہر
کا ہے اور اس میں تطبیق ممکن ہے۔

المبحث الثالث - کشف الحجاب عن وجه الاضطراب

حضرت ابوالدرداءؓ کی روایت ابن ماجہ کے حوالے سے آپ کے سامنے آچکی ہے۔ اس میں درود
پڑھتے ہی اس کے پیش ہونے کا بیان ہے۔

ان احدا لن یصلی علی الاعرضت علی صلوٰۃ حتی یفرغ منها۔
ترجمہ: کوئی مجھ پر درود نہیں پڑھتا، مگر یہ اس کے فارغ ہوتے ہی مجھ پر پیش کر
دیا جاتا ہے۔

اس میں جو پہلے یوم جمعہ کی فضیلت اور صلوٰۃ و سلام پیش ہونے کا بیان ہے، اس میں فضیلت
کے اوقات میں درود جیسے اعمال صالحہ کی ترغیب ہے۔ صلوٰۃ و سلام پیش ہونے کے لیے جمعہ کی
تخصیص نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اوقات فاضلہ میں اعمال صالحہ کا درجہ اور زیادہ بلند ہو جاتا ہے
حضرت اوس بن اوسؓ کی روایت کا مفاد بھی یہی ہے۔ حسن حصین کے الفاظ: "لین یصلی علی احد
یوم الجمعة الاعرضت علی" میں بھی جمعہ کے دن پیش ہونے کی تخصیص نہیں۔ جمعہ کے دن درود
پڑھنے پر اس کے پیش ہونے کی یہ بشارت ہے اور جو یوم جمعہ کی فضیلت میں فرمایا۔
فانه مشہود تشہدہ الملئکة۔

ترجمہ: اس دن فرشتے حاضر رہتے ہیں۔

لہ ان العمل الصالح زید فضلاً بواسطة فضل الوقت وعلى هذا الاحالة الى تقييد العرض
بیوم الجمعة قاله السندی۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ جمعہ کے ماسوا باقی دنوں میں فرشتے بالکل حاضر نہیں ہوتے، بلکہ یہاں مراد کثرت شہود ہے، نہ یہ مطلب ہے کہ روضہ منورہ پر صلوٰۃ و سلام عرض کرنے والے ہی فرشتے اس دن حاضر ہوتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے سیاح فرشتوں کی ایک مستقل جماعت مقرر کر رکھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ روایت آپ پڑھ آئے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا :-

ان الله ملئكة سياحين في الارض يبلغوني من أمي السلام.

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے سیاحت ارض پر مقرر ہیں جو میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔

یہاں اس سیاحت کے لیے یوم جمعہ کی کوئی تخصیص نہیں، اگر اوقات فضیلت میں اعمال فضیلت کی ترغیب دلائی جائے، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ اعمال یا ان کی شان ان اوقات ہی میں منحصر ہو کر رہ گئی ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ان اوقات فضیلت میں عرض صلوٰۃ و سلام بھی بعض خصوصیات کا حامل ہو۔

پیش نظر رہے کہ ان روایات میں عرض صلوٰۃ و سلام کے لیے اگر جمعہ کی تخصیص نہیں تو ہر روز کی بھی تصریح نہیں۔ یہاں عرض صلوٰۃ و سلام کا محض اجمالی بیان ہے جن روایات سے درود پڑھتے ہی اس کا پیش ہونا مستباد ہوتا ہے، اسے بھی ہم ہر روز پیش ہونے کے لیے تصریح نہیں

۱۔ ثنائی، جلد ۱، ص ۱۴۲، دارمی ص ۳۷۳ علامہ عزیزی لکھتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ (السراج المنیر جلد ۱ ص ۵۱۴) اس کی سند میں زاذان راوی حدیث ہے۔ امام ابن معین انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن سعد ثقہ اور کثیر الحدیث قرار دیتے ہیں خطیب اور عملی نے بھی ثقہ کہا ہے۔ ابن عدی اور حاکم نے بھی اس کی توثیق کی ہے۔ (متہذیب جلد ۳ ص ۲۴) حافظ ابن العیثم لکھتے ہیں :-

وزاد ان عن الثقات راوی عن اکابر الصحابة كعمر وغيره وراوی له مسلم فی صحیحہ قال یحییٰ بن معین ثقہ وقال حمید بن ہلال وقد سئل عنه هو ثقہ لا تسأل عن مثل هؤلاء۔ (کتاب الرواح ص ۵۹)

کہہ سکتے ہو سکتا ہے وہ جمعہ کے دن ہی پیش ہونے کا بیان ہو۔ اس لیے کہ وہ روایات بھی تو فضیلت جمعہ کے ضمن ہی میں وارد ہوئی ہیں۔

بعض روایات میں عرصہ صلوٰۃ و سلام کے لیے یوم جمعہ کی تصریح بھی موجود ہے۔ لیکن ان کی سندیں ضرور محل کلام ہیں۔ سنن سعید بن منصور میں یہ سُرسل روایت منقول ہے:-
ان صلوٰۃ اتفق تعرض علی فی کل یوم جمعة۔^{۱۷۸}

ترجمہ:- بے شک میری امت کا درود و تحفہ پر ہر جمعہ کے دن پیش ہوتا ہے۔
ان روایات کی بدکشتی میں اگر پہلی سب روایات کے اجمال کو اٹھالیں۔ تو غایت ماننے
الباب یہ ہو گا کہ ہر جمعہ امت کے صلوٰۃ و سلام فرشتوں کے توسط سے رفتہ الطہر پر پیش ہوتے ہیں۔
اب اس کے مقابلہ میں ان روایات کو لیجئے جن میں یوم الجمعہ کی نہ تخصیص ہے نہ ذکر، بلکہ
عمومی طور پر صلوٰۃ و سلام پیش ہوتے رہنے کا بیان ہے۔ ابو داؤد میں ہے:-
ما من احد یسلم علی الاخر الا ارحمہ اللہ علی روحی فارحہ علیہ السلام۔^{۱۷۹}

۱۷۸ منشی الاخبار جلد ۲ ص ۲۱۱ مصر گد رواۃ ثقات (فتح الباری ۳ ص ۱۶۹) رواۃ ثقات (فتح الملہم جلد ۱ ص ۴۳)
اسنادہ ہکذا حدیثا محمد بن عوف اخبرنا المقرئ اخبرنا حنفیہ عن ابی صخر حمید بن زیاد عن یزید
بن عبد اللہ بن قسیط من او اخر کتاب للناسک و تقدیر الکلام ما من احد یسلم علی الاخر ارحمہ اللہ علیہ السلام
لا فی حی اقدر علیہ (کذا فی الشرح جلد ۲ ص ۱۷۹) قال المحدث السخاوی یؤخذہ من ہذہ الاحادیث انہ
صلی اللہ علیہ وسلم حی علی الدوام وذلک انہ محال عادیۃ ان یخلوا الوجود کلہا من واحد یسلم علیہ
فی لیل و نمل و نحن نو من و نصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حی ینزل فی قبرہ وان جسد الشریف لا
تاکلہ الارض و لا جماع علی ہذا۔ (القول البدیع ص ۳۵) ردا اللہ علیہ روحہ لا اجل سلام من یسلم
علیہ و استقرت فی جسدہ صلی اللہ علیہ وسلم لا انما تعاد ثم تترع ثم تعاد (القول البدیع ص ۳۶) قال
المحدث نور شاہ کشمیری الظاہر منہ اقول یوجد هناك قبرا من موطن الی موضع و انما هو نقل
من حالۃ الی حالۃ و تبدل ما و لعل المراد بحديث الانبیاء احياء فی قبورہم یصلون انہم ابقر علی ہذہ

ترجمہ۔ جب بھی کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف متوجہ فرما دیتے ہیں پس میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

اس میں صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہی اس کے پیش ہوتے رہنے کا بیان ہے۔ نہ مجھ کی کوئی تخصیص نہ اس کا کوئی پہلے ذکر ہے۔ غنیۃ الطالبین کی روایت سے کل یوم کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔ یہ مفہوم یقیناً ان روایات سے متعارف ہے جن میں عرض صلوٰۃ و سلام کے لیے یوم مجھ کی تخصیص تصریحاً یا تفسیراً تسلیم کر لی گئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ان دو متعارض مضامین میں کوئی ضرورت مطابقت ہے ایک طرف کی روایات میں ہر جمعہ کے دن عرض صلوٰۃ و سلام متبادر ہوتا ہے اور تو سب ملائکہ کا تذکرہ ملتا ہے اور دوسری طرف کی روایات ہر ہفتہ بلکہ ہر آن عرض صلوٰۃ و سلام کا پتہ دے رہی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ان روایات کو متقدم قرار دے کر کیا اضطراب فی الروایۃ کا دعویٰ کر دیا جائے گا یا اس تعارض کو اٹھانے کی کوشش کی جائے؟ کیا کسی محدث یا شارح حدیث نے محض اس بنا پر اس روایت کو مضطرب قرار دیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ من ادعیٰ فعلیہ ان یأقی بالتقل۔

لیجئے مزید بحث کی ضرورت نہیں۔ خود ارشادِ نبوت ہی اس اضطراب کو رفع کر دیتا ہے جنہ نے فرمایا۔
من صلی علی عند خبری سمعته ومن صلی علی فانیاً بلقعدہ۔

الحالۃ ولم تلب عنہ (تحیۃ الاسلام ص ۳۶) اس صورت میں معنی حدیث شریف یہ ہوں گے کہ جب کوئی سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح پر فخر کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ و تجلیات اللہ سے... ہوش فرما دیتا ہے جو نہ اتنی آپ پر سلام عرض کرے گا، اس کی طرف کا شعبہ لڑے گا، ارتداد حملہ شعب لازم نہیں اور ظاہر ہے اس شعبہ کا ارتداد باعث اطلاع سلام معلوم تو ہوگا، پر موجب زوال استغراق مطلق نہ ہوگا۔ (مکتوبات شیخ الاسلام مولانا مدنی علیہ الرحمۃ جلد ۱ ص ۲۴۵) والمغنی ان اللہ سبحانه یند روحہ الشریف عن استغراقہ المنیف لیرد علی سلمہ (شرح الشفا للملا علی القاری جلد ۲ ص ۱۴۲ مصر)

والتفصیل فی نسیم الریاض للختاجی جلد ۲ ص ۴۹۹

لہ رواہ ابو الشیخ بسند جید کا فی الفتح جلد ۱ ص ۱۳

ترجمہ جو میرے روضہ پر اگر مجھ پر درود پڑھے، اسے میں خود سنتا ہوں اور جو

دور سے پڑھے، وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے

بات صاف ہو گئی کہ درود پڑھنے اور پہنچنے کی دو صورتیں ہیں۔ مذکورہ بالا دونوں قسم کی روایات کو ان پر منطبق کر لو۔ روضہ منورہ کے پاس حاضر ہو کہ درود پڑھنا ہر وقت پہنچتا ہے اور دور سے پڑھنا جمعہ کے دن فرشتوں کے توسط سے پہنچایا جاتا ہے۔ جب اس تقسیم پر غور کیا تو امام احمد کی ایک روایت مامن احد یسلم علیہ کے مضمون کی اور وضاحت ہو گئی۔ حضورؐ نے فرمایا :-

ما من احد یسلم علی قبری الا سرہ اللہ علی روحی۔

یعنی رفع تعارض اور تطبیق میں القولین کے لیے ”عرض سلام بوقت تسلیم کا مطلب ہم نے بتایا تھا کہ یہ قرب روضہ کے لیے ہے۔ وہی مضمون ”علی قبری“ کی عبارت میں خود الفاظ نبوت ہو کر سامنے آگیا ہے۔

و کرم من عائب قولا صحیحا

وافته من الفہم السقیم

سیدنا ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں :-

درود و سلام پہنچانے کے فرشتوں کا تقرر اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو روضہ اطہر سے دور ہو۔

نیز ابن عمرؓ آمدہ من صلی علی عند قبری زدت علیہ ومن صلی علی فی مکان اخر بلغونیہؓ

باقی رہا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں فانکم لا تدرون لعل ذلك یعرض علیہ کے الفاظ، سو اس لفظ لعل میں درود پہنچنے کی کسی تیسری صورت کا ذکر نہیں۔ بلکہ اس کی قبولیت

اور عدم قبولیت کے احتمالات کا بیان ہے یعنی درود شریف اچھی طرح پوری تو تہہ ہی سے پڑھا جائے تبھی حضورؐ کی خدمت میں پہنچتا ہے

مبتدعین کا یہ کہنا کہ براہ راست سننے اور توسط ملائکہ پہنچنے کا فرق قُرب و بُعد کے لیے نہیں بلکہ محبت اور عدم محبت کے لیے ہے جو محبت سے درود پڑھے، وہ خود سنتے ہیں اور دوسرا فرشتوں کی وساطت سے پہنچایا جاتا ہے، یہ سب دوسو سے اور توہمات ہیں تحقیق میں ان کا کوئی مقام نہیں درود شریف تو پڑھا ہی محبت سے جاتا ہے خواہ روضے کے پاس حاضر ہو خواہ دور سے پڑھ رہا ہو وہ کون سا بد بخت ہوگا، جو محبت کے بغیر درود پڑھتا ہو۔ کامل ترین محبت کے بغیر تو ایمان ہی مکمل نہیں ہوتا۔ یاد رکھیے حضورؐ پر وہی درود پیش ہوتا ہے جو پوری توجہ اور محبت سے پڑھا جائے، روضہ پر ماضی ہو تو خود سماعت فرماتے ہیں، دور سے پڑھا جائے تو فرشتوں کے توسط سے پہنچتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ عرضِ صلوٰۃ و سلام کی روایات میں کوئی تعارض نہیں اگر پہلی روایات کی بعض مُرسل اور کمزور روایات کی روشنی میں یومِ جمعہ کے ساتھ تخصیص نہ کریں تو پھر تو تعارض کا سوال بالکل پیدا نہیں ہوتا قُرب و بُعد کا صلوٰۃ و سلام ہر روز بلکہ ہر ساعت پہنچتا ہے اور اگر ان روایات کے اجمال کی بعض کمزور اور مُرسل قسم کی روایات کے ساتھ تفصیل کر دی جائے اور تبلیغِ صلوٰۃ و سلام کو یومِ جمعہ سے خاص سمجھا جائے، تو پھر اس کی تطبیق دوسری روایات سے یوں ہوگی کہ قُرب کے صلوٰۃ و سلام کے لیے تو کسی وقت کی تخصیص نہیں اور دور کا مجموعی طور پر جمعہ کے دن پیش ہوتا ہے نوٹ: طبرانی کی ایک روایت میں لیس من عبد یصلی علیّ الا بلغفی صلوٰۃ کے الفاظ ہیں منافذ ابن قیم کی حلاۃ الافہام میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے لیکن تصحیفِ کاتب سے بلغفی صلوٰۃ کے بجائے بلغفی صلوٰۃ لکھا گیا ہے ناظرین طبرانی کے حوالے سے حلاۃ الافہام کے حوالے میں تصحیح فرمائیں طبرانی کی روایت میں سعید بن ابی ہلال اور حضرت ابو الدرداءؓ کے مابین انقطاع ہے۔

لہ ان التدرج فی قبولیۃ الصلوٰۃ فان عن حدہ لایکون الا بشرط القبول لعدم اختلاطہ بالروایۃ

المبحث الرابع

فی تصحیح المتقدمین

بحث ثانی میں ہم اس حدیث کی تصحیح سند سے فارغ ہو چکے ہیں۔ ہم نے وہاں ابتداء امام ندوی کی تصحیح سے کی۔ اس پر ہم سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ ہم اس کی صحت متقدمین سے کیوں۔ اصولاً یہ مطالبہ صحیح نہیں۔ قرون وسطیٰ کے ائمہ فن پر اعتماد نہ کرنا سلف سے ایک کھلا خروج ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے جلیل القدر استاد اور خود امام مجتہد ہیں۔ آپ سے پوچھا گیا اگر کوئی حضورؐ کے روئے پر سلام عرض کرے تو کیا آپ سنتے ہیں؟ اس وقت آپ کے پاس یہی روایت مستحضر تھی کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر متوجہ کر دیتے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:-

والامام احمد اعلم الناس فی زمانہ لما سئل عن ذلك لم یکن عنده بما یعمد علیہ فی ذلك من الحدیث الا حدیث ما من رجل یسلم علی الا
رد اللہ علی روحی حتی یرد السلام۔

ترجمہ۔ امام احمد نے اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے جب آپ سے یہ بات پوچھی گئی تو آپ کے پاس اس وقت سوائے اس حدیث کے اور کوئی روایت نہ تھی جس پر کہ اعتماد کیا جاسکے۔ وہ یہ کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ میری روح کو ادھر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دوں۔

حضرت امام احمد نے خود بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

پھر امام ابو داؤد (۲۷۵ھ) خود بھی تو متقدمین میں سے ہیں اور امام احمد کے شاگرد ہیں۔ آپ اپنی سنن میں جس حدیث پر سکوت فرمائیں وہ آپ کے نزدیک صالح للاحتجاج ہوتی ہے۔ اگر وہ آپ کے ہاں کسی جہت سے مجروح ہوتی تو آپ اس پر جرح کر دیتے۔ آپ نے حنوت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث پر سکوت فرمایا ہے اور یہ آپ کے نزدیک صالح للاحتجاج ہے۔

مالہ مذکور فیہ شیاء فهو صالح۔

امام ابو داؤد نے لکھا ہے :-

میں نے اس کتاب میں کوئی ایسی حدیث نہیں لی جس کے ترک پر سب کا اتفاق ہو۔

محدث کبیر مولانا ظفر احمد عثمانی لکھتے ہیں :-

ابو داؤد نے اسے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس پر ایک جماعت کی جماعت نے اعتقاد کا اظہار کیا ہے۔ امام سبکی کہتے ہیں یہ اعتماد بالکل صحیح ہے۔

مولانا عبد الجبار غزنوی

ابو داؤد اور بیہقی روایت کرتے ہیں ما بن احمد یسلم علی الارواح اللہ علی روحی فاروق علیہ السلام۔

سماحۃ الشیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز

سنن ابی داؤد میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر کوٹنا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس سلام کا چوبیس بار پڑھاؤں۔

۱۔ تدریب الراوی ص ۵۵ ۲۔ مرقات جلد ۱ ص ۱۲۳ ۳۔ علاء السنن جلد ۱ ص ۲۲۲

۴۔ اثبات الالبام والبیقہ ص ۱۲ ۵۔ الحج والعمرة والزیارہ ص ۱۵

المبحث الخامس

فی معنی رد الروح

فصل اول میں ہم اس بحث سے فارغ ہو چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جس طرح دنیا میں صلوة و سلام "روح انور اور جسد اطہر" کے مجموع پر آپ کی ذات مبارک پر پڑھا جاتا تھا وفات سید کائنات کے بعد بھی درود و سلام اسی جسد اطہر پر پیش ہوتا ہے جو بہ تعلق روح فائز الحیات ہے گزردہ حیات کلی طور پر اس دنیا کی سی نہ ہو۔ اس پر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے جو علمی شرح فرمائی ہے وہ بھی آپ کے سامنے اچھکی اور یہ بات بھی کھل کر سامنے آگئی کہ یہ سارا معاملہ اس صورت میں ہے کہ درود پڑھنے والا خود روحہ انور پر حاضر ہو۔ وہاں آپ ہر ایک کا درود و سلام خود سنتے ہیں۔

رئیس المحدثین حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

رواہ ابو داؤد فی رد روحہ حین یسلم علیہ لیس معناه انہ یرد روحہ ای انہ یحیی فی قبرہ بل توجه من ذلک الی هذا الجانب فهو حی فی کلتا الحالتین۔

ترجمہ۔ ابو داؤد کی روایت میں سلام کے وقت آپ کی روح لوٹنے کا جو ذکر ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ آپ کی روح اس طرح ٹٹائی جاتی ہے کہ آپ کو آپ کی قبر میں زندہ کیا جائے بلکہ اس سے مراد آپ کو اس طرف متوجہ کرنا ہے زندہ تو آپ دونوں حالتوں میں ہیں اب درود شریف پیش ہونے کے وقت بھی اور اس سے پہلے بھی۔

حضرت مولانا خلیل احمد محدث مہاراجپوریؒ لکھتے ہیں :-

فاذا بلغه سلام احد من الامة ردا لله روحه المطهرة من تلك الحالة
التي رد من سلم عليه.

ترجمہ جب آپ کو امت میں سے کسی کا سلام پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی
روح اطہر کو اس حالت سے ادھر لٹاتا ہے کہ آپ سلام کہنے والے
پر جواب کو ٹاسکیں۔

فهي دائما تعرض عليه بواسطة الملكة المعتدة روضته فيسمعها
بخصريته.

ترجمہ، درود شریف آپ پر فرشتوں کے واسطے سے پیش ہوتا رہتا ہے وائما
مگر آپ کے روضہ انور کے پاس۔ وہاں آپ اسے خود سنتے ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا السید حسین احمد مدنیؒ کا یہ حوالہ یاد رکھنے کے لائق ہے۔
اس شخصیت صلی اللہ علیہ وسلم کا زائر کے سلام کا جواب دینا یعنی اذ متفق علیہ ہے
اور غیر زائر کو جواب دینا علماء کے نزدیک مختلف فیہ ہے۔ بعض روایات کی
بتا پر علماء نے جمع کی یہ صورت بیان فرمائی ہے کہ سلام غائب کی صوف بذریعہ
ملائکہ تبلیغ ہوتی ہے اور سلام حاضر کی تبلیغ بھی ہوتی ہے اور سماع بھی
۔۔۔ لہذا قریب سے صلوٰۃ و سلام کو ترجیح اور فضیلت حاصل ہوتی ہے کیونکہ
نار کی آواز کا اس شخصیت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش مبارک تک پہنچنا بڑے
شرف اور مجد کی بات ہے۔

حضرت مولانا عبد الجبار غزنویؒ لکھتے ہیں :-

بے شک حقیقتہً ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ اس جہان میں حاضر اور زندہ

نہیں مگر حکمتاً ہیں رکیزنکہ یہاں سے وہاں ہمارا سلام سنتے ہیں، ابو داؤد
اور بیہقی روایت کرتے ہیں۔

ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی فارد علیہ السلام
جب کوئی شخص مجھ کو سلام کہتا ہے اس وقت اللہ جل شانہ میری روح
مجھ پر لٹاتا ہے اور میں اس کو جواب سلام دیتا ہوں۔

پس جب کہ ہمارا سلام آپ کو پہنچ جاتا ہے اور آپ ہم کو جواب دیتے ہیں تو یہ خطاب
غیر محل نہ ٹھہرا۔ دوسری روایت میں ہے۔

ان للہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغون من امتی السلام رواہ
النسائی وابن حبان فی صحیحہ والحاکم وصححہ

الفصل الخامس میں وہ حدیث بھی آرہی ہے جس میں قبر مبارک کے قریب دو درخت تھے
اور دور پڑھنے کا فرق بتلایا گیا ہے قریب سے پڑھا جانے والا اور دو پاک آپ خود سنتے ہیں
اور دُور سے پڑھا جانے والا آپ کی خدمت میں فرشتے پہنچاتے ہیں۔ اس کی دو سندوں میں
سے ایک کمزور اور دوسری عمدہ ہے اس کی پوری بحث آگے آئے گی۔ یہاں صرف یہ
بتلانا مقصود ہے کہ اس حدیث کا مضمون حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث سے بھی پوری وضاحت
سے ثابت ہے اور عجیب اتفاق یہ کہ وہ حدیث بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ یہ بھی
اس حدیث میں ہے قریب سے پڑھا گیا اور دو شرف آپ خود سنتے ہیں۔ اس حدیث
میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب بھی دیتے ہیں۔ اس میں ہر ایک کا صلوٰۃ و سلام سُننے
جانے کی صراحت نہیں۔ اس میں ہر ایک کے صلوٰۃ و سلام پر حضور کی روح مقدرہ کا متوجہ
ہونا مذکور ہے۔ اس حدیث میں دور سے پڑھنے والے کے درود و سلام کا واسطہ ملا کہ
پہنچنا مذکور ہے اور اس حدیث میں دور سے صلوٰۃ و سلام پڑھنے والے کا سرے سے کوئی

ذکر نہیں۔ ہاں اس حدیث کا یہ مضمون ایک اور حدیث میں اس مزاحمت سے موجود ہے
 جیسا کہ وہ حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث میں مذکور ہے۔ مولانا عبد الجبار غزنویؒ نے بھی اسے نقل
 کیا ہے اور صحیح ابن حبان کا حوالہ بھی دیا ہے۔

المبحث السادس — فی سیاحة الملائكة

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں: حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
 ان لله ملائكة سياحين في الارض يبلغون في امتي السلام به
 ترجمہ: سب سے شک خدا تعالیٰ کے فرشتے زمین میں سیاحت پر مقرر ہیں وہ میری
 امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

یہ فرشتے پورے صفوہ زمین پر سیاحت کرتے ہیں اور جہاں کسی امتی نے حضور پر درود
 پڑھا وہ زمین پر سیاحت کرتے روضہ انور پر عاضری دیتے ہیں اور مسلمانوں کا پڑھا درود آنحضرت
 کے حضور پیش کرتے ہیں۔

یہ سارا کام زمین پر ہوتا ہے۔ درود پڑھنے والے اور جس ذات اقدس پر درود پڑھا جا
 رہا ہے سب اسی زمین پر ہیں۔ بتجی تو وہ فرشتے زمین کے سیاح ہیں۔ اگر آپ کی حقیقی قبر زمین
 پسندینہ منورہ میں نہ ہوتی اعلیٰ علیتین میں ہوتی تو وہ فرشتے سیاحین فی الارض نہ ہوتے بلکہ سیاحین
 بین الارض والسماء ہوتے۔

یہ حدیث دوسرے مسلوۃ و سلام پڑھنے والوں کے بارے میں ہے ان کا سلام فرشتے
 پہنچاتے ہیں تقریباً سلام پڑھنے والوں کے بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث ہے کہ جب
 کوئی مسلمان مجھ پر (میری قبر کے پاس) درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو اس پر متوجہ
 کر دیتا ہے جس سے میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

ان دونوں حدیثوں کو جمع کریں تو یہ بات نکم کر سامنے آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریب سے پڑھے گئے درود و سلام کو خود سنتے ہیں اور دُور سے پڑھا آپ کو فرشتوں کے توسط سے پہنچایا جاتا ہے۔ ہمارے پاس اگر ابوالشیخ کی حضرت ابوہریرہؓ والی حدیث نہ بھی ہوتی اور نہ ہی حضرت ابن عمرؓ والی حدیث جسے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنے کتاب جناب القلوب میں نقل فرمایا ہے تو بھی ہمارا یہ سلسلہ ان دو احادیث سے عبارتہ افضل سے ثابت ہے۔ اور یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔

حضرت مدنیؒ نے اسے یقینی اور متفق علیہ مسئلہ قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اہل حق میں سے کسی کا اختلاف نہیں۔ شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کے صاحبزادے شیخ عبد اللہ نے اپنے عقائد پر جو رسالہ لکھا ہے (جسے مولانا محمد اسماعیل غزنویؒ نے اردو میں ترجمہ کیا ہے) اس کے ص ۵۵ پر علمائے نجد کا عقیدہ اس باب میں اس طرح لکھا ہے۔
 اور حضورؐ کی زندگی قبر میں بزخمی زندگی ہے جو شہداء کی زندگی سے بہت اعلیٰ ہے۔ قرآن شریف کی آیات اس پر تفصیل ہیں۔ کیونکہ حضورؐ شہداء سے بلا شک و ریب افضل ہیں ہمارا عقیدہ ہے کہ جب کوئی مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کہے تو آپ اس کا سلام سنتے ہیں۔

پھر آگے ص ۵۷ پر آل شیخ علامہ نجد شیخ محمد بن عبد اللطیف کا عقیدہ بھی بایں طور مرقوم ہے۔

اور آپؐ کی قبر پر جو آپ کو سلام کہتا ہے آپ سنتے ہیں۔
 مسئلہ مذکورہ میں اگر کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش ہوتی تو علمائے نجد کبھی اس طرح کھل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع عند القبر کے قائل نہ ہوتے۔ سو بات اسی طرح ہے جیسا کہ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت مدنیؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ انبیاء کرام کے سماع عند القبر میں کسی عالم کا کوئی اختلاف نہیں۔ اہل حق کے ہاں یہ ایک یقینی اور متفق علیہ مسئلہ ہے۔

الفصل الثالث

وفيه ستة من المباحث

حدثنا هدا بن خالد وشيبان بن فروخ قال أخبرنا حماد بن سلمة عن ثابت البناني وسليمان التيمي عن انس بن مالك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اتيت وفي رواية هدا بن مردت على موسى ليلة اسرى بي عند الكثيف الاحمر وهو قائم يصلي في قبره له ترجمه حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا معراج کی رات میں سرخ ٹیلے کے قریب مرے علیہ السلام کے پاس سے گزرا، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔

اس حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر شریف میں زندہ ہونا اور نمازیں پڑھنا بصرحت مذکور ہے۔ قرآن عزیز فرماتا ہے:-

ولقد اتينا موسى الكتب فلا تكن في مريه من لقائه.

(پا ۱ سجده، آیت ۲۲)

ترجمہ۔ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی پس ان کی ملاقات میں کسی قسم کا شک نہ کریں۔

یعنی آپ جو شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام کو ملے تھے، وہ امر واقع اور سچی حقیقت تھی، یہ کوئی خواب یا کسی مثالی وجود اور روح کی ملاقات نہ تھی اور نہ ہی کوئی دھوکہ یا نظر بندی

تھی آپ یقیناً اسی شخصیت کو ملے تھے جسے ہم نے تورات دی تھی: ظاہر ہے کہ یہ تورات دینا کسی مثالی وجود کو نہ تھا اور نہ ہی وہاں روح متمثل ہو رہی تھی۔ بلکہ تورات لینے والے خود موسیٰ علیہ السلام تھے جن کا جسم غصہ کی تھا۔ انہی کو آنحضرتؐ نے شبِ معراج میں دیکھا تھا۔ قرآن کہتا ہے کہ آپ اس موسیٰ کی ملاقات میں ہرگز شک نہ کریں۔ اور اگر آئندہ یہ ملاقات کی خبر ہے تو بھی اس میں شک نہ کریں، ملاقات ہو کر رہے گی۔ اس کی مفصل بحث ہم پہلے کر آئے ہیں۔

المبحث الاول

یہ سوال پیدا کیا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر مقدس میں زندہ موجود تھے، تو پھر بیت المقدس میں ان کا حاضر ہونا اور باقی انبیاء کے ساتھ حضورؐ کی اقتدار میں نماز پڑھنا، اور پھر آسمانوں پر حضورؐ کو ملنا اور پھر آپ کی واپسی پر نمازوں کی تخفیف کے لیے آپ سے مذاکرہ کرنا، آخر ان تمام ملاقاتوں کا محل کیا ہوگا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ قبر میں بھی زندہ موجود ہوں۔ بیت المقدس میں بھی حاضر ہوں اور طارِ اعلیٰ میں بھی تشریف فرما ہوں۔ یہاں بھی ہوں اور وہاں بھی۔ کیا وہ ہر جگہ موجود ہیں؟

افسوس ہے کہ یہاں وہ امور زیر بحث لانے جا رہے ہیں، جن کی مدارسِ عربیہ کے متوسط طالب علموں سے بھی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ بھی جانتے ہیں کہ تعارض کے لیے وحدتِ زمان شرط ہے جو یہاں مفقود ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں:

وصلوتمہ فی اوقات مختلفۃ و فی اماکن مختلفۃ لا یریدہ العقل

وقد ثبت بہ النقل فذلک علی حیاتہم

ترجمہ۔ اور انبیاء کرام کا مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر نمازیں پڑھنا یہ ایک

ایسی حقیقت ہے کہ عقل سلیم اس سے متصادم نہیں۔ اور نقلِ صحیح اسے ثابت کر

رہی ہے۔ پس یہ ان کے زندہ ہونے پر کافی شہادت ہے۔

یعنی قبر میں نماز پڑھنا، پھر بیت المقدس میں نماز پڑھنا، اور پھر ملاء اعلیٰ میں ملنا، ان سب کے اوقات مختلف ہیں پس تعارض لازم نہیں آتا۔ فتوہ گروایا اولی الابصار۔

حدیث کبیر امام بیہقیؒ (۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:-

فی قصة المعراج انه لقيهم في جماعة الانبياء في السموات وكلمهم
وكلموه وكل ذلك صحيح لا يخالف بعضه بعض فتدري موسى
عليه السلام قائما يصلي في قبره ثم يسري بعوسى وغيره الى بيت
المقدس كما اسرته نبينا صلى الله عليه وسلم فيراهم فيه ثم يعرج
بهم الى السموات كما عرج نبينا صلى الله عليه وسلم فيراهم فيه كما اخبره
وصلواتهم في اوقات بمواضع مختلفة جائز في العقل كما ورد بها خبر
الصادق وفي كل ذلك دلالة على حياته

ترجمہ۔ واقعہ معراج میں ہے کہ حضور اکرمؐ انبیائے کرام کی ایک پوری جماعت کو
آسمانوں میں ملے تھے۔ ان سے کلام فرمایا اور انہوں نے آپؐ سے باتیں کیں۔
یہ سب معنائیں صحیح ہیں اور ایک دوسرے سے متعارض نہیں۔ ایک وقت ہے
کہ آپؐ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھ رہے
ہیں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی بیت المقدس تک سفر اسراء کرایا گیا۔ جیسا کہ
حضور اکرمؐ کو سفر اسراء پیش آیا پس آپؐ نے وہاں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام
کو دیکھا۔ پھر سب پیغمبروں کو بھی آسمانوں تک (اپنے اپنے مقام میں) معراج
کرایا جیسا کہ حضور اکرمؐ کو معراج ہوا۔ پس آپؐ نے وہاں بھی انبیائے کرام کو دیکھا
پس انبیائے کرام کا مختلف اوقات میں مختلف جگہوں پر نماز پڑھنا اس عقلاً

کئی اعتراض نہیں ہو سکتا اور لفظ اس پر قول صادق موجود ہے۔ ان تمام واقعات سے انبیائے کرام کی حیات پر دلالت ہو رہی ہے۔

المبحث الثانی

بعض اوقات کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ حیات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت تھی اور اسے واقعہ حال لاعوم لہا کہہ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ جو ابا عرض ہے کہ محدثین نے اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں کیا۔ بلکہ اس کے برعکس اسے حیات انبیاء کے کلیہ کے تحت ذکر کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۵۴۵۲ھ) اور علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ) نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔

فان قتل هذا خاص بموسى قلنا قد وجدنا له شاهدا من حديث
ابي هريرة اخبرنا مسلم ايضا من طريق عبد الله بن الفضل عن ابي سلمة
عن ابي هريرة رفعه لقد رايتني في الحبر وقوم تسألني عن
مسراى..... الحديث.

ترجمہ پس اگر یہ کہا جائے کہ یہ حیات موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ہے تو ہم کہیں گے کہ ہمیں صحیح مسلم کی روایت سے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث اس کے شاہد کے طور پر مل گئی ہے جس میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، میں مقام حبر میں تھا اور قریش مجھ سے میرے سفر اسرار کے متعلق سوال کر رہے تھے۔ پھر اسی حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے آپ کو انبیاء کی پوری جماعت میں دیکھا۔ موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام سب حضرات وہاں جمع تھے۔

محدثین کرام میں سے یہ کسی کا موقف نہیں کہ یہ حیات صرف حضرت موسیٰ کے ساتھ

خاص تھی۔ یہ ہمارے نادان دوستوں کی سیمینہ زوری ہے۔ من ادعیٰ فعلیہ البیان۔

آنحضرتؐ نے ایک دفعہ بالکل عالم بیداری میں سجاوٹ سفر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کو مادی اذوق اور شقیۃ بشریٰ میں لٹیک پڑتے ہوئے خاص بہیت و لباس میں دیکھا۔ آپؐ نے ایک دفعہ یہ بھی فرمایا کہ میں نے مادی عسافان میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، وہ سُرخ اذتوں پر سوار تھے جن کی مہاریں کھجور کی تھال کی تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے حضرت ہود علیہ السلام، اور حضرت صالح علیہ السلام کو بھی دیکھا ہے۔ یہ واقعات لیلۃ المعراج کے نہیں، بلکہ دوسرے مواقع سے متعلق ہیں۔ پس ایسے انکشافات نہ تو لیلۃ الاسرار سے خاص ہیں اور نہ ہی یہ حیات صرف مری علیہ السلام کی شخصیت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وعلہ اتم واحکوم فی کل باب۔

المبحث الثالث

بعض اوقات یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ قبر کی حیات عنصری اگر تعلیم بھی کر لی جائے تو تمام انبیاء کا اس رات بیت المقدس میں اجساد عنصریہ سے حاضر ہونا اور پھر ملاء اعلیٰ میں اجساد عنصریہ سے پہنچنا ہرگز قرین قیاس نہیں۔ جو ابا عرض ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسی جسد عنصری کے ساتھ وہ سر آسمان سے بیت المقدس میں آنا اگر قرین قیاس ہے دوسرے انبیاء کرام کا اپنی اپنی قبور سے وہاں پہنچنا کیوں قرین قیاس نہیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسی جسد عنصری سے ملاء اعلیٰ میں پہنچنا اگر محال نہیں، تو باقی انبیاء کرام کے اجساد مظہرہ کے ساتھ وہاں پہنچنے میں کون سا استبعاد ہے؟ اگر مدار عقل پر ہے تو وجہ استبعاد بتائی جائے اور اگر نقل پر ہے تو پھر اسے استبعاد عقلی کے

۱۔ مسلم جلد ۱ ص ۳۸، بخاری کتاب الناسک جلد ۱ ص ۳۸

۲۔ رواہ ابو یعلیٰ والطبرانی قال الحافظ ابن کثیر فیہ غرابۃ۔ (البداية والنهاية جلد ۱ ص ۱۱۹)

۳۔ أخرجه احمد قال ابن کثیر ہذا السناد حسن (البداية جلد ۱ ص ۱۳۸)

طرح پر پیش نہ کیا جائے۔ آخر نقل تو یہاں بھی موجود ہیں۔

اگر کہا جائے کہ اس رات انبیائے کرام کا اصل اجسادِ عنصریہ کے ساتھ حاضر ہونا اسے لازم ہے کہ ان کی قبریں کھلیں اور ایسا ہونا اذا القبور بعثت کے خلاف ہے یعنی قیامت کو قبریں اکھاڑ دی جائیں گی۔ اس سے پہلے ایسا کبھی وقوع میں نہیں آ سکتا۔ جو اباعرض ہے کہ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معراج کی رات بیت المقدس میں آنا کتاب و سنت کی ان نصوص کے کیوں خلاف نہیں، جن میں ان کا آنا قیامت کے قریب مذکور ہے۔ اگر یہ کہو کہ کتاب و سنت میں ان کی جس آمد کی خبر دی گئی ہے، وہ آمد اصلاح احوال اس زمین پر زندگی گزارنے کے لیے ہوگی اور یہ آمد قطعاً اس رات واقع نہیں ہوئی۔ ہم کہیں گے اذا القبور بعثت وغیرہ آیات میں قبروں کی جس اکھاڑ کی خبر دی گئی ہے، وہ وہ ہے، جو حساب و کتاب اور حشر کے لیے ہوگی اور ظاہر ہے کہ لیلۃ المعراج میں انبیائے کرام کا اپنی اپنی قبور سے نکل کر بیت المقدس پہنچنا ان مقاصد کے لیے نہ تھا۔ علاوہ ازیں اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس رات وہ قبور منورہ نہیں کھلی تھیں، رات کا وقت تھا۔ کون وہاں دیکھ رہا تھا۔ جو بیان کرے کہ وہ ہرگز نہ کھلی تھیں، نیز یہاں کوئی حصر نہیں، خوب سمجھ لیا جائے۔

اگر کہا جائے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبور سے اصل اجسامِ عنصریہ کے ساتھ تشریف لے گئے تھے تو کیا اتنا عرصہ وہ اپنی اپنی قبور سے علیحدہ رہے تھے۔ جو اباعرض ہے کہ اگر رات کے نہایت مختصر لمحوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہی سے ہو کر واپس آ سکتے ہیں اور اس کا پتہ کسی کو نہیں چلتا۔ بستر بھی گرم رہتا ہے، تو باقی انبیائے کرام کے اپنی اپنی قبور سے ایک نہایت مختصر لمحے کے لیے چلے جانے میں اور اس طرح چلے جانے میں کسی کو اس کا پتہ نہ چلے۔ ان میں کون سا استحالة لازم آتا ہے اور کون سا شرعی اصول پامال ہوتا ہے۔ انبیائے کرام اس رات اگر اپنے اجسامِ عنصریہ کے ساتھ حاضر تھے تو یہ ضروری نہیں کہ اس حاضری کے مستحق کے لیے جو اسباب کار فرما ہوں وہ بھی سب مادی ہوں، جہات مختلفہ یہاں ناممکن نہیں۔ ان

نفسِ قدسیہ کی مذکورہ ماضی کے لیے جو اسباب عمل میں آتے وہ روحانی تھے پس روحانی طریق سے قبروں کا کھلنا اور پھر بند ہونا یہ کوئی ایسی بات نہیں، جو امرِ محال ہو اور ایسے موقعوں پر بسا اوقات زمان و مکان کی وسعتیں لپیٹ دی جاتی ہیں اور وہاں تراجم تضاد کا وسوسہ بھی باقی نہیں رہتا۔

بایں ہمہ اگر یہ سب انکشافات حقیقت نہ ہوں، وادیِ ازرق، ثقیۃ ہرثیٰ اور وادیِ عسفان کی یہ ملاقاتیں یا لیلۃ المعراج میں انبیائے کرام کا بیت المقدس میں اجتماع اور ملازمتِ اعلیٰ کے مذاکرات، یہ سب امور ابدانِ مثالیں سے متعلق ہوں اور یہ سب مشاہدات عالمِ مثال کے قرار دیئے جائیں، تو بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر شریف میں نماز پڑھنا یہ بھی ایک عالمِ مثال ہی کا واقعہ تھا۔ امور مذکورہ بالا اگر ان تاویلات پر بھی محمول کر دیا جائے، جو ان کے تذکرہ میں بطور احتمال ذکر کی گئی ہیں۔ تو بھی یہ مقصود کلامِ قضا متاثر نہیں ہوتا کہ انبیائے کرام کو اپنی قبر میں جو حیات حاصل ہے، وہ عنصری اور جسمانی ہے نیز یہ کہ وہ تلافیٰ معروفِ عبادت ہیں۔

ہاں اگر کہا جائے کہ مذکورہ انکشافات میں اور معراج کی ملاقاتوں میں نہ ابدانِ مثال تھے اور نہ اجسامِ عنصریہ۔ بلکہ ان انبیائے کرام کی ارواحِ قدسیہ ہی متمثل ہو رہی تھیں۔ تو پھر یہ وہم ہو سکتا ہے کہ پھر ان کے اجسامِ عنصریہ قبورِ شریفیہ میں زندہ نہ ہوں گے۔ اس صورت میں ہم عرض کریں گے کہ اگر ارواحِ مقدمہ رفیقِ اعلیٰ یا حظیرۃ قدسیہ کو اپنا مستقر بنا کہ وہاں سے اجسامِ قبریہ پر اپنی تاثیر دکھا سکتی ہیں اور انہیں فائزِ اسحیات کر سکتی ہیں کہ وہ اجسامِ عنصریہ بھی اپنی قبر میں زندہ ہوں تو جہاں وہ ارواحِ متمثل بصورتِ جسمانیہ ہو رہی ہوں۔ وہاں سے اجسامِ قبریہ پر کیوں یہ اثر نہیں ڈال سکتیں اور وہاں بالتحال روح کے نتیجے میں حیات کا تحقق کیوں نہیں ہو سکتا۔

لے قال الشیخ الاکبر فی النصوص الروح بتشکل باشکال مختلفة . (العرف الشذی ص ۱۸)

لے کما ذهب الیہ ابن القیم وراجع لہ کتاب الروح ص ۵۷ و زاد المعاد جلد ۲ ص ۴۹

نوٹ:

اس بحث میں ہمارا مقصد ان انکشافات کی تحقیق، اس کے ضمن میں مختلف احتمالات کی تطبیق یا کسی ایک توجہ کا اثبات یا ابطال نہیں، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قبر شریف میں زندہ ہونے کے بیان میں جو مغالطات عوام کے سامنے آتے ہیں۔ ان کے الزامی جوابات اور ایراد استبعاد میں دلائل امکانات ہیں۔ نہ ہر حدیث ممکنہ کے وقوع کا دعویٰ ہے اور نہ اس کی ضرورت کہنا یہ ہے کہ اصل مذہب کا کسی بھی حدیث واقعہ سے متاثر نہیں ہوتا۔

المبحث الرابع

یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قبر شریف میں نماز پڑھنے کی روایت اگرچہ صحیح مسلم میں موجود ہے لیکن قرآن پاک کے خلاف ہونے کی وجہ سے لائق اعتماد نہیں قرآن پاک میں ہے۔

واعبد ربك حتى ياتيك اليقين. (پاک: الحجرات ۹۹)

ترجمہ: اور بندگی کئے جا اپنے رب کی، یہاں تک کہ تجھے وفات آجائے۔

پس جب عبادت موت تک کئے لیے ہی ہے تو قبر میں عبادت کرنے اور نمازیں پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ ہرگز دارالعمل نہیں۔ پس یہ حدیث، جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر منورہ میں نماز پڑھنا مذکور ہے، قرآن کے خلاف ہے۔ (معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ)

جواباً عرض ہے کہ دارالعمل کے بعد ”وجوب عمل“ کا انتطاع ہے ”نفس عمل کا نہیں۔ قرآن عزیز نے جس عبادت کا حکم دیا ہے۔ اس کی ”انتہائے مدت“ موت ہے۔ اس کے بعد عبادت کا حکم ہے اور نہ کسی پر یہ اُس عالم میں واجب ہے۔ انبیائے کرام جو عالم برزخ میں (اپنی اپنی

ملہ یہ رفقاء ملتان کے ایک درس کی ہے، جو ہمارے محترم دوست ڈاکٹر فیروز الدین صاحب (اندرون بدیشر گیٹ) نے ہمیں سنائی تھی۔

قبر میں، نمازیں پڑھتے ہیں، وہ تِلْذِذًا پڑھتے ہیں، درجہ بالا نہیں۔

قال القرطبي حُبَّتْ إِلَيْهِمُ الْعِبَادَةُ فَلَمْ يَتَعَبَّدُوا بِمَا يَجِدُونَهُ مِنْ

دَوَاعِي انْفُسِهِمْ لِأَسْمَائِلِزْمُونِ بِهِ ^{لَهُ}

خاتم المحدثین حضرت مولانا السید نور شاہ کشمیری فرماتے ہیں:-

ان كثيرا من الاعمال قد ثبت في القبر كالاذان والاقامة عند الدار

وقراءة القرآن عند الترمذي ^{لَهُ}

ترجمہ بہت سے اعمال قبر و شریفہ میں بھی ثابت ہوتے ہیں۔ سنن دارمی کی روایت

سے قبر میں اذان و اقامت اور ترمذی شریف کی روایت سے قبر میں تلاوت

قرآن کا ثبوت ملتا ہے۔

پس جس طرح صلوات خمسہ (تم اپنی پانچ نمازیں پڑھ لیا کرو) میں تہجد کی نفی نہیں، اسی طرح درود موت کے بعد قبر کی زندگی میں نمازیں پڑھنا، تلاوت کرنا و احبدریک حتی یاتیک الیقین کے خلاف نہیں۔ مقربین ایندی کو عبادت میں اس قدر لذت ملتی ہے کہ درجہ ہونہ ہو، وہ عبادت کو اپنی طبیعت بنا چکے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن عزیز جنت میں بھی دوا و ذکر کی خبر دیتا ہے:-

دعواہم فیہا سبحانک اللہم و تحیتہم فیہا سلام، و آخر دعواہم ان

الحمد للہ رب العلمین۔ (پ: یونس)

ترجمہ، ان کی دعا اس جگہ یہ ہے کہ اے اللہ اتیری ذات پاک ہے اور ان تحفہ ایک

دوسرے کو سلام کا ہوگا اور خاتمہ ان کی دعا کا اس پر ہے کہ سب تعریفیں سب

جہانوں کے پروردگار کے لیے ہی ہیں۔

پس جب دعا جو منع العبادۃ ہے یعنی ساری عبادت کا منفر ہے، وہ مرنے کے بعد

شاہت ہے، تو پھر یہ کہنا کہ قرآن عزیز اس دارالعمل کے بعد کسی قسم کی عبادت یا ذکر و حمد کی خبر نہیں دیتا۔
قرآن پاک پر اور خود اسلام کے نظریہ مابعدالمت پر کس قدر ظلم ہے۔

غریب کٹر مکرش عقل دیدنی دارد کہ میر قافلہ و فوق راہزنی دارد
قال اللہ تعالیٰ :-

وقال الحمد لله الذی صدقنا وعده واورثنا الارض

..... وقیل الحمد لله رب العلمین۔ (پ ۲، زمر)

ترجمہ۔ اور جنتی کہیں گے الحمد للہ جس نے اپنا وعدہ سچا کیا اور وارث کیا۔ ہمیں
اس زمین کا۔۔۔۔ اور ہر طرف سے الحمد للہ رب العلمین کی آوازیں آئیں گی۔

ولله الحمد فی الآخرة وهو الحکیم الخبیر۔ (پ ۲، اسبا)

ترجمہ۔ اور آخرت میں بھی اسی کی ہی حمد ہوگی اور وہی ہے حکیم و خبیر

وقال الحمد لله الذی هدانا لهذا۔ (پ ۱، اعراف)

ترجمہ۔ اور جنتی کہیں گے الحمد للہ، سب تعریفیں اسی ذات کے لیے ہیں جس نے
ہمیں یہاں تک پہنچا دیا۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں، حضورؐ نے ارشاد فرمایا :-

یلهمون التسبیح والتحمید۔

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد ان کے دلوں میں ڈال دی جائے گی۔

پھر حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

یسبحون الله بكرة وعشیا۔ متفق علیہ۔

ترجمہ۔ وہ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہیں گے۔

فَسُبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ مِنْ تَسْبِيحٍ وَتَحْمِيدٍ اَوْ اسْتَغْفَارٍ كَمَا عَمَّ مَقَامُ اس عَالَمِ

دجوباً اس پر عمل ہوتا رہا۔ بعد ازاں تِلْذٰلِیْہِ تَسْبِیْح و تحمید اور دعاء و استغفار کا سلسلہ جاری ہے تسبیح و تحمید کا بیان ہو چکا۔ اب استغفار بھی لیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من سیئ استغفرت اللہ لکم۔ رواہ البزار
باسناد جید۔

و کذا عند البزار بسند جید عن ابن مسعود۔

بزار بہ جمال صحیح از عبد اللہ بن مسعود می آرد۔

ترجمہ: میری یہ زندگی بھی تمہارے لیے خیر ہے اور بعد اوقات بھی میری حالت تمہارے لیے خیر ہے۔ تمہارے اعمالِ نیک پر پیش ہوتے رہیں گے۔ پس جو اچھے ہوں گے، تو یہ میرے لیے سامانِ تحمید ہو گا اور جو اعمالِ اچھے نہ ہوں گے، اس پر میں دوائے استغفار کرتا رہوں گا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:-

مجموع روایات سے علاوہ فضیلتِ حیات و اکرامِ ملائکہ کے بزخ میں آپ کے (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ مشاغل ثابت ہیں:- ۱۔ اعمالِ امت کا ملاحظہ فرمانا۔ ۲۔ نماز پڑھنا۔ ۳۔ غذا مناسب اس عالم کے نوش فرمانا۔ ۴۔ سلام کا سنتنا، نزدیک سے خود اور دور سے بذریعہ ملائکہ۔ ۵۔ سلام کا جواب دینا یہ تردائم ثابت ہیں، اور احیاناً بعض خواص امت سے لفظ میں آپ کا کلام اور ہدایت فرمانا بھی آثار و اخبار میں مذکور ہے اور حالتِ رُخس اور کشف میں تو ایسے واقعات، حصر و احصار سے متجاوز ہیں اور ان مشاغل کے ایک وقت میں اجتماع سے تراحم کا دوسرہ نہ کیا جائے، کیونکہ بزخ میں روح کو پھر خود متاثر و مجاہد کر بہت

وسعت ہوتی ہے مگر اس وسعت سے امور غیر ثابتہ بالدلیل الصحیح یعنی منفیہ یا
مسکوت عنہا کو ثابت یا ثابتہ احیاناً کو ثابت بالدوام ماننا جائز نہ ہوگا، خوب
سمجھ لیا جائے۔

خلاصہ بحث یہی ہے کہ یہ حدیث صلوٰۃ سورے فی القبر بالکل صحیح ہے اور ہرگز قرآن
پاک کے خلاف نہیں۔ اسی طرح لیلۃ الاسراء میں انبیائے کرام کا نمازیں پڑھنا اور پھر آنا حضرت کا
ان کی امامت کرنا یہ بھی احادیث صحیحہ سے روز روشن کی طرح ثابت ہے۔
واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

المبحث الخامس

یہ اعتراض بھی سننے میں آیا ہے کہ حضرت سورے علیہ السلام کے قبر میں نماز پڑھنے کی حدیث
حضرت انسؓ نے آنحضرتؐ سے براہ راست نہیں سنی۔ اس لیے کہ بعض سندوں میں عن انسؓ عن
بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال..... الحدیث کے الفاظ ملتے ہیں پس جب تک اس
صحابی کے نام کا پتہ نہ ملے، جس سے حضرت انسؓ نے یہ حدیث سنی تھی، اس وقت تک اسے حجت
نہیں سمجھا جاسکتا۔

جواباً عرض ہے کہ صحیح مسلم کی روایت میں حضرت انسؓ براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے اس حدیث کو نقل کر رہے ہیں پس جو سند اس عالی سند سے نکلائے گی، ناقابل اعتماد ہوگی۔
ثانیاً امام نسائی جنہوں نے دونوں طریق اسناد پیش کئے ہیں، خود اسی روایت کو ترجیح دے رہے
ہیں جس میں حضرت انسؓ براہ راست حضور اکرمؐ سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔

قال ابو عبد الرحمن النسائی هذا أولى بالصواب عندنا۔

مثلاً اگر ان دونوں حقیقتوں کو نظر انداز کر دیں، تو غایت مافی الباب لازم آتا ہے کہ یہ حدیث

مرسلات صحابہ میں شمار ہوا اور ظاہر ہے کہ مرسلات صحابہ بالاتفاق مرسلات کے حکم میں ہیں اور ان لوگوں کے نزدیک بھی معتبر ہیں، جو مرسل کے قبول کرنے میں کلام کرتے ہیں۔ الفیہ عراقی میں ہے:-

اما الذی ارسله الصحابی فحکمه الوصل علی الصواب

الفیہ سیرطی میں ہے:-

ومرسل الصحاب وصل فی المصح

تحریر میں ہے:-

فلا یضرب اذا لیرسل الا عن صحابی

شیخ الاسلام فرماتے ہیں:-

اما مراسیل الصحابة فحکمها حکم الموصول علی المشعور الذی ذہب

الیہ الجمهور

خلاصہ سب دلائل کا یہی ہے کہ:-

صحابہ کرامؓ کی مرسلات (یعنی وہ روایات جو روایت کرنے والے صحابیؓ نے خود حضورؐ سے نہ سنی ہوں۔ بلکہ کسی اور صحابیؓ سے سنا ہو کہ حضورؐ نے ایسا ایسا فرمایا تھا اور اب وہ اس دوسرے صحابی کی نشاندہی ضروری نہ سمجھتے ہوئے ان احادیث کو براہ راست حضورؐ سے ہی روایت کر رہے ہوں، تو) ان کا حکم یہی ہے کہ انہیں متصل روایات قرار دیا جائے اور یہی جمہور محدثین کا فیصلہ ہے۔

المبحث السادس

وادعی اندر ق، اور لیثہ الامراء کے مشاہدات اگر حقیقت نہ ہوں مثالی ہی ہوں، تو

بھی مقصد کلام متاثر نہیں ہوتا۔

مذکورہ سابقہ انکشافات برزخیہ میں یہ اختلاف درپیش ہے کہ اجماع ہرئہ واقعی

حضرات انبیاء علیہم السلام ہی تھے یا یہ فقط ان کے مثالی اجسام تھے؟ اس میں کئی موقف اختیار کئے جاتے ہیں۔

صنوبر نے جب فرمادیا کہ میں نے انہیں دیکھا ہے، تو واقعی آپ نے انہیں دیکھا ہے، اس کا ادراک و شعور اگر ہمیں نہ بھی ہو سکے، تو بھی یقیناً کامل ہے کہ آپ نے جنہیں دیکھنے کا دعویٰ فرمایا، آپ نے واقعی انہیں دیکھا تھا اور وہ واقعہ وہی حضرات تھے، جن کا آپ نے ذکر فرمایا۔ اس عالم برزخ میں انبیائے کرام جسمانی طور پر زندہ ہیں اور جس کے لیے بھی کبھی یہ پردے اٹھاتے گئے، اس نے ان نفوس قدسیہ کو اس دنیا کی جسمانیات قبر یا کعبہ وغیرہما سے متعلق ہی پایا۔

یہ موقف کہ ان انکشافات میں اشخاص مرتبہ صرف مثالی وجود تھے یا ان کی ارواح قلوب بالبدن المدفون کے باوجود، یہاں متمثل ہو رہی تھیں، یقیناً صرف عن الظاہر ہے اور یہ طے شدہ تحقیق ہے کہ ہر شے اپنی اصل پر قائم ہے، جب تک کہ اس کا حقیقت پر محمول ہونا شرعاً یا عقلاً متعسر نہ ہوں۔ صرف عن الظاہر کے لیے اصل شرعی مطلوب ہے اور وہ بھی کم از کم اسی پایہ کی ہونی چاہیے جس پائے کا آپ کا یہ دعویٰ شریف ہے کہ میں نے ان ان انبیاء کو فلاں فلاں موقع پر دیکھا تھا۔ اگر اس درجہ کی اصل اس مقام پر موجود نہیں تو ظاہر ہے کہ اصل دعویٰ کو اپنے اصل ہی پر رہنے دیا جائے۔

اس موقف کے قائلین پر ایک الزام

جو اہل علم حضرات ان انکشافات کے حقیقت پر محمول ہونے کا مسلک رکھتے ہیں ان کی تردید میں یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ سلف صالحین میں سے یہ کسی کا مسلک نہ تھا۔ ان اجسام مدفون سے متعلق سماع و عدم سماع یا شعور و عدم شعور کے مباحث تو تھے لیکن ان کے متحرک ہونے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا دعویٰ سلف میں سے کسی نے نہیں کیا۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس الزام میں قلبی موضوع، حقائق کو برعکس بیانی

کرنے، موجود کو غیر موجود کہنے سے کام لیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انبیائے کرام کے اجسام مدفونہ سے متعلق سماع یا عدم سماع اور شعور یا عدم شعور کے مباحث تو حضرات اہل سنت میں کہیں نہیں ملتے۔ اور اس کے برعکس ان اجسام مدفونہ کے متحرک ہونے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے کا قول سلف صالحین میں موجود ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی "فتح الباری باب المعراج میں لکھتے ہیں:-

واستشكل رؤية الانبياء في السموات مع ان اجسادهم مستقرة في قبورهم بالارض واجيب بان ارواحهم تشكلت بصور اجسادهم او حضرت اجسادهم ملاقات النبي صلى الله عليه وسلم تلك الليلة تشریفاً وتكريماً ويؤيده حديث عبد الرحمن بن هاشم عن انس فبينه وبعث له ادم ومن دونه من الانبياء.

ترجمہ: یہ اشکال پیش کیا گیا ہے کہ انبیائے کرام کے اجساد کہ یہ تو اپنی اپنی قبروں میں استقرار پذیر ہیں۔ پھر حضور کا انہیں معراج کی رات آسمانوں پر دیکھتا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی ارواح قدسیہ اس رات متجسد کر دی گئی تھیں۔ یا ان کے اجساد کہ یہ ہی (ان کی قبور سے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف و تکریم کے لیے لا حاضر کر دیئے گئے تھے اور اس دوسری صورت کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت انسؓ سے منقول ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا انداز بیان بتلا رہا ہے کہ وہ اس دوسری صورت کو ہی ترجیح دے رہے ہیں۔ خاتمہ الحفظ کے علاوہ اور بھی کئی محدثین سے یہ موقف منقول ہے جیت در حیرت ہے کہ جو مباحث موجود ہیں، ان کے وجود ہی سے انکار ہوا اور جن کا حضرات اہل سنت میں نام و نشان بھی نہیں ملتا، ان کے اس واقع ہونے کا دعویٰ کر دیا جائے۔

خود کا نام حسنوں رکھ دیا، جنوں کا خود
جو چاہے آپ کا حسن کو شہ ساذکے

بعض دوسرے حضرات کا موقف یہ ہے :-

حضرت نے جن انبیائے کرام کے متعلق فرمایا کہ میں نے انہیں دیکھا ہے، حضور نے انہیں واقعی

نہ دیکھا تھا، بلکہ یا :-

① ان انبیاء کی ارواح قدسیہ صورت جسم میں متمثل ہو رہی تھیں یا

② ان انبیائے کرام کے ان اجسام کا مشاہدہ ہو رہا تھا، جو عالم مثال میں قائم تھے اور یا

③ انہیں اس عالم سے انتقال فرمانے کے بعد کوئی اور جسم ملا ہوا ہے اور انبیائے کرام کی یہ

حاضریاں انہی جسم کے ساتھ تھیں۔

ہمیں ان احتمالات کے مابین محاکمہ کرنا نہیں۔ امر واقع خواہ کوئی صورت ہو، اس عقیدے
کے لیے قطعاً کوئی گنجائش نہیں کہ انبیائے کرام کے اجساد عنصریہ اپنی قبور شریفہ میں بالکل بے حس و
بے شعور ہیں۔

اگر یہ نفوس قدسیہ اپنی وفات شریفہ کے بعد بھی کہیں کہیں اپنے اصل جسد عنصری سے چلتے

پھرتے دکھائی دیں اور یہ رفت و آمد فوق الاسباب بغیر اشتقاق قبور کے ہو اور اس اعتبار سے روحانی
ہو کہ زمان و مکان کی وسعتیں، جیسا کہ معراج کی رات واقع ہوا، سمٹ گئی ہوں، یعنی اپنی قبور سے جدا کی
بھی کسی خاص محسوس درجے میں نہ ہو تو سوال یہ ہے کہ :-

رب العزت کے لیے ایسے علامات پیدا کرنا اور پھر روحانی اور جسمانی اعتبارات کو مختلف

جہات سے اس عالم بندخ میں جمع کر دینا کیا امر ناممکن ہے ؟ یا ان جزئیات میں سے کوئی جزئیہ

کتاب سنت کی کسی تصریح سے مستفاد ہو رہا ہے ؟ یا یہاں کوئی سپہو ایسا بھی اختیار کیا گیا، جس کی

تفسیر پہلے کے کسی واقعہ میں نہ ہو ؟

جواب یقیناً نفی میں ہو گا۔

پیش نظر رہے کہ ان تفصیلات کو ہم مدعی ہو کر اپنے دلائل میں پیش نہیں کر رہے۔ بلکہ بات یہ چلی کہ آنحضرتؐ کا یہ فرمانا کہ میں نے فلاں فلاں پیغمبر کو فلاں فلاں جگہ دیکھا تھا، آیا حقیقت پر محمول ہیں یا اسے حقیقت پر محمول کرنا شرعاً اور عقلاً محال ہے۔ بصورت دیگر ہم مجبور ہوں گے کہ آپ کے اس ارشاد کو اس کے ظاہر سے پھیر کر تمثیل و مجاز وغیرہ پر محمول کریں۔ ہم نے یہ تفصیل اس لیے کی ہے کہ آنحضرتؐ کے ان ارشادات کو ان امکانات، احتمالات اور نظائر کے ہوتے ہوئے ان کے ظاہر پر محمول کرنا شرعاً اور عقلاً ہرگز ناممکن نہیں اور واضح ہے کہ امکان ثابت کرنے کے لیے یا امتناع توڑنے کے لیے صرف صورت ممکنہ کافی ہوتی ہے صورت واقعہ کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

اگر ان برزخی مشاہدات میں اجسام مرنیہ اصل اجسام عنصریہ نہ ہوں، بلکہ عالم مثال کے مثالی اجسام ہوں، تو بھی اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ اصل اجسام عنصریہ اپنی اپنی قبور میں بالکل بے حس و بے شعور ہوں اور انبیائے کرام اپنے روحت میں فائز الحیات نہ ہوں، اس لیے کہ ان دونوں معاملات میں کوئی تضادم نہیں، ہر معاملہ اپنے اپنے مقام پر اپنے حالات کے مطابق ہو رہا ہے۔ ہاں اگر یہ شکل عالم مثال کا نہ ہو، بلکہ اصل احوال قدسیہ ہی متحمل بصورت جسمیہ ہو رہی ہوں جیسا کہ علامہ قرطبی وغیرہ کی رائے ہے، تو ہمیں وہ موقف اختیار کرنا پڑتا ہے کہ عالم برزخ میں ان احوال طیبہ کو عظیم وسعت حاصل ہوتی ہے۔ ہرگز بعید نہیں کہ یہ احوال قدسیہ اجسام عنصریہ سے بھی بالکل بے تعلق نہ ہوں اور ان کا پڑ تو یہاں بھی صورت جسمیہ میں متحمل ہو رہا ہو۔ یا وہ احوال اصلہ ان مقامات پر متحمل بصورت جسمیہ ہو رہی ہوں اور ان کا اجسام قبریہ پر بھی پڑ تو رہا ہو جس سے وہ صفت حیات سے متصف ہوں۔ اگر روح پاک رفیق اعلیٰ یا خطبہ قدسیہ کو اپنا مستقر بنا کر قبور شریفہ میں رکھے۔ اجسام پر پڑ تو حیات ڈال سکتی ہے جیسا کہ حافظ ابن قیم کی رائے ہے، تو احوال متشکلہ یہاں قریب کے مقامات سے اجسام قبریہ پر تاثیر کیوں نہیں کر سکتیں؟

حق یہ ہے کہ احوال برزخ پر اس عالم کی نظر و فکر کے پہرے نہیں بٹھائے جاسکتے جن حضرات کا یہ موقف ہے کہ ان انکشافات میں احوال قدسیہ ہی متحمل بصورت جسمیہ ہو رہی ہیں۔ آخروہ

بھی تو رفیقِ اعلیٰ یا خیرہ قدسیہ ہی کو روح کا محل استقرار قرار دیتے ہیں۔ جو جواب ان کا ان احوال میں ارواحِ قدسیہ کے عینیت سے جدا ہونے کا ہوگا، وہی جواب ان کا سمجھ لیجئے۔ جو ارواحِ قدسیہ کو قبر کے اجسامِ عنصریہ سے متعلق مان کہ پھر ان مشاہدات میں تشبہ ارواح کا دعوے کر رہے ہیں۔

ہم یہ نہیں کہہ رہے کہ عورت واقعہ کیا تھی اور کیا نہیں اور نہ اس وقت یہ ہمارا موضوع ہے مقصد صرف یہ ہے کہ مذکورہ احتمالات میں سے کوئی بھی جانب اختیار کر لی جائے۔ یہ حقیقت قطعاً متاثر نہیں ہوتی کہ انبیائے کرام کے اجسامِ عنصریہ اپنی اپنی قبور میں ہرگز بے حس و بے شعور نہیں، بلکہ وہ فائز الحیات ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے روضہ شریف میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی خبر دنیا ان اختلافات سے قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔ حدیث صلوٰۃ موسیٰ پر حاشیہ سنن نسائی میں ”زہر الربی“ سے منقول ہے۔

قال الشيخ بدرالدين هذا اصريح في اثبات الحيوة لموسى عليه السلام في قبره فانه وصفه بالصلوة وانه قائم ومثل ذلك لا يوصف به الروح وانما يوصف به الجسد وفي تخصيصه بالقبر دليل على هذا فانه لو كان من اوصاف الروح لم يحتج لتخصيصه بالقبر وقال الشيخ تقي الدين سبكي في هذا الحديث ”الصلوة تستدعي جسداً حياً“ ولا يلزم من كونها حيوة حقيقية ان تكون الابدان معها كما كانت في الدنيا من الاحتياج الى الطعام والشراب وغير ذلك من صفات الاجسام التي نشاهد ما بل يكون لها حكم آخر به

ترجمہ: شیخ بدرالدین فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت موسیٰ کے اپنی قبر میں زندہ ہونے پر صریح دلیل ہے۔ کیونکہ حضور اکرمؐ نے آپ کو نماز سے موصوف بتلایا ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے صریح روح موصوف نہیں ہوتی۔ نماز جیسے عمل سے متصف ہونا تو جسم کا

کام ہے، صرف روح کا نہیں۔ نیز اس عمل کے قبر سے متعلق ہونے میں بھی ”حیات فی القبر“ پر دلیل ہے یعنی یہ عمل جبہ عنصری کا ہے، کیونکہ قبر میں تو جبہ عنصری ہی ہوتا ہے۔ اگر کوئی اور جبہ مثالی پیش نظر ہوتا، تو پھر اس عمل صلوٰۃ کے مخصوص بالقبر ہونے کی حاجت نہ تھی، پس اگر یہ عمل صلوٰۃ (یا تجمد بعمل الصلوٰۃ) روح کی صفت ہوتی، تو اس کی تخصیص قبر سے بالکل نہ ہوتی۔ شیخ تقی الدین اسبکیؒ بھی اس حدیث کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں کہ ”نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے“ پیش نظر رہے کہ حیات حقیقی کے ثبوت سے یہ چیز لازم نہیں آتی کہ وہاں بھی ابدان اسی طرح کھانے پینے کے محتاج ہوں جس طرح کہ دنیا میں تھے۔ جیسا کہ ہم صفات اجسام کو ہر روز دیکھتے ہیں، بلکہ اس جہان کے احکام اس سے مختلف ہیں (یعنی حیات جسمانی کے ساتھ وہاں رزق مادی نہیں، بلکہ معنی ہے۔ حیات دنیاوی صرف تعلق بالبدن الدنیوی کی بنا پر ہے۔ تعلق بالرزق کی بنا پر وہ حیات روحانی ہے اور تعلق بالظرف کے پیش نظر برزخی ہے)۔“

عالم برزخ کی حقیقتیں اس جہان والوں سے مخفی رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب کسی پرانہیں منکشف فرمانا عیاں ہوتے ہیں نہ پہلے اس میں برزخی مشاہدات کی صلاحیت پیدا فرما دیتے ہیں۔ پھر جب ان مخفی حقائق سے پردہ اٹھایا جاتا ہے تو وہ نفوس قدسیہ دیکھ لیتے ہیں کہ کس کس کی حیات برزخی مضاعف ہے اور کس کی روح و جسم فانی حیات ہیں۔ اس عالم میں رہتے ہوئے اس عالم کی تھلبکیں دیکھ پانا نقول صحیحہ کے پیش نظر ہرگز محال نہیں کشف القبور سے تو بار بار غیر انبیاء بھی منتصف ہوتے رہے ہیں اور ہوتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے بار بار مختلف قبروں کو دیکھا اور ان کے احوال مختلف لوگوں کے سامنے بیان فرمائے یہ اطلاع وحی کے بجائے کشف پر مبنی ہوتی تھی۔

چہ گویم شرح اس حالت کہ درگفتن نمی آید

ایسے انکشافات مترجح لیلۃ المعراج ہی سے خاص نہ تھے۔ آپؐ نے بار بار اس عالم میں ہوتے ہوئے اس عالم برزخ میں انبیائے گذشتہ کو دیکھا۔ ان کا زندوں جیسے کاموں میں اشتغال —

جیسے دادی سے گزرتے یا گھاتی سے اترتے تئیک تئیک کہنا، نمازیں پڑھنا اور تہجۃ و سلام کہنا، یہ سب امور معراج کے علاوہ اور بہت سے انکشافات کا پتہ دے رہے ہیں۔ اور اس دنیا سے ایک تعلق اور رابطہ ثابت کر رہے ہیں۔ اس کے پورے غم و غال کیا ہیں، اس پر ایک پردہ ہے جو نہ ٹپکتا ہے، نہ ٹپکتا ہے، اور یہی بے زحمت ہے۔ ہاں کبھی کبھار جو دیکھا یا سنا جاتا ہے یہ محض اس عالم کی کچھ ہلکیاں ہیں یا بعض نفوس قدسیہ کے مشاہدات اور انکشافات!

انبیائے کرام کے ایسے مشاہدات میں بعض ایسے الفاظ بھی ملتے ہیں جن سے تمثیل ارواح یا ابدان مثالیہ کی بہت گنجائش ملتی ہے جیسے کافی انظر وغیرہ، لیکن ان الفاظ کو ان انکشافات سے اٹھا کر ان حقائق پر منطبق کرنا جہاں حقیقت مراد لینے سے نہ عقل سلیم سے تصادم ہوتا ہے اور کسی نقل صحیح کی غیبت لازم آتی ہے، کس قدر زیادتی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب و علیہ التمس و احکم فی کل باب۔

صویر اسرافیل بھی ان کو جگا سکتی نہیں
روح سے تھا زندگی میں بھی تھی جی کا جسد
مرکے جی اٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام
گرچہ ہر ذی روح کی منزل ہے آغوشِ لحد

الفصل الرابع

وفيه ستة من المباحث

عن انس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الانبياء احياء في قبورهم يصلون^۱

ترجمہ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انبیائے کرامؑ اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

حیات انبیاء کی قبر پر شریفیہ سے صریح نسبت کے بعد اس وسوسے کے قطعاً کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ انبیائے کرام صرف رفیقِ اعلیٰ اور علیین میں فائز الحیات ہیں اور ان کی حیات شریفہ کو اجسامِ قبریہ سے کوئی تعلق نہیں۔ وقد مر تفصیلاً من حاشیة سنن النسائی۔

آنحضرت کا یہ ارشاد محدثین کرام نے مختلف طرق سے نقل فرمایا ہے۔ ان میں سچے راوی متعدد ہیں اور مختلف ہیں لیکن ان سب کا اشتراک اوپر کے تسلسلہ اسناد پر قائم ہوتا ہے۔

المستلم بن سعید عن الحجاج الاسود عن ثابت البنانی عن انس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

پس تمام محققین کا نقطہ نظر انہی راویوں کی توثیق ہے، یعنی یہ روایت حدیث قابل اعتماد ہیں تو حدیث ثابت ہے۔ ان کے بعد کے سچے راویوں میں اگر کوئی اختلاف ہو بھی، تو مقصود توثیق قطعاً متاثر نہیں ہوتا، اس لیے کہ طرق مختلف اور متعدد ہیں۔

۱۔ مسند ابی یعلیٰ (جامع صغیر ص ۱۳۳ مصر) حیات الانبیاء للامام البیہقی ص ۳ مصر ابن خبار (جمع الفوائد جلد ۲ ص ۲۱۱)

میٹرٹھ (ابن عدی و شفاء السقام ص ۳۴۲) مسند ابی یعلیٰ جلد ۲ ص ۳۶۹ مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۱۱

حافظ ابو یعلیٰؒ کا سلسلہ اسناد یہ ہے :-

حدثنا ابو الجهمم الازرق بن علی حدثنا یحییٰ بن ابی بکر حدثنا المستلم بن سعید
عن الججاج عن ثابت عن انس قال قال رسول الله ﷺ الحديث

یہ سلسلہ اسناد امام بیہقی کو اس طریق سے پہنچتا ہے :-

اخبرنا الثقة من اهل العلم قال انبأنا ابو عمرو بن حمدان قال انبأنا
ابو یعلیٰ الموصلی حدثنا ابو الجهمم الازرق :-

حافظ ابو یعلیٰ کے سلسلہ اسناد میں سب راوی معروف، قابل اعتماد اور متصل ہیں۔ اب حافظ
بیہقی کی سند ابو یعلیٰ تک جن دو راویوں سے پہنچتی ہے اگر وہ نہ بھی ہوتے اور امام بیہقی تک
یہ حدیث نہ بھی پہنچی ہوتی، تو بھی یہ حدیث صحیح اور صالح الاحتجاج محض اور حافظ ابو یعلیٰ کا اسے سند
صحیح سے لے آنا اس کی حجیت کے لیے کافی تھا۔ کس قدر افسوس ہے کہ امام بیہقی کے اس کہنے پر کہ
”اخبرنا الثقة من اهل العلم“ اس حدیث کے پورے اسناد پر مجہول ہونے کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔
حالانکہ اس سند میں امام بیہقی کے شیخ روایت بھی حکماً مجہول نہیں، کیونکہ مجہول وہ ہوتا ہے، جسے کسی
امام حدیث نے ثقہ نہ کہا ہو اور یہاں خود امام بیہقیؒ اسے اسی سند میں ثقہ قرار دے رہے ہیں۔
راوی کا تعین اور اس کے حالات کی تفصیل اسی لیے مطلوب ہوتی ہے کہ اس کی ثقاہت کا پتہ چلے اور
اس مقام پر نہ صرف اس کی توثیق ہے بلکہ امام حدیث حافظ بیہقی اس کے اہل العلم ہونے کا بھی اعلان
کر رہے ہیں۔

خیر، اسے بھی جانے بھی دیجئے۔ حافظ ابو یعلیٰؒ کے سلسلہ اسناد کو لیجئے، سچے روایات میں اگر
کوئی اختلاف بھی ہو، تو بھی اوپر کے روایات کی توثیق بالکل متاثر نہیں ہوتی اور یہاں اوپر کے سب ثقہ ہیں

لہٰذا پیش رہے کہ توثیق رجال میں حافظ بیہقی کا مسلک وار قطنی اور ابن حبان والائہیں کہ فقط راویوں کی روایت اس
کے لیے کافی ہو۔ بلکہ امام بیہقی اس باب میں جمہور محدثین کے ساتھ ہیں۔ پس ان کی توثیق کچھ کم وزن نہیں کہتی۔ بالخصوص
جب کہ اس روایت سے انہیں کسی خاص فقہی موقف کی کوئی تائید مقصود نہ ہو۔

المبحث الاول فی معنی الحدیث

اس حدیث میں انبیاء کے لیے وہی عنوان قائم کیا گیا ہے جو شہداء کے لیے قرآن کریم میں ملتا ہے۔ ہمارے تلامذہ دوست بے فائدہ اس حدیث کی تضعیف میں لگے ہوئے ہیں اور جو سند ابن عدی یا ابن بزار کی ہے، اس پر جرح کہہ کے اس حدیث سے جان چھڑانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ وہ عنوان ہے جو خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ پس جو تاویل اور توجیہ تم قرآن پاک میں کرتے ہو، کیا وہی تاویل اس حدیث میں نہ ہو سکے گی۔ کیوں خواہ مخواہ اس صحیح حدیث کو ضعیف قرار دینے میں اپنی قوتیں ضائع کر رہے ہو اور تمام علماء حق سے فکر لے رہے ہو۔

یہ فرق کہ قرآن کریم میں فی قبوہم نہیں اور حدیث میں فی قبوہم کے الفاظ ہیں تو اس کی فکر وہ کسے جسے قبر کا معنی بدلنا نہ آتا ہو اور جسے پتہ ہو مجاز کا دروازہ کھلا ہے تو کون اس میں گھسنے کی راہ نہیں جانتا۔ پھر ان الفاظ کے انکار کے درپے ہوتا اس میں معلوم نہیں انہیں کون سی ذہنی راحت ملتی ہے۔

باقی یہ فرق کہ قرآن کریم میں بذقون کی تصریح ہے اور حدیث میں بصلون کے الفاظ ہیں تو اس جہت سے بھی تضعیف حدیث کی کوشش کوئی خاص فائدہ مند دکھائی نہیں دیتی بصلون کی نسبت بذقون کا پیرایہ دنیوی زندگی کے اور زیادہ قریب ہے معلوم نہیں یہ لوگ اس حدیث کی تضعیف کے کیوں درپے ہیں۔

اس حدیث میں حیاتِ انبیاء کو بصلون سے جوڑا گیا ہے۔ نماز ذکر اور چند جسمانی حرکات چاہتی ہے۔ سو نماز حمد چاہتی ہے۔ معلوم ہوا یہاں انبیاء کی کسی روحانی حیات کا ذکر نہیں۔ ان کی جسمانی زندگی کا ذکر ہے جس کا قریب ترین ان کا نماز پڑھنا ہے۔ معلوم ہوا وہ باس معنی حیات ہیں کہ ان کے اعمال طاعت جاری ہیں اور یہ افتاد ان سے سلب نہیں کی گئی۔

الانبیاء احياء (بنی زندہ ہیں) میں الانبیاء (پہلے جزو) کے معنی سمجھ لیجئے کہ یہاں روح

اور حبد دونوں مراد ہیں اور یہی نفس النسانی ہے حضرت علامہ نور شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔

یرید بقولہ الانبیاء و احياء مجموع الاشخاص لا الالواح فقط^۱

ترجمہ۔ الانبیاء کے لفظ سے حبد اور روح کا مجموعہ اشخاص مراد ہے صرف روحیں نہیں۔

اور دوسرے جزء احياء کے بارے میں لکھتے ہیں۔

اراد بالحیوة فعل الاعمال و اکثر من فی القبور فی العطلة بخلاف المقربین^۲

ترجمہ۔ حیات سے آپ کی مراد اعمال کا جاری رہنا ہے (جو بدوں حبد تقوم نہیں

پاتے) اور اکثر اہل قبور بے کار پڑے ہیں لیکن مقربین کی یہ حالت نہیں (ان

کے اعمال قائم ہیں)۔

ان کے اعمال ہمیں نظر نہ آئیں تو بھی ان کے اعمال سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ وہ

زندگی پر دے میں ہے اور ہم اس جہان میں ہیں۔ یہاں رہتے ہوئے ہم اس جہان کے حالات کو

دیکھ نہیں پاتے، نہ اس جہان کی آوازیں سن سکتے ہیں۔ بائیں ہمہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء اور صدیق

اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور باعتبار عالم ان کی زندگی بزدخی ہے پر دے میں ہے۔ اور جس

طرح ہم یومنون بالغیب کے تحت ہم اور بہت سی حقیقتوں کو بن دیکھے تسلیم کرتے ہیں ان احوال قبر

پر بھی ہم یومنون بالغیب کے سائے میں ایمان لاتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

ان كثيرا من الاعمال قد ثبت فی القبور كالاذان والاقامة عند

الدارمی و قرأۃ القرآن عند الترمذی^۳

ترجمہ۔ قبروں میں (احادیث کی رو سے) بہت سے اعمال ثابت ہیں اذان اور

اقامت کا ذکر سنن دارمی میں ملتا ہے اور قبریں کسی کے قرآن پڑھنے کا ثبوت

ترمذی شریف میں موجود ہے۔

صرف نماز ہی نہیں جو ایک جگہ ادا ہوتی ہیں۔ انبیاء عالم بے زخ میں حج تک کرتے ہیں اور

دیکھنے والا انہیں کہیں چلتے پھرتے نہیں دیکھتا۔ وہ یہی محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنی قبروں میں
استراحت فرما رہے ہیں۔

عائذ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:-

ان الانبياء افضل من الشهداء والشهداء احياء عند ربهم فكذلك الانبياء
فلا يبعد ان يصلوا ويحسبوا ويتقربوا الى الله بما استطاعوا ما دامت
الدنيا وهي دار تكليف بآية ۱۰

ترجمہ: انبیاء کرام شہداء سے افضل ہیں اور شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ سو
انبیاء کرام بھی اس طرح زندہ ہیں۔ یہ کوئی امر عجیب نہیں کہ وہ نماز بھی پڑھتے ہوں
اور حج بھی کریں اور جہاں تک ہو سکے اللہ رب العزت کے قریب میں اور ٹہرتے
رہیں جب تک یہ دنیا جو عمل کی دنیا ہے باقی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اور وادی میں تلبیہ
پکارتے بھی دیکھا۔ یہ عالم غیب میں نماز اور حج کی واردات ہیں جو یقیناً اپنی جگہ صحیح ہیں۔ گو ہم انہیں
دیکھ نہ پائیں۔

اما موسیٰ کافی انظر اليه اذا المنحدر في الوادي يلتقي ۱۱

ترجمہ: اور موسیٰ علیہ السلام اس طرح ہیں کہ میں انہیں وادی میں اُترتے دیکھ رہا
ہوں وہ تلبیہ پڑھ رہے ہیں (لیکن پکار رہے ہیں)۔

عالم برزخ میں قبر کی زندگی میں اہمال طلعات کا جاری رہنا اور انبیاء و مقربین سے وہاں اذکار و
ادعیہ کا صدور یہ سرگز کوئی غیر شرعی بات نہیں ہے۔

علامہ سہودیؒ (۹۱۱ھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھتے ہیں:-

هو في البرزخ ودعائه لربه في هذه الحالة غير ممتنع ۱۲

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت عالم برزخ میں ہیں اور آپ کا اس حالت میں اپنے پروردگار سے دعا کرنا کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔

ایک اور جہت سے معنی پر غور

اس حدیث میں یہ بات غور طلب ہے کہ اس کا منشاء انبیاء کی صرف حیات طبعی کا بیان نہیں، جس قسم کی حیات انبیائے کرام کے لیے ثابت کی جا رہی ہے، وہ اس حیات طبعی پر ایک امر زائد ہے اس کے لیے اس حقیقت کو پیش نظر رکھئے۔

عام طور پر روح اور جسم کے تعلق یا روح کے بدن میں ہونے کو زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن یہ حیات کا صرف طبعی مفہوم ہے۔ اس حیات طبعی کی پھر دو حالتیں ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حیات ان تمام کاموں سے جو مقصد حیات ہیں، خالی اور بے کار ہو اور دوسرے یہ کہ یہ حیات بے کار نہ ہو اور ان جیسے کاموں سے جو مقصد حیات ہیں، اس کا تعطل نہ ہو۔

اول الذکر حیات طبعی تو ہے، لیکن حقیقت یہ بھی موت ہے یا ایک ایسی زندگی ہے کہ اس میں اور موت میں کوئی فرق نہیں۔ قرآن عزیز ان لوگوں کو، جن کی حیات طبعی تو تھی، لیکن ان کا دامن حیات مقصد حیات سے بالکل خالی تھا۔ قلوب ان کے مُردہ تھے اور دل کے کانوں سے بہرے تھے، مرتکب الغاظ میں مُردے قرار دیتا ہے۔

اِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتٰی وَلَا تَسْمَعُ الْقَبْرِ الدَّعَاۗءَ (پٹ نمل، پٹ: روم)

ترجمہ: بے شک آپ ان مُردوں کو نہیں سُن سکتے اور نہ ان بہروں تک اپنی پکار پہنچا سکتے ہیں۔

پھر یہی نہیں کہ انہیں ”مُردے“ فرمایا، بلکہ ان کے لیے مُردوں کے لوازمات بھی ذکر

کر دیئے۔

وما انت بمسمع من فی القبور۔ (پ ۲۲: فاطر آیت ۲۲)

ترجمہ۔ اور آپ ان کو سنا نہیں سکتے، جو قبروں میں پڑے ہوئے ہیں۔

یہ لوگ طبعی طور پر تو زندہ اور موجود تھے، لیکن حکمی طور پر مُردہ۔ — بطور حیات تھے، لیکن حقیقتہً موت: ظاہر سنتے تھے مگر حقیقتہً نہیں۔

کریں گے مر کے بقائے دوام کیا حاصل جو زندہ رہ کے مقامِ حیات پانہ سکے
قرآن مغزیہ احکام طبعی کو اپنا موضوع قرار نہیں دیتا، بلکہ حقائق کا ادراک کرتا ہے، اس کی نظر
میں اندھا پن ظاہری آنکھوں سے محرومی نہیں، باطن کی سیاہی اور دل کی آنکھوں پر پردے کا
نام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ :-

لا تعی الا بصار ولكن تعی القلوب التي فی الصدور۔ (پ ۱: حج آیت ۴۶)

ترجمہ۔ یہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ حقیقت میں اندھے دل ہوتے ہیں جو سینوں
میں پڑے ہوئے ہیں۔

اور اسی وجہ سے فرمایا :-

من کان فی هذه اعی فہو فی الآخرة اعی۔ (پ ۱۵: بنی اسرائیل آیت ۷۲)

ترجمہ۔ جو کوئی اس جہان میں اندھا رہا، دوسرے جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا۔

ان حقائق سے واضح ہے کہ روح جسم کا تعلق یا روح کا بدن میں ہونا ایک حیاتِ طبعی
ہے۔ جب تک اس کا اشتغال ان کاموں میں نہ ہو، جو مقصدِ حیات اور رازِ تخلیق کائنات ہیں اسے
حقیقی حیات نہیں کہا جاسکتا۔ اربابِ خبرت اس طبعی زندگی کی اول الذکر کیفیت کو موت ہی قرار
دیتے ہیں اور صرف ثانی الذکر زندگی ہی کو حیات کہتے ہیں۔

یہاں تین کیفیتیں اور ان کے احکام پیش نظر رہنے چاہئیں۔

①۔ روح اور جسم کا کوئی تعلق نہ ہو۔ اسے عامہ الناس اور اربابِ خبرت دونوں موت
قرار دیتے ہیں۔ یہ حیات کسی معنی میں نہیں۔

②۔ روح اور جسم کا تعلق تو ہو، لیکن دامنِ حیات مقصدِ حیات سے خالی ہوا اسے عوامِ حیات اور اربابِ خبرت موت سے تعبیر کرتے ہیں۔

③۔ روح اور جسم کا تعلق بھی ہو اور زندگی بھی مقصدِ حیات سے خالی نہ ہو، اربابِ خبرت اسے ہی حیات قرار دیتے ہیں اور حقیقت میں زندگی یہی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ارشاد فرمایا کہ الانبیاء احياء فی قبورهم یصلون رانبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں، تو آپ کا منشا صرف حیاتِ طبعی کا بیان نہیں، بلکہ اس حیات کی کیفیت کا اظہار تھا۔ اگر حیاتِ انبیاء کا یہی مفہوم ہو کہ انہیں قبورِ شریفہ یا ریاضِ منورہ میں ایسی زندگی حاصل ہے جس میں محض روح و بدن کا تعلق قائم ہے، تو یہ کوئی خاص مقام نہیں۔ اس لیے کہ قرآن عزیز تعطل عن الافعال کی حیاتِ طبعی کو بے کار ہونے کی وجہ سے موت کے برابر قرار دیتا ہے۔ پس حدیث شریف کا منشاء اسی قسم کی حیاتِ طبعی نہیں، بلکہ ایسی حقیقی حیات ہے جس میں محض روح و بدن ہی کا تعلق نہیں، بلکہ اعمال سے بھی ہرگز تعطل نہیں اور یہی حقیقت میں قرآن کا مفہوم حیات ہے۔

الغرض یہ مذکورہ بالا تین صورتوں میں سے دوسری قسم کی حیات نہیں، بلکہ تیسری قسم کی حقیقی حیات ہے اور اسے ہی اربابِ دانش حقیقتِ حیات قرار دیتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہی ارشاد فرماتے کہ «الانبیاء احياء فی قبورهم» تو یوں متبادر ہو سکتا تھا کہ روحِ شریفہ میں انبیاء صرف روح و بدن کے تعلق کے ساتھ زندہ ہیں اور انبیاء کی حیات جسمانی فقط اس تعلق کا نام ہے۔ لیکن حضورؐ نے لفظ یصلون ارشاد فرمایا کہ احياء کی کیفیت حیات پر بھی متغیہ کر دیا یعنی انبیاء جبہٴ عنصری سے اس طرح فائز الحیات ہیں کہ زندوں جیسے کاموں سے ہرگز تعطل نہیں ہوا اور وہ بدستور اعمالِ طیبات میں مشغول ہیں نہ دنیا میں اُن کے اشغالِ طیبہ میں تعطل ہوا، نہ قبورِ شریفہ میں۔

خلاصہٴ کلام یہ کہ انبیاء کے کرام کی اس حیاتِ قبریہ کے دو جزو ہیں :-

① وہاں کی حیات محض روحانی نہیں کہ صرف ارواح زندہ ہوں، بلکہ یہ زندگی جسم و روح کے مجموعہ کی ہے۔

② یہ حیات صرف حیات طبعی کی مدد تک نہیں، بلکہ ان اشخاص کرام کا زندہ رہنے جیسے کامل میں اشتغال بھی موجود ہے۔

رہنمائی حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ نے ان دونوں جہوں کو خوب بیان فرمایا ہے جز اقل کے متعلق لکھتے ہیں:-

یرید بقوله «الانبیاء احياء» مجموع الاشخاص لا الارواح فقط۔

ترجمہ: آنحضرتؐ کی مراد اس حدیث سے کہ «انبیائے کرام زندہ ہوتے ہیں» یہی ہے کہ مجموعہ اشخاص فائز الحیات ہیں نہ کہ فقط ان کی ارواح زندہ ہیں۔

اور دوسرے جہ کے متعلق لکھتے ہیں:-

اراد بالحيوة قلة الاعمال واكثر من في القبور في العطلة بخلاف

المقربين ومعاني الحيات في النهاية وان الميت لا فعل له في خلق افعال

العباد والاحاديث ارادت افعال الحيوة واعمالها لبقاء الروح وهو قوله

فنبئ الله حيي من رزق و احياء في قبورهم يصلون نشر د في ذكر الحيوة

افعالها لاصلها او اواراد مع الاجساد فان اجسادهم حرمات على الارض۔

خلاصہ: آنحضرتؐ کی مراد انبیاء کے زندہ ہونے سے اعمال کی زندگی ہے اور کھڑے

لوگوں کی قبریں ایسے اعمال سے تعطل ہیں۔ ان احادیث کا منشاء اعمال حیات

کا بیان ہے نہ کہ فقط روح کی زندگی حضور کا یہ ارشاد فنبئ الله حيي من رزق۔ واللہ کا

نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے، اور یہ ارشاد کہ انبیائے کرام اپنی قبروں

میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں، یہ سب اصل حیات کے بیان میں

نہیں، بلکہ (اس سے بھی زائد) اعمالِ حیات کے ثابت ہونے کے لیے ارشاد فرمائے گئے تھے یا توں کہہ لیجئے کہ اس زندگی سے مراد حیاتِ جسمی کا بیان ہے۔ کیونکہ انبیاء کے اجتہادِ کریمہ سنی پر حرام کر دیئے گئے ہیں اور وہ اعمال انہی اجتہادِ کریمہ کے ساتھ وجود میں آرہے ہیں۔

شاہ صاحبؒ نے اس دوسرے جزو کو ”دروسِ بخاری“ میں بھی تفصیلاً ارشاد فرمایا ہے۔ چونکہ وہاں پہلے جزو کی اس طرح تفصیل نہیں۔ اس لیے عبارت سے ابتدائی سطح میں مخالطہ لگ سکتا ہے۔ انصاف یہ ہے کہ پہلا جزو و محققینِ سلف کے نزدیک اتنا بدیہی تھا کہ اس کے لیے کسی تفصیل کی ضرورت محسوس نہ فرماتے تھے۔ ان لوگوں کے علم و فہم پر حیرت ہوتی ہے، جو اس جزوِ اول کے عدم ذکر کو ذکرِ عدم بنا کر دوسرے جزو کا مفہوم و مطلب بھی اپنی تدلیس کی نذر کر دیتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہا و من تعریف المبطلین۔

① مولانا السید نور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں :-

المراء بحديث الانبياء احياء في قبورهم يصلون انهم ابقوا على هذه الحالة ولم تسلب عنهم

ترجمہ۔ اس حدیثِ حیاتِ انبیاء کا مطلب یہی ہے کہ انبیائے کرام بدن میں روح لوٹ آنے کی، اسی حالت میں باقی رکھے گئے ہیں اور پھر روح ان سے جدا نہیں کی گئی۔

② قاضی شوکانیؒ شرح حصین میں فرماتے ہیں :-

انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ و روحہ لا تفارقه لما صح ان الانبياء احياء في قبورهم

ترجمہ۔ حضور اکرمؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ کی روح اقدس آپ کے جسدِ اطہر

سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ حدیث صحیح سند سے ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

البيان المسد من حضرت المجدد

③ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اس حدیث کو اس سیاق و سباق میں نقل فرمایا ہے۔

برزخ صغرے چوں از یک وجہ از موطن دنیوی است، گنجائش ترقی دلد و احوال
ایں وطن نظر باشخاص متفاوت تفاوت فاحش دارد۔ الانبیاء یعلمون فی القبر شنیدہ
باشند و حضرت پیغمبر ما علیہ و علی آہم الصلوٰۃ والسلام شب معراج چون قبر حضرت
کلیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام گزشتند دیدند کہ در قبر نماز می گزارد۔

اس کلام ہدایت نظام میں جہاں اس طرف اشارہ ہے کہ حیات برزخی کسی ایک جہت سے
حیات دنیوی بھی ہے، وہاں اس امر کی تصریح بھی موجود ہے کہ برزخ صغرے میں بھی ترقی مقامات
کی گنجائش ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس ترقی سے مراد کیا ہے؟ جو اباعرض ہے کہ اس سے مراد ”قرب الہی“
میں آگے بڑھتے چلے جانا ہے۔

اس ارتقار کا تحقق کیسے ہوتا ہے اور اس ترقی کی کیا صورت ہوتی ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے
حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اصول و ضوابط پیش نظر رہیں۔

حضرت کے نزدیک ”عالم خلق“ ”عالم امر“ سے افضل ہے اور وہ ”قرب عالم خلق“ کو ”قرب
اصلی“ اور ”قرب عالم امر“ کو ”قرب ظلی“ قرار دیتے ہیں۔

پس ان کے کلام میں ترقی کی صورت اور ارتقار کا انداز یہی ہے کہ یا ”قرب ظلی“ سے ہی

”قربِ اصلی“ میں اتنا حال ہو اور یا ”قربِ اصلی“ ہی میں قوت و زیادت ہوتی چلی آئے۔
 اسلام میں ایمان کے بعد نماز کا درجہ ہے اور اس کے کمالات ایمان کی طرح ذاتی کمالات
 ہیں۔ اس عبادت کو اسلام میں جو درجہ حاصل ہے، اس کے پیش نظر اس میں کوئی شک کی گنجائش
 نہیں کہ وہ قرب جو نماز میں مستحق پذیر ہو گا اس قرب سے بہر حال اعلیٰ و افضل ہے جو کسی اور حالت
 میں حاصل ہو گا پس نماز کے ساتھ ”قربِ الہی“ میں بڑھتے چلے جانا ”قربِ اصلی“ پر فائز المرام ہوتا
 ہے۔ اسی لیے فرمایا:-

الانبياء احياء في قبورهم يصلون۔

ترجمہ: انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

پس جب یہ نمازیں جو انبیائے کرام اپنے اپنے روضات میں تلقذ و عمل میں لارہے ہیں قرب
 الہی میں سامان ارتقاء ہیں جیسا کہ حضرت مجدد صاحبؑ نے تصریح فرمائی ہے اور یہ بھی حقیقت مسلمہ ہے
 کہ قرب کے باب میں عالم خلق عالمِ امر سے افضل ہے، تو اس بنیاد یقین سے چارہ نہیں کہ انبیائے کرام
 کا اپنی اپنی قبروں میں نمازیں پڑھنا جب قربِ الہی میں ترقی پانے کی گنجائش رکھتا ہے، تو ان کا یہ عمل
 ضرور عالم خلق ہی سے متعلق ہے۔ اس لیے کہ حضرت مجدد قربِ عالم خلق ہی کو قربِ اصلی قرار دیتے ہیں
 اور ظاہر ہے کہ ان کے عملِ صلوٰۃ کا عالم خلق سے متعلق ہونا اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے
 اجسادِ کریمہ کے ساتھ فائز الحیات ہوں اور یہ اداۓ نماز انہی اجسامِ عنصریہ سے عمل میں آ رہا ہو اگر
 یہ عمل صلوٰۃ صرف روح ہی کا عمل ہو تو پھر یہ عالمِ امر سے متعلق ہو گا اور واضح ہے کہ حضرت مجددؑ کے
 کلام میں اسے قربِ اصلی کہنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

پس علامہ کلام یہی ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؑ کے نزدیک اس حیاتِ انبیاء کا مفہوم مطلب
 یہی ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں اجسادِ عنصریہ سے فائز الحیات ہیں۔

④ علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں:- الصلوٰۃ تستدعی جسدًا حیًّا۔ (حاشیہ سنن نسائی)

ترجمہ: نماز پڑھنا ایک زندہ جسم سے ہی ہو سکتا ہے۔

⑤ حضرت علامہ شرابیؒ فرماتے ہیں۔

قد صحت الاحادیث انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ یصلی باذان واقامہ
ترجمہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضور انورؐ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں
اور اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

⑥ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں آپ استمرار حیات سے زندہ ہیں۔

ان حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر لا یعبثہا موت بل یستمر حیا و
الانبیاء احياء فی قبورہمؑ

ترجمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں اس طرح زندہ ہیں کہ اس زندگی
پر موت کبھی نہ آئے گی۔ آپ ہمیشہ کے لیے زندہ رہیں گے اور انبیائے کرام اپنی قبروں
میں زندہ ہی رہتے ہیں۔

نماز کسی ایک وقت کی نہیں ہر روز پانچ وقت ہوتی ہے سلف فی القبر (قبر کا سوال و جواب) ایک ہی
دفعہ ہوتا ہے لیکن نماز روزانہ کا ایک عمل ہے نماز نہ بدوں جب عمل میں آسکتی ہے نہ بدوں جگہ۔ دنیا والوں
کے لیے اس کی جگہ مسجد ہے اور بنیخ کے لیے قبر۔ وہ وہیں پڑے کی زندگی میں عموماً نیاز ہیں۔ انبیاء علیہم
السلام کی ارواح قدسیہ ہیں ملا علیؒ میں ہوں یا اور کہیں نماز کے لیے انہیں ایک بدن اور جگہ کی ضرورت ہوتی ہے
حدیث الانبیاء احياء میں کوئی حیات مراد ہے یہاں ان کے نماز پڑھنے کا بیان ہے تو لازمی طور
پر اجازت مراد روح اور جسد کی زندگی ہے اور اس کے لیے جگہ انبیاء کرام کی اپنی اپنی قبر شریفہ ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰؑ کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا علامہ بدیع الدین لکھتے ہیں۔

هذا صریح فی اثبات الحیوة لموسیٰ علیہ السلام فی قبرہ فانہ وصفہ بالصلوۃ وانہ قائم

ومثل هذا لا یوصف بہ الروح وانما یوصف بہ الجسد فی تخصیصہ بالتعبیر

دلیل علیٰ هذا فانہ لو کان من اوصاف الروح لم یحتاج لتخصیصہ بالقبرؑ

ابوعلیٰ کے سب راوی ثقہ ہیں اور سب میں اقبال موجود ہے۔ محدث کبیر حافظ بشیریؒ فرماتے ہیں:-

رجال ابی یعلی ثقات۔

مواہم ان ہی راویوں کی تعدیل بیان کریں گے جو اوپر کے ہیں اور جن پر حدیث کا

دارومدار ہے۔

المبحث الثانی — فی احوال الرواة لابن یعلیٰ

① — ابوالکھیم الانرق

بن علی الخنقی ابوالمعتمد صدوق یقرب من الحادیة عشرة۔ ابن حبان نے ثقہ کہا ہے

صدوق اور سچے راوی حدیث ہیں۔

② — یحییٰ بن ابی بکر

واسمه نس الکرماتی کوفی الاصل نزل بغداد :

ثقة من القاسعة مات سنة ۲۹۸ ھ۔

ثقہ راوی حدیث ہیں۔ رجال صحیح میں سے ہیں۔

③ — مسلم بن سعید

امام احمد اور ابن حبان انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں (فتح) صدوق ہے

یعنی ثقہ اور سچے راوی حدیث ہیں۔

④ — محمد بن الاسود الاسود

یہ ابن ابی زیاد بصری ہے۔ اس نے ثابت بنانی، جابر بن یزید، ابی نصرہ اور کئی دوسرے

بزرگوں سے احادیث روایت کی ہیں اور اس سے جویر بن عازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبانہ اور کئی اور لوگوں نے روایات لیں۔ حافظ ابن حجر مستطافیؒ فرماتے ہیں: امام حماد بن عیسیٰ بن یونسؒ نے ثقہ کہا ہے

لم یجمع الزمائد ثقتہ تقریب ۵۲۵ ھ فتح الباری ۱۳ ص ۱۴۸ تقریب ۴۸۵ ھ

آپ کی یہ توثیق لسان المیزان میں موجود ہے اور یہ سب روایات اعلیٰ درجے کے قابل اعتماد اور ثقہ روایات حدیث ہیں اور حدیث بالکل حدیث ہے۔

کسی راوی پر جرح ہو تو علماء کا کام وجہ جرح کو تلاش کرنا اور اس کا سبب معلوم کرنا پڑتا ہے۔ جو جرح مبتن السبب نہ ہو اور اس کے مقابل ائمہ فن کی تعدیل موجود ہو تو محدثین اس جرح کو وزن نہیں دیتے۔ ایسی ہی ایک جرح اس کے پانچویں راوی حجاج بن اسود پر ہے۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس پر نکتہ ہونے کی جرح کی ہے اور اس کی روایت کو خبر منکر کہا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لسان المیزان (جو خاص اسی کتاب میزان الاعتدال پر لکھی گئی ہے) میں اس جرح کو رد کر دیا ہے۔ اب آپ خود غور فرمائیں کہ ذہبی کی جرح کو میزان سے نقل کرنا اور لسان المیزان کے جواب کا ذکر تک نہ کرنا کن سی نشانِ دیانت اور حق طلبی ہے؟ ہاں حوام کی آنکھوں میں خاک جھونکتے کے لیے دکھ دیکھو یہ جرح موجود ہے فلاں نے یہ کہہ دیا ہے یہ ایک بہانہ ضرور ہے آئیے اب اس پر کچھ غور بھی کر لیں۔

حجاج بن الاسود

ذہبی (۵۴۸ھ) کہتے ہیں "ماروی عنہ فیما علم سوی مستلزم بن سعید" کہ مسلم بن سعید کے سوا اس سے کسی نے روایت نہیں لی۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں جریر بن عازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبادہ اور کچھ اور لوگوں نے بھی روایت لی ہے۔ سو اسے کسی درجے میں مجہول نہیں کہا جاسکتا۔

یہی توثیق تو یاد رہے کہ امام سبکی بن معین اور امام احمد و ذوال اسے ثقہ راوی حدیث کہتے ہیں اور ابو حاتم نے اسے صالح الحدیث کہا ہے۔

حجاج بن الاسود بصری الاصل ہے۔ یہ ابن زیاد بصری ہے۔ اس نے ثابت بنانی، جابر بن زید، ابی نعزہ اور دوسرے کئی بزرگوں سے احادیث سنی ہیں اور اس سے جریر بن عازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبادہ، عیسیٰ بن یونس، مسلم بن سعید اور دیگر کئی حضرات نے روایات لی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

قال احمد ثقة ورجل صالح وقال ابن معين ثقة وقال ابو حاتم صالح

المحدث وذكره ابن حبان في الثقات۔

ترجمہ امام احمد نے فرمایا، حجاج ثقہ راوی ہے اور مرد صالح ہے امام یحییٰ بن معین لکھتے ہیں وہ ثقہ راوی ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں وہ صالح الحدیث ہے اور ابن حبان نے اسے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔

کشف الستارة عن وجه النکارة

حافظ ذہبی کا خیال ہے کہ حجاج نکارت کا مترکب ہے یعنی ثابت بنانی سے روایت کرتے ہیں وہ ثابت کے دوسرے شاگردوں کی مخالفت کر رہا ہے پس ”منکر الروایة“ ہے ذہبی لکھتا ہے۔

فلانی بخبر منکر عنه عن انسؓ فی ان الانبیاء احياء فی قبورهم یصلون
رواہ البیہقی۔

ترجمہ حجاج اسود، ثابت سے حضرت انسؓ کی روایت لایا ہے، جو ”منکر“ ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔
یعنی حجاج ثابت کے دوسرے شاگردوں کی مخالفت کر رہا ہے۔

ہم نے بہت تلاش کی کہ ثابت بنانی کے دوسرے شاگردوں سے اس روایت کی کہیں مخالفت مل جائے، یعنی انہوں نے اسے اس طرح روایت کیا کہ حیات انبیاء کا مضمون اس سے نکرا رہا ہو اور کسی طرح اس پر ثقہ کی زیادتی بھی نہ بن سکے لیکن افسوس کہ حافظ ذہبی کے اس گمان کی کہیں کہیں سے تصدیق میسر نہیں آسکی۔ ومن ادعی فعلیہ البیان۔

غایت تاقل سے ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ ممکن ہے حافظ ذہبی کے پیش نظر حضرت موسیٰ سلام کے قبر میں نماز پڑھنے کی وہ روایت ہو جسے کہ ہم صحیح مسلم کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں۔

اس لیے کہ اس روایت کا سلسلہ اسناد بھی عن ثابت البنانی عن انس بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال — پر منہی ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ صلوٰۃ موسیٰ فی القبر والی روایت کا سلسلہ اسناد یہ ہے۔

حماد بن سلمہ عن ثابت عن انس عن النبیؐ۔

اور صلوٰۃ جمیع الانبیاء فی القبر والی روایت کا سلسلہ اسناد یہ ہے۔

حجاج بن الاسود عن ثابت عن انس عن النبیؐ۔

حافظ سیوطی کے اقراض سے ایسا متبادہ ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں روایتوں کو اصلاً ایک سمجھ رہے ہیں امد اس لیے کہ حماد بن سلمہ حضرت ثابت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا روایت کر رہے ہیں اور حجاج اسود اس کی بجائے تمام انبیائے کرام کا اپنی قبروں میں نماز پڑھنا نقل کر رہے ہیں۔ انہوں نے اسے ثابت کے دوسرے شاگردوں کی مخالفت سمجھ کر حجاج اسود کو نکالت کامرکب قرار دے دیا اور حدیث کو منکر کہہ دیا۔

مالا نکہ یہ دونوں حدیثیں علیحدہ علیحدہ تھیں پس نکات کا سوال پیدا نہیں ہوتا نہ یہ ایک روایت ہے اور نہ حجاج اپنے شیخ روایت کے دوسرے شاگردوں سے نکرا رہا ہے۔ یہ دو حدیثیں ہیں، اور مستقل طور پر علیحدہ علیحدہ ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ خاتمہ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانی نے "لسان المیزان" میں حافظ ذہبی کی مذکورہ جرح بالکل قبول نہیں کی اور اسے نقل کر کے اس کا رد فرمایا ہے۔ حضرت امام احمد امام یحییٰ بن معین جیسے ائمہ جرح و تعدیل جس کے ثقہ ہونے پر نفع فرما رہے ہوں۔ اس کی روایت کیسے نشانہ ضعف بن سکتی ہے۔ فتفقروا یا اولی الابصار۔

مترمز حجاج اسود نہایت ثقہ اور صالح الحدیث ہے اور ائمہ کبار نے اس کے ثقہ ہونے پر نفع فرمائی ہے۔ حافظ ذہبی کا منشائے اقراض میں یہ تھا کہ دونوں روایتیں ایک ہوں، مالا نکہ ایسا ہرگز نہیں۔ دونوں حدیثیں جدا جدا ہیں اور اپنے اپنے مقام پر دونوں صحیح ہیں۔ رجال دونوں کے ثقہ ہیں اور سب میں اتصال موجود ہے۔

علامہ ذہبی کے وہم کا ازالہ

علامہ ذہبی کے ذہن میں حجاج بن اسود کوئی غیر معروف راوی ہے جس سے مسلم بن سعید کے۔ اکوفی اور روایت کرنا نہیں ان کے خیال میں یہ وہ حجاج بن اسود نہیں جس سے جریر بن عازم حماد بن سلمہ۔ روح بن عبادہ وغیرہ بھی روایت کرتے ہیں۔ علامہ ذہبی نے اسی وہم کی وجہ سے میزان الاعتدال میں حجاج بن اسود کی اس صحیح روایت کو غیر منکر کہا ہے جسے پیر طریقت اٹھائے پھرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان میں حافظ ذہبی کی پوری تردید کر دی ہے اور حضرت امام احمد بن حنبل بن معین اور ابن جہان سے حجاج بن اسود کی توثیق نقل کی ہے اب نہ حجاج مجہول راوی رہا نہ اس کی روایت کسی قاعدہ حدیث سے منکر ٹھہری۔

عراق کے اکابر علماء حدیث میں شیخ علی السویدی البغدادی (۱۲۲۴ھ) علامہ محمود آلوسی (۱۲۴۰ھ) کے اساتذہ میں سے ہیں انہوں نے التقدیر الثمین فی بیان مسائل الدین لکھی ہے۔ اس میں ہے :-

اخرج ابو یعلیٰ والبیہقی وصحاحہ عن انس بن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الانبیاء احياء فی قبورہم یصلون۔ علامہ آلوسی کے بیٹے علامہ نعمان آلوسی (۱۲۱۷ھ) نے عدم سماع موتی پر ایک کتاب الایات البینات فی عدم سماع الاموات علی مذهب الحنفیۃ السادات لکھی ہے اس میں آپ حیاۃ انبیاء کے بارے میں لکھتے ہیں۔ — فامس ثابت بالاحادیث الصحیحۃ —

آپ نے اس میں پہلے حدیث الانبیاء احياء فی قبورہم یصلون پیش کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔ علامہ محمد ناصر الدین البانی نے الاحادیث الصحیحہ میں اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ علامہ البانی نے الایات البینات کی اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ اس میں آپ لکھتے ہیں :-

حقیقۃ فی الاحادیث الصحیحۃ (۲۷۸) ویلت فیہ صحۃ الحدیث ودہم من طعن فی

احد دوائیہ فراجعہ فانہ بحث مفید عزیز قلما تراہ فی کتاب

ترجمہ میں نے احادیث صحیحہ میں اس کی تحقیق کی ہے اور صحت مذکور کو واضح کیا ہے اور جس نے

اس کے کسی راوی میں کوئی جرح کی وہ وہم کا شکار ہے اس کی مراجعت فرمائیں بہت مفید

حدیث صلوٰۃ مومنین فی القبر کو محدثین نے اس حدیث ”الانبياء احياء فی قبورهم یصلون“ کا شاہد اور مؤید قرار دیا ہے۔ پس دونوں کو ایک حدیث کیے سمجھا جاسکتا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت عثمانیؒ نقل فرماتے ہیں:-

وشاهد هذا الحديث ما ثبت في صحيح مسلم من رواية حماد بن سلمة
ترجمہ صحیح مسلم میں حماد بن سلمہ سے جو روایت منقول ہے۔ وہ اس حدیث (الانبياء
احياء فی قبورهم یصلون) کی شاہد ہے۔
هذا ما ظهر لي والله اعلم وعلمه اتم واحكم۔

المبحث الثالث

حضرت ثابت بنائی سے یہ حدیث حیات انبیاء صرف مجتاج اسود روایت کر رہے ہیں
راوی ثقہ ہونے کے باعث یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس کی سند بالکل بے غبار ہے تاہم
تائید مزید ملاحظہ کیجئے:-

حضرت ثابت بنائی یہ روایت کرتے تھے:-

اللهم ان كنت اعطيت احدا من خلقك ان يصلّي لك في قبره
فاعطني ذلك۔

ترجمہ۔ اے اللہ! اگر تُو نے (انبیاء کے سوا) کسی کو اپنی مخلوق میں سے یہ مرتبہ دیا
ہے کہ وہ اپنی قبر میں تیرے لیے نماز پڑھے تو وہ مرتبہ مجھے عطا فرما۔
دوسری سند میں یوسف بن عطیہ متابعت کرتے ہوئے کہتے ہیں:-

سمعت ثابتاً يقول لحيد الطويل هل بلغك يا ابا عبيد ان احدا يصلّي في قبره
الا انبياء قال ”لا“ قال ثابت ”اللهم ان اذنت لاحد ان يصلّي في قبره“

فاذن الثابت ان یصلی فی قبرہ ۛ

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ انبیائے کرام کے اپنی اپنی قبور شریفہ میں نماز پڑھنے کا مضمون حضرت ثابت بنائی کے نزدیک یقینی طور پر ثابت تھا۔ بتقی تر وہ اپنے لیے بھی اس کی دعائیں کر رہے تھے۔ پھر ان کا ابو عبیدہ سے یہ کہنا کہ کیا تمہیں کوئی روایت پہنچی ہے کہ انبیائے کرام کے سوا کچھ اور لوگ بھی اپنی قبروں میں نمازیں پڑھیں گے اور انبیائے کرام سے متعلق اس دعوے پر ابو عبیدہ کا کبھی ذکر نہ اس حقیقت حال کا پتہ دیتا ہے کہ حضرت عبیدہ کو بھی یہ مضمون حدیث پہنچ چکا تھا کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبور شریفہ میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ ورنہ غیر انبیاء کے اس مقام پر آنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اب حجاج اسود حضرت ثابت سے یہ مضمون نقل کرنے میں متفرد نہ رہے اور اس کے ایک اور طریق کا پتہ چل گیا۔ اگرچہ اس میں ابو عبیدہ عن ثابت عن انس کی تصریح نہیں، تاہم اس کا مجموعی مفاد اس روایت کی تائید ضرور کر رہا ہے اور حضرت ثابت کے نزدیک تو اس مضمون کے ثابت ہونے میں کوئی شبہ ہی نہ رہا۔

حضرت جبر کہتے ہیں کہ میں نے ثابت بنائی کو خود قبر میں اتارا تھا۔ حمید طویل بھی اس وقت میرے ساتھ تھے۔ جب ہم نے اُن پر اینٹیں برابر کر دیں تو ایک اینٹ گر پڑی۔ ثابت نے دیکھا کہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی سے کبھی رزخ کا پردہ اٹھا دیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

فلما سونا علیہ اللین سقطت لبنۃ فاذا رایتہ یصلی فی قبرہ فقلت للذی معی الا تری قال اسکت فلما سونا علیہ وفرغنا اتینا ابنۃ فقلنا لہاما کان عمل ابیک ثابت قال فی دعائہ اللہم ان کنت اعطیت احدا من خلقک الصلوۃ فی القبر فاعطینہا ۛ

وقال ابن سعد فی الطبقات وابن ابی شیبۃ فی المصنف والامام احمد فی الزہد اخبرنا عفان بن مسلم قال حدثنا حماد بن سلمۃ عن ثابت البنانی ہکذا واللہ اعلم بالصواب۔

المبحث الرابع

کن کن اکابر محدثین اور علماء اعلام نے اس حدیث کے صحیح ہونے پر غرض فرمائی ہے یا اسے قبول کیا ہے یا اسے استدلالاً ذکر کیا ہے۔

- | | |
|---|---|
| ① ابن بزار (۲۹۸ھ) | ② حافظ ابو علی الموصلی (۳۰۷ھ) |
| ③ ابن عدی (۴۶۵ھ) | ④ حافظ ابو نعیم (۴۳۰ھ) |
| ⑤ حافظ بیہقی (۴۵۸ھ) | ⑥ حافظ ابن عساکر الدمشقی (۵۷۱ھ) |
| ⑦ حافظ توربشتی (۶۶۲ھ) | ⑧ حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) |
| ⑨ حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ) | ⑩ حافظ تاج الدین سبکی (۷۷۴ھ) |
| ⑪ حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) | ⑫ حافظ صیغی (۸۰۷ھ) |
| ⑬ حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) | ⑭ حافظ بدر الدین البیہقی (۸۵۵ھ) |
| ⑮ علامہ سخاوی (۹۰۲ھ) | ⑯ حافظ سیوطی (۹۱۱ھ) |
| ⑰ علامہ سمہودی (۹۱۱ھ) | ⑱ علامہ شعرائی (۹۷۳ھ) |
| ⑲ حافظ منذری (۱۰۰۳ھ) | ⑳ علامہ قاری (۱۰۱۴ھ) |
| ㉑ امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۲۴ھ) | ㉒ علامہ علی بن شیخ احمد عزیزی (۱۰۵۰ھ) |
| ㉓ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) | ㉔ علامہ احمد بن محمد الخفاجی المصری (۱۰۶۹ھ) |
| ㉕ علامہ زرقانی (۱۱۲۱ھ) | ㉖ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) |
| ㉗ قاضی شہار السراپاتی (۱۲۲۵ھ) | ㉘ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) |
| ㉙ علامہ شامی (۱۲۵۲ھ) | ㉚ قاضی شوکانی (۱۲۵۵ھ) |
| ㉛ علامہ محمد آلوسی صاحب روح المعانی (۱۲۷۰ھ) | ㉜ نواب قطب الدین شاریح مشکوٰۃ (۱۲۷۹ھ) |
| ㉝ نواب صدیق حسن خاں (۱۳۰۷ھ) | ㉞ مولانا تذیر حسین دہلوی (۱۳۲۰ھ) |

- (۲۵) مولانا شمس الحق عظیم آبادی (۲۶) مولانا خلیل احمد محدث سہل پوری (۱۳۴۶ھ)
 (۲۷) حضرت امیر شاہ کشمیری (۱۳۵۳ھ) (۲۸) حکیم الامت حضرت مولانا محتاتی (۱۳۶۲ھ)
 (۲۹) شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ) (۳۰) محدث العصر مولانا ظفر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ)

حدیث پر تواتر کا دعویٰ

حياة النبي في قبره وسائر الانبياء معلومة عندنا علماً قطعياً لما قام
 عندنا من الأدلة في ذلك وتواترت به الأخبار
 ان من جملة ما تواتر عن النبي صلى الله عليه وسلم حياة الانبياء في قبورهم

تواریخات از بعض عبارات

① حافظ بیہقی (۴۵۸ھ)

حافظ ابن بزار اور حافظ ابو یعلیٰ الموصلی ابن عدی اسے اپنی اپنی سندوں سے لاتے ہیں
 ان میں حافظ ابو یعلیٰ کی سند نہایت پختہ اور ثقہ راویوں پر مشتمل ہے۔ چوتھی صدی میں یہ روایت اسی
 طرح چلی۔ پانچویں صدی میں امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے اسے خود بھی اور ابو یعلیٰ کی سند بھی روایت کیا
 ہے اور اس کی تصحیح بھی کی ہے۔

أخبرنا الثقة من أهل العلم قال أنبأنا أبو عمرو بن حمدان قال أنبأنا

أبو يعلى الموصلي حدثنا أبو الجهم الزرق الحديث

امام بیہقی کا محض روایت کر دینا اور درجہ رکھتا ہے اور آپ کا اسے صحیح قرار دینا اور
 عقائد کی بحث میں اسے استدلالاً لانا اور مخالفین کے سامنے اسے بطور حجت کے پیش کرنا یہ اور
 درجہ رکھتا ہے۔ یہ دوسری بات نہایت اعلیٰ درجہ کی تصحیح ہے اور نہایت پختہ روایات کو متیسرے

لے فتاویٰ حافظ جلال الدین السیوطی جلد ۲ ص ۱۴۸ طبع مصر و نسخہ فی مرقاة السعود لکھنؤ المتناثر من الحدیث المتواتر

آسکتی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اسے اسی وضاحت سے نقل کیا ہے۔

واخرجه البزار ولكن وقع عنده الحجاج الصواف وهو وهو والصواب
الحجاج الاسود كما وقع التصريح في رواية البيهقي وصححه البيهقي
ترجمہ: اسے محدث بزار نے بھی روایت کیا ہے۔ لیکن اس کے ہاں یہ حجاج صواف
کے نام سے مذکور ہے اور یہ وہم ہے صحیح راوی حجاج اسود ہے جیسا کہ بیہقی
کی روایت میں اس پورے نام کی تصریح موجود ہے اور امام بیہقی نے تو اسے
صحیح بھی کہا ہے۔

② حافظ شہاب الدین فضل اللہ تورشتی (۷۶۲ھ)

حدیثی دست است کہ ان الله حرم على الارض اجساد الانبياء الى ان
قال هم احياء في قبورهم يصلون واول ہم پیغمبر مابہ خیزد
ترجمہ: یہ حدیث بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے اجساد زمین پر حرام
کر دیئے ہیں (وہ انہیں ریزہ ریزہ نہیں کر سکتی)، اور یہ بھی آپ نے فرمایا
ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں،
اور سب سے پہلے قبر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی اٹھیں گے۔

③ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ)

علامہ بدرالدین علی ابن تیمیہ کا نہایت نفیس اشتقاق کیا ہے۔ اس

میں ہے۔

والانبياء احياء في قبورهم وقد يصلون

وقد کے الفاظ کچھ ذرا کا سہو ہیں یا بطور سہو کہے گئے ہیں۔ یہ حدیث کے الفاظ نہیں ہیں مراد یہ ہے انبیاء کرام اپنی قبروں میں ہمیشہ نماز میں ہی نہیں رہتے کئی دوسری طاعات میں بھی مشغول رکھتے ہیں۔ اس کی تشریح کچھ بھی ہو حدیث اپنی اصل میں ان کے ہاں مسلم ہے اور صحیح ہے۔

④ علامہ تاج الدین السبکیؒ (۷۴۴ھ)

عن النبیؐ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احياء فی قبرہم یصلون فاذا اثبت ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حتی فالجی لا ید من ان یكون اما علما او جاہلا ویجوز ان یكون النبی جاہلا۔

ترجمہ حضرت انسؓ کہتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور وہ نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو جو بھی زندہ ہو وہ یا باشعور ہو گا یا بے شعور اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی (اپنی قبر میں) بے شعور ہو یہ نہیں ہو سکتا۔

اور آگے جا کر لکھتے ہیں:-

لان عندنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی یعلم و تقرض علیہ اعمال الامۃ ویبلغ الصلوۃ والسلام علی ما بیننا۔

ترجمہ یہ اس لیے کہ ہم (اہل سنت) کے عتیدہ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بدن مبارک میں حس موجود ہے۔ علم کی شان آپ میں باقی ہے اور آپ پر امت کے اعمال بھی پیش کئے جاتے ہیں اور آپ کو رامت کا صلوٰۃ و سلام بھی جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں پہنچایا جاتا ہے۔

اور اس سے پہلے آپ یہ لکھ آئے ہیں :-

ومن عقائدنا ان الانبياء عليهم السلام احياء في قبورهم فإين الموت له
ترجمہ: اور ہم (اطہنت) کے عقائد میں سے ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں
میں زندہ ہیں (اس وقت اُن پر) موت کہاں؟

⑤ علامہ نور الدین، سیبشیؒ (۷۸۰ھ)

رجال ابی یعلی ثقات۔

ترجمہ: ابو یعلیٰ کی اس روایت کے تمام راوی ثقہ (لائق اعتماد اور سچے) ہیں۔

⑥ خاتمہ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۷۸۵ھ)

اخرجه من طريق يحيى بن ابی بكير وهو من رجال الصحيح عن المستم
بن سعيد وقد ثقه احمد وابن حبان عن المجاج الاسود وهو ابن ابی
زیاد البصری وقد وثقه احمد وابن معين عن ثابت عن انس واخرجه
واخرجه ايضا ابو یعلیٰ فی مسنده من هذا الوجه واخرجه البزار لكن
وقع عنده عن المجاج الصواف وهو وهم والصواب المجاج الاسود كما وقع
التصريح فی رواية البيهقي وصححه البيهقي۔

ترجمہ: یہ حدیث یحییٰ بن ابی بکیر کے طریق سے مروی ہے اور وہ صحیحین کے راویوں
میں سے ہے۔ اس نے مسلم بن سعید سے روایت کی ہے جسے کہ امام احمدؒ اور
ابن حبانؒ نے ثقہ قرار دیا ہے اس نے یہ روایت حضرت ثابتؓ سے لی ہے اور
انہوں نے اسے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ ابو یعلیٰ نے بھی اپنی مسند میں

اسے اسی طریق سے روایت کیا ہے۔ بزار کی تخریج میں وہم سے حجاج صراف آگیا ہے۔ صحیح حجاج اسود ہی ہے جیسا کہ امام بیہقی نے تخریج کی ہے اور امام بیہقی نے اسے صحیح بھی کہا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ امام بیہقیؒ کے اس فیصلے سے کہ یہ حدیث صحیح ہے پوری طرح متفق ہیں۔ مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں۔

وفي البيهقي عن النسائي وصححه ووافقه الحافظ في المجلد السادس ان

الانبياء احياء في قبورهم يصلون له

الانبياء احياء في قبورهم له

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے امام بیہقیؒ کی تصحیح کو جو اہمیت دی ہے حضرت شاہ صاحبؒ بھی امام بیہقیؒ کی اس تصحیح کو خاصا وزن دے رہے ہیں۔ تفکر

④ حافظ بدر الدین العینیؒ (۸۵۵ھ)

الانبياء — فانهم لا يموتون في قبورهم بل هم احياء وامّا

سائر الخلق فانهم يموتون في القبور ثم يحيون

يوم القيمة. له

⑤ حافظ شمس الدین السخاویؒ (۹۰۲ھ)

نحن نؤمن ونصدق بانّه صلى الله عليه وسلم حي يرزق في قبره وان جده

الشريف لا تاكله الارض. له

له فيض الباری جلد ۲ ص ۱۴۷ مصرک فتح الباری جلد ۷ ص ۷۲ ۷۳ یعنی جلد ۷ ص ۷۲

۷۳ القل البدیع ص ۱۲۵ طبع ہند

ترجمہ ہم ایمان لاتے ہیں اور تقدیر کرتے ہیں کہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں آپ کو (دواں کے مناسب) رزق بھی دیا جاتا ہے اور آپ کے جسد اطہر پر زمین کا کوئی اثر وارد نہیں ہوتا۔

⑨ حافظ جلال الدین سیوطیؒ (۹۱۱ھ)

حیۃ النبی فی قبرہ و سائر الانبیاء معلومة عندنا علما قطعیا لما قام عندنا من الادله فی ذلک و تواترت بہ الاخبار بہ

ترجمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قبر میں حیات اور (اسی طرح) تمام انبیاء کرام کی (اپنی قبروں میں) زندگی ہمارے نزدیک علما قطعی درجے میں ہے ہمارے ہاں اس پر دلائل قائم ہو چکے ہیں اور احادیث اس باب میں تو اتر (قدر مشترک) تک پہنچ چکی ہیں۔

ان من جملة ما تواتر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیۃ الانبیاء فی قبورہم۔

ترجمہ جو روایات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اتر کے ساتھ منقول ہیں۔ ان میں یہ حدیث بھی ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

⑩ علامہ سہودیؒ (۹۱۱ھ)

لا شک فی حیۃ صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ و کذا سائر الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام احياء فی قبورہم حیۃ اکمل من حیۃ الشهداء التي اخبر اللہ بہا فی کتابہ العزیز۔

ترجمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بعد الوفا میں کسی شک کو راہ نہیں

دی جاسکتی۔ اسی طرح تمام انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات
مشہدہ کرام کی حیات جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں خبر دی ہے سے بھی زیادہ
کامل ہے۔

⑪ علامہ عبدالوہاب الشحرانیؒ (۱۰۷۳ھ)

قد صحت الاحادیث انه صلى الله عليه وسلم حتى في قبره يصلی
بإذان وإقامة ۛ

ترجمہ۔ یہ مدینیں پوری صحت کو پہنچ چکی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں
زندہ ہیں اور آپ وہاں اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔

⑫ علامہ عبدالرؤف المنادیؒ (۱۰۰۳ھ)

الانبياء احياء في قبورهم. هذا حديث صحيح ۛ

ترجمہ۔ یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں صحیح درجے کی حدیث ہے۔

⑬ مجذومۃ دہم ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباریؒ (۱۰۱۴ھ)

صح خبر الانبياء احياء في قبورهم يصلون ۛ

ترجمہ۔ یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں صحیح سند سے ثابت ہو چکی ہے۔

ان الانبياء احياء في قبورهم فيمكن لهم سماع صلوة من صلى عليهم ۛ

ترجمہ۔ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں سو یہ بات عالم امکان میں ہے کہ آپ اس

شخص کا صلۃ و سلام نہیں جو آپ پر درود و سلام پڑھے۔

ای یوصلون من امتی السلام اذا سلوا علی قلیلاً و کثیراً و هذا
مخصوص بمن بعد عن حضرة مرقدہ المنور و مضجعه المطهر و فیہ
اشارة الی حیاته الدائمة و فرجہ ببلوغ سلام امتہ الکاملۃ و ایماء
الی قبول السلام حیث قبلتہ الملائکۃ۔

ترجمہ۔ فرشتے میری امت کا سلام قلیل ہو یا کثیر مجھے پہنچاتے ہیں اور یہ اس کے لیے
ہے جو درود جو آپ کی قبر منور سے اور آپ کی آرمگاہ پاک ہے اس میں آپ کی حیات دہی
اور خوشی کی طرف اشارہ ہے جو آپ کو آپ کی امت کے سلام ملنے سے حاصل ہوتی ہے
اور اس میں اس سلام کے قبول ہونے کا بھی اشارہ ہے کہ فرشتوں نے اس سلام کو
آگے پہنچانے کے لیے قبول کر لیا ہوا ہے۔

وہ سلام کسی وجہ سے لائق رد ہوتا تو فرشتے اسے کبھی اٹھا کر نہ لے جاتے۔ فرشتوں کا اسے
لے لینا ہی اس بات کا نشان ہے کہ اب سلام قبول ہو چکا۔

وما افاده من ثبوت حیاة الانبیاء حیاة بما یبعدون و یصلون فی
قبورهم مع استغنائهم عن الطعام و الشراب کالملائکة امر لا امریۃ فیہ۔
ترجمہ۔ یہ بات کہ انبیاء کرام کے لیے وہاں ایسی حیات ثابت ہے کہ اس سے
وہ اپنی قبروں میں شغل عبادت اور مصروف نماز ہیں اور فرشتوں کی طرح
یہاں کے مادی کھانے پینے سے مستغنی ہیں یہ ایسی پختہ بات ہے کہ اس میں شک نہیں۔
وقد ورد بہ الاحادیث والانباء و انهم احياء فی قبورهم فانهم افضل
من الشهداء و احياء عند ربهم۔

ترجمہ۔ اور اس موضوع پر بہت سی احادیث و اخبار وارد ہیں اور بے شک

وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ کیونکہ وہ (بالیقین) شہداء سے جو اپنے رب کے
ہاں زندہ ہیں ہر حال میں افضل ہیں۔

انہ علیہ السلام فی قبرہ حتی وقال تعالیٰ لا ترفعوا اصواتکم فوق
صوت النبی ﷺ

ترجمہ بے شک حضور علیہ السلام اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے
کہ تم اپنی کوازیں حضور کی آواز سے اونچی نہ کرو۔
وفیہ دلیل علی ان الانبیاء احياء حقیقۃ ﷺ

ترجمہ۔ اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ انبیاء کرام حقیقی طور پر زندہ ہیں۔
المعتقد المعتقد انہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی فی قبرہ کسائر الانبیاء
فی قبرہم وہم احياء عند ربہم وان لا رواجہم تعلقاً بالعالم
العلوی والسفلی ﷺ

ترجمہ۔ وہ عقیدہ جس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس
طرح دوسرے انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں آپ بھی زندہ ہیں اور وہ (انبیاء
کرام) اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ اور بایں طور کہ ان کی ارواح کا تعلق عالم
علوی اور اس جہانِ ارضی دونوں سے ہے۔

①۴ مجد دمانۃ یازدہم حضرت امام ربانی سیدنا شیخ سرمنہدیؒ (۱۵۳۴ھ)

برزخ صغریٰ چوں از یک وجہ از موطن دنیوی است گنجائش ترقی دارد و احوال
ایں وطن نظر باشخاص مستفادۃ تفاوت فاحش دارد۔ الانبیاء یصلون فی
القبور شنیہ باشند ﷺ

ترجمہ۔ یہ پہلا برزخ چونکہ ایک پہلو سے موطن دنیوی بھی ہے اس میں ترقی اعمال کی گنجائش ہے اور برزخ کے اس موطن دنیوی کے حالات مختلف درجوں کے افراد کے لحاظ سے مختلف ہیں آپ نے یہ حدیث تو سننی ہوگی کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔

①۵ علامہ علی بن شیخ احمد عزیزی (۱۰۵۰ھ) شارح جامع صغیر

لأنه حتى دائماً وروح لا تفارقه لأن الأنبياء أحياء في قبورهم۔
ترجمہ۔ یہ اس لیے کہ (آپ) دائمی حیات سے زندہ ہیں اور آپ کی روح مقدسہ کبھی آپ سے جدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ سب انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

①۶ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ)

ابو بعلی بن قتل ثقات از روایت انس بن مالک آدرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبياء احياء في قبورهم يصلون۔
ترجمہ۔ ابو بعلی نے ثقہ راویوں کی روایت سے حضرت انس بن مالک سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

①۷ علامہ احمد بن محمد انخفاجی (۱۰۶۹ھ) شارح شفاء

وقد ثبت بالاحادیث الصحيحة ان النبي صلى الله عليه وسلم وسائر الانبياء أحياء
حياة حقيقية كالشهداء۔

ترجمہ۔ اور یہ بات احادیث صحیحہ سے ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیائے کرام حیات حقیقی سے جیسا کہ وہ شہداء کے لیے حاصل ہے، زندہ ہیں۔

①۸ علامہ محمد بن عبد الوہاب الزرقانیؒ (۱۱۲۲ھ) شارح مواہب اللدنیہ

وحياة النبي في قبره هو وسائر الانبياء معلومة عندنا علمًا قطعياً لما قام عندنا من الأدلة في ذلك وتواتر الأخبار به ^{بطل}

ترجمہ۔ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں اور تمام انبیاء کرام کی حیات (ان کی قبروں میں)، ہمارے ہاں علم قطعی سے ثابت ہو چکی ہے۔ کیونکہ ہمارے ہاں اس پر دلائل قائم ہو چکے اور یہ احادیث تو اتر کے درجے کو پہنچی ہیں۔

①۹ علامہ یوسف الشافعی الاربدیلیؒ (۱۱۰۰ھ)

و يخاطب بعد الموت بقول السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته لان الانبياء احياء في قبورهم يصلون ويعتقون كما ورد ^{بطل}

ترجمہ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کو موت کے بعد بھی السلام علیک ایہا النبی سے خطاب کیا جاسکے۔ کیونکہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور حج بھی کرتے ہیں جیسا کہ روایات میں وارد ہو چکا۔

②۰ مجدد ملت دوازدم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ)

آپ کی کتاب فیوض الحرمین میں ان مقامات کا مطالعہ فرمائیں جب آپ مدینہ منورہ میں
روضہ النور پر حاضری دیتے تھے۔

لما دخلت المدينة المنورة وزيارت الروضة المقدسة... رأيت روحه صلى الله عليه
وسلم ظاهرة باذرة لا في عالم الارواح فقط... ثم توجهت الى القبر الشامخ المقدسة مرة
بعد اخرى... وانه الذي اشار اليه بقوله ان الانبياء لا يموتون وانهم يصلون ويحجون في قبورهم
وانهم احياء الى غير ذلك ولما سلم عليه قط الا وقد انبسط الحى وانشرح به
اس کی تائید میں ایک دوسری حدیث بھی لیجئے۔

وهي المكثي عنه بقوله صلى الله عليه وسلم ما من احد يستلم على الارزاد الله
على روحى حتى اردد عليه السلام وقد شاهدت ذلك ما لا احصى في
مجاورتى المدينة سنة الف ومائة واربع واربعون ٥

ترجمہ: اور یہ اشارہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی طرف کہ جب
کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے اور اسے
مجھ پر متوجہ کر دیتا ہے، یہاں تک کہ میں اس پر سلام لوٹاؤں اور میں نے
۴۴ھ میں جب میں مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ٹھہرا ہوا تھا
تو میں نے اس حقیقت کو وہاں (روضہ النور پر) اتنی بار مشاہدہ کیا کہ میں شمار
نہیں کر سکتا۔

(۲۱) محدث کبیر قاضی ثناء اللہ فانی فنی (۱۲۲۵ھ) صاحب التفسیر المنطہری

انه صلى الله عليه وسلم قال من صلى على عند قبري سمعته ومن صلى على
غلبنا بلغته ٥

۲۲) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۲۹ھ) صاحب تفسیر فتح العزیز

ارداح کے لیے موت کے بعد فنا نہیں بلکہ صرف بدن سے اس کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے لیکن عوام کے حق میں روح کی حیات سے مراد صرف یہ ہے کہ روح باقی رہتی ہے اور شہداء کو اس بقا کے علاوہ دواہر زائد دیتے جاتے ہیں۔ دنیا میں روح کا بدن کے ساتھ جو تعلق ہے اس کا حاصل بھی ہی دواہر میں۔ اول یہ کہ شہداء کے اجر میں ترقی ہوتی ہے اور دواہر اس پر ہے کہ جو سوا بدن شہداء کو روزی دی جاتی ہے۔۔۔ انبیاء علیہم السلام کو اس سے بھی زیادہ درجہ حاصل ہے کہ امت کے احوال ان کے حشر میں پیش کیے جاتے ہیں۔۔۔ چنانچہ عوام کی دنیوی حیات کے اثر سے کہیں زیادہ ہے۔

۲۳) علامہ ابن عابدین الشامیؒ (۱۲۵۲ھ) شارح الدر المختار

ان الانبياء احياء في قبورهم كما ورد في الحديث۔
ان الانبياء عليهم الصلوة والسلام احياء في قبورهم۔
ترجمہ: حدیث میں وارد ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

۲۴) قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) صاحب تفسیر فتح القدير و شارح منتقى الاخبار

انه صلى الله عليه وسلم حي في قبره و روحه لا تفارقه لما صح ان الانبياء احياء في قبورهم۔

ترجمہ: بیشک حضورؐ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپؐ کی روح اقدس آپؐ کے جدا نہیں ہوتی کیونکہ یہ بات صحیح طریق سے ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاء کرام اپنی قبر میں زندہ ہیں۔

۱۔ فتاویٰ حسنی بنی جلد ۱ ص ۱۶۱ ۲۔ رسائل ابن عابدین جلد ۲ ص ۲۰۳ مصر

۳۔ رد المحتار الشامی جلد ۳ ص ۳۶۶ باب المغنم ۴۔ تحفۃ الذاکرین بشرح الحسن الحسین ص ۲۸

ورد النص في كتاب الله في حق الشهداء انهم احياء يرزقون وان
الحياة فيهم متعلقة بالجسد فكيف بالانبياء والمرسلين وقد ثبت في
الحديث ان الانبياء احياء في قبورهم

رواه المنذرى وصححه البيهقي.

ترجمہ: قرآن کریم میں شہداء کے حق میں نص وارد ہے کہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب
کے ہاں رزق بھی دیئے جاتے ہیں اور یہ کہ حیات ان کی ان کے جسد سے تعلق
رکھتی ہے یہ شہداء کی حیات ہے تو انبیاء و مرسلین کی حیات کس درجہ قوی ہو
گی اور یہ بات تو حدیث میں ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاء کرام اپنی اپنی قبروں
میں زندہ ہوتے ہیں۔

انه صلى الله عليه وسلم حتى في قبره بعد موته كما في حديث الانبياء احياء
في قبورهم وقد صححه البيهقي واللف في ذلك جزءاً

ترجمہ: بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں بعد الوفاً زندہ ہیں جیسا کہ حدیث
میں وارد ہوا اور بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے۔

انه صلى الله عليه وسلم حتى في قبره بعد موته كما في حديث الانبياء احياء
في قبورهم..... ويؤيد ذلك ما ثبت ان الشهداء احياء يرزقون في
قبورهم والنبى صلى الله عليه وسلم واله وسلم منهم واذا ثبت انه حتى في
قبره كان المبعي اليه بعد الموت كالمبعي اليه قبله

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں اپنی وفات کے بعد بچہ زندہ ہیں جیسا کہ حدیث الانبیاء
احیاء فی قبورہم سے ثابت ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور
انہیں ان کی قبروں میں رزق بھی دیا جاتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو شہید ہیں

میں سے ہیں۔

اور حبیبِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قبر میں حیاتِ ثابت ہو چکی تو آپ کی قبر
مہلک پر آنا اسی طرح ہے جس طرح وفات سے پہلے آپ کے پاس عاضری دینا تھا۔

②۵ علامہ مسود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ)

والمراد بملك الحيوة نوع من الحيوة غير معقول لناهي فوق حياة الشهداء بكثير وحيوة نبينا
صلى الله عليه وسلم اكمل واتم من حياة سائرهم عليهم السلام الى ان قال ملك الحيوة في القبر وان كانت يترتب
عليها بعض ما يترتب على الحيوة في الدنيا المعروفة لنا من الصلوة والاذان والاقامة ورد السلام
المسبح ونحو ذلك الا انها لا يترتب عليها كل ما يمكن ان يترتب على ملك الحيوة المعروفة
والحيوة في القبر تستلزم الخروج وانا اقول بما في حق الانبياء عليهم السلام

حاصل اس کہ آنحضرتؐ کی حیاتِ شہداء سے بہت اعلیٰ اور اتم ہے اس حیات فی القبر اگرچہ بعض دنیوی
امور مرتب ہیں جیسے نماز اذان اقامت اور سلام کرنے والوں کا جواب دینا لیکن اس دنیا کی حیات
معروفہ کی ہر ممکن چیز اس حیات پر مرتب نہیں ہے۔

②۶ نواب قطب الدین خاںؒ (۱۲۷۹ھ) شارح مشکوٰۃ وصاحب مظاہر حق

زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں۔ یہ مسئلہ مشفق علیہ ہے کسی کو اس میں اختلاف
منہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے۔

(نوٹ) دنیا کی سی ہے سے مراد یہ ہے کہ دنیوی نہیں کیونکہ مشربہ اور شہیدہ میں تغائر ضروری ہے باعتبار عالم
وہ حیات برزخی ہے اور انبیاء سے اسی طرح جسمانی محسوس کہتے ہیں جیسے وہ اس دنیا میں ایک جسمانی زندگی
رکتے تھے اور وہی جہدِ فائز حیات ہے جو ریزہ ریزہ ہونے سے محفوظ کیا گیا، گو یہاں والوں کو محسوس نہ ہو۔

②۶ نواب صدیق حسن خاں صاحب (۱۳۰۷ھ)

نواب صاحب اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں اس کی سند حید ہے۔
 من صلی علی عند قبری سمعہ ومن صلی علی نایا بلقہ رواہ ابو الشیخ
 قریب سے درود و سلام خود سنتے ہیں اور دور سے فرشتے پہنچاتے ہیں جیسا کہ
 صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول تھا۔

②۸ میاں نذیر حسین صاحب دہلوی (۱۳۲۰ھ)

اور حضرت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں خصوصاً آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں۔

②۹ مولانا شمس الحق عظیم آبادی (صاحب عون المغنود شرح سنن ابی داؤد)

اجساد الانبیاء ای من تاملہا فی قبورہم اعیاء۔
 ترجمہ: انبیاء کرام کے اجساد مٹی پر ختم ہے کان کو کھائے وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

③۰ مولانا خلیل احمد محدث بہار پوری (۱۳۲۷ھ)

المراۃ بالسلام عند القبر وقت حضورہ للزیارۃ..... ان روح المقدسۃ فی
 شان ما فی الحضرة الالهیۃ فاذا بلغہ سلام احد من الامة رد اللہ تعالیٰ روحہ
 المطہرۃ من تلك الحالة الی رد من سلم علیہ۔

آنحضرت حیات ہیں لہذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیئے مسجد نبوی کی حد
 میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔

③۱ امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ (۱۳۵۳ھ)

فی الیہقی عن انسؓ وصححه ووافقه الحافظ فی المجلہ السادس ان الانبیاء
احیاء فی قبورہم یصلون^۱۔

ترجمہ بیہقی میں حضرت انسؓ سے روایت ہے اور بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے اور حافظ
ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری کی چھٹی جلد میں بیہقی سے اس حدیث کی صحت پر پورا کی ہے حدیث یہ ہے
کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

③۲ حکیم الامتہ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۳ھ)

حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم
السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں^۲۔

③۳ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۹ھ)

امابعد وفاته فروجہ المقدسہ صلی اللہ علیہ وسلم قد استقرت فی الخفی الاعلی
مع ارواح الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ولا یوہم من ہذا انکار حیاتیۃ فی قبرہ الشریف
فان لروحہ صلی اللہ علیہ وسلم اشراقاً علی البدن المبارک المطیب واشراقاً وتعلقاً بہ
وبدنہ فی ضرمجہ غیر مفقود واذا اسلم علیہ المسلم رد اللہ علیہ روحہ حتی یرد
علیہ السلام کما ورد فی الحدیث ولم یفارق الملاء الاعلی ومن کشف ادراکہ وغلطت
طباعہ عن ہذا الادراک فلینظر الی الشمس فی علو علمہا وتعلقہا وتأثیرہا
فی الارض وحیاء النبات والحیوان بہا^۳۔

المبحث الخامس — الکلام علی عالم المثال

قبر عالم بزخ کی ایک قرار گاہ ہے اگلی قرار گاہ عالم آخرت ہے جس کے دو بڑے حصے ہیں
۱۔ جنت ۲۔ جہنم۔ مقام اعراف بھی عالم آخرت کا ہی ایک حصہ ہے۔

یہ دنیا جس میں اب ہم ہیں ہماری یہ قرار گاہ بھی کچھ وقت کے لیے ہے دائمی قرار گاہ
عالم آخرت ہے۔

۱۔ عالم ارواح ۲۔ عالم دنیا ۳۔ عالم بزخ اور ۴۔ عالم آخرت۔ یہ چاروں عالم بالترتیب
چلے ہیں۔ پہلے تینوں اپنے اپنے وقت کے لیے بنی نوع انسان کی قرار گاہیں اور چوتھا جہاں مستقل
طور پر ہماری قرار گاہ ہے۔ یہ چاروں جہاں حقائق کے جہاں ہیں۔ یوں سمجھئے چاروں جہاں عالم
شہادت کے مختلف پیرائے ہیں۔ علماء نے ان کے متوازی ایک اور جہاں کا پتہ دیا ہے۔ یہ جہاں عالم
مثال ہے جو عالم شہادت کے ساتھ ساتھ چلتا ہے یہ حقائق کی دنیا نہیں۔ یہاں حقائق کی ان کے اپنے
مناسب حال تصویریں اترتی ہیں۔ عالم مثال گویا ایک آئینہ ہے جس میں حقائق منعکس ہوتے ہیں۔

خود آنحضرتؐ کے سامنے جنت ایک دفعہ مثالی شکل میں لائی گئی دانت الجنة والندار مملکتیں
حضرت شیخ محی الدین ابن العربیؒ فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے
کئی اور آدم گزرے ہیں اور اس پر انہوں نے عالم مثال کے کچھ مشاہدات ذکر کئے ہیں۔

حضرت امام ربانیؒ مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب آدم عالم مثال کے ہیں۔ عالم شہادت
میں صرف وہی ایک آدم گزرے ہیں جنہوں نے صفت جامعیت پر خلقت پائی۔ ان کے آنے سے
پہلے ان کے لطائف یا صفات میں سے کوئی صفت یا لطیفہ الشرب العزت کی ایجاد سے عالم مثال
میں وجود پاتا رہا اور صورت آدم میں اس کا ظہور ہوتا رہا۔

حضرت امام ربانیؒ شیخ سرسندی کے اس ارشاد سے بعض حضرات یہ مطلب نکال رہے

ہیں کہ جس طرح اودام مختلفہ عالمِ مثال میں موجود رہے، اسی طرح انبیائے کرام وفات کے بعد عالمِ مثال میں چلے جاتے ہیں اور ان کی ارواح قدسیہ عالمِ مثال ہی میں مختلف اطوار میں ظہور فرماتی ہیں۔ یہ انبیاء کرام کا اپنے قبور میں تمناؤں پر ضنا سب مثالی وجود ہی سے عمل میں آتا ہے نہ کہ حبِ عنصری سے نعیم قبر اور عذابِ قبر اسی عالمِ مثال میں ہوتے ہیں۔

جو اباعرص ہے کہ پہلے حضرت نجد کے کلام میں عالمِ مثال کا معنی سمجھ لیجئے۔ آپ کے ہاں عالمِ مثال ایک آئینہ کے درجہ میں ہے جس میں حقائق اور معانی منعکس ہوتے ہیں۔ اس کی اپنی کوئی صورت و ہیئت نہیں۔ جتنی صورتیں اور شکلیں اس میں نظر آتی ہیں، وہ دوسرے عوامل سے اس آئینہِ مثال میں عکس دے رہی ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ پھر یہ عالمِ مثال کوئی رہتے کا محل نہیں، اسے عالمِ ارواح اور عالمِ اجساد کے درمیان فقط ایک برزخ کا درجہ حاصل ہے، جو فی حد ذاتہ کسی صورت و شکل کو متضمن نہیں۔

عالمِ مثال کی اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ روح آدم خلقتِ آدم سے پیشتر بھی ہرگز عالمِ مثال میں اقامت گزیر نہ تھی۔ قرونِ متطاوۃ سابقہ میں فقط اس کے لطائف منعکس ہو کر آدم کا نام پاتے رہے۔ روح بہر حال عالمِ ارواح میں تھی نہ کہ عالمِ مثال میں۔ اس لیے کہ عالمِ مثال رہنے کی جگہ نہیں۔ فقط دیکھا جانے کا ایک آئینہ ہے جس میں حقائق و معانی اُترتے ہیں۔

پس یہ کہنا کہ جس طرح اودام مختلفہ عالمِ مثال میں موجود رہے ہیں، اسی طرح انبیائے کرام بعد وفات اس عالمِ مثال میں چلے جاتے ہیں، کس طرح بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔
اعلانا اللہ منہا۔

ارشاد حضرت مجدد الف ثانیؒ

نوشۃ بُودند کہ روح پیش از تعلق بہ بدن در عالمِ مثال بُودہ است و بعد از مفارقت از بدن باز بعالمِ مثال خواهد رفت، پس عذابِ قبر در عالمِ مثال خواهد بُود

بدانند کہ اس قسم خیالات از صدق قلیل انصیب است بعالم مثال کار ندارد
 نہ پیش از تعلق و نہ بعد از تعلق بیش از این نیست کہ در بعضی اوقات بتوفیق اللہ سبحانہ
 بعضی از احوال خود را در مرآة عالم مطالعہ می نمایند عالم مثال از برائے
 دیدن است نہ برائے بودن، جائے بودن عالم ارواح است یا عالم اجساد، عالم
 مثال بیش از مرآة این دو عالم نیست عذاب قبر از این قبیل نیست کہ حقیقت
 محسوب است نہ صورت و شبہ عقوبت بل

ترجمہ: آپ نے لکھا تھا کہ روح بدن کے ساتھ وابستہ ہونے سے پہلے عالم مثال میں
 رہی ہے اور بدن سے جدا ہونے کے بعد پھر عالم مثال میں چلی جاتی ہے پس عذاب
 قبر اس عالم مثال میں ہوتا ہے۔ جو ابا آپ کو جاننا چاہیے کہ اس قسم کے خیالات انہی
 لوگوں کے ہیں، جنہیں صداقت بہت کم نصیب ہوئی ہے اور وہ اس باب میں
 قلیل نصیب ہیں۔ روح کا عالم مثال سے کوئی سروکار نہیں، نہ بدن کے ساتھ وابستہ
 ہونے سے پہلے اور نہ اس کے بعد۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ الشریعت
 العزت کی قدرت سے روح کے بعض احوال اس عالم کے آئینے میں منعکس ہوتے
 ہوں لیکن عالم مثال روح کے رہنے کی جگہ نہیں وہ تو محض دیکھنے کا ایک پردہ
 ہے، جس پر صورتیں ظاہر ہوتی ہیں، رہنے کی جگہ یا عالم ارواح ہے یا عالم اجساد۔
 عالم مثال ان دونوں جہانوں کے آئینہ ہونے کے سوا اور کچھ نہیں۔ عذاب قبر اس
 مثالی صورت پر وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ عذاب قبر خود ایک حقیقت ہے کسی عذاب
 اور سزا کی محض کوئی تصویر نہیں۔

اس مکتوب پر حضرت امام ربانیؒ نے جو تصریحات فرمائیں، ان کا خلاصہ حسب ذیل

ہے۔

- ① معاملات قبر اپنا حقیقی وجود رکھتے ہیں، فقط صورت وانعکاس نہیں۔
- ② وجود عالم مثال فقط شبہ و صورت ہے، کسی شے کی حقیقت نہیں۔
- ③ روح کا تعلق عالم مثال میں کبھی رہنے کا نہیں ہونا نہ بدن سے متعلق ہونے سے پہلے نہ بعد ازاں۔

④ مفارقت بدن کے بعد روح اور اطوار روح کو عالم مثال میں ٹھہرانا روح کی نفی کرنے کے مترادف ہے۔

اب غور فرمائیے کہ انبیائے کرام کی ارواح قدسیہ ان کے برزخی احوال اور ان کے معاملات قبر کو عالم مثال کے امور بتلانا اور پھر اسے فیصلہ کن ٹھہرانا، کس قدر شانِ علم و دیانت ہے۔

المبحث السادس — فی معنی القبر

قبر اپنی وسعت اور کشادگی کے اعتبار سے فقط اس زمینی نشان کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک عالم برزخ کی منزل ہے جس کا ایک پہلو یہ زمینی نشان ہے اور اس کی دوسری حدود و اطراف کو اللہ رب العزت ہی جانتے ہیں۔

آپ کسی میت کے لیے کوئی گڑھا کتنا ہی فراخ کیوں نہ بنادیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے اس کے خلاف معاملہ کرنا چاہیں، تو اُسے تنگی کی آغزی انتہا تک پہنچا دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ اتنا ہی فراخ دکھائی دے۔ اسی طرح کسی بندہ خدا کے لیے کوئی قبر کتنی ہی تنگ کیوں نہ بنادی جائے، وہ رحیم مطلق جیب چاہے اسے حد نظر سے بھی زیادہ فراخ کدیتا ہے۔ اگرچہ بظاہر اس زمینی نظام میں کوئی خاص تبدیلی ظہور پذیر نہ ہو۔ اس سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ ظاہری قبر عالم برزخ کا صرف ایک پہلو ہے، جس کی اگلی وسعت و وسعت کو اللہ رب العزت ہی جانتے ہیں یا وہ بندگانِ خدا اس پر اطلاع پاتے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ اس کا انکشاف کرامت فرما دیتے ہیں۔ اس کی بحث ہم تفصیل سے پیچھے کر آئے ہیں۔

ایک غلطی کا ازالہ

بعض لوگ صوفیائے کرام کے ان اشادات سے کہ ”قبر حقیقت میں اس ظاہری زمین نشان کا نام نہیں، بلکہ وہ ایک عالم برزخ کی منزل ہے۔“ — اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ عالم برزخ اس ظاہری قبر سے ایک بالکل جدا مکان کا نام ہے، حالانکہ ایسا نہیں، امر واقع یہ ہے کہ عالم برزخ کو اس ظاہری قبر سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہوتا ہے۔ البتہ قبر اپنی وسعت و فصاحت کے اعتبار سے اس زمینی نشان تک محدود نہیں، بلکہ یہ ایک برزخی منزل ہے جس کا ایک پہلو یہ ظاہری قبر اور اس کی باقی حدود اس پردے میں ہیں، جسے کہ برزخ کہا جاتا ہے۔ یعنی یہ ظاہری قبر حقیقت قبر سے کلیتہً جدا نہیں، صرف بعض اعتبارات سے اس سے مختلف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برزخی مشاہدات میں بھی اس ظاہری نشان پر قبر کا اطلاق بکثرت وارد ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ عالم برزخ کا ایک پہلو یقیناً یہ ظاہری قبر ہے۔ اسے حقیقت قبر سے کنایہ قرار دینا، تو خیر سمجھ میں آتا تھا، لیکن مجاز ہی مجاز کہے چلے جانا یہ بالکل خلاف واقع ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

پچھے اس پر پوری بحث ہو چکی ہے اور آپ یہ حدیث پڑھ آئے ہیں کہ :-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبرستان سے گزرے۔ آپ نے دو شخصوں کو عذاب ہوتے دیکھا۔ ایک ان میں سے پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچتا تھا اور دوسرا خچلی کھانے کا عادی تھا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ان دونوں کو عالم برزخ میں عذاب ہو رہا تھا۔ اب اس کا ان ظاہری قبروں سے انکشاف اس حقیقت کا پتہ دے رہا ہے کہ حقیقت قبر اس ظاہری زمینی نشان سے کلیتہً علیحدہ نہیں

لہ ان القبر اول منازل الاخرة (مسند رک مہد امک)، و احوال البرنماخ اشبه باحوال الماخوة (فتح الباری ص ۲۴۹)

لہ عن ابن فورک انه صلی اللہ علیہ وسلم فی قبر رسولہ الی المابد حقیقۃ لا معجازا قال ابن عقیل من المنابلۃ هو صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ یصلی (الموضوۃ البہیۃ فیما بین الاشاعرۃ والماترید یہ ص ۱۸ مطبوعہ

حیدرآباد دکن)، لہ راجع لہ البخاری جلد ۱ ص ۱۸۴

بلکہ یہ علیحدگی صرف وسعت و فسحت وغیرہ کے اعتبار سے ہے۔

اسی طرح آنحضرتؐ کا اس عورت کے متعلق جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی، فرمانا کہ مجھے

اس کی قبر کا پتہ بتاؤ یقیناً اس ظاہری زمینی نشان سے ہی متعلق تھا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

دَلَّيْكُمْ عَلَى قَبْرِهَا ۞

ترجمہ: مجھے اس کی قبر کا پتہ بتاؤ۔

اور پھر آپؐ کا یہ اعلان بھی اسی ظاہری زمینی نشان ہی سے متعلق تھا:

اِنَّ هَذِهِ الْقُبُورَ مَمْلُوءَةٌ ظِلْمَةً عَلٰی اَهْلِهَا وَاِنَّ اللّٰهَ يَنْوِّرُهَا لِمَنْ
بِصَلَاتِهِ ۞

ترجمہ: بے شک یہ قبر اپنے مدفونین کے لیے تاریکی سے آٹی پڑی ہیں اور اللہ

تعالیٰ میرے جنازہ پڑھنے سے انہیں نورانی بنادیتے ہیں۔

یہ ارشاد بھی بتا رہا ہے کہ ظلمت و نور کا محل یقیناً وہی ظاہری قبر میں جو ہذا کا مشارالہ

ہیں۔ ہاں اس کے باقی بے زنجی پہلو اور وسعت و فسحت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں وہ اس ظاہری

نشانات کی ظاہری حدود میں منحصر نہیں۔

آنحضرتؐ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی جس بے زنجی زندگی میں نماز پڑھتے دیکھا تھا، اس

کا انکشاف اس ظاہری قبر سے ہی ہوا تھا، جو سرخ ٹیلے کے پاس آپؐ نے دیکھی تھی۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ کہنا کہ عالم بے زنج کو اس ظاہری قبر سے کوئی تعلق نہیں، یقیناً غلط

ہے۔ مقام افسوس ہے اور محل حیرت و حیرت ہے۔

آنحضرتؐ نے اس حدیث حیاتِ انبیاء میں صرف یہ نہ فرمایا ”الانبياء احياء“ (انبیاء

زندہ ہوتے ہیں) بلکہ اس کے ساتھ ”فی قبورهم“ (اپنی اپنی قبروں میں) کی وضاحت فرمادی۔

تاکہ کوئی یہ گمان نہ کر سکے کہ انبیائے کرام کی بے زنجی حیات صرف روحانی ہوتی ہے ”فی قبورهم“

کے الفاظ سے اس پر متنبہ کر دیا کہ یہاں محلِ حیات وہی ہے، جسے قبروں میں رکھا جاتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ انبیائے کرام کے اجسامِ عنصریہ ہی بعد الوفاً قبور میں اتارے جاتے ہیں پس اُن کی حیات کا بیان ان قبور کے ذکر کے ساتھ اس حقیقت کو بے نقاب کر رہا ہے کہ انبیائے کرام کی برزخی حیات صرف روحانی نہیں، بلکہ عنصری اور جسمانی بھی ہے۔

پھر یہی نہیں کہ آنحضرت نے حیاتِ انبیاء کی وضاحت فی قبورِ ہمد کے الفاظ سے کی، بلکہ آپ نے یصلون کہ وہ نمازیں بھی پڑھ رہے ہیں، کی تصریح فرما کہ حیاتِ جسمانی کو اور روشن کر دیا۔ اس لیے نماز کسی وجودِ جسمانی کو چاہتی ہے اور ظاہر ہے کہ وہ تو قبر میں ہے۔

الصَّلَاةُ تَسْتَدْعِي جَسَدًا حَيًّا۔ (حاشیہ نسائی)

افصح العرب والعجم، صاحبِ جوامع الکلم نے کس جامع اور بلیغ انداز میں ارشاد فرمایا ہے۔
الانبياء احياء في قبورهم يصلون۔

ترجمہ۔ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

① احياء میں حیات کا بیان مجلہ اسمیہ سے کر کے استمرار کی وضاحت کی۔

② فی قبور ہمد میں حیات کے عنصری جسمانی ہونے کی وضاحت ہوئی۔

③ یصلون میں حیاتِ حقیقی کا جس میں اعمالِ طیبہ سے تعطل نہ ہو، بیان ہوا۔

پس انجوائے حدیث شریف آنحضرت اپنے روحِ شریف میں (تأثیر روح یا دخول روح سے) اپنے جسمِ عنصری کے ساتھ فائزِ الحیات ہیں اور بدستور اشغالِ طیبہ میں استغراق ہے۔ یہ عمل تِلْذُّذٌ ہے نہ کہ دُجُوباً۔ علامہ علی بن شیخ احمد غزینی لکھتے ہیں :-

تِلْذُّذٌ لَا تَكْلِفُ انْقِطَاعَ بِالْمَوْتِ۔

ترجمہ۔ یہ عبادت تِلْذُّذٌ ہے کیونکہ مکلف ہونا اور دُجُوب سے ختم ہو چکا ہے۔

تاہم قبر سے مراد یہی قبر ہے جس کی برزخی وسعت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

مقدمہ میں ہم معنی قبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے متعلق مثالیں پیش کر چکے ہیں۔ یہاں ایک اور حوالہ نوٹ کر لیجئے۔ اس سے واضح ہو گا کہ اللہ رب العزت کے ہاں بھی یہ دنیا کا گڑھا مفہوم قبر سے بالکل بے تعلق نہیں۔ مومنین پر اللہ رب العزت کی رحمتیں انہی گڑھوں پر اترتی ہیں اور بے اوقات نور کے شعلے بھی انہی سے اٹھتے ہیں۔

حضرت ابوالیوب انصاریؓ کی قبر سے نور کا مینار اٹھا

حضرت ابوالیوب انصاریؓ (۵۱ھ) اس لشکر میں شامل تھے جو قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوا۔ یہ حضرت معاویہؓ کا دورِ خلافت تھا۔ آپ بیمار ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ آپ رات کے وقت قلعہ کے دامن میں دفن کئے گئے۔ امام محمد بن احمد الخضری (۴۸۳ھ) بیان کرتے ہیں۔

فدفنوه لیلاً فصعد نور من قبره الى السماء ورأى ذلك من كان بالقرب من ذلك الموضع من المشركين فجاء رسولهم من الخندق قال من كان هذا المیت فیکف فقالوا صاحب لبنینا فاسلموا بهما راؤا

ترجمہ: انہیں مہاتھقوں نے رات کے وقت قبر میں اتارا۔ آپ کی قبر سے نور کا ایک شعلا آسمان کی طرف بلند ہوا اور اس منظر کو دوسری طرف کفار نے بھی جو سرحد کے قریب تھے دیکھ لیا۔ صبح ہوئی تو ان کا ایک قاصد آیا اور اس نے پوچھا کہ یہ سر نبیہ الاکون تھا جسے رات تم نے دفن کیا، انہوں نے کہا کہ یہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے جنہوں نے اسے دیکھا وہ سب ایمان لے آئے۔

انہوں نے سوچا کہ جس نبی کے صحابی کی یہ شان ہے کہ ان کی قبر سے روشنی اٹھتی ہے اس نبی کی اپنی شان کیا ہوگی کس طرح آپ کے لیے آسمان و زمینیں برساتا ہو گا اور زمین بھی اپنی برکتیں اُگلے گی۔ اور یہ حقیقت ہے کہ آپ کی قبر مبارک حضرت ابوالیوب انصاریؓ کی قبر سے کئی گنا زیادہ منع نور ہوگی۔

الفصل الخامس

وفيه ستة من المباحث

قال ابو الشيخ في كتاب الصلوة حدثنا عبد الرحمن بن احمد الاوزج حدثنا الحسين بن الصباح حدثنا ابن معاوية حدثنا الاعمش عن ابي صالح عن ابي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم.

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من صلى على عند قبري سمعته ومن صلى على من بعبدا علمته — وفي رواية من صلى على نائيا ابلفته۔

ترجمہ۔ جو پڑھے درود میری قبر کے پاس اسے میں خود سنوں گا اور جس نے دُور سے پڑھا وہ مجھے پہنچا دیا جائے گا۔

المبحث الاول — في معنى الحديث

اس حدیث میں من صلی عام ہے جس نے بھی حضورؐ پر درود بھیجا، وہ انسان ہو یا فرشتہ یا جن، ہر ایک کا درود آپؐ کو پہنچتا ہے۔ ہاں جو قبر مبارک کے پاس درود پڑھے، اسے حضور اکرمؐ خود سنیں گے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرتِ سامعہ کیا اتنی تیز تھی کہ منوں مٹی کا فاصلہ اسے روک نہیں سکتا؟

جواب — ہاں جب حضور خود دنیا میں تشریف فرما تھے تو کیا آپ نے منوں مٹی کے فاصلے سے ان مردوں کی آوازیں نہ سُنیں جن کو عذاب ہو رہا تھا اور کیا یہ احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود نہیں ہیں؟

سوال کیا کسی اور حدیث سے بھی ثابت ہے کہ حضور قریب سے کہے گئے سلام کو سنتے ہیں؟

جواب : ہاں، حضور نے فرمایا، ما من احد یسلم علی الار د الله علی روحی حتی یرد علیہ السلام

جو مجھ پر سلام پڑھے اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف متوجہ کرتا ہے اور میں اس کا جواب دیتا ہوں

رد اللہ علی روحی کی بحث پہلے آچکی ہے۔ اس حدیث میں حضور کا قریب سے صلوٰۃ و سلام سنانا خود

ثابت ہے۔

ثانیاً، حضور نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں بھی فرمایا :-

لَنْ قَامَ عَلٰی قَبْرِیْ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ لَا جِبْتَهُ

ترجمہ اگر وہ میری قبر پر آئیں اور مجھے بلائیں، میں ان کا جواب دوں گا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ قبر مبارک پر آپ خود مسنتے ہیں۔ اور سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

ثالثاً، حضور نے فرمایا :-

لَنْ قَامَ عَلٰی قَبْرِیْ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ لَا جِبْتَهُ

ترجمہ اگر وہ میری قبر پر آئیں اور مجھے بلائیں، میں ان کا جواب دوں گا۔

یہاں پر بھی اجماعاً نہیں کہا، چونکہ یہاں پر یہ اس شخص کے متعلق ہے جو قریب سے

پڑھے، دُور والے کا پوچھا جاتا ہے نہ یہ کہ خود پوچھا ہے بعض حوالوں میں یہ روایت تصحیف کا تب سے

لے سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۵۹۵ سند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۵۹۵ رد الواعی در جالہ رجال صحیح مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۸

الجامع الصغیر جلد ۲ صفحہ ۸۳ رد الواعی کما فی الصحاحی للضامی جلد ۲ صفحہ ۲۹، روح المعانی پ ۲۵۲، سند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۲۹

مشترک حاکم جلد ۲ صفحہ ۵۹۵ ۳ نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۲۸۱ سند ابی یعلیٰ جلد ۳

بلغنی صحتہ کے نقل میں منقول ہے۔ اس سے بھی اس بات کی تائید ملتی ہے کہ یہ قبر مبارک کے قریب درود پڑھنے والے سے متعلق ہے۔

حدیث کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ جو درود دُور سے پڑھا جائے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے یہ مضمون ان روایات سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

① ان لله ملئكة مساحين في الارض يبلغوني من امتي السلام

ترجمہ: بیشک اللہ کے فرشتے زمین میں سیاحت کرتے ہیں جہاں کوئی میرا امتی محمد پر سلام پڑھے وہ مجھے پہنچا دیتے ہیں۔

② يبلغوني صلوة من صلى علي من امتي

ترجمہ: وہ مجھے پہنچاتے ہیں جو کوئی میرا امتی محمد پر درود پڑھے

③ ان صلواتكم معروضة علي

ترجمہ: بے شک تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے۔

فرشتوں کے پہنچانے کے ذیل میں درود اور سلام دونوں کا ذکر ملتا ہے۔ بعض روایات میں صرف صلوة کا بیان ہے، بعض میں صرف سلام کا۔ اور فیصلہ کن بات یہ ہے کہ فرشتے درود بھی پہنچاتے

ہیں اور سلام بھی۔ دونوں میں افراد ہو تو بھی اختلاف کے ہاں جانتے ہیں اور صلوة و سلام جھجکاڑے جائیں تو بھی جانتے ہیں اور دونوں آپ تک پہنچتے ہیں۔ صلوة و سلام حضور کو دُور سے خطاب کر کے بھی عرض کیا جاسکتا ہے بایں اعتقاد کہ فرشتے اسے اسی طرح روح پاک پر عرض کر دیں گے جیسے کہیں پیش کر رہے ہوں اور قریب سے بھی عرض کیا جاسکتا ہے۔ بایں اعتقاد کہ آپ خود سُنتے ہیں۔

سماع عند القبر کے موضوع پر عام لوگوں کے بارے میں تو اختلاف ہے کہ سُنتے ہیں یا نہیں۔

لہ روایہ النسائی جلد ۱ ص ۱۵۲، مسند امام احمد جلد ۴ ص ۴۱، سنن دارمی ص ۳۴، المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۵

البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۵۲، الجامع الصغیر جلد ۱ ص ۹۲، مشکوٰۃ ص ۸۶، تخریبات حدیث مولانا حسین علی ص ۱۱

لہ روایہ الدارقطنی (القول البدیع ص ۱۱)

لیکن حضور کا سماع عند التبرجع علیہ ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۳۲۲ھ) لکھتے ہیں :-

انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

عبدہ صدی دہم سیدنا ملا علی قاری فرشتوں کے درود پہنچانے کے بارے میں لکھتے ہیں :-

هذا مخصوص بمن بعد عن حضرة موقدہ النور و مضيعة العلم و

فيه اشارة الى حياته الدائمة و فرجه ببلوغ سلام اتمته الكاملة و ايماء

الى قبول السلام حيث قبلته الملائكة و حملته اليه عليه السلام

ترجمہ فرشتوں کا یہ درود پہنچانا اس شخص سے مخصوص ہے جو حضور کے مرقہ منور اور آپ کی اترت گاہ مطہر سے

دور ہو اور اس میں آپ کی حیات ائمہ کا اشارہ بھی ہے اور آپ کی اس خوشی کا بھی جو آپ کو اپنی امت کا مدد کا

سلام پہنچنے سے ہوتی ہے اور اس میں سلام کہنے والے کے سلام کے قبول سمجھنے کا اشارہ بھی ہے بائیں طرف

کہ فرشتوں نے اسے قبول کر لیا ہے اور اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے ہیں۔

ترجمہ۔ اس سے بھی پتہ چلا کہ دوسرے پر پڑے گئے درود سلام کہ حضور خود سنتے ہیں حضرت

ملا علی قاری ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

من صلى على عند قبري سمعته احيى سمعا حقيقيا بلا واسطة

ترجمہ۔ حدیث۔ جو مجھ پر میری قبر پر آگے درود پڑھتا ہے اسے میں سنتا ہوں۔ مطلب

سماع حقیقی ہے جو بلا واسطہ ہوتا ہے۔

یہ دونوں مضمون کہ دوسرے پر پڑے گئے صلوة سلام کہ حضور خود سنتے ہیں اور دوسرے

پڑھا گیا آپ کو فرشتوں کے واسطے سے پہنچایا جاتا ہے۔ ہم متعدد دوسری روایتوں سے جزا جزا پیش

کرائے ہیں۔ ابوالشیخ کی اس روایت میں صرف یہ خصوصیت ہے کہ اس میں دونوں مضمون یک جا جمع ہیں۔

سو جن حضرات نے اس حدیث کو صرف اس لیے ہدف طعن بنا رکھا ہے کہ اسے ابو عبد الرحمن محمد بن

مردان المدی نے روایت کیا ہے اور وہ ضعیف ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ اس روایت کے دونوں مضامین اپنی اپنی جگہ علیحدہ علیحدہ بھی ثابت ہیں اور ان روایات سے ثابت ہیں جنہیں اکابر محدثین نے تسلیم کیا ہے۔

نوٹ

سماع عند القبر کی یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کے علاوہ حضرت ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: "ہذا حدیث حسنہ ہے۔"

نیز ابن عمرؓ رحمہ اللہ من صلی علی عند قبری زعت علیہ ومن صلی علی فی مکان آخر بلعونیہ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے حضورؐ نے فرمایا جو شخص مجھ پر میری قبر پر یا کہ درود پڑھتا ہے میں اس کا جواب اس کے بڑھ کر دیتا ہوں اور جو کوئی کسی مدہری جگہ پڑھتا ہے وہ فرشتے مجھے پہنچاتے ہیں۔

حضرت مولانا مٹھانویؒ اسے حضرت انسؓ سے مروی بھی بتلاتے ہیں۔

بخاری روایت حضرت انسؓ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری قبر کے

پاس درود پڑھتا ہے اس کو میں خود سن لیتا ہوں اور جو شخص دور سے درود بھیجتا

ہے وہ مجھ کو پہنچایا جاتا ہے یعنی بذریعہ فرشتوں کے۔

نویہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ رحمہ اللہ حضرت انسؓ رضی اللہ عنہم تین صحابہ

سے مروی ہے۔

ہم اسے مع الغین اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد اسے مطلقہ عامہ ٹھہرتے ہیں۔ یہ بھی نہ ماننے کی ایک ادا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ درود پڑھنے کے ساتھ آپ کا اسے متصلاً سننا ضروری نہیں یہ تحقق سمع آئندہ کسی وقت ہو جائے تو بھی مطلقہ عامہ کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ آئندہ کسی وقت سنا دے یہ ساتھ ہی سننا کہاں سے لازم آگیا۔

حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو اس تاویل کو براہ دے اور حال یہ ہے کہ وہی رات کے اوقات
 میں کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا کہ ہزاروں دائرین روضہ اطہر پر جلوة و سلام عرض نہ کر رہے ہوں۔ اگر تبریک
 کی خاطر ہی اور وہاں درود و سلام دائر نہ پڑھا جا رہا ہوتا تو بات اور تھی۔
 سو اس موجودہ صورت میں یہ قضیہ مطلقہ عامہ نہ ہو گا دائرہ مطلقہ ٹھہرے گا۔ جب درود و سلام
 ہر وقت پڑھا جا رہا ہے تو آپ کا اسے سننا بھی دائمی ہے۔ یہ قضیہ دائرہ مطلقہ ہے مطلقہ عامہ نہیں۔
 دائرہ مطلقہ وہ ہوتا ہے جس میں ثبوت محمول کا جو یہاں سمعہ ہے۔ مرفوع کے لیے جو من صلی علی
 عند قبلی ہی ہے دائرہ ہو۔

ہم نے فرد یہ مطلقہ نہیں کہا، جیسے کل انسان حیوان بالضرورة دائرہ مطلقہ کہا ہے جیسے کل
 نبی صادق بالدوام، سو جس طرح صدق نبوت سے شرعاً متمنع السلب ہے کوئی مومن روضہ اطہر
 پر درود پڑھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ سنیں، یہ شرعاً متمنع ہے۔
 قاضی صاحب اس حدیث میں کوئی قید لگا کر تو اسے مطلقہ عامہ بنا سکتے ہیں۔ حدیث کے اپنے
 الفاظ میں یہ قضیہ مطلقہ عامہ نہیں ہے۔

فالقضية دائمة اذ من الحال العادی ان یخلو الوجود کله عن واحد
 یسلم علیہ فی لیل او نهار فتحن تؤمن وتصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم
 یجمع ما دام المصلون یصلون علی قبرہ الشریف ولا تذهب ساعة
 من الساعات ولا وقت من الاوقات الا ویصلی علیہ فی مسجدہ الشریف
 صلی اللہ علیہ وسلم بالدوام او بالضرورة۔

المبحث الثانی — فی بیان الشاہدین الحدیث

حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت کے ضمن میں ہم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ روایت پیش کرتے ہیں۔ امام نسائی اسے دو سندوں سے روایت کرتے ہیں اور وہ دونوں حضرت سفیان الثوریؒ پر مل جاتی ہیں۔

اخبرنا عبد الوہاب بن عبد المحکم الوراق قال اخبرنا معاذ بن معاذ عن
سفیان بن سعید و اخبرنا محمود بن غیلان قال حدثنا وکیع و
عبد الوہاب رکلاهما عن سفیان۔

سند حضرت سفیان بن سعید الثوریؒ :-
عن عبد اللہ بن المسائب عن نواذان عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی
من امتی السلام۔

ترجمہ یہ شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے مقرر ہیں جو زمین پر ہر وقت مصروفِ حیات
ہیں وہ امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ پہنچانا دور والوں سے ہی متعلق ہے قریب والے تو خود سامنے سلام
عرض کر دیتے ہیں۔

فرشتے کیسے پہنچاتے ہیں؟ قبر مبارک پہ پہنچ کر — قبر کہاں ہے؟ زمین پر — حدیث میں
ان فرشتوں کو سیاحین فی الارض کہا ہے، سو جس طرح درود و سلام بھیجنے والے زمین پر ہیں،
قبر اطہر بھی مدینہ منورہ میں زمین پر ہے، فرشتے درود بھیجنے والوں اور روضۃ اطہر کے مابین مصروف
سیاحت رہتے ہیں، وہ درود بھیجتے ہیں اور یہ پہنچاتے ہیں اور اس لیے پہنچاتے ہیں کہ ان کی آن

میں درود لے کر وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ اس سے یہ بات از خود واضح ہے کہ قریب سے آپ خود سن رہے ہیں، تبھی تو فرشتوں سے آپ خود سنتے ہیں، جو روضہ اطہر پہ حاضر ہو کہ دور والوں کا سلام عرض کرتے ہیں اور یہ معتمد اس حدیث میں عبارة النفس سے مذکور ہے کہ دور والوں کا سلام حضورؐ کو پہنچایا جاتا ہے۔

سوجوہات حدیث ابو ہریرہؓ میں بیان کی گئی ہے وہ بعینہ اس حدیث میں بھی موجود ہے فرق ہے تو صرف یہ کہ حدیث عبد اللہ بن مسعودؓ میں اس حدیث کا پہلا جزو دلالة النفس اور دوسرا عبارة النفس سے ثابت ہے اور حدیث ابو ہریرہؓ میں دونوں باتیں عبارة النفس میں مذکور ہیں۔ دوسرے درود کا اس طرح پہنچنا بتلاتا ہے کہ قریب سے آپ خود سنتے ہیں ورنہ تبلیغ صلوة و سلام کے لیے سیاحین فی الارض کے بیان کی کیا ضرورت تھی؟

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی سند کا حال

عبد الوہاب بن الحکم ثقہ ہیں معاذ بن معاذ ثقہ ہیں سفیان ثوری ثقہ ہیں عبد اللہ بن السائب ثقہ ہیں اور ان سب کی توثیق تقریب التہذیب میں ۱۵۱، ۱۵۲، ۲۴۹، ۲۵۰ ص ۲۵۰ پر علی الترتیب موجود ہے۔ ابو عبد اللہ زاذان کنہی کو ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے مگر کثیر الخطا کہل ہے جمہور علمائے اُن کی یہ جرح قبل نہیں کی اور جرح جب تک مفسر نہ ہو اس کا اعتبار کیا؟ ابن سعد عجمی اور خطیب تینوں اسے ثقہ کہتے ہیں بعض نے اُن کی کنیت ابو عمرو بھی لکھی ہے۔ امام فن سخی بن معین کہتے ہیں ثقہ لا یسئل عن مثله۔ یہ ایسے ثقہ ہیں کہ ایسے حضرات کے متعلق مزید تحقیق کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

دوسری سند کے راوی

محمد بن عیسیٰ بن ابی جرح و تقدیل کے امام دیکھ بن ابی جرح ۱۹۷ ھ میں۔ یہ اور عبد الرزاق (۲۱۱ ھ) صاحب المصنف امام اعظم ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ

سے روایت کرتے ہیں۔ علامہ ہیشمی فرماتے ہیں:-

رواہ البزار و رجالہ رجال الصیح

یہ حدیث اور کن کن کتابوں میں ہے

مسند امام احمد جلد ۱ ص ۴۴۱، المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱ ص ۴۲، سنن دارمی ص ۴۲، سنن دارقطنی (القول البدیع ص ۱۱۵)، البیہقی ص ۱، مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۴۲۱، البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۵۴، علیہ ابی نعیم ص ۱، الجامع الصغیر جلد ۱ ص ۹۳، مشکوٰۃ ص ۸۶، وفار الوفار جلد ۲ ص ۴۴۲، دیگر کئی کتابوں میں بھی موجود ہے۔

کن کن محدثین نے اسے صحیح کہا ہے

- ① علامہ ذہبی صاحب میزان الاعتدال (۸۴۸ھ) تخفیف المستدرک میں لکھتے ہیں صحیح ہے
- ② علامہ سمہوری (۹۰۱ھ) لکھتے ہیں امام نسائی اور اسحاق بن قاضی نے اسے صحیح سند سے روایت کیا ہے

③ علامہ عزیزی (۸۰۰ھ) شرح جامع صغیر میں لکھتے ہیں حدیث صحیح ہے

④ علامہ ہیشمی (۸۰۴ھ) لکھتے ہیں رجالہ رجال الصیح

⑤ علامہ سخاوی (۹۰۲ھ) رواہ احمد والنسائی والدارمی وابو نعیم والبیہقی والخلق وابن حبان والحاکم قال صحیح الاسناد

⑥ علامہ ابن عبد الہادی (۸۴۴ھ) مختلف طرق سے صحیح اسانید کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے

محدثین میں یہ حدیث اس درجہ مشہور اور مقبول ہے کہ اس کے تواتر معنی کا دعویٰ کیا گیا

ہے۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:-

① مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۲۸۵، مستدرک جلد ۲ ص ۴۲۱، وفار الوفار جلد ۲ ص ۴۴۲، السراج المنیر جلد ۱ ص ۵۱۸

② مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۲۳، القول البدیع ص ۱۱، الصائم المنکی ص ۱۱۸

ہر آئینہ خدائے رافرشنگان اند سیر کنندگان در زمین سے رہا نند مرا از امت من
سلام را و بتواتر رسید این معنی بلہ

ترجمہ بے شک خدا تعالیٰ کے فرشتے ہیں زمین میں سیر کرتے پھرتے۔ مجھے میری امت
کا سلام پہنچاتے ہیں اور یہ بات تواتر کے درجے میں پہنچ چکی ہے۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم جن کا مضمون اس سلسلہ پر ماہنامہ تعلیم القرآن لاہور میں
میں چھپا ہے اور اس سے محدث حلیل حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب سابق صدر مدرس مظاہر العلوم
سہارنپور (بہبودی تحصیل و ضلع کھمبل پور) نے پورے اتفاق کا اظہار کیا ہے اور فریقین کو اس پر جمع ہونے
کی دعوت دی ہے۔ وہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں :-

فرشتوں کے ذریعے آپ کو صرف وہی درود و سلام پہنچتا ہے جو کوئی دور سے
بھیجے لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک کے پاس پہنچا دے اور وہ وہاں حاضر ہو کر
صلوٰۃ و سلام عرض کریں تو آپ اس کو بنفس نفیس سنتے ہیں۔

کاش! کہ ہمارے کرم فرما اسی نقطہ اتحاد پر جمع ہو جائیں اور روضہ النور کا یہ سماع تسلیم کر لیں۔

المبحث الثالث۔ ابوبہر النقی فی تحقیق اسانید ابی الشیخ والبیہقی

حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیث کہ جو مجھ پر میری قبر کے پاس دو ٹپھے میں سنتا ہوں جو دور سے پڑھے
مجھے پہنچایا جاتا ہے گو حضرت ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے اور حضرت انس بن مالکؓ سے بھی اسے
مروی بتلایا جاتا ہے لیکن اس وقت ہم صرف حضرت ابوہریرہؓ کی روایت پر بحث کریں گے۔ اس حدیث
کو حافظ ابوالشیخ الاصبہانی جو بقول ذہبی امام ثقہ اور احد الاعلام ہیں۔ کتاب الثواب کے کتاب الصلوٰۃ میں
روایت کرتے ہیں اور امام بیہقی اسے شعب الایمان اور حیاۃ الانبیاء میں روایت کرتے ہیں۔ اصبہانی
اور بیہقی کی سندیں اپنی اپنی ہیں۔ اصبہانی کی سند حمید ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ اور بیہقی کی سند کا ایک

راوی ابو عبد الرحمن محمد بن مردان السدی ضعیف ہے۔ ایک سند کا ضعف جب دوسری صحیح سند سے اٹھ جاتا ہے تو کیا یہ دیانت کے خلاف نہیں کہ حیدر سند کو بالائے طاق رکھ کر عوام میں صرف ضعیف سند کو متعارف کرایا جائے اور دیدہ دانستہ قول رسول کی تضحیک کی جائے۔ یہ اتنی بڑی جسارت کہ لب پوری قوم اس عذاب کی زد میں ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ اور انہیں حق قبول کرنے کی توفیق نہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث صرف بیہقی کے حوالے سے نقل کی گئی ہے۔ عوام میں مشکوٰۃ بڑی عام اور متداول کتاب ہے۔ ہمارے کرم فرما اسے مشکوٰۃ کے حوالے سے ہر جگہ لیے پھرتے ہیں۔ اور ان کے ہائیں ہاتھ میں ابو عبد الرحمن محمد بن مردان پر جرح ہوتی ہے اور جب لوگوں کو بتایا جائے کہ ابوالشیخ نے اس حدیث کی دوسری سند بھی پیش کی ہے جو صحیح ہے تو پھر یہ دوسرا پیترہ بدلتے ہیں کہ یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے۔ قرآن تو کہتا ہے مُردے نہیں سُنتے اور یہ حدیث کہتی ہے حضرت سُنتے ہیں، ہم قرآن کو مانیں یا اس حدیث کو؟

اولاً تو یہ بات بھی صحیح نہیں کہ قرآن کہتا ہے مُردے نہیں سُنتے۔ قرآن کریم میں تو یہ ہے، اَنْتَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتٰی ”آپ مُردوں کو نہیں سُنا سکتے“ اللہ تعالیٰ جسے چاہے سنا دیتا ہے۔ قرآن کریم میں اسماع کی نفی ہے سماع کی نہیں۔ پھر یہ تو عام دعوئے ہے اسے شہیدوں اور پیغمبروں پر منطبق کرنا اور ان کی حیات کے خصوصی دلائل کو دبا جانا کیا یہ قادیانیوں کا طریقہ نہیں جو اموات غیر احياء سے اور قد خلت من قبلہ التسل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرتے ہیں۔ دعویٰ خاص اور دلیل عام کا ایسا کہ یہہ منتظر شاید ہی کسی نے دیکھا ہو۔

اس وقت ہمیں اس استدلال سے بحث نہیں، نہ ہم یہاں سماع موٹے کی بحث لانا چاہتے ہیں ہمیں صرف یہ بتلاتا ہے کہ ہمارے مہربانوں نے جب نیت ہی کلی ہو کہ اس حدیث کو نہیں ماننا تو جب ان کا پہلا وارہ کہ یہ حدیث ضعیف ہے، خالی جاتا ہے تو پھر کس حجرات سے قادیانی طرز استدلال پر آجاتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح بھی ہو تو ہم اسے قبول نہیں کریں گے۔ کیونکہ قرآن کے خلاف ہے۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ ائمہ اعلام میں سے کسی نے کہا ہے کہ یہ حدیث قرآن کے

تبادل نہیں یہ اس کے خلاف تھا تو اس پر ایک حوالہ بھی پیش نہ کر سکیں گے۔ ولو كان بعضهم لبعض ظهيراً۔

مغلطے کا ایک اور انداز

بیہقی کی سند کا راوی ابو عبد الرحمن محمد بن مروان ہے اور ابوالشیخ کی روایت کا ایک راوی عبد الرحمن بن احمد الاعرج (۲۰۰ھ) ہے جو ضعیف نہیں۔ عبد الرحمن کا نام چونکہ دونوں میں آتا ہے اس لیے ہمارے مخالفین اس کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور ابو عبد الرحمن کی تہرج عبد الرحمن بن احمد پر بھی لگا دیتے ہیں اور کہتے ہیں ابوالشیخ کی سند میں بھی وہ ضعیف راوی موجود ہے ان هذا الاثران عظیم۔

المبحث الرابع

تحقیق روات سند ابی شیخ

- | | |
|----------------------------|--------------------------------------|
| ① ابوالشیخ الاصبہانی | ② ابو صالح عبد الرحمن بن احمد الاعرج |
| ③ الامام الحافظ حسن الصباح | ④ ابو سعاد یحییٰ محمد بن خازم |
| ⑤ سلیمان مہران الاعمش | ⑥ ابو صالح ذکوان (اسحاق الزیات) |

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

① ————— ابوالشیخ الاصبہانی

علامہ ذہبی ان کو حافظ۔ امام اور سند زمان کہتے ہیں۔ ان کے تقویٰ و تدبیر کو تسلیم کرتے

نہ عبد الرحمن بن الاعرج سے قاضی ابواحمد محمد بن احمد بن ابیہیم بھی روایت کرتے ہیں (دیکھئے تاریخ صہبان جلد ۱۱) اور ابوالشیخ الاصبہانی بھی (دیکھئے جلاء الانہام للحافظ ابن القیم ص ۱۹) امام دارقطنی لکھتے ہیں جس شخص سے دوروی روایت کریں وہ مجہول نہیں رہ سکتا (دیکھئے سنن دارقطنی جلد ۲ ص ۳۱۱) تو جب اس پر مشتمل سند کو علماء محدثین نے حید تسلیم کیا ہے۔ من روی عنہ ثقات فقد ارفعت جمالتہ وثبتت عدالتہ۔ تو کیا اب

بھی عبد الرحمن کی تعدیل نہ ہوگی۔ اس اصول کے لیے دیکھئے (فتح المغیث ص ۳۷)

ہیں۔ ابن مردودہ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں اور حافظ ابو نعیم ان کو اعدال اعلام اور ثقہ کہتے ہیں۔
ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر ابو الشیخ — فهو الحافظ الكبير... ثقہ

② — ابو صالح عبد الرحمن بن احمد الاعرج

والد کا نام ابو یحییٰ ابو نعیم اصفہانی (۳۴۰ھ) کے تاریخ اصفہان جلد ۲ ص ۱۱۳ میں
اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے قاضی ابو احمد محمد بن احمد اور ابو الشیخ جیسے ثقات نے روایتیں لی
ہیں اور اس نے سلمہ بن شیبہ اور الامام الحافظ حسن الصباح جیسے حضرات سے روایات لی ہیں
حافظ ابن حجر عسقلانی سلمہ بن شیبہ کے بارے میں لکھتے ہیں:-
احد الثقات حدث عنه الائمة والعده ما رواه

سلمہ بن شیبہ سے روایت کرنے والوں میں یہ ابو صالح عبد الرحمن بن احمد بھی ہیں۔

البتہ عبد الرحمن بن احمد الاعرج کا بھائی محمد بن احمد ضعیف ہے:-
قال ابو الشیخ لم یکن بالقوی فی الحدیث

③ — الحسن بن الصباح

صحیح بخاری کے معروف راوی ہیں۔ قرہبی انہیں امام اور حافظ جیسے پر غلط الفاظ سے
ذکر کرتے ہیں جن لوگوں نے اسے حسن بن صباح جو اسماعیلی فرقے کا بانی تھا مشہور کر رکھا ہے وہ
خدا کا خوف کریں

④ — ابو معاویہ محمد بن خازم

کوفہ کے مشہور محدث تھے۔ حافظ ذہبی انہیں حافظ اور ثبت کہتے ہیں۔ صحاح ستہ کے

راوی ہیں۔ اعمش سے روایت کرنے میں ثقہ ہیں کسی اور سے روایت کریں تو ہر کتاب ہے اس میں
کچھ اضطراب ہوگا

۱۔ دیکھئے تذکرہ للذہبی جلد ۲ ص ۱۴۷ ۲۔ لسان المیزان جلد ۶ ص ۲۹۵ ۳۔

۴۔ لسان المیزان جلد ۵ ص ۵۵ ۵۔ تذکرہ جلد ۲ ص ۵۵ ۶۔ دیکھئے تذکرہ جلد ۱ ص ۲۱۱

یحییٰ بن معین کہتے ہیں ہمیشہ سے روایت کرنے میں اثبت ہیں۔

⑤ ————— سیحان بن مہران الکمش

صاحب سنہ کے مرکزی راوی ہیں عظیم المرتبت اور جلیل القدر محدث ہیں۔ ان پر شیعیت کا الزام ہے۔ مگر ان دنوں شیعیت رفض کے معنوں میں نہ تھی۔ تحریف قرآن، عقیدہ امامت اور انکار خلافت راشدہ و دافض کا مذہب ہے اثنا عشریہ کا نہ کہ مطلق شیعوں کا۔

⑥ ————— ابو صالح ذکوان

صاحب سنہ کے مرکزی راوی ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں:-

ثقة ثقة من اجل الناس واثقة به۔

ترجمہ ثقہ ثقہ ہے بڑے اور سچے لوگوں میں سے اور سب سے زیادہ لائق وثوق لوگوں میں سے ہے۔

امداس زمانے میں تدریس کی بڑی تال اور غیر مبین السبب جرح سامنے لانے کی بجائے یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ حدیث تسمیٰ بالقبور ہے یا نہیں۔ یہی راہ سلامتی کے زیادہ قریب ہے۔ اب دیکھیے کن کن ائمہ فن نے اس حدیث پر اعتماد لیا ہے۔

جن علمائے اعلام نے اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے

کن کن ائمہ کبار اور علمائے فن نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے اور کن کن اعیان امت نے اس کے مضمن کو صحیح تسلیم کیا ہے؟ کچھ نام ملاحظہ فرمائیں:-

① ————— شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ)

② ————— حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ)

③ ————— خاتمہ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ)

④ ————— سخاوی (۹۰۲ھ)

- ⑤ — علامہ ابن حجر مکیؒ (۳۹۷ھ)
- ⑥ — علامہ عبد الرؤف المنادیؒ (۱۰۰۴ھ)
- ⑦ — تلامذہ قاریؒ (۱۰۱۴ھ)
- ⑧ — قاضی ثناء اللہ بانی پتیؒ (۱۲۱۵ھ)
- ⑨ — علامہ سید احمد طحاویؒ (۱۲۳۰ھ)
- ⑩ — ذاب صدیق حسن خاں (۱۲۰۷ھ)
- ⑪ — حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ (۱۳۰۴ھ)
- ⑫ — علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۹۹ھ)

حوالجات از بعض عبارات

① حافظ ابن تیمیہؒ کی شہادت

صلوا علی حیثما کنتم فان صلواتکم تبلغنی قال فاحبر صلی اللہ علیہ وسلم

انه یسمع الصلوة من قریب و یبلغ ذلک من بعید۔

ترجمہ: حضورؐ نے فرمایا، مجھ پر درود پڑھا کر وہاں بھی تم ہو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھے

پہنچتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا یہ ہے کہ آپ قریب سے پڑھے گئے درود

کو خود سنتے ہیں اور دُور سے پڑھا آپ کو پہنچا یا جاتا ہے۔

یہ دو حدیثیں ہیں۔ پہلی ابو داؤد کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ اور دوسری امام بیہقی

والی — امام ابن تیمیہؒ اس دوسری حدیث کی سند سے بے خبر نہیں ہیں۔ اس کی کمزوری آپ کو معلوم

ہے مگر آپ اسے اس کے شواہد کے باعث قبول کر رہے ہیں۔

وقد روی ابن ابی شیبہ والدارقطنی عنه من صلی علی عند قبری سمعته
ومن صلی علی نائیا ابلغته وفي اسنادہ لین لکن له شواہد ثابتہ فان
ابلاغ الصلوۃ والسلام علیہ من البعد قد رواہ اہل السنن من غیر وجہ۔

ترجمہ۔ اور ابن ابی شیبہ اور دارقطنی نے حضور سے روایت کی آپ نے فرمایا جو مجھ پر میری قبر پر
اگر دوڑ پڑھے وہ میں خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر دور سے پڑھا جائے وہ مجھے پہنچایا
جاتا ہے اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے لیکن اس حدیث کے بہت سے شواہد ہیں
آپ کو دور سے صلوٰۃ و سلام کا پہنچایا جانا ائمہ حدیث نے کئی طریقوں سے روایت کیا ہے۔

② حافظ ابن القیم کی شہادت

یہ جو کہا ہے کہ اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے یہ ابوالشیخ کی سند کے بارے میں نہیں۔ ابن ابی شیبہ
اور دارقطنی کی سند کے بارے میں ہے اور ممکن ہے یہ وہی کمزوری ہو جو بیہقی کی سند میں تھی۔ مگر چونکہ بقول
ابن تیمیہ اس کے شواہد موجود ہیں۔ اس لیے یہ روایت بھی قبول کر لی جائے گی اور یہ محدثین کا صواب ہے
کہ روایت اپنے شواہد سے قدری ہو جاتی ہے۔

ابن شواہد میں وہ حدیث بھی ہے جسے اہل سنن (سنن ابی داؤد وغیرہ) نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی
اللہ علیہ وسلم کو دور سے پڑھا گیا صلوٰۃ و سلام (فرشتوں کے توسط سے) پہنچایا جاتا ہے۔ امام سیوطی
بھی اس کے شواہد کا ذکر کرتے ہیں۔

قلت هذا الحديث اخبر به الطبرانی و ابونعيم في الحلية وله شواهد يفتي بها
الى درجة الحسن۔

یہ سب تائید اسی روایت کی ہے جو امام بیہقی نے لکھی ہے۔ یہ ائمہ فن بتاتے ہیں کہ اس کا ضعف
ان شواہد سے کچھ اٹھ جاتا ہے۔

عافظ ابن قیم (۷۵۱ھ) نے جلاء الافہام میں ابوالشیخ کی پوری سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے من صلی علی عندقبری ممقنہ ومن صلی علی من بعدی اعلیٰ لہ
سندیہ ہے۔

قال ابو الشیخ فی کتاب الصلوۃ حدثنا عبد الرحمن بن احمد الاخرج حدثنا حسین بن الصباح
حدثنا ابو معاویۃ حدثنا الاحمش عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اور کتاب الروح میں لکھا ہے۔

وقد صح عنه ان اللہ تعالیٰ وکل بقبرہ الملائکۃ یبلغون عن اعنہ السلام۔
ترجمہ۔ اور حضورؐ سے سند صحیح سے ثابت ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی قبر پر فرشتے مقرر
کر رکھے ہیں جو حضورؐ کو آپ کی امت کا صلوٰۃ و سلام پہنچاتے ہیں۔

فرشتے یہاں (رضہ اقدس پر) حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام بھی پہنچاتے ہیں کہ حضورؐ یہاں خود سنتے ہیں
ورنہ فرشتوں یہاں آنے کا کیا مطلب۔ اور جو دو سلام دور پر پڑھا جائے یہاں پہنچایا جاتا ہے۔
یہ عافظ ابن قیم کی طرف سے اس حدیث میں اور اس کے معنی کی پوری تصدیق کی ہے۔ پھر لکھتے ہیں۔

فالروح هذا ولها اتصال بالبدن فی القبر واشراف علیہ وتعلق بہ بحیث
یصلی فی قبرہ ویرد سلام من سلم علیہ۔

ترجمہ۔ سوروح اقدس اپنے مقبرہ میں ہے اور اس کا قبر میں پڑے بدن کے ایک اتصال اشراف
اور ایک تعلق ہے باس طوریہ کہ آپ اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور سلام عرض کرنے والے
کو جواب بھی لوٹاتے ہیں۔

اس حدیث کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضورؐ اپنے روح اقدس پر عرض کئے گئے صلوٰۃ
وسلام کو خود سنتے ہیں اور اس سماع عند القبر کا اہل حق میں سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ اس میں کسی کا کوئی
اختلاف نہیں ہے۔

③ حافظ ابن حجر عسقلانی کی شہادت

اخرج ابو الشيخ في كتاب الثواب بسند جيد بلفظ من صلى على عند قبري سمعته ومن صلى على نائياً بلغته ۛ

ترجمہ۔ ابوالشیخ نے کتاب ثواب اعمال میں بڑی عمدہ سند سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں کہ جو میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود پڑھے وہ میں خود سنوں گا اور دُور سے پڑھا مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر یہاں اس حدیث پر بحث کر رہے جو صلوٰ علی فان صلوٰتکم تبلغنی ہے اس کے بعد آپ اس کے شواہد ذکر کرتے ہیں ① پہلا ابوداؤد کی روایت سے ② دوسرا ابوالشیخ کی روایت سے ③ تیسرا ابوداؤد اور نسائی کی روایت فان صلوٰتکم معروضۃ علی سے۔

اس سے پتہ چلتا ہے نہ حافظ اسی روایت کو لائق قبول بنا رہے ہیں جو امام بیہقی سے منقول تھی اور اس پر شواہد پیش کر رہے ہیں جنہوں نے اس کی سند کی کمزوری اٹھادی ہے ابوالشیخ کی روایت پیش کرتے ہوئے وہ ضمنیہ بات بھی کہہ گئے کہ اس کی سند عمدہ ہے۔ ہم نے اس کی سند حافظ ابن قیم کی کتاب جلاء الافہام سے نقل کی ہے۔ حافظ کی پوری عبارت یہ ہے۔۔

ومن شواہد الحدیث ما اخرجہ ابوداؤد من حدیث ابی ہریرۃ رفعہ وقال فیہ صلوٰ علی فان صلوٰتکم تبلغنی حیث کنتہ سندہ صحیح واخرجہ ابو الشیخ فی کتاب الثواب بسند جید بلفظ من صلى على عند قبري سمعته ومن صلى نائياً بلغته وعند الجب داؤد والنسائی وصححه ابن خزيمة وغيره عن ابي ان قال فان صلوٰتکم معروضۃ علی فقالوا کیف تعرض وقد امنت ۛ

④ عاقل شمس الدین سخاویؒ کی شہادت

من صلی علی عند قبری سمعہ ومن صلی علی من بعد اعلمتہ رواہ
ابوالشیخ وسندہ جید۔^۱

ترجمہ حضورؐ نے فرمایا ہے جو میری قبر پر آکر ٹھہرے درود پڑھے میں خود سنتا ہوں اور وہ
سے پڑھا مجھے پہنچایا جاتا ہے اسے ابوالشیخ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند جید
ہے عمدہ ہے۔

⑤ علامہ ابن حجر مکیؒ کی شہادت

اذا صلی وسلم عند قبرہ سمعہ سماعاً حقیقاً ویرد علیہ من غیر واسطۃ
وان صلی وسلم من بعد لیسعہ الا بواسطۃ، يدل علیہ احادیث کثیرہ۔^۲
ترجمہ جب کسی درود و سلام آپ کی قبر کے پاس پڑھا تو آپ اسے حقیقی طور پر سنتے ہیں اور
سلام کا جواب براہ راست دیتے ہیں اور اگر وہ دو سلام دور سے پڑھا تو آپ اسے
نہیں سنتے مگر فرشتوں کے واسطے سے۔ اس پر بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں۔
اور ابوہریرہؓ انتظم میں لکھتے ہیں:-

انہ صلی اللہ علیہ وسلم یبلغہ الصلوۃ والسلام اذا صدر من بعد ویسمعہا
اذا کان عند قبر الشریف بلا واسطۃ۔^۳

ترجمہ بے شک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو درود و سلام پہنچایا جاتا ہے
جب وہ دور سے آتے اور آپ اسے خود بلا واسطہ سنتے ہیں جب
پڑھنے والا آپ کی قبر شریف کے پاس ہو۔

وَقَدْ وَاتَّخَذَ الْخَلْقُ لِلطَّبْرَانِ لَيْسَ مِنْ عَبْدِ يَصْلَى عَلَى الْإِبْلَغِ صَوْتَهُ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ
وَبَعْدَ وَفَاتِكَ قَالَ وَبَعْدَ وَفَاتِي إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ
الْأَنْبِيَاءِ فَإِنَّهُمْ مَحْصِي كَيْفِيَّتُهُمْ كَمَا سَهَدَ الظَّاهِرِيَّةُ بِهِ

ترجمہ۔ اور طبرانی کی ایک سری روایت میں ہے کہ کوئی مسلمان مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر یہ کہ اس کی
آواز مجھے پہنچتی ہے۔ ہم نے کہا امد آپ کی وفات کے بعد کیا ہوگا حضورؐ نے فرمایا وفات کے
بعد بھی ایسا ہی ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے اجساد زمین پر حرام کر دیئے ہیں
کہ انہیں ریزہ ریزہ کرے۔ انبیاء کا سنا ایسا ہے کہ اس کیفیت حتیٰ ہے جیسا کہ
ان کے دوسرے حواس (قائم ہوتے ہیں)۔

اجساد انبیاء کہاں محفوظ رہتے ہیں؟ اپنی قبر میں۔ حضورؐ نے جب خبر دی کہ درود پڑھنے
والے کی آواز مجھے پہنچتی ہے تو صحابہؓ کا ذہن فوراً آپ کی قبر مبارک کی طرف متوجہ ہوا کہ وہاں آپ کیسے
سُنیں گے۔ آپ نے اپنے جسد اطہر کے محفوظ رہنے کی خبر دی۔ ابن حجرؒ اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ
انبیاء کے دوسرے ظاہری حواس کی طرح ان کی قرب سامعہ حسی طور پر محفوظ ہے۔
حضورؐ جب دنیا میں تھے تو بھی عام حالت یہ تھی کہ قریب والے کی بات سُنیں اور دور کی
بات سے اطلاع پائیں۔ وفات کے بعد جب قرب سامعہ اسی ظاہری انداز پر ہے تو ظاہر ہے کہ قبر
مبارک میں بھی آپ قریب سے سُنیں گے اور دور والے کا درود سلام آپ کو پہنچا یا جائے گا۔
سو حدیث الابلاغی صوتہ حافظ ابن حجرؒ کی کہ ہاں عند قبری سے خاص ہوگی اور اس سے اس کی
ان احادیث صحیحہ سے بھی تطبیق ہو جائے گی جن میں دور کے سلام کا توسط ملا کہ پہنچا مترجہ لفظوں
میں پایا جاتا ہے۔ ابن حجرؒ نے اسے اسی شخص کے متعلق قرار دیا ہے جو قبر مبارک کے پاس آکر درود پڑھے
— یہ تفصیل ہم نے اس لیے کی ہے کہ بعض دوسرے علماء نے جب طبرانی کی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔
قَالَ هَذَا بِلَفْظِ صَوْتِهِ (اس کا درود مجھے پہنچتا ہے) روایت کئے ہیں معلوم ہوتا ہے بلغنی صوتہ

یہ تصحیف ہوئی ہے۔ ہر اگرست اسی شکل میں لیا جانے تو اسے عند قبری کے ساتھ خاص کرنا ہوگا۔ اس نصبت میں یہ روایت بھی امام بیہقی کے شاہد ہر ذکر کی جاسکتی ہے

⑥ حافظ ابن کثیر (۵۷۷۴)

باجہدیکہ آپ اس کی سیرت والی سند پر برا کرتے ہیں۔ اس کے راوی محمد بن مردان السدی الصغیر کو متردک قرار دیتے ہیں مگر حدیث کو مقبول قرار دیتے ہیں یہی تعلقی بالقبول ہے۔

⑦ علامہ شہاب الدین انخباغی (۵۸۹۹)

وبما تقر في هذه الأحاديث علم انه صلى الله عليه وسلم بلغه الصلوة والسلام اذا صدر من بعيد وسمعها اذا كان عنده قبره الشريف بلا واسطة. ^۱
لانه صلى الله عليه وسلم في قبره يسمع دعاء زائريه. ^۲

ترجمہ۔ اور ان احادیث میں جو بات قرار پائی اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو درود و سلام پہنچایا جاتا ہے جب وہ دور سے آئے اور آپ آگے دلاور اسطرح سنتے ہیں جب آپ کی قبر شریف کے پاس پڑھا جائے۔ یہ اس لیے کہ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور زیارت کے لیے آنے والے کی آواز سنتے ہیں۔

⑧ حضرت علامہ عبد الرؤف المناوی (۱۰۰۴ھ)

من صلى على عند قبری سمعته ومن صلى على نائياً ای بعيداً (ابلقته) ای
اخبارت به من احد من الملائكة وذلك لان لروحه تعلقاً بمقرب منه
الشريف وحرام على الارض ان تلي كل اجساد الانبياء. ^۱

ترجمہ۔ جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے میں اسے سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے فرشتوں میں سے کوئی مجھے اس کی اس کی اطلاع دے دیتا ہے اور یہ اس لیے کہ آپ کی روح اقدس کا آپ کے مقبرہ بن (قبر مبارک) سے ایک تعلق ہے اور زمین پر حرام ہے کہ وہ اجساد انبیاء کو کھائے۔

④ ملا علی القاری علیہ رحمۃ ربہ الباری (۱۰۱۴ھ)

① درواہ ابوالشیخ وابن حبان فی کتاب ثواب الاعمال بسند جید۔

ترجمہ۔ اس حدیث کو ابوالشیخ اور ابن حبان نے ثواب الاعمال میں سند حمید سے روایت کیا ہے۔

② من صلی علی عند قبری سمعته ای سماعاً حقیقیّاً بلا واسطۃ۔

ترجمہ۔ جو مجھ پر میری قبر کے پاس آکر درود پڑھتا ہے میں اسے حقیقی طور سنتا ہوں بلا واسطہ۔

③ انه قد ثبت من صلی علیہ نائياً بلفظہ ومن صلی علیہ عند قبرہ سمعہ۔

ترجمہ۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دور سے درود پڑھے وہ آپ کو پہنچایا جاتا ہے اور جس نے آپ کی قبر مبارک کے پاس درود پڑھا اسے آپ خود سنتے ہیں۔

④ ان الزاماً اذا صلی وسلم علیہ عند قبرہ سمعہ سماعاً حقیقیّاً ورد علیہ من

غیر واسطۃ... لما جاء عند بسند جید من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی

علی من بعد اعلتہ۔ ترجمہ۔ زائد جب آپ کی قبر کے پاس آکر آپ پر درود سلام پڑھے تو

آپ اسے حقیقہ سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں بلا واسطہ... کیونکہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے سند جید کے ساتھ یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص میری قبر پر آکر مجھ پر درود پڑھتا ہے

وہ میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

⑩ علامہ سید احمد طحاویؒ (۱۲۳۳ھ)

فانه يسمعها اى اذا كانت بالقرب منه صلى الله عليه وسلم وتبلغ اليه اى
يبلغها الملك اليه اذا كان المصلى بعيداً ۛ

⑪ قاضی شہداء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) صاحب تفسیر المنظہری

انه صلى الله عليه وسلم قال من صلى على عند قبري سمعته ومن صلى على
غائباً بلغته ۛ

⑫ شیخ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ (۱۱۵۰ھ)

انه يسمع من يسلم عليه ۛ

ترجمہ: آپ اس درود کو جو آپ پر (قبر کے پاس) پڑھا جائے خود سنتے ہیں۔
مولانا اسماعیل غزنوی نے آپ کے اس رسالہ کا اردو میں ترجمہ کیا ہے اسے ان الفاظ میں پڑھیے:-
ہمارا عقیدہ ہے کہ جب کوئی مسلمان آنحضرت پر سلام کہے تو آپ اس کا سلام سنتے ہیں۔ ۛ
آل شیخ کے معتد عالم علامہ نجدی شیخ محمد بن عبد اللطیف رقمطراز ہیں:-
ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ کا رتبہ تمام مخلوق سے بہتر ہے اور آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں لیکن بزنجی زندگی کے ساتھ
اور شہادت کی زندگی سے کہیں بہتر آپ کی زندگی ہے اور آپ کی قبر پر جو آپ کو سلام کہتا ہے آپ سنتے ہیں۔ ۛ

⑬ حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ (۱۳۰۴ھ)

جو خود مدفن پر حاضر ہوں اور صلوٰۃ و سلام بالکل سامنے عرض کر رہے ہوں وہ صلوٰۃ و سلام

آپ خود سنتے ہیں۔

روضۃ اطہر پر حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھا جائے تو نبی کریم خود سن کر جواب دیتے ہیں
یہ سنت رسول اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

⑫ نواب صدیق حسن خاںؒ (۱۳۰۷ھ)

اسنادہ جید — اس حدیث کی سند جید ہے۔

⑬ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۹ھ)

اخرجه ابوالشیخ فی کتاب الثواب بسند جید من صلی علی عند قبری سمعہ
ومن صلی علی فانیاً بلفظہ۔

⑭ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری (۱۳۴۶ھ)

مسجد نبوی کی حدیں کتنی ہیست آؤں سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضرت خود سنتے ہیں۔

ان تصریحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ حضور کے اپنی قبر مبارک پر سلام سننے کو تعلق بالقبول کا
درجہ حاصل ہے اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ تعلق بالقبول سے حدیث بلاشبہ لائق اعتماد ہو جاتی ہے اس حدیث
پر ابوالشیخ کی سند جید نہ بھی موجود ہوتی تو بھی یہی تعلق کی روایت تعلق بالقبول کے باعث لائق اعتماد ہے۔

محدث سہارنپوری نے بذیل الجہود جلد ۲ ص ۱۱۷ اور جلد ۳ ص ۱۱۷ پر اور المہند علی المقدم میں اپنے عقیدہ کو بڑی
وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔ ہمارے کرم قراءوں نے المہند کے خلاف القول المسند فی رد المہند لکھ کر
قوم کے سامنے بڑی بے کار بات پیش کی ہے۔

①۶ حکیم الامتہ مجدد الامتہ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۳ھ)

خود حضرت کا ارشاد مروی ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے اس کو میں خود سنتا ہوں اور جو شخص دور درود بھیجتا ہے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے یعنی بذریعہ فرشتوں۔ جیسا کہ مشکوٰۃ میں نسائی اور دہلی کے بروایت عبد الشہر بن مسعودؓ آپ کا ارشاد مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ ملائکہ زمین میں سیاحت کر نیوالے مقرر ہیں کہ میری امت کی طرف سے مجھ کو سلام پہنچاتے ہیں۔

①۸ مولانا عبد الغفور غزنویؒ (ترجمہ مشکوٰۃ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع جسم صحیح و سالم ہیں اور قبر شریف میں زندہ ہیں اور جو کوئی قبر کے پاس درود یا سلام بھیجے تو آپ خود سن لیتے ہیں اور اگر دور سے درود بھیجے تو فرشتے آپ تک پہنچا دیتے ہیں۔ اجماع حدیث کا یہی اعتقاد ہے۔

①۹ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف صاحب التعلیقات التفسیریہ

انھا احياء في قبورهم يصلون وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم من صلى علي
عند قبري سمعته ومن صلى علي نائياً بلغته

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص میری قبر پر آکر مجھ پر درود پڑھے میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے

واضح ہوا کہ عند القبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ و سلام کا سماع فرماتے ہیں اور بلوغ صلوٰۃ و سلام صحیح ہے اور اس بلوغ اور سلام کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

المبحث الخامس

علامہ ابن عبد الہادی کا اُسے قبول کرنا

علامہ ابن عبد الہادی کی نظر ابو الشیخ کی سند پر نہیں گئی۔ ان کے پیش نظر امام بیہقی والی سند ہی تھی آپ نے محمد بن مردان صدی صغیر پر بڑی سخت جرح کی ہے۔ لیکن یہ بات تسلیم کئے بغیر نہیں بھی چارہ نہیں رہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قریب سے عرض کئے گئے صلوٰۃ و سلام کو خود سنتے ہیں اور دور سے آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔ یوں سمجھیے کہ اگر ابو الشیخ والی سند نہ بھی ہوتی تو بیہقی کی روایت ابن کلبہؓ و سر شراہد کی روشنی میں تعلق بالقبول کا درجہ پانچویں تھی۔ کیا محدثین اور کیا فقہاء کیا احناف اور کیا شوافع کیا موالک اور کیا حنابلہ، پوری امت میں کوئی مقتدر عالم ایسا نہیں ملے گا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عند القبر سماع بلا واسطہ کا قائل نہ ہو۔ فرشتے کا توسط صرف دور کے سماع کے لیے ہے اور سماع کی اختلاف نہیں۔ علامہ طوطاوی لکھتے ہیں:-

يبلغها الملك اذا كان المصلي بعيداً ۱

ترجمہ فرشتہ اس صورت میں درود و سلام پہنچاتا ہے جب کہ درود بھیجنے والا قبر مبارک سے دور ہو۔
علامہ ابن عبد الہادی لکھتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں:-

وهو صلى الله عليه وسلم يسمع السلام من العتب وتبلغه الملك الصلاة والسلام من البعد ۲

ترجمہ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک سے سلام خود سنتے ہیں اور فرشتے وہ صلوٰۃ و سلام پہنچاتے ہیں جو دور سے پڑھا جائے

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن عبد الہادی سماع عند القبر کے ہرگز منکر نہیں۔ آپ کو امت کی

۱۔ طوطاوی علی المراقی الفلاح ص ۵۴ ۲۔ الصارم المنکی ص ۵۴

چودہ صدیوں میں ایک عالم ربانی ایسا نہیں ملے گا جو اہلسنت کہلاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحاح
عند القبر بلا واسطہ کا منکر ہو۔

علامہ ابن عبد البہادی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

فلما ذلک الحدیث وان کان معناه صحیحاً فاسنادہ لا یحتج بہ وانما یثبت
معناه بلعادیث اخر فانه لا یعرف الا من حدیث محمد بن مروان
السدی صغیر عن الاعمش کما ظنہ البیہقی وما ظنہ فی هذا هو متفق علیہ
ترجمہ - امدیہ حدیث اگرچہ اس کا معنی بالکل صحیح ہے لیکن اس کی سند ایسی نہیں
جس سے احتجاج کیا جاسکے یہ معنی کہ حضورؐ اپنی قبر کے پاس سے سنتے ہیں۔ دوسری
امادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ چونکہ یہ حدیث محمد بن مروان سدی صغیر عن الاعمش
کے سوا اور کسی طریق سے معروف نہیں ہوئی جیسا کہ بیہقی کا خیال ہے اور اس کا جو
خیال ہے وہ متفق علیہ ہے۔

امام بیہقی کی نظر میں اعمش سے صرف ابو عبد الرحمن محمد بن مروان یہ روایت لے رہا ہے ،
انہیں معلوم نہیں کہ اعمش سے یہ حدیث ابو معاویہ نے بھی سنی تھی۔ اب اگر امام بیہقی کو اپنے اساتذہ سے
اس ابو معاویہ کی روایت کا علم نہ ہوا ہو تو پرچ کھینے اس میں ابو معاویہ جو صحاح ستہ کے مرکزی راوی
ہیں اور وہ کوفہ جیسے مرکز علم کے نہایت ممتاز محدث تھے ان کا کیا قصور ہے؟ کیا علم رکھنے والا
شخص اس شخص پر حجت نہیں جیسے علم نہ ہو؟

بیہقی کے طریق میں واقعی محمد بن مروان منفرد ہے۔ اس کا کوئی متابع نہیں لیکن اس کا
مطلب یہ نہیں کہ الحسن بن الصباح کے طریق میں بھی اس حدیث کو اعمش سے روایت کرنے والا اور
کوئی نہیں ہو سکتا۔ ہاں بیہقی کا یہ گمان کہ محمد بن مروان منفرد ہے اس کے اپنے طریق اور علم کے
مطابق درست ہے۔

اب کوئی شخص بیہقی کے طریق میں ابو معاویہ کو داخل کرے تو کیا یہ واقعی موضوع روایت نہ ہوگی؟ بیہقی کی سند میں عمار بن عمرو الحنفی محمد بن مروان ہے اور وہ اعمش سے اس حدیث کا راوی ہے۔ یہ سند محمد بن مروان کی وجہ سے واقعی ضعیف ہے۔ گویہ ضعف دوسرے شواہد سے دور ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص یوں بیان کرے، عمار بن عمرو الحنفی عن ابی معاویہ عن الأعمش تو اسی سند کو موضوع کہنے سے چارہ نہیں رہے گا۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ امام بیہقی کی محمد بن مروان بن الأعمش والی سند موضوع ہے وہ موضوع نہیں ضعیف ہے۔ اگر یہ روایت موضوع ہوتی تو امام بیہقی اسے روایت کرنے کے بعد یہ نہ فرماتے :-

ابو عبد الرحمن هذا هو محمد بن مروان السدح فيما ادى ونيه
نظرو قد مضى ما يور كده

ترجمہ: یہ ابو عبد الرحمن جیسا کہ میں سمجھا ہوں محمد بن مروان سدحی صغیر ہے اور اس کے لائق محبت سمجھنے میں کلام ہے اور وہ روایات پہلے بیان ہو چکیں جو اس روایت کی تائید کرتی ہیں۔

معلوم ہوا امام بیہقی کو پوری طرح معلوم ہے کہ محمد بن مروان پر کس طرح کی جرح ہے۔ بایں ہمہ وہ اسے کلیۃً ترک نہیں کرتے۔ دوسرے شواہد سے اسے مؤکد کرتے ہیں اور یہی محدثین کا طریقہ ہے کہ وہ ایک سند کی کمزوری کو دوسرے قرائن سے منبج کر لیتے ہیں۔ پھر جب اس حدیث کے ظاہر معنی سے خود ابن عبد الہادی کو بھی انکار نہیں۔ تو اب کسی عالم کو اس انکار کی کیسے حجت ہو سکتی ہے۔ سو یاد رکھیے امام بیہقی کی روایت فنی نقطہ نظر سے متروک نہیں مؤکد ہے۔ عباتے حق کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ بیہقی کے الفاظ وقد مضى ما یور كده کو کبھی نہ مجھ لیں اور بیہقی کی اس روایت کو ہرگز نہ چھوڑیں۔

امام بیہقی نے یہ حدیث اپنی کسی حدیث کی کتاب میں نہیں رسالہ "حیات الانبیاء" میں لکھی ہے

اور اس وقت ان کا مقصد اس رسالہ سے کرامیہ کا رد تھا۔ آپ کا اس رسالے میں اس حدیث نہ لانا جلتا ہے کہ آپ کے ہاں اس حدیث میں مخالفین کے سامنے محبت بننے کی صلاحیت موجود تھی۔ آپ نے اسناداً خود اس پر حرج کی اور معنی خود اسے قبول کیا ہے۔ اور کون ہے جو اس کا انکار کرے؟

اہل سنت کے مختلف مسالک میں جو اختلاف ہے وہ فروع کا ہے اصول کا نہیں۔ کرامیہ اور معتزلہ شیعہ اور خوارج سے ہمارا اختلاف اصولی درجے کا ہے۔ فروعی اختلاف خطاء اور صواب کے درمیان دائر ہوتا ہے۔ مگر اصولی اختلاف میں ہمیشہ حق اور باطل کے فاصلے ہوتے ہیں۔

امام بیہقی سے اگر ہم نے فروع میں کبھی اختلاف کیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اصولی مسائل میں بھی ہم ان سے اختلاف کرنے لگیں۔ اصول اسلام میں سب صحابہؓ، سب ائمہ اور سب علماء ایک ہیں اور ہمارے یہ سب اسلاف اکابر اہل السنۃ و الجماعہ ہیں۔

ابو الشیخ کی سند تو امام بیہقی کی سند کے علاوہ ہے اور اس کے سب راوی سچے اور قابل اعتماد ہیں۔ محدثین سے اسے بالاتفاق جید مانا ہے۔ مگر افسوس کہ اس پر ہمارے کرم فرمایہ بحث الے اڑے جید ہی تو کہا ہے صحیح نہیں کہا۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔

جید اور صحیح میں فرق

امام ابن الصلاح (۷۴۳ھ) اصول حدیث کے مستم امام ہیں۔ مقدمہ ابن الصلاح اس فن میں آپ کا شاہکار ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ صحیح اور جید ایک ہی درجے میں ہیں۔ علامہ بیہقی اسے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

لے محدث ابن عبد البر (۴۶۳ھ) ایسے موقع پر حدیث پر صحت کا حکم لگاتے ہیں۔ قاضی شوکانی ان سے ایک بحث نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

ثم حکم ابن عبد البر مع ذلك بصحته لتلقي العلماء له بالقبول فوده من حيث

الاسناد وقبله من حيث المعنى. (ذیل الاوطار جلد ۱ ص ۱)

من ذلك يعلم ان الجودة يعبر بها عن الصحة.

ترجمہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے صحیح ہونے کو جتید ہونے سے بھی تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

امام ترمذیؒ جس طرح مختلف اماریت پر حسن صحیح کا حکم لگاتے ہیں آپ نے اپنی سنن کے ابواب القلب میں ایک جگہ یہ تعبیر بھی اختیار کی ہے۔
هذا حديث جيد غريب.

دعوت غرابت اور اس کی وضاحت

حافظ ابن قیمؒ نے ابوالشیخ کی روایت کو غریب کہا ہے۔ اس سے بھی یہ ہمارے کرم فرما اس حدیث کو اس نظر سے دیکھتے ہیں جس سے ہمارے دور کا استعمار پرست غریبوں کو دیکھتا ہے۔ پھر غرابت کبھی سند میں ہوتی ہے کبھی متن میں ہمارے یہ مہربان اس کی بھی کچھ وضاحت نہیں کرتے۔
اس حدیث کی اکثر روایات میں اُبلغتہ یا بلغتہ کے الفاظ ہیں۔ متن مشکوٰۃ اور اس کے حاشیہ میں بیہقی کی روایت میں نسخہ کے اختلاف کا نشان موجود ہے۔ لیکن ابوالشیخ کی روایت میں اعلتہ (مجھے اس کا علم دیا جاتا ہے) کے الفاظ ہیں۔ ابلغتہ میں ملائکہ واسطہ بنتے ہیں اور اعلتہ میں یہ ضروری نہیں۔

ہم عرض کرتے ہیں جب دوسری روایات ابلغتہ کے الفاظ موجود ہیں تو یہاں اعلتہ کے الفاظ کو بھی اسی معنی میں لیا جائے گا اور یہ غرابت کوئی مضر نہیں۔ حدیث صحیح اور غریب میں تباہی نہیں۔ مشکوٰۃ تو ہر طالب علم کے پاس موجود ہوتی ہے۔ اس کا مقدمہ جو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا لکھا ہے ہی اٹھا کر دیکھ لیں۔

ان الغرابة لا تنافي الصحة. حدیث کا غریب ہونا اس کے صحیح ہونے کے منافی نہیں۔

کیا صحیح بخاری میں آپ نے یہ الفاظ نہیں دیکھے۔

فرفع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدیه وقال اللہ اکبر خربت خبیں.... قال ابو عبد اللہ رفع

یدیه فانی اخشی ان لا تکن محفوظا وان کلن فیہ فرفع یدیه فانہ غریب جدا بہ

حاصل کلام یہ ہے کہ محمد بن مروان صدی صغیر تو امام بیہقی کی سند کا راوی ہے۔ اس پر مشتمل سند کو

کمزور تو کہا جاسکتا ہے مرفوع نہیں اور ابوالشیخ کی سند تو بالاتفاق جتید ہے۔ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی

۱۹۶۷ء کی اکٹوبر کی اشاعت میں ہے۔

اس حدیث کی جو سند صدی صغیر پر مشتمل ہے۔ اس کو بوجہ راوی مذکور کے کمزور

کہا جائے گا اور جس سند میں یہ راوی نہیں وہ کمزور نہیں ہے۔۔۔۔۔ ملا علی قاریؒ

انہی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔ قال مبرک نقلًا عن الشیخ ورواہ ابو الشیخ

..... باسناد جتید۔

اہل سنت کا موقف تو ہم آپ کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔ آپ کو کوئی جلیل القدر عالم اس کا

مخالف نظر نہ آئے گا۔ ہاں کسی خلیب اور داعط کی آواز اس کے خلاف سنائی دے تو ہمارے عوام

کی بھی توجہ ذمہ داری ہے کہ وہ آواز اور خطابت کے دام میں نہ آئیں۔ محدث جلیل ملا علی قاری علیہ

رحمۃ ربہ الباری فرماتے ہیں راہ سنت کی مخالفت درست نہیں۔

وفیہ اشعار بان من خالف السنۃ وان کلن فی الظاہ من تینا خطیباً مکروماً

عند الناس فہو فی الحقیقۃ نجس اخس من الکلب۔

ترجمہ۔ اور اس میں اس طرف رہنمائی ہے کہ جو شخص طریق اہل سنت کی مخالفت کرے

گو ظاہراً وہ بڑا بنا ٹھنڈا اور کتنا بڑا خطیب کیوں نہ ہو اور اپنے لوگوں میں اس کا

مقام بھی ہو، حقیقت میں وہ نجس ہے اور وہ کتے سے بھی زیادہ خسیس ہے۔

یہ ابوالشیخ کی سند جید نہ بھی ہوتی تو اصولاً سیہی کی کمزور سند بھی لائق اعتماد تھی اس لیے کہ انچے درجے کے علماء (فقہاء کرام) جس بات کو بالاتفاق قبول کر لیں وہ دوسروں کے لیے محبت ہو جاتی ہے اور فقہاء کی قبولیت سے اس کا ضعف اٹھ جاتا ہے۔

① حافظ ابوبکر البیہاوی (الازی د ۴۷۰ھ) ایسی ہی ایک روایت پر لکھتے ہیں:-

ان الفقہاء قد تلقت هذا الحديث بالقبول وعملوا به فثبت حجه

بقبولهم له كقوله عليه السلام لا وصية لوارث۔

② حافظ ابن عبد البر المالکی (۴۶۳ھ) بھی اس اصول پر ایک ضعیف حدیث کو معتد ٹھہراتے ہیں۔ قاضی شوکانی (د ۴۷۰ھ) ایک بحث میں لکھتے ہیں:-

ثم حکم ابن عبد البر مع ذلك بصحة لتلقي العلماء له بالقبول۔

ترجمہ۔ اس ضعف کے باوجود علامہ ابن عبد البر نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ کیونکہ

علماء کی ایک جماعت اسے قبول کر چکی ہے۔

③ علامہ ابن عبد الہادی (۴۴۴ھ) حدیث من حلی علی عند قبری کو ضعیف

کہتے ہیں مگر ہم ان سے اس بات پر متفق نہیں، لیکن وہ اس کے معنی سے بوجہ تعلق بالقبول

پہلی طرح متفق ہیں۔ حدیث کی سند کا متکلم فیہ ہونا اور بات ہے اور خود حدیث کا غلط

ہونا اور بات ہے۔ اگر ان دونوں میں تلازم ہوتا تو محدثین کے ہاں تعلق بالقبول سے کبھی

کوئی حدیث اعتماد کا درجہ نہ پاتی۔ تاہم یہاں ہمیں اس اصول کو سامنے لانے کی چنداں

ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ حدیث ایک دوسرے طریق میں (ابوالشیخ کے طریق سے) جید

سند کے ساتھ موجود ہے۔ اور اس کے جید السند ہونے کا علمائے کبار کی ایک جماعت

نے اقرار کیا ہے۔

المبحث السادس

ارشاد العوام لعرض الصلوة والسلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صلوٰۃ و سلام علی خیر الانام عرض کرنے کے لیے حاضری ہو اور مومن یہ سعادت پالے کہ اس کی آواز حضورؐ کی سماعت کے شرف سے مشرف ہو جائے تو وہ اسے حضورؐ کی خدمت میں حاضری سمجھے۔ یہ تصور لے کر نہ آئے کہ وہ ایک میت کے لیے دعا کرنے آیا ہے یہ صحیح ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات آئی۔ آپ پر اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاَنْتُمْ حَيُّونَ کا وعدہ پورا ہوا۔ لیکن اب آپ میت نہیں ہیں، بعد الوفات زندہ ہیں۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے حضورؐ کی قبر کی زیارت کی اور یہ سمجھے کہ حضورؐ اس قبر میں میت ہیں تو امام مالکؒ کے نزدیک ایسا کہنا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ صورت حال یہ نہیں۔ حضورؐ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور صلوٰۃ و سلام عرض کرنے والے کا صلوٰۃ و سلام خود سنتے ہیں۔

ائمہ اربعہ میں فروع و احکام کے اختلافات تو ہیں۔ اصول و عقائد میں چاروں امام اہل السنۃ و الجماعت میں سے ہیں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں اور ان مجتہدین کا عقیدہ ہم مقلدین پر محبت ہے علامہ سمہودی حضرت امام مالکؒ کا فتوے نقل کرتے ہیں :-

نقل عن الامام مالک انه كان يكره ان يقول رجل نزلت قبر النبي صلى الله عليه وسلم قال ابن رشد من اتبعه ان الكراهة لغلبة الزيارة في الموتى وهو صلى الله عليه وسلم احياء الله تعالى بعد موته حياة تامه ۱۰

ترجمہ حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) سے منقول ہے آپ اسے مکروہ جانتے تھے کہ کوئی شخص کہے میں نے بنی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی ہے

ابن رشد مالکی کہتے ہیں یہ کراہت اس لیے ہے کہ زیارت کا نفل عام طور پر مرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اللہ تعالیٰ نے وفات کے بعد ایک کامل زندگی سے نوازا رکھا ہے (ان کے لیے زیارت کا نفل کیوں؟)

فقہاء احناف احتیاطاً اس مقام پر زیارة النبی یا زیارة الرسول کا عند ان اختیار فرماتے ہیں یہ عاضری قبر پر عاضری نہیں، آپ کی خدمت میں عاضری ہے اور نہیں تو فوراً ایضاً جو عام دینی مدارس میں داخل نصاب ہے۔ اسی میں دیکھ لیجئے۔

يَبْغِي لِمَنْ تَحْضُرُ زِيَارَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَكْثُرَ مِنَ الصَّلَاةِ عَلَيْهِ
فَإِنَّهُ يَسْمَعُهَا ۝

ترجمہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت چاہے اسے چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود پڑھے کیونکہ حضورؐ اسے سنتے ہیں۔

پھر جب آپ میت نہیں تو آپ کے روحہ اطہر پر عاضری آپ کی خدمت میں عاضری ہے۔ حضورؐ کی خدمت میں بایں تصور جانا کہ حضورؐ میرے لیے اللہ رب العزت سے منفرت کی دعا کریں بالکل جائز ہے۔ حضورؐ کی اس دنیا کی زندگی میں آپ کی خدمت میں عاضری کا ایک موضوع یہ بھی تھا۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ

لَوْحَدَّوَاللَّهُ تَوَّابًا رَحِيمًا (پہاں الشارح ۹ آیت ۶۴)

ترجمہ اور حبیبہ اپنی جانوں پر ظلم کریں آپ کے پاس آئیں اور اللہ سے استغفار کریں اور اللہ رسول بھی ان کے لیے استغفار چاہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرے یہ اللہ بہت مہربان و پائیں گے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے آیا وہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائیگی میں ہے۔ یہ اسی صورت میں مقصور ہے کہ وہ حضورؐ کو روحہ انور میں حیات سمجھے۔

محدث کبیر حضرت مولانا طہر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں :-

فثبت ان حکم الایۃ باق بعد وفاته صلی اللہ علیہ وسلمؐ

ترجمہ ثابث ہوا کہ اس آیت کا حکم حضورؐ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔

حضورؐ کی قبر مبارک پر حاضری کی تمنا کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ بحوالہ علوم عبدالحی یہ دُعا بدیں الفاظ

لکھتے ہیں :-

وارسرقنی من زیارة رسولک صلی اللہ علیہ وسلمؐ

ترجمہ اور مجھے اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلمؐ کی زیارت نصیب فرما۔

سوجب یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلمؐ کی خدمت میں حاضری ہے تو وہاں صلوة و سلام عرض کرنے

کے ساتھ حسب آیت کریمہ واستغفرلہم الرسول استغفار کی گزارش بھی بلا تردد جائز ہوگی اور شفاعت کے لیے عرض کسی طرح بے جا نہ ہوگی۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں :-

فتہما نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت پیغمبر کا عرض کرنا لکھا ہے پس یہ جواز کے لیے کافی ہے۔

محقق علی الاطلاق حافظ ابن ہمام (۵۸۶۱) نے قبر اطہر پر حاضری کے لیے آداب بتائے ہیں :-

کہ یہ قبر پر حاضری نہ ہے اس میں حضورؐ کی خدمت میں حاضری کی جھلک آجائے۔ اس صورت میں قبر کی

زیارت کے الفاظ موجب کرامت نہ رہیں گے کیونکہ حکم کی علت جاتی رہی۔ آپ لکھتے ہیں کہ تیرا چہرہ

قبر کی طرف ہے اور تو کہہ السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ — اور یہ اس تصور کے

ساتھ کہ حضورؐ قبر شریف میں اپنی دائیں کر دٹ پڑے ہوئے ہیں — اور آپ پر کثرت سے درود

شریف پڑھے اور یہاں تک کہ توبہ کرے اور آنسو نکل آئیں :-

و یجتہد فی خروج الدمع فانہ من امارات القبول و ینبغی ان یتصدق بشیء

علی حیران النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یصرف متباکیا متعسرا علی الفراق
الحضرة النبویة والقرب منها ثم یسأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الشفاعة یقول
یا رسول اللہ اسألك الشفاعة یا رسول اللہ اسألك الشفاعة وأوصلک الی اللہ
ان اموت مسلما علی ملتک وسنتک ویزکر کل ما کان من قبیل استعطاف

ترجمہ۔ اور وہ آنسو لانے میں جہد کرے یہ آنسو دعا کی قبولیت کے آثار ہیں اور یہ بھی چاہیے کہ
وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسایوں پر کچھ صدقہ کرے۔ پھر وہ رتقا ہوا وہاں سخت
ہو۔ دربار نبوت کی جدائی اس پر گراں اور اس کا قرب اس کا تقاضا ہو پھر وہ نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں شفاعت کی درخواست کرے۔ اے اللہ کے رسول! میں
آپ سے شفاعت کا طلب گار ہوں اور میں آپ کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کے حضور لانا ہوں
کہ میں آپ کے دین پر اور آپ کی سنت پر مسلمان رہتے مڑوں اور میری بات یاد کرے
جس سے نرمی اور نیاز مندی میں اضافہ ہوتا ہو۔

امام ابن ہمامؒ نے اس سے پہلے سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ (۲، ۳) کی یہ حدیث نقل کی ہے۔
روی ابو حنیفہ فی مسنده عن ابن عمرؓ قال من السنة ان تأتي قبر النبی صلی اللہ
علیہ وسلم من قبل القبلة وتجعل ظہرک الی القبلة وتستقبل القبر بوجهک
ثم تقول السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ۔

ترجمہ۔ امام ابو حنیفہؒ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں سنت یہی چلی آ
رہی ہے کہ تم حضورؐ کی قبر مبارک پر قبلہ کی طرف سے آؤ۔ ہتھار کی پشت قبلہ کی طرف رکھ
اور قبر مبارک سامنے ہو اور پھر وہاں سلام عرض کرو۔

مورامام ابن ہمامؒ کا مذکور فتوے بلا اصل نہیں ہے۔ ۱۰ سے ایک جلیل القدر صحابیؒ کی سند

حاصل ہے۔

قبر مبارک پر حاضری کے بعد اور اس طلب شفاعت کے وقت یہ نہ سمجھے کہ یہ غائبانہ پکار ہے
اسے غائبانہ پکار کہا جائے تو یہ شرک ہوگا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری ہے۔ یہ اس
لیے ہے کہ روضۂ ائمر یہ عرض کی گئی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں ماسنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی
کی ستمبر ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں ہے۔

قد القبر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع بلاشبہ ثابت ہے خصوصاً سید الانبیاء
علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام بہت بلند ہے اور آپ کے سماع میں تو کچھ شبہ ہی نہیں۔
اللہم صل وسلم علیہ الصلوٰۃ والسلام دائمین۔

ہذا واللہ تعالیٰ اعلم وعلہ اقم۔

(مولانا) عبدالرشید مفتی دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی
۲۷ صفر ۱۳۷۹ھ
الحجاب ایضاً
لاشی (مولانا) غلام الشرفاں

مہر دارالافتار

حضور کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے کلمات

آپ ہی جس ادا سے اور جن الفاظ عقیدت سے سلام عرض کرے جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی بات
پیرایہ شریعت کے خلاف نہ ہو لیکن جو کلمات علمائے محققین نے لکھ دیئے ان سے سلام کہے تو بہتر ہے۔
حافظ ابن ہمام الاسکندری نے یہ چھ سلام لکھے ہیں۔

① السلام علیک یا رسول اللہ ② السلام علیک یا خیر خلق اللہ۔

③ السلام علیک یا خیرۃ اللہ من جمیع خلقہ ④ السلام علیک یا حبیب اللہ۔

⑤ السلام علیک یا سید ولد آدم ⑥ السلام علیک انہما النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

پھر امتی اپنے عقیدہ تو حید و رسالت کا اقرار اور حضور کے احسانات کا بایں طور اعتراف کرے
اور پھر اللہ تعالیٰ سے آپ کے حق میں دعا کرے :-

یا رسول اللہ انی اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ — وانک عبده
رسولہ — واشہد انک یا رسول اللہ قد بلغت الرسالة وادیت الامانة
ونصحت الامة وکشفتم الضمة فجزاک اللہ عنا خیرا جزاک اللہ صفا
افضل ما جازى نبیا عن امتہ۔

اللہم اعط سیدنا عبدک ورسولک محمدًا الوسيلة والفضيلة والدرجة
العالية الرفیعة وابعثہ المقام المحمود الذی وعدتہ وانزلہ المثل
المقرب عندک انک سبحانک ذو الفضل العظیم۔

اس کے بعد اپنے لیے رقت کے پیرایہ میں اور پھلکے آئینوں سے شفاعت کی درخواست
کرے اور اپنے اندر ایسی کیفیت پیدا کرے کہ حضور یہ امتی اب آپ کے بغیر کس منہ سے اللہ کے حضور
ما فر ہو۔ آپ اس دن میری شفاعت فرمائیں جس دن شفاعت کبرئے کے مقام پر آپ کے سوا کوئی
نہ آسکے گا۔

امتی پھر ان دوستوں کی طرف سے بھی سلام عرض کرے جنہوں نے قبر اطہر میں سلام عرض
کرنے کے لیے کہا تھا اور خالی جگہ میں اس کا نام مع ولادت کے ذکر کرے۔
السلام علیک یا رسول اللہ من ————— بن —————

گنبد خضریٰ کے سب مکیتوں پر سلام ہو؛

ما فذا بن ہمام (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں کہ اب شخین کریمین سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا حضرت عمرؓ
پر بھی سلام عرض کرے۔ یہ حضرات گواہی دیتے ہیں کہ ان کا قبر پر سننا قطعی ہو۔ لیکن بایں سبب

کہ حضور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا خیر ایک مٹی سے ہوا۔ کما رواہ الخطیب۔ اس لیے یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ حضرات بھی گنبدِ خضریٰ پر عرض گئے سلام کو سنتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہاں حاضری پر ان بزرگوں پر بھی سلام عرض کریں۔ ابن ہمام لکھتے ہیں:-

یہاں تک کہ ان دونوں حضرات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور واسطہ بنانا بھی درست ہے اور ان کا سلام بھی عرض کر سکتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:-

ويبلغه سلام من اوصاه فيقول السلام عليك يا رسول الله من فلان ابن فلان
يستشفع بك الى ربك فاشفع له ولجميع المسلمين

ترجمہ۔ اور زائرِ حضور کو اس کا سلام پہنچاتے جس نے اس زائر کو اس کے لیے کہا ہو اور اسے اس طرح عرض کرے حضور فلان بیٹا فلان کا سلام عرض کرنا ہے اور آپ شفاعت کے لیے عرض کرتا ہے۔ انبیاء تو بالاتفاق سنتے ہیں لیکن اور مل کے بعد الوفات اپنی قبروں پر سننے کی بات اس طرح قطعی نہیں ہے۔ اس اختلاف میں ہم ان حضرات کے ساتھ ہیں جو کا طین اور شہداء و صالحین کو نبوت کے سائے میں جگہ دیتے ہیں اور جو درست اس سے متفق نہیں، انہیں یہ کہنے کا حق نہیں کہ ان کے عدم سماع کا قائل اسلام میں قطعی اور یقینی درجہ رکھتا ہے۔ اگر یہ بات اس طرح ہوتی تو یہ مسئلہ کبھی اختلافی نہ ہوتا۔ حالانکہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں:-

قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلان تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دے۔ اس میں اختلاف علماء کا ہے مجوز سماع موتی اس کے مستقر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں سو اس کا فیصلہ اب کتنا محال ہے مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جو انہیں ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے زیارتِ قبر کے شفاعتِ مغفرت کا لکھا ہے پس یہ جواز کے لیے کافی ہے۔

ہمارے دور کے کرامی حضرات نے اپنے اس موقف کو قطعیت دینے کے لیے اس پر قرآن کریم کی اس آیت کا معارضہ ڈالا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ مرحومین نہیں سُنتے اور قبر پر صلوٰۃ و سلام سُننے جانے کی روایات قطعی طور پر قرآن کے خلاف ہیں۔ نامناسب نہ ہو گا کہ چلتے ہوئے ہم اس معارضے کو بھی اٹھاتے جائیں۔

ان تدعوہم لاسمعوا دعاءکم ولو سمعوا ما استجابوا لکم و یوم القیمة
 یکفرون بشرکم و لا ینبئک مثل خبیر ۵ (پ ۲۲، فاطر ع ۲ آیت ۱۴)
 ترجمہ۔ اگر تم ان کو پکارو، نہیں سُنیں گے تمہاری پکار اور اگر سن بھی لیں تو نہ پہنچیں
 تمہارے کام پر اور قیامت کے دن وہ منکر ہوں گے تمہارے شریک ٹھہرانے
 سے اور کوئی نہ بتلائے تجھے جیسے ذات خبیر تجھے بتلا رہی ہے۔

ومن اضل ممن یدعو امن دون الله من لا یتجیب له الی یوم القیمة
 وہم عن دعاءہم غافلون ۵ (پ ۲۲، الاحقاف آیت ۴)

ترجمہ۔ اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو پکارے اللہ کے سوا کسی ایسے کو جو نہ پہنچ
 سکے اس کی پکار کو قیامت کے دن تک اور انہیں ان کے پکارنے کی بھی خبر نہیں۔

① — ان دونوں آیتوں میں کہیں پاس سے سننے کی نفی نہیں — دونوں جگہ پکار
 سننے کی نفی ہے، پکار کے کہتے ہیں دُور سے بلانے کو — دُور سے تو پیغمبروں پر بھی صلوٰۃ و سلام
 عرض کریں تو اسے فرشتے پہنچاتے ہیں وہ خود نہیں سُنتے — سو ان آیتوں سے حضور کی قبر
 مبارک پر عرض کئے گئے صلوٰۃ و سلام کو نہ سُننے جلنے کے معرض میں لانا اور ان کے اسے سننے کی
 نفی کرنا کس قدر درست ہو سکتا ہے۔ یہ بات کسی پڑھے لکھے سے مغنی نہیں رہ سکتی۔ اہل علم کے ہاں
 اس کا کچھ وزن نہیں۔ جاہلوں میں بیٹھ کر کسی خطیب کا ان آیتوں کو تہجوم تہجوم کو پڑھتا اور اُسے
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع عند القبر کی نفی پر دلیل لانا امرِ دیگر ہے۔ ولایت باؤل قادوۃ کسرت
 فی الاسلام فلیبک علی الاسلام من کان باکیا۔

② ————— پھر ان تدعوہم سے براہ راست انبیاء و شہداء مراد لیتا امد یہ کہ وہ کہیں بھی سنتے

نہیں کیا یہی ان آیات کا موضوع ہے یا مفسرین حضرات نے ان میں جمادات کو بھی داخل کیا ہے جن میں روح کبھی آتی ہی نہیں اگر ایسا ہے تو ان کا مصداق صرف انبیاء و اولیاء امد شہداء کہ ٹھہرنا سلف صالحین کا کیا یہی طریق تھا اس پر بھی کچھ غور فرمائیں۔

کیا تفسیر مدارک جلد ۴ ص ۱۴۱ پر ان میں بتوں کا ذکر نہیں؟ کیا تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۱۵۵ میں یہ نہیں لکھا۔ لانہما جمادات لا ارواح لہما کیا روح المعانی میں ان آیات کے تحت اصنام کا تذکرہ نہیں؟ قاضی شوکانی کو لیجئے لکھنا جمادات تفسیر فتح القدیر جلد ۴ ص ۲۴۲ کیا آپ کے سامنے نہیں۔ مفسر حقانی نے لکھا ہے۔

اگر تم اُن کو پکارو، وہ مہتار پکارنا نہیں سنتے کس لیے کہ جمادات بے حس و حرکت ہیں۔

گرامی ان آیات میں یہ معنی اس لیے بیان نہیں کرتے کہ اس سے لا یسمعوا دعاءکم کی بتوں پر دلالت انہیں اس مغالطہ دہی میں کامیاب نہ ہونے دے گی کہ حضور اپنے روضہ پر عرض کئے گئے صلوة و سلام کو نہیں سنتے۔

③ ————— پھر غافلون کا یہ معنی کرنا کہ ”انہیں پتہ ہی نہیں ان کی پکار کا“ کیا صحیح ترجمہ ہے یا مراد یہ ہے کہ انہیں دھیان نہیں، خبر نہیں۔ قرآن کریم کی اس آیت میں غفلت کے معنی کیا ہیں؟

لقد كنت في غفلة من هذا فكشفنا عنك غطلك فبصرك اليوم حديدہ

(پ ۲۲ اق ۱ ع ۱)

ترجمہ۔ تو بے خبر رہا اس دن سے سوہم نے اٹھا دیا تیرا پردہ۔ سو آج تیری نگاہ بہت تیز ہے۔

تیری آنکھوں کے سامنے شہوات و خواہشات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ پیغمبرؐ کو سمجھاتے تھے تجھے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ آج ہم نے تیری آنکھ سے وہ پردے ہٹا دیئے۔ سو یہاں غفلت کا معنی یہ نہیں کہ پتہ ہی نہ ہو۔ یہاں نفی دھیان اور توجہ کی ہے۔ دھیان کی نفی اور شعور کی نفی اس سے ہوتی ہے جو فی الواقع زندہ ہو مگر ادھر دھیان نہ ہو۔

اللہ کے سوا تم جن کو پکارتے رہے ہو وہ موردِ موت ہیں یا اصلاً بے جان ہیں جن میں حیات کبھی آئی ہی نہیں اور انہیں خبر تک نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے و مایشعرون ایتان یبعثون۔

وہم عن دعائکم غافلون سے کیا یہ نہیں سمجھا جاسکتا کہ انہیں کوئی اس طرح دھیان نہیں اسے نہ سننے کی دلیل بنانا اور اسے اس پر قطعی الدلالتہ ٹھہرانا معلوم نہیں کون سی شانِ علم ہے۔ کفار سنتے تو تھے دھیان نہیں دیتے تھے۔ اسی پر انہیں کہا گیا۔ لقد کنت فی غفلۃ من ہذا۔

افسوس کراچی حضرات وہم عن دعائکم غافلون کا ترجمہ کرتے۔ اس آیت لقد کنت فی غفلۃ من ہذا کو یکسر مبادل جلتے ہیں۔

یاد رکھیے آیات کے عمومات سے دعویٰ البطلان احادیث یہ طریقہ کبھی بھی اہل حق کا نہیں رہا۔ سب سے پہلے معتزلہ آئے جنہوں نے یہ ہتھیار اٹھایا اور آج ان کی شاخ کرامیہ اسی راہ سے حدیث کا مذاق اڑا رہی ہے۔

ہم بصمیم قلب یقین رکھتے ہیں کہ حضورؐ روضہ پر عرض کئے گئے صلوٰۃ و سلام کو خود سنتے ہیں اور دُور سے پڑھا آپ کو پہنچایا جاتا ہے اور کراچی حضرات آپ کے نفی سماع پر جو آیات پیش کرتے ہیں ان آیات میں انبیاء کرام کے عند القبر سماع کی ہرگز نفی نہیں ہے۔ ہاں یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ وہ وہی کچھ سنتے ہیں جو اللہ چاہے اور وہی کچھ کہہ سکتے ہیں جو اللہ چاہے اور آپ پر عرض صلوٰۃ و سلام کہنے والے اسی عقیدے سے آپ پر صلوٰۃ و سلام عرض کرتے ہیں۔ ہماری آواز آپ کی سماعت

سے مشرف ہو اس سے بڑھ کر ہم کس سعادت کی تلاش میں ہیں؟

مولانا حسین علی مرحوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع عند القبر کے ہرگز منکر نہ تھے۔ آپ کے خلیفہ عظم حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتوی اپنے ایک خط میں جو ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ستمبر ۱۹۶۰ء میں چھپا ہے لکھتے ہیں :-

میں اور مولانا غلام اللہ خاں عقیدہ میں متفق ہیں۔ میں بھی نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد برزخی حیات کا قائل ہوں اور وہ بھی برزخی حیات کے قائل ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ روضہ پاک کے قرب میں جب درود جہرا پڑھا جائے تو نبی سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور جناب مولانا غلام اللہ خاں صاحب نے بھی اپنے ماہنامہ تعلیم القرآن میں یہ لکھا ہے میرا بھی یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی چیز ذات اور صفات میں شریک نہیں اور ان کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ہر شخص کی ندا کو ہر وقت سننا اور ہر جگہ سے

مولانا عبد الرحمن جامی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر حاضری دیتے تو درود و سلام کے علاوہ بھی کئی باتیں رقت میں کہہ گزرتے اور جواب بھی سنتے۔ بوقت واپسی عرض کرتے :

خواجہ بسفرے روم چہ فرمائی
”آقا میں اب چلتا ہوں، کیا اجازت ہے۔“ جواب ملا۔
بسلامت روئے و باز آئی

”سلامتی سے جائیں اور پھر یہاں آئیں“

ایک سال صرف یہ جواب ملا ”بسلامت روئی“ پھر آنے کی بات نہ آئی اور واقعات نے

بتایا کہ یہ آخری حاضری تھی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صرف درود و سلام ہی نہیں سنتے نعت بھی سن لیتے ہیں اور عرضداشت بھی۔

اور یہ سب سننا اور سننا اللہ رب العزت کے دست قدرت میں ہے۔

مولانا عبدالرحمن جامیؒ کی بات اگر آپ کو پسند نہیں تو صحابی رسول حضرت بلال بن الحارثؓ (۷۰ھ) کا واقعہ تو آپ سے مخفی نہ ہو گا۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضری دیتے ہوئے آپ سے بارش ہونے کے لیے دعا کرنے کو کہا۔ انہوں نے بھی روضہ اطہر پر حضور اکرم کو یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کیا۔

یا رسول اللہ استسق لامتک فانہم ہلکواؑ

ترجمہ۔ یا رسول اللہ! آپ اپنی امت کے لیے بارش کی دعا فرمائیں وہ ہلاک ہو رہے ہیں۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس صحابی کو خواب میں ملے اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں بارش کی دعا قبول کر لی ہے۔ یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا ہے۔ ابن خلدون کہتے ہیں سلمہؓ کا ہے۔ آپ نے حضرت بلال بن الحارثؓ کو یہ بھی فرمایا۔

ائت عمر فاقراءہ السلام واخبرہ انہم مسقونؑ

ترجمہ۔ آپ عمر کے پاس جائیں اور اسے میرا سلام کہیں اور بتائیں کہ لوگ بارش سے سیراب ہوں گے۔

معلوم ہوا صحابہؓ روضہ انور پر صرف صلوٰۃ و سلام ہی نہیں کہتے تھے کوئی اور عند اشت بارش طلبی ہو یا شفاعت طلبی، پیش کرنا ممنوع نہیں جانتے تھے اور خطاب کے پیرایہ میں آپ پر سلام پڑھتے تھے۔

تحقیق حدیث حضرت بلال بن الحارثؓ

یہ حدیث جو حضرت مولانا حسین علی مرحوم نے پیش کی ہے۔ حضرت امام بیہقی (۵۸۵ھ) نے دلائل النبوت میں نقل کی ہے اور اسے ابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ) نے بھی روایت کیا ہے۔

ابن ابی شیبہ نے یہ روایت ابو معاذ یہ محمد بن قازم سے لی ہے اور یہ وہی سند ہے جو

حدیث من صلی علی عند قبری سمعته کی بطریق ابی الشیخ ہم پیش کر آئے ہیں۔

ابو سعاد یحییٰ محمد بن الخازم (۱۹۸ھ) التمش (۱۲۸ھ) ابو صالح ذکوان السمان
اس حدیث کو ابو صالح حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتا ہے اور اس حدیث کو حضرت
مالک الدار سے نقل کرتا ہے۔ حضرت مالک الدار کو علامہ ذہبی صحابہ میں شمار کرتے ہیں اور اس میں کوئی
شک نہیں کہ آپ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت بلال بن الحارثؓ کا مدد پایا ہے۔ سو
یہ سند متصل ہے اور اس کی جملہ راوی ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔

ابن جریر الطبری (۳۱۰ھ) نے تاریخ الملک والامم جلد ۴ ص ۹۸ میں اسے نقل کیا ہے۔ پھر امام
بیہقی (۴۵۸ھ) نے اسے سند صحیح سے روایت کیا ہے۔ پھر علامہ ابن اثیر جزیری (۶۳۰ھ) نے اپنی
تاریخ میں الکامل جلد ۲ ص ۵۵۶ میں اس کی تصدیق کی ہے۔ آئیے اب آپ کو آٹھویں صدی میں لے چلیں
علامہ سبکی نے شفاء السقام ص ۱۳ میں اس کی شہادت دی ہے۔ پھر حافظ ابن کثیر (۷۴۴ھ) نے امام
بیہقی کی روایت البدایہ میں پوری سند سے نقل کی ہے اور لکھا ہے۔ ہذا سند صحیح ہے۔
ابن ابی شیبہ کی سند کی حافظ ابن حجر مستطانی (۸۵۲ھ) پوری تصدیق کرتے ہیں۔
رواہ ابن ابی شیبہ باسناد صحیح من روایۃ الخصال السمانؓ

پھر علامہ سمہودی (۹۱۱ھ) نے وفاء الوفا میں اس واقعہ کی تصدیق کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے جلد ۲ ص ۴۱

روضہ النور پر سلام بہ پیرایہ خطاب

سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ حبيب خدراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر عاقری دیتے تو یوں سلام عرض کرتے۔
السلام علیک یا رسول اللہ۔

اور شیخین زبیرؓ پر بھی یوں سلام پڑھتے۔

السلام علیک یا ابابکر السلام علیک یا ابیتاہ

الباب الثانی ذبیہ خمسہ فصول

الفصل الاول

مسک خلفائے راشدین

شان و رود خطبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت پیغمبر خاتم کی امدادیت شریفہ روضہ منورہ کی حیات جہانی کے بیان میں یکے بعد دیگرے آپ کے سامنے آچکیں۔ اب اس باب میں افضل البشر بعد الانبیاء سیدنا حضرت صدیق اکبر کا فیصلہ بھی ملاحظہ ہو۔ وفات البتہ کا سب سے پہلا اعلان بھی حضرت صدیق اکبر ہی کی زبان فیض تہ جہان سے صادر ہوا تھا۔ اب اس کے بعد کی حیات البتہ کا فیصلہ بھی اسی خطبہ صدیقی میں ملاحظہ کیجئے۔ ان سے بڑھ کر اور کون فطرت نبوت کا نبض شناس ہو سکتا ہے۔ پہلے شان و رود دیکھئے :-

نزول وحی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ ایسی کیفیات وارد ہوتی تھیں کہ اس دُنیا کے احساسات کچھ وقت کے لیے منقطع ہو جاتے تھے اور قلب منور پوری طرح عالم بالا کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔ ان انکشافات میں بظاہر غشی وغیرہ کا گمان ہونے لگتا اور اتمام وحی کے بعد آپ پھر اس کیفیت ملکی سے کیفیت بشری کی طرف منتقل ہو جاتے۔ جب روح الامین آپ کے قلب مبارک پر نہ مل فرماتے تو ایسی کیفیات اکثر وارد ہوتی تھیں۔

آنحضرت پر جب اذاقت موت کا وعدہ الہیہ پورا ہوا تو بعض صحابہ نے اس وُرد وفات کو

مذکورہ سابقہ غشی خیال کیا اور گمان کیا کہ ابھی کارِ نبوت کے کچھ اہم امور باقی ہیں، آپ انہیں سرانجام دینے کے بعد ہی اس دُنیا سے انتقال فرمائیں گے۔ بنا بریں انہوں نے نہایت سختی سے کہا کہ کوئی آپ پر وفات شریفہ کے وارد ہونے کی بات نہ کرے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ :-

① — کیا وہ لوگ انتہائے غم میں جذبات سے مغلوب ہو کر ایسے خیالات قائم کر رہے تھے؟ یا

② — ان کا اعتقاد ہی یہ تھا کہ حضور پر وُردِ موت کبھی نہ ہوگا؟ اور یا

③ — انہیں وُردِ موت کی پہچان نہ تھی، کیفیت وُردِ موت اور آثارِ موت کا کوئی تجربہ نہ رکھتے تھے؟ یا

④ — اس انکارِ موت کا منشاء و مبنی کچھ اور تھا؟

جب ہم حضرت فاروق اعظمؓ جیسے ذکی الطبع، سلیم الخس اور بیدار مغز انسان کو بھی اسی صفت میں کھڑا دیکھتے ہیں، تو پھر ہمیں اور زیادہ غور و فکر سے سوچنا پڑتا ہے کہ آخر اس انکارِ موت کا سبب کیا تھا؟

جہاں تک پہلے احتمال کا تعلق ہے کہ شاید وہ لوگ انتہائے غم میں جذبات سے مغلوب ہو کر ایسے خیالات قائم کر رہے تھے۔ یہ ہرگز صحیح نہیں۔ اگر غلبہٴ محبت ہی اس کا باعث تھا تو حضرت سیدہ فاطمہ الزہراءؓ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سب سے پہلے ان جذبات کی رو میں بہ جاتیں۔ پھر حضرت فاروق اعظمؓ جیسے مدبر اور نزاکت شناس سے بالکل مغلوب احوال ہو جانے کی توقع بھی کیسے ہو سکتی ہے۔ نیز ان کا استدلال یہ کہ ابھی کارِ نبوت کے کچھ اہم امور باقی ہیں، خود اس بات کا پتہ دے رہا ہے کہ ان کے حواس میں اختلال ہرگز نہ تھا۔ ورنہ یہاں وہ کوئی اجتہاد کرتے نظر نہ آتے۔ خود

لہ مامات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا میوت حتی یقتل المنافقین (ابن ابی شیبہ کافی القسطلانی)

فلیقطعن ایدی رجال دار جہم و بخاری جلد ۱ ص ۵۱۷

فرماتے ہیں :-

والله ان كنت اظن انه صلى الله عليه وسلم سيبقى في امته حتى يشهد عليه

باخر اعمالها وانه هو الذي حملني على ان قلت ما قلت .

رواه البيهقي وراجع له تنبيه . وكذلك جعلناكم امة وسطا .

اگر دوسرے احتمال کو جگہ دیجئے کہ شاید ان کے اعتقاد میں حضور پر ورود موت کبھی ہونا ہی

نہ تھا، یعنی وہ حیات بلا وفات کے قابل تھے تو یہ بھی صحیح نہیں۔ اس لیے کہ اس انکار وفات کی جو

وجہ حضرت فاروق اعظمؓ سے منقول ہے وہ خود اس کی تردید کرتی ہے

ثانیاً حضرت فاروق اعظمؓ خود عاقل قرآن تھے۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاَنْتُمْ مَيِّتُونَ افان مات

او قتل وغیرہما من الآیات ان سے معنی نہ تھیں، پورے قرآن کی تلاوت ان کے شب و روز کا وظیفہ

تھا۔ ان کا علم و فہم بھی کچھ مشتبہ نہ تھا۔ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ آپ پر یقیناً لذت موت کا وعدہ الہیہ پورا

ہوگا۔ حضرت امام شہاب ولی اللہ محدث دہلوی ارشاد فرماتے ہیں :-

باید دانست کہ قصہ دلالت می کند بر آن کہ فاروقؓ می دانست کہ موت بر آن

حضرت شدنی است۔ پس مخالف آیت اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاَنْتُمْ مَيِّتُونَ اعتقاد نہ

کردہ بود، لیکن گمان می کرد کہ آنچہ واقع شدہ است موت نیست، بلکہ تعطیل جو اس

ظاہر است۔

ترجمہ معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت فاروق اعظمؓ یہ جانتے تھے کہ ورود موت آنحضرت

پر ہونا ہی ہے۔ پس ان کا اعتقاد آیت اِنَّكَ مَيِّتٌ الخ کے خلاف ہرگز نہ تھا، لیکن وہ

خیال کر رہے تھے کہ یہ عورت پیش از فتاویٰ موت نہیں، بلکہ صرف آثار حیات

روک لیے گئے ہیں، یعنی جو کچہ واقع ہوا تھا اسے وہ موت قرار نہیں دیتے تھے۔

اگر قیاس احتمال سامنے رکھئے کہ انہیں ورود موت کی پہچان نہ تھی، تو یہ بھی قرین قیاس

نہیں۔ ماحولِ عرب سے کچھ کم آشنا نہ تھے۔ ہزاروں سوالوں کو انہوں نے مرتے دیکھا تھا، موت کی کیفیات بھی کچھ اُن سے مخفی نہ تھیں اور ایسے مواقع کی نزاکت کا بھی انہیں کوئی کم تجربہ نہ تھا۔ پھر آخر ان کا وقوعِ موت سے انکار کیوں تھا؟ اس کا سبب اور منشاء کیا ہے؟

تحقیقِ الامر

بات دراصل یہ تھی کہ جس طرح نزولِ وحی کی بعض کیفیات میں اس دنیا کے احساسات سے تعطل ہو جاتا تھا، مگر حیات کی نفی نہ ہوتی تھی۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ورودِ وفات کچھ ایسے طریق سے ہوا کہ حیاتِ کلیۃً منتفی نہ ہوئی تھی، صرف آثارِ حیات سلب ہو گئے تھے (اور یہ بھی اس لیے تھا کہ عالمِ بزرخ میں انتقال ہو سکے اور پردہٴ قبر میں تشریف لے جاسکیں، حضرت فاروقِ اعظمؓ کی نگاہیں اس حیاتِ قلب تک پہنچ رہی تھیں، جو زیرِ پردہٴ ستور تھی و آخرِ محدثیت کا مقام کچھ کم متبع عرفان نہ تھا) اور اس کے ہوتے ہوئے وہ وقوعِ موت کا ادراک نہ کر سکے تھے۔ اس وجودِ حیات کو اس ورودِ وفات سے تطبیق دینا ان کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے متعلق ان کا اعتقاد یہی تھا کہ آپ پر بھی اسی طرح موت آئے گی، جس طرح کہ عام دوسرے انسانوں پر وارد ہوتی ہے اور چونکہ صورتِ پیشِ افتادہ اور حالتِ واقعہ ایسی نہ تھی، اس لیے وہ آپ پر ورودِ وفات کا یقین نہ کر سکے اور خیال کیا کہ یہ مرحلہ بھی باقی ہے، بیشتر ازیں وہ آیتِ شریفہ **اِنَّكَ مَيِّتٌ** و **اِنَّكُمْ مَيِّتُونَ** کے پیشِ نظر آپ پر قرآنِ موت کا تنبیہ نہ کر سکے تھے۔

پھر جب حضرت صدیق اکبرؓ نے اس صورتِ پیشِ افتادہ اور کیفیتِ واقعہ ہی کو وفاتِ الٰہی کہا اور آیاتِ قرآنیہ، جن میں آپ پر ورودِ وفات کی پیشگرمیوں یا امکان کا بیان تھا، ان کا منشاء اسی قسم کی حالت کو قرار دیا تو اب حضرت عمر فاروقؓ سمجھے کہ آیاتِ مذکورہ اپنے عمومی مفہوم میں نہ تھیں اور انہیں شرح صدر ہو گیا کہ ان آیاتِ شریفہ کا منشاء وفاتِ الٰہی کے متعلق کیا ہے فرماتے ہیں کہ

۱۰ ان آیات کا مفہوم مجھ پر یوں منکشف ہوا۔

”گو یا کہ میں نے پہلے وہ آیات پڑھی ہی نہ تھیں“

مقام عقد ہے کہ اگر یہ آیات شریفہ اپنے اسی عام مفہوم میں ہوتیں، جیسا کہ ابتدائی سطح میں متبادر ہوتا ہے، تو صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت فاروق اعظمؓ ان آیات کے متعلق اتنا اہم اعلان نہ فرماتے۔ حضورؐ کے متعلق وعدہ موت اگر اپنی معنوں میں ہوتا، جن میں کہ موت عام ماحول عرب میں متعارف تھی، تو حضرت فاروق اعظمؓ عاقل قرآن اور نہایت ذکی الطبع ہوتے ہوئے یہ ہرگز ارشاد نہ فرماتے۔

کاتی لعا قواھا الا یومئذ۔

ترجمہ گو یا کہ وہ آیات میں نے اس دن کے سوا کبھی پڑھی ہی نہ تھیں۔

بات صاحب ہے کہ آنحضرتؐ پر وفات شریفہ کا درود کچھ ایسے طریق سے ہوا، جو عام دوسرے انسانوں سے مختلف تھا۔ آپ کے جب میت سے قرآن موت کچھ ایسے جلی نہ تھے کہ کسی کو شک کی گنجائش نہ مل سکے۔ آپ پر کچھ ایسی کیفیات تھیں کہ موت کا یقین نہ ہوتا تھا۔ اسی کیفیت نے جو زیر پردہ مستور تھی، اشتباہ پیدا کر رکھا تھا، جن کے خیال میں اس کیفیت کی قرآن موت سے تطبیق محال تھی، وہ ان قرآن کو غشی سمجھتے رہے۔ کیونکہ ان کے عاشیہ فکر میں موت کے صرف وہی معنی تھے، جو عام طور پر معروف ہیں اور جس ہستی مقدس کو راز دار نبوت ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اس نے اس کیفیت باطنہ کو جو زیر پردہ مستور تھی، درود وفات سے متصادم نہ جاننا تھا، اس وجود حیات اللہ درود وفات میں کوئی تعارض خیال نہ کیا۔ اعلان فرمایا۔

فان محمداً قدمت

ترجمہ حضورؐ موت کا ذائقہ چکھ چکے ہیں۔

جب حضرت صدیق اکبرؓ نے اس صورت پیش افتادہ ہی کو وفات پیغمبر قرار دے دیا، تو پھر حضرت فاروق اعظمؓ نے آپ پر قرآن موت کا تتبع شروع کیا اور بالآخر درود وفات کے قائل ہو

گئے۔ باقی سب صحابہؓ نے بھی اسے تسلیم کر لیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

معنی قول اُد کا فی لہر اسمعہا ایں سنت کہ استماع ایں آیت مائل گہر دانید اور را بہ
تتبع قرآن و پیش اذیں میلان باں نداشت بلکہ

ترجمہ۔ آپ کے اس ارشاد ”گویا کہ یہ آیت میں نے پہلے سنی ہی نہ تھیں“ کا مطلب
یہی ہے کہ اس آیت کے استماع نے انہیں تتبع قرآن کی طرف متوجہ کر دیا کہ
یہ صورت پیش افتادہ ہی اس آیت شریفہ کا مورد ہے، اور پیش تر اذیں آپ
کا (اس آیت کے) اس معنی کی طرف دھیان نہ تھا۔

حجۃ الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حضرت عمرؓ کے انکار وفات کو عام جذبات
محبت پر محمول نہیں کیا بلکہ اس میں ایک نہایت دقیق گہرائی معلوم کی ہے۔ صورت پیش افتادہ میں ان
حضرات کرمین کا یہ اختلاف کہ یہ موت ہے یا غشی اور پھر حضرت عمرؓ کا تتبع قرآن سے اسے آیت
انک میت وانہم میتون سے منطبق کرنا بتلاتا ہے کہ یہ موت کوئی عام اموات کی طرح نہ تھی، کچھ
مختلف تھی۔ ورنہ اول و ثانیہ میں یہ اختلاف کسی طرح نہ ہوتا۔

حضرت عمرؓ سمجھتے تھے کہ آپ پر موت اسی طرح آئے گی جس طرح عام دوسرے انسان پر
آتی ہے اس لیے ہنوز وہ نہیں آئی جو کچھ پیش آیا ہے وہ کچھ اور ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ سمجھتے تھے کہ
وفات پر بھی آپ کی خوشبو کا اسی طرح پھیلے رہنا جس طرح کہ آپ کی دنیا کے عین حیات تھی آپ کی ایک
جدا قسم کی موت کا پتہ دیتا ہے اور بالآخر اسی پر آپ کے اس عالم سے اس عالم میں منتقل ہونے کا اقرار
کرنا ہوگا۔ جو حضرت عمرؓ نے بالآخر کر لیا اور اسی پر سب صحابہؓ کا اجماع ہو گیا۔

سو جس طرح ورود وفات پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہو گیا۔ اسی طرح یہ بھی ایک اجماعی حقیقت
قرار پائی کہ آپ کی وفات سے وہ معاملہ ہرگز نہ کیا گیا جو عام ایسے دوسرے موقعوں پر کیا جاتا
ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اس موت کی نوعیت عام انسانوں سے کچھ مختلف سمجھی۔

تنوع موت پر پہلی شہادت

کہ صحابہ کرام نے اجماعاً آپ کی وفات سے دوسری اموات والا معاملہ نہ کیا

اختصاصات لوفاۃ سید الکائنات

① — آپ کو آخری غسل پہلے پہنے ہوئے کپڑوں ہی میں دیا گیا۔ گرتہ تک جبہ اطہر سے نہ اتارا گیا۔

② — نماز جنازہ بھی عام امواتِ مسلمین کی طرح نہیں پڑھی گئی، بلکہ اسے کسی دوسرے طریق سے ادا کیا، بلکہ بعض روایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ معروف نماز جنازہ کی بجائے صرف صلوٰۃ وسلام عرض کیا گیا اور آپ کے احسانات کے اعتراف کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے آپ کے لیے دعا کی گئی۔

③ — اور اس سے بڑھ کر یہ کہ مُردوں کے دفن کرنے کے بارے میں تاخیر نہ کرنے کا جو عام تاکیدِ حکمِ شرعیٰ میں ہے، اس کے خلاف قریناً پونے دو دن گزر جانے کے بعد آپ کو دفن کیا گیا اور اس غیر معمولی تاخیر میں کوئی حرج نہ سمجھا گیا اور کوئی اندیشہ محسوس نہیں کیا اور کسی ایک صحابی نے بھی اس معاملہ میں جلدی کرنے کا تقاضا نہ کیا۔

④ — پھر آپ کی ایک خاص ہدایت کے مطابق آپ کی پہلی زندگی کے عزیزِ مسکن، یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ ہی کو آپ کا مدفن اور آپ کی دائمی آرام گاہ بنادیا گیا اور آپ اسی میں دفن کئے گئے۔

⑤ — اسی طرح آپ کی ایک ہدایت کے مطابق آپ کی اہلک میں ترکہ اور وراثت کا عام قانون جاری نہیں کیا گیا۔ بلکہ آپ کی حیاتِ طیبہ میں ان کا جو مصرف اور نظام تھا وہی بدستور قائم رکھا گیا اور وہ خلافت کی تولیت میں رہیں۔

② — اسی طرح آپ کی ازواج مطہرات کا یہ حق سمجھا گیا کہ وہ اپنے ہمکونہ مجرموں کو تازیست اپنے استعمال میں رکھیں اور رسول اللہ کے اہلک سے اپنا نفقہ تاحیات حاصل کرتی رہیں جیسا کہ حضور کے سامنے ان کو یہ دونوں حق حاصل تھے حالانکہ کسی مسلمان کے مرنے کے بعد اس کی بیوہ کے یہ حقوق صرف عدت کی مختصر مدت تک رہتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم ان واقعات کی روشنی ارشاد فرماتے ہیں۔
 ”ان سب استثنائی اور اختصاصی احکام و معاملات سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی نوعیت دوسرے تمام لوگوں کی موت سے بہت کچھ مختلف ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ اتنی بات سے ہمارے حلقے کے کسی صاحب علم کو اختلاف ہوگا۔“

تنوع موت پر دوسری شہادت

سوال کیا موت کے علاوہ اور کوئی کیفیت بھی ہے جو اس کی طرح تمام زندہ انسانوں پر وارد ہوتی ہے؟ اس کے متعلق پتہ کیجئے کہ کیا شریعت مطہرہ نے اس کے معنوں میں بھی تنوع پیدا کیا ہے اور انبیاء کو غیر انبیاء سے اس باب میں بھی ممتاز فرمایا ہے؟

جواب: ہاں نیند بھی موت کی طرح تمام زندہ انسانوں کی فطرت ہے اور تمام زندہ انسانوں پر وارد ہوتی ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے:-

النوم اخو الموت

ترجمہ: نیند موت کی بہن ہے۔

لہ جاء فی الحدیث النوم اخو الموت (فیض الباری جلد ۱ ص ۱۸۳ مص) یراجع حدیث النوم اخو الموت ولا یموت اهل الجنة من الجامع الصغیر (تحیة الاسلام للشیخ الافدہ ص ۲) وكذلك فی کتاب الروح ص ۵ والتعلیقات علی النیراس ص ۳۲۳

اگر انبیاء اور غیر انبیاء میں "تنوع نیند" ثابت ہے تو ہر دو طبقوں میں "تنوع موت" کیسے
ثابت نہ ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-
ان عینی تمامان ولا ینام قلبی ۛ

ترجمہ: میری صرف آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سوتا، وہ بیدار رہتا ہے۔

ایک مرسل روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا :-
انا معاشر الانبیاء تمام اعینتنا ولا تمام قلوبنا ۛ

ترجمہ: ہم لوگ جو انبیاء ہیں، ہماری صرف آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سویا کرتے۔

و كذلك الانبیاء تمام عینا ہم ولا تمام قلوبہم ۛ

ترجمہ: انبیاء کرام کی صرف آنکھیں سویا کرتی ہیں، دل نہیں سوتے۔

خاتم احمد ثنین مرانا السید اندر شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

عدم قنص الوضوء بالنوم من خصائص الانبیاء ۛ

ترجمہ: سونے سے وضو نہ ٹوٹنا یہ انبیاء کرام کی خصوصیت ہے۔

انبیاء کرام کی یہ شان ہے کہ اس نیند کی حالت میں بھی ان کے ادراکات جاری رہتے

ہیں۔ ان کے ادراکات کی نوعیت بھی ہمارے ادراک کی نوعیت سے مختلف ہے، نیند کی طرح

ادراک میں بھی تنوع ہے۔ انبیاء کرام کی نیند کے ادراکات بھی ایک قسم کی وحی سمجھے جاتے ہیں۔

روایا الانبیاء وحی (ترمذی) اس کی تصدیق ہے۔ انبیاء کی نیند اور دوسروں کی نیند میں بڑا

فرق ہوتا ہے۔ ان کے منامی ادراکات بھی وحی کا مقام رکھتے ہیں۔ حضرت عمران بن حصین کہتے ہیں :-

کنا لا نوقظ بنی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من منامہ اذا قام حتی یتقیظ ۛ

ترجمہ: ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند سے کبھی نہ جگاتے تھے جب تک کہ خود نہ بیدار ہو جاتے۔

ۛ رواہ ایشخان ۛ اخبر ابن السعد کافی الخصاص ۛ بخاری ۛ عرف النبی ۛ شیخ مسلم جلد ۱ ص ۳۳۳

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلے تو حضرت یوشع بن نون
اُن کے ساتھ تھے جب عین منزلِ مقصود پر پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھ لگ گئی،
حضرت یوشع نے فرمایا:-

لا اذ قظہ۔^۱ میں آپ کو بیدار نہیں کروں گا۔

انبیاء کو خوابِ استراحت سے اس لیے نہیں اٹھایا جاتا کہ معلوم نہیں اُن پر کیا اسرار
منکشف ہو رہے ہوں کیوں انکے لیے سببِ حرج بنا جائے۔ شیخ الاسلام مولانا بدر عالم میرٹھی
ثم المدیٰ لکھتے ہیں:-

پھر جب ان کی نیند صرف آنکھوں تک محدود ہوتی ہے تو اس سے ان کی موت
کا بھی کچھ اندازہ کر لیتا چاہیے۔ کیونکہ النوم اخو الموت مشہور ہے، وہ بھی نیند کی
طرح ان پر طاری ضرور ہوتی ہے، مگر عام بشر کی موت کی طرح نہیں۔ یہاں بھی
ان کو بڑا امتیاز حاصل ہوتا ہے، حتیٰ کہ ان کی وفات کے بعد بھی اُن پر زندہ کا
اطلاق آیا ہے۔^۲

۱۔ سیرت کی کتابوں میں اک باب ہے رحلت کا

کم فہم سمجھتے ہیں، ہے موت یہ ہم جیسی

ان عقائد کی روشنی میں غور فرمائیے کہ تنوعِ موت کا انکار اور پھر اسے شرعی مدارک
تھپڑ کر احدث فی اللغۃ کے الزام سے رو کر ناکون سی شانِ تحقیق ہے۔ تنوعِ موت کا پتہ چلانے
کے لیے تنوعِ حیات کر لیجئے۔ موت اگر حیات کی ضد ہے تو تنوعِ حیات سے تنوعِ موت کیسے لازم
نہ آئے گا۔ علامہ راغبؒ فرماتے ہیں:-

الحیاء تستعمل علی اوجہ^۳۔ لفظ حیات، کلامِ عرب میں کئی معنوں میں آتا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب۔

اعتقاد الصديق لحيات الرفيق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وفات شریفہ وارد ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ مقامِ منبر پر تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے کہا :-

مامات رسول اللہ صلی علیہ وسلم۔

ترجمہ: آنحضرتؐ پر جو حالت وارد ہے، وہ ہرگز موت نہیں۔

بعد میں حضرت عمرؓ خود فرماتے تھے :-

واللہ ما کان یقع فی نفسی الا ذالک۔

ترجمہ: خدا کی قسم! میرے ضمیر کا بھی یہی فیصلہ تھا۔

حضرت ابو بکرؓ تشریف لائے تو آپؐ نے حضور انورؐ کے چہرہ مبارک سے چادر اٹھائی،

آپؐ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور بے اختیار رو پڑے اور حضورؐ کو مخاطب کر کے کہا :-

بالی انت واقعی طبت حیا ومیتاً والذی نفسی بیدہ لا یدیکل اللہ

الموتین ابداً۔

ترجمہ: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان۔ آپؐ حیات و موت دونوں کیفیتوں میں

کیسے پاکیزہ ہیں۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اللہ تعالیٰ

آپؐ کو دو موتوں کا ذائقہ کبھی نہ چکھائے گا۔

اما المیتۃ القی کتب اللہ علیک فقد متہا۔

ترجمہ: جو موت اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے لیے لکھی تھی وہ آپؐ پر وارد ہو چکی۔

ابن ابی شیبہؒ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے آتے ہوئے حضرت عمرؓ کی یہ

بات سُن لی تھی کہ آنحضرتؐ پر جو صورتِ حال پیش ہے، وہ موت نہیں ہے۔

فكشفت عن وجهه ثم اسكب عليه فقبلة وبكى ثم قال بابي انت واتي والله
لا يجمع الله عليك موتين اما الموتة التي كتبت عليها فقد متها

ترجمہ: پس آپ نے حضور کے چہرہ سے کپڑا اٹھایا، آپ پر جھک پڑے، بوسہ دیا،
اور رو پڑے۔ پھر فرمایا میرے ماں باپ آپ پر قربان، خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ
پر دو موتیں کبھی نہ جمع کرے گا جو موت کہ آپ کے لیے لکھی گئی تھی اس کا ذائقہ
آپ چکھ چکے۔

یہاں تین امور پیش نظر ہیں :-

اولاً: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے کسی خاص قسم کی موت لکھی تھی کہ اس کا اس خصوصیت
سے تذکرہ کیا جا رہا ہے ؟

ثانیاً: میرے ماں باپ آپ پر قربان، عربوں کے محاورات میں یہ جملہ کیا امواتِ محمد
کے لیے آتا ہے یا اس دعا و صدیق کے لیے من وجہ حیات لازم ہے ؟

ثالثاً: یہاں جمع موتین میں دو موتوں سے کیا مراد ہے ؟ ہم یہاں صرف تیسرے بحث
کی تفصیل کرتے ہیں۔

منہجہ موتین کی تعیین

لا يجمع الله عليك موتين (اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں کبھی جمع نہ کریں گے)، اس کی
شرح میں مختلف باتیں کہی جاتی ہیں۔ پس فکر و نظر سے ان کا جائزہ لیتا چاہیے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ارشاد صدیقی حضرت عمرؓ کی تردید کے لیے تھا۔ کیونکہ اگر
اس صورت پیش کہ موت نہ کہا جائے، تو لازم آتا ہے کہ آپ پر موت کبھی نہ آئے گی اور اس
طرح گویا کہ آپ پر دو موتیں وارد ہوں گی۔ اس کے نئی کرتے ہوئے حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرتؐ

پر ورود و وفات ثابت فرمایا۔

جو اباعرض ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے اس ارشاد لا یجمع علیک موتین کا یہ مفہوم ہرگز نہیں۔ حضرت عمرؓ کے پہلے خیال کے مطابق اگر اس صورت پیش افتادہ کو موت نہ کہا جائے اور اس لزوم کو بھی مان لیا جائے کہ اس صورت میں آنحضرتؐ پر پھر کبھی ورود و وفات ہوگا تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ حضرت عمرؓ کے خیال کے مطابق حضورؐ پر دو موتیں جمع ہو رہی ہیں، جس کی تردید کی ضرورت حضرت صدیق اکبرؓ کو پیش آئی تھی؟ اس لیے کہ جب پہلی صورت ان کے خیال میں موت ہی نہیں، تو پھر آئندہ کے ورود و موت سے دو موتوں کا اجتماع کیسے لازم آیا؟ اور اگر پہلے ورود و موت ہو چکا ہے، تو اس پر یہ لزوم کیسے لایا جاسکتا ہے کہ اس صورت میں آپؐ پر موت پھر کبھی آئے گی۔

لا یجمع علیک موتین۔ تو اسی ذہن پر کچھ اثر ڈال سکتا ہے، جو پہلے ورود و موت کا قائل ہوا اور صورت پیش افتادہ کو موت یقین کر رہا ہو، اور ظاہر ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ اس پہلی ہی وفات کے قائل نہ تھے پس ان کے خیال کے مطابق پھر کبھی موت واقع ہوتے سے دو موتوں کا اجتماع ہرگز لازم نہیں آتا کہ حضرت صدیق اکبرؓ اس کی تردید فرما رہے ہوں۔ جب حضرت عمرؓ پہلی موت ہی کے قائل نہیں، تو ان کی تردید کے لیے یہ جملہ مذکورہ کیسے کارفرما ہو سکتا ہے۔ اس جملہ بلیغہ

سہ بخاری کے ماشیہ پر علامہ کرمانیؒ کا یہ قول بے شک لکھا ہے۔ قالہ ابو بکر رد الما قالہ عمر (جلد ۱ ص ۱۶۶) لیکن جلد ۲ ص ۶۴ کے ماشیہ میں کچھ اور اقوال بھی لکھے ہیں اور اس قول اول کو واضح کہنے کے باوجود اسے قیل کے ساتھ ہی لکھا ہے۔ ہمیں بہت تعجب تھا کہ علامہ کرمانیؒ جیسے فاضل یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ غور کرنے سے پتہ چلا کہ حضرت عمرؓ کے خیال کی تردید میں چونکہ ان کا خطبہ تھا اور یہ جملہ مہمید میں آگیا تھا اس لیے علامہ کرمانیؒ نے اگلے خطبہ کے پیش نظر اس کو بھی تردید ہی میں ذکر کر دیا ہے۔ چنانچہ علامہ کرمانیؒ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔ فیہ مہمید لوح مقالۃ عمر۔ (ماشیہ بخاری ص ۱۵) محدث سہارنویؒ کا اصل فیصلہ اسی جگہ ہے۔

مطلب یقیناً وہی ہے، جو شیخ الاسلام علامہ عینیؒ بیان فرما رہے ہیں :-

اراد بالموتین الموت فی الدنیا والموت فی القبر وهما من تتان المعروفتان
المشهورتان فلذلك ذكرهما بالتعريف وهما من تتان الواقعتان
لكل احد غير الانبياء عليهم السلام فانهم لا يموتون فی قبورهم بل هم
احياء واما سائر الخلق فانهم يموتون فی القبور ثم يحيون يوم القيمة
ومذهب اهل السنة والجماعة ان فی القبر حياة وموتاً فلا بد من
ذوق الموتین لكل احد غير الانبياء علیہم السلام

ترجمہ۔ دو موتوں سے مراد ایک اس دنیا کی موت اور دوسری قبر کی موت ہے،
اور یہ دونوں موتیں تعلیمات اسلام میں معروف ہیں اور اسی لیے انہیں معرفہ
ذکر کیا گیا ہے۔ یہ دونوں موتیں انبیاء کے سوا باقی ہر ایک انسان کو پیش آتی ہیں۔
انبیاء کو اپنی قبر میں پھر دوسری موت نہیں آتی، بلکہ وہ وہاں زندہ رہتے ہیں
ان کے علاوہ باقی عام لوگوں پر (سوال و جواب کے بعد) پھر قبر میں دُرو موت ہوتا
ہے۔ اس کے بعد انہیں زندگی قیامت کو ملتی ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب
یہی ہے کہ ماسوائے انبیاء کے باقی سب کے لیے قبر میں موت و حیات دونوں
ہیں پس ہر کسی نے دو موتوں کا ذائقہ چکھنا ہے۔

خاتمہ الحفظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ منکرین حیات کا جواب دیتے ہوئے، ایک جواب

کے بعد ارشاد فرماتے ہیں :-

واحسن من هذا الجواب ان يقال ان حياته فی القبر لا يعقبها موت بل يستمر
حیا والا نبياء احياء فی قبورهم ولعل هذا هو الحكمة فی تعريف الموتین
حيث قال لا يذيق الله الموتین ای المعروفین المشهورین الواقعتین

لکل احد غیر الانبیاء علیہ

ترجمہ۔ احسن ترین جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبر شریف میں پھر ایسی حیات دائمہ حاصل ہو چکی ہے کہ اب اس کے بعد پھر کبھی ورواد موت نہ ہوگا۔ اور انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ارشاد نبوت میں موتین کو الف لام سے لایا گیا ہے پس یہ دونوں موتیں دایک اسی دنیا میں۔ دوسری قبر میں، انبیاء کے سوا باقی ہر انسان پر وارد ہوتی ہیں۔ شیخ الاسلام علامہ ذوالحق محدث دہلوی شارح بخاری لکھتے ہیں :-

لا یذوق الله الموتین ابدًا یعنی بعد از موت بحیات ابدی زندہ خواہی بود از آن کہ دے رحمتی اللہ عنہ، دانستہ بود کہ انبیاء در عالم برزخ زندہ اند بخلاف سائر مسلمانان کہ در وقت سوال منکر و نکیر زندہ می کنند، آن را بازی میرانند چنانکہ در تفسیر احیئنا ائمتین و اما ائمتین گفتہ اند :-

پھر ایک اور مقام پر رقمطراز ہیں :-

قول مختار و مقرب مہرور ہمیں است کہ انبیاء بعد از اوقات موت زندہ اند بحیات دنیوی۔ ترجمہ۔ ارشاد نبوت کہ اللہ تعالیٰ آپ کو و موتوں کا ذائقہ کبھی نہ چکھائے گا۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ وفات شریفہ وارد ہو چکنے کے بعد پھر آپ ہمیشہ کی زندگی پائیں گے۔ حضرت ابو بکرؓ کا عقیدہ تھا کہ انبیائے کرام عالم برزخ میں زندہ ہوتے ہیں باقی عام مسلمان منکر و نکیر کے سوالات کے لیے اپنی اپنی قبروں میں زندہ کئے جاتے ہیں اور پھر ان پر قبر میں دوبارہ ورواد موت ہوتا ہے۔

پھر ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

موت دوم آنست کہ سائر الناس را در قبر بعد از سوال منکر و نکیر خواہد بود و ایں

جواب موافق جمہور علماء است کہ قائل اندر بحیات کائنات و انبیاء در عالم برزخ و
بایں معنی ناطق است آثار و احادیث چنانکہ بر متبعان پوشیدہ نیست و
ایں قول زندہ ما احسن اقوال است بلہ

ترجمہ۔ دوسری موت وہ ہے جو عامۃ الناس کو قبر میں منکرو نکیر کے سوالات کے
بعد پھر دوبارہ آئے گی۔ یہ جواب جمہور علماء کے فحیلے کے مطابق ہے، وہ عالم
برزخ میں تمام انبیاء کی حیات کے قائل ہیں۔ اس معنی کی تائید میں آثار و احادیث
وارد ہیں، چنانچہ تتبع کرنے والے اہل حق پر یہ معنی ہٹیں اور ارشادِ صدیقی کا یہ معنی
ان تمام اقوال سے بہتر ہے، جو اس کی تشریح میں کہے گئے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی اس حدیث کی شرح اسی طرح ہے۔

مراد آنست کہ مٹی میر و موت دیگرہ در قبر بھیج دیگاں کہ زندہ گردانیدہ می شود
برائے سوال باز میرانیدہ می شود و ظاہر آنست کہ موت دیگرہ نیست بر دئے و بعد
از جریان سنت الہی بر اذات موت و زندہ گردانیدن بعد اذال حیات باقی
و مستمر خواهد بود و ممات بر آن طاری نخواہد شد پس ایں سخن اشارہ است
بحیات آن حضرت۔

ترجمہ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مراد اس کلمہ سے یہ تھی کہ دوسرے لوگوں کی طرح
آپؐ قبر منور میں دوسری موت کا ذائقہ بالکل نہ چکھیں گے۔ دوسرے عالم لوگوں
کو قبر میں سوال و جواب کے لیے زندہ کیا جاتا ہے اور پھر ان پر دوبارہ دوسری موت
ہوتا ہے۔ آنحضرتؐ پر یہ دوسری موت کبھی نہ آئے گی۔ ایک دفعہ لذت و فانی چکھنے
اور پھر زندہ ہوتے کے بعد آپؐ حیات دائمہ سے زندہ ہیں۔ آپؐ پر کبھی طریان
موت نہ ہوگا۔ اس ارشادِ عالی میں حضرت ابوبکرؓ کا اشارہ مسئلہ حیات الہی کی طرف ہی تھا

خلاصہ کلام یہ کہ صحیح بخاری کے شارحین علامہ عینیؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، شیخ الاسلام
ذراعتیؒ اور دوسرے اکابر محدثین نے موتِ ثانیہ سے قبر کی موت ہی مراد لی ہے۔ دوسرے احتمالات
عقل اور نقلاً صورتِ حال پر قطعاً چسپاں نہیں ہوتے۔ لایجمع اللہ علیک موتین کا صحیح مفہوم
یہی ہے کہ موتِ ثانیہ جس سے مراد قبر کی موت ہے، ایسا یہ ہرگز طاری نہ ہوگی۔ وہ موت کی لذت
شناسی کے بعد پھر ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیئے جاتے ہیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی بصیرت اور فراست پر قربان! وفاتِ الینیؑ کا اعلان بعد میں فرمایا
پہلے حیاتِ بعد الوفات پر اشدہ فرمادیا تاکہ وقوعِ موت کی صراحت سے کہیں حیاتِ ثانیہ کی نفی
لازم نہ کر لی جائے مولانا احمد علی صاحبِ محدثِ مہارِ پوریؒ بھی صحیح بخاری کے حاشیہ پر اہلسنت
کی طرف سے منکرینِ حیاتِ قبریہ کا اسی طرح جواب دیتے ہیں:-

والا حسن ان یقال ان حیاته صلی اللہ علیہ وسلم لا یعقبہا موت بل یتم
حیا والانبیاء حیاء فی قبورہم۔

ترجمہ: بہترین جواب یہ ہے کہ ایک دفعہ موت چھٹنے کے بعد حضورؐ اور ان کی حیات
ایسی ہے کہ پھر اس پر بھی موت نہ آئے گی اور پھر دہم کی طور پر انبیاء کی طرح اپنے
روضہ میں فائزِ الحیات رہیں گے۔

غور فرمائیے! حضرت ابو بکرؓ کی بصیرت اور فطرتِ نبوت کی مزاجِ شناسی کہاں تک پرواز
کر رہی ہے۔ کتنی دور کی بات آپؐ نے ایک جملے میں بیان فرمادی اور کس شان سے آپؐ کے یہ حیات
بعد الوفات کا اثبات فرمایا جامعیت، شان اور بلاغت بیان نے جس طرح یہاں سمندر کو کوزے
میں بھر دیا ہے اس کی نظیر کلامِ عرب میں شاید ہی کہیں ملے۔

وردِ وفات کا پہلا اعلان بھی حضرت صدیق اکبرؓ ہی نے کیا تھا۔ احساسِ نزاکت پر
قربان جائیے کہ وفات کا اس وقت تک اعلان نہیں فرمایا، جب تک کہ اس کے ساتھ ہی بعد الوفات
کی حیات کا اثبات نہیں فرمادیا۔

تنبیہ

پیش نظر ہے کہ "لا یذیقک اللہ الموتین ابدًا" کی شرح میں شیخ الاسلام حضرت علامہ عینیؒ اور دوسرے ائمہ محدثین نے حیات فی القبر کے جس مسئلے کو بیان فرمایا ہے، اسے صرف اپنی رائے یا اپنا نظریہ یا صرف اپنی ہی توجہ پر قرار نہیں دیا، بلکہ اُسے پورے اہل سنت کا مذہب قرار دیا ہے جس کا انکار خروج عن اہل السنۃ ہے۔

ومذہب اہل السنۃ والجماعۃ ان فی القبر حیۃ وموتًا فلا بد من ذوق الموتین لکل واحد غیر الانبیاء علیہ

ترجمہ۔ پورے اہل سنت کا مذہب یہی ہے کہ قبر میں زندگی اور موت دونوں ہیں پس ہر ایک کو دو موتوں کا ذائقہ چکھنے سے چارہ نہیں۔ ہاں انبیاء کے کرام پر یہ دوسری موت کبھی نہ آئے گی۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اسی انداز بیان کو اختیار فرمایا ہے کہ مدحیۃ فی القبر کے منکرین اہل سنت میں سے نہیں اور انہیں جواب دینا اہل سنت کے ذمہ ہی ہوتا ہے۔

قد تمسک بہ من انکر للحیۃ فی القبر واجیب عن اہل السنۃ ... ان حیۃ صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر لا یعقبہا موت بل یستقر حیًا

ترجمہ۔ حیۃ فی القبر کے منکرین کبھی کبھی اس خطیہ صدیقیؒ ہی کو اپنا استدلال بنا کر پیش کر دیتے ہیں۔ اُن کے لیے اہل سنت کی طرف سے یہی جواب ہے کہ حضور اپنے روضہ میں دائمی طور پر زندہ ہیں، انہیں وہاں پھر موت کبھی نہیں آئے گی۔

اعتقادِ فاروقِ الاعظمؓ لِحیاتِ النبی الخاتمؐ

حضرت صدیق اکبرؓ کا عقیدہ تو آپ کے سامنے واضح ہو چکا۔ اب حضرت فاروقِ اعظمؓ کا اعتقاد بھی ملاحظہ کیجئے۔ پہلے اس اصولی مسئلے کو پیشِ نظر رکھئے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ
بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ
(پ ۲۶ : حجرات)

ترجمہ۔ اے ایمان والو! بلند نہ کرو اپنی آوازیں نبیؐ کی آواز سے اور آپ کے سامنے
بھی اس قدر آواز بلند نہ کیا کرو۔ جیسے کہ ایک دوسرے کے سامنے کرتے ہو۔ ایسا نہ
ہو کہ تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

یعنی حضورؐ کی مجلس میں یا آپ کے سامنے اس طرح آواز نہ نکالو۔ جیسے کہ آپس میں ایک دوسرے
سے چپک کر یا ترخ کر بات کرتے ہو۔ آپ کے سامنے دینی آواز سے بات کرنا چاہیے۔ مبادا بے ادبی
ہو جائے اور تمام اعمال ضائع ہو جائیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَفْضَحُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ
قُلُوبَهُمْ فَلْتَتَّقُوا (پ ۲۶ : حجرات)

ترجمہ۔ جو لوگ آنحضرتؐ کے پاس دینی آواز سے بولتے ہیں، وہی لوگ ہیں، جن کے
دلوں کا اللہ تعالیٰ نے ادب کے لیے امتحان کر لیا ہے۔

اکابرِ اہلسنت اور جمہورِ مفسرین کا اجماع ہے کہ درودِ وفات کے بعد بھی حکمِ قرآنی روضۂ اطہر
کے پاس کامل ادب و احترام ملحوظ رکھنے کا مقتضا ہے۔ مسجدِ نبویؐ کی حدود میں شرعی ضروریات کے
علاوہ آواز ہمیشہ پست رہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں :-

قبر شریف کے پاس حاضر ہو، وہاں بھی ان آداب کو ملحوظ رکھئے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ فرماتے ہیں:-

آنحضرتؐ حیات میں لہذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے مسجد نبویؐ کی حدود میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے۔ اس کو حضرت خود سنتے ہیں۔

قلب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ارشاد فرماتے ہیں:-

بہت پکار کر نہ بولے، بلکہ آہستہ خضوع اور ادب سے یہ زمی عرض کرے اور جس کا سلام کہتا ہو، عرض کرے۔ یا رسول اللہ من فلان بن فلان یستشفع بک الی ربک۔

حضرت فاروق اعظمؓ کا اعتقاد

عن السائب بن یزید قال کنت قائماً فی المسجد فخصبني رجل فنظرت الیه فاذا عمر بن الخطابؓ فقال اذهب فاتی لہذین فجئتہ بہما فقال من انتما ومن این انتما قال من اهل الطائف قال لو کنتما من اهل البلد لأوجعتكما ثم فغان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ۔ سائب بن یزیدؒ کہتے ہیں، میں مسجد میں کھڑا تھا کہ کسی شخص نے میرے ٹکڑی ماری کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حضرت عمرؓ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ”جاء اور ان دونوں شخصوں کو میرے پاس لے آؤ“ میں انہیں آپ کے پاس لے آیا۔ آپؐ نے ان سے پوچھا ”تم کن لوگوں میں سے ہو یا تم کہاں کے ہو؟“ انہوں نے کہا ”ہم اہل طائف میں سے ہیں۔“ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا ”اگر تم اہل مدینہ میں سے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا، اس لیے کہ تم مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں (جس کے سامنے آپؐ کو روضہ منورہ سے) اپنی آوازیں بلند کر رہے ہو۔“

آواز بلند کرنے پر مسجد رسول اللہ کی نسبت سے نکیر کرنا اسی لیے تھا کہ وہاں آپ کا روضہ
اطہر ہے۔ جس طرح آپ کی اس دینی زندگی میں آپ کے پاس آواز بلند کرنا جرم تھا، اسی طرح آپ
کے روضہ منورہ کے پاس آواز بلند کرنا بھی جائز نہیں اس لیے کہ آپ وہاں تشریف فرما ہیں اور جب
غسری سے زندہ ہیں۔ مدد مسجد کی آواز کو بلا کسی واسطہ کے خود سنتے ہیں۔

یہ گمان نہ کیا جائے کہ اس نکیر کا منشاء یہ ”اصل“ ہے کہ مسجد میں آوازیں بلند کرنا جائز نہیں
پھر جس شان اور مقام کی یہ مسجد ہوگی، اسی درجے کا یہ حکم ہوگا کہ اس میں آواز بلند نہ کی جائے اور اس
کی خلاف ورزی اسی درجہ کا جرم قرار پائے گی۔ اس لیے کہ سلف و خلف میں سے کسی نے اس اصل
کو منشاء نکیر نہیں فرمایا۔

ثانیاً، علمائے ثقات اور ائمہ سلف ہمیشہ اس روایت کو ان اکواب میں ذکر کرتے آئے ہیں
جو حضور کی مجلس میں حاضری سے متعلق ہیں۔ کما نقل عن مالک الامام وغیرہ من الأئمة الاعلام۔
ثالثاً، اس صورت میں مسجد کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت محض تشریف مسجد
کے لیے ہوگی، حکم نکیر براہ راست اس اصناف سے متعلق نہ ہوگا۔ حالانکہ حضرت فاروق اعظم نکیر
ہی ان الفاظ سے فرما رہے ہیں پس اس میں تاویل مذکور یقیناً ”صرف عن الظاہر“ ہوگی اور ظاہر ہے
کہ جب کلام اپنے اصل پر محمول ہو سکے تو وہاں ”صرف عن الظاہر“ درست نہیں ہوتا۔

رابعاً، حضرت فاروق اعظم نے اس نکیر پر دلیل پیش نہیں فرمائی، بلکہ اس اصناف ہی کو
دلیل کے انداز میں پیش فرمایا ہے۔ اگر محض احترام مسجد ہی مقصد ہوتا تو اس پر دلیل بھی بیان فرمادی
ہوتی۔ اس لیے کہ یہ مسئلہ اس سطح پر بھی نظری ہی تھا۔ ہاں احترام دربار رسالت نص قرآن اور
وامع تعامل کے پیش نظر ضروریہ درجہ اختیار کر چکا تھا کہ اسے معرض دلیل میں لائے بغیر ہی منشاء نکیر
کے طور پر بیان کیا جاسکے۔

خامساً، محض احترام مسجد کو نظر انداز کرنا قابل اخراج عن المسجد تو ہو سکتا ہے (فعلہ عبد اللہ
بن مسعود کما رواہ الدارمی فی سننہ) لیکن اسے قابل سزا قرار دینے کا قول سلف میں سے

کسی نے نہیں کیا، ہاں آداب رسالت کو نظر انداز کرنا اسلامی تاریخ کے ہر دور میں ضرور قابلِ سنزار یا ہے اور یہاں ایجاب کا ذکر ہے، اخراج کا نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب وعلیہ اتم واحکم فی کل باب۔

اگر حضرت عمر فاروقؓ کے اعتقاد میں حضورؐ اپنی قبر مبارک میں زندہ نہ ہوتے اور قریب کی آوازیں کو خود نہ سُن رہے ہوتے تو حضرت فاروقؓ عظیمؓ حضور اکرمؐ کے پاس دبی آواز سے بات کرنے کے قرآنی حکم کو اس انداز میں کبھی نہ بیان فرماتے۔ حدودِ مسجد تک بلند آواز نکالنے کو قابلِ سنزار قرار دینا اس حقیقت کا پتہ دیتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ آنحضرتؐ کو اپنے روشہ اطہر میں فائز الحیات، زندہ اور مددِ رک الاصوات سمجھتے تھے۔ پیش نظر ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے اور اس کی صحت اور تقریب ہر لحاظ سے قابلِ اعتماد ہے۔

مزید تائید

قد روی عن ابی بکر الصدیقؓ قال لا ینبغی رفع الصوت علی بنی حیا ولا میتاً وروی عن عائشةؓ انہا کانت تسمع صوت الوتد یوتدو والمسمار یضرب فی بعض الدور المطنبة بمسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فترسل الیہم لا تؤذوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالوا وما عمل علی بن ابی طالبؓ مصراعی دارہ الا بالمناصعؓ توقیاً لذلك ہکذا رواہ الحسینی فی اخبار المدینة وهذا معایدل علی انہم کانوا یرون انہ حیؓ

ترجمہ۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آواز بلند کرنا جائز نہیں، نہ وفات سے پہلے نہ وفات کے بعد۔ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ عجب کبھی اُن گھروں میں جو مسجد نبویؐ سے متصل تھے، کسی منیخ لگنے یا کیل لگانے کی آواز سنتی تھیں تو یہ حکم بھیجتی تھیں کہ (خبردار!) حضورؐ کو (اس آواز سے) اذیت نہ دو اور حضرت علیؓ

لہ المناصع التی۔ یحتلی فیہا للبول او قضاء الحاجة والواحد مصنع۔ نقرۃ شفاء السقام ص ۱۳۱ مصر

نے اسی سے بچنے کے لیے اپنے گھر کے کواڑ باہر جا کر بٹائے تھے (تاکہ ان کے بننے کا شور حضورؐ کو افیت نہ دے) ان تمام روایات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ آنحضرتؐ کو اپنے روضہ انور میں زندہ یقین کرتے تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ جب کسی مہم سے فارغ ہو کر واپس مدینہ آتے، تو سب سے پہلے جو کام آپؐ کرتے، وہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں سلام عرض کرنا ہوتا تھا اور اسی کی سب دوسروں کو تلقین فرماتے تھے۔

اول کارے کہ عمرؓ ابتداء کر سلام پیغمبر بود، صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت عثمانؓ کا اعتقاد

امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمانؓ کا جب بائیسوں نے محاصرہ کر لیا تو بعض صحابہؓ نے عرض کی کہ بہتر یہ ہے کہ آپؐ شام چلے جائیں، وہاں کی افواج مضبوط ہیں۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے ارشاد فرمایا:-
روا ندارم کہ از دارالہجرت خود مفارقت کنم و مجاورت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بگذارم۔

ترجمہ میں اسے جائز نہیں سمجھتا کہ اپنے دارالہجرت کو چھوڑ جائوں اور یہ بھی مناسب نہیں سمجھتا کہ حضورؐ کی ہمسائیگی چھوڑ دوں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ حضور اکرمؐ کو اپنے روضہ اطہر میں زندہ یقین کرتے تھے۔ اگر وہاں حبید اطہر محض بے جس و بے شعور پڑا ہوتا اور روح اس سے بالکل جدا ہوتی، تو پھر اس قرب کا آخر کیا فائدہ تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسا قرب کسی لذت کا سامان نہیں ہو سکتا۔ چہ جائے کہ اس پر جان قربان کر دی جائے۔ حضرت عثمانؓ شام نہ گئے اور مجاورت رسولؐ میں وہ لذت اٹھائی کہ اس پر جان قربان کر دی۔

حافظ ابن کثیرؒ (م ۷۴۴ھ) ۳۴ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں:-

ان معاویۃ لما ودعه عثمان جین عزم علی الخروج الی الشام عرض علیہ ان
یرحل معہ الی الشام فانہم قوم کثیرۃ طاعتہم للامراء فقال لا
اختار جوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواہ.

ترجمہ حضرت معاویہؓ نے جب شام واپسی کا ارادہ فرمایا اور حضرت عثمانؓ نے انہیں الوداع
کہی تو انہوں نے آپ کے سامنے تجویز رکھی کہ آپ بھی ان کے ساتھ شام چلے آئیں
وہاں کے لوگ اپنے امراء کے بہت تابع فرمان چلتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں حضور کے جوار
دہسائیگی پیرا اور کسی چیز کو ترجیح نہیں دیتا۔

یہاں آپ نے اس مجوزہ دُوری کو قبر رسول سے دُوری نہیں کہا۔ خود ذات رسالت دُوری قرار دیا
ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قرب کو کسی قیمت پر چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔
یہ صرف پیغمبروں کی شان ہے کہ وہ جہاں ہجرت کر جائیں پھر اس جگہ کو نہیں چھوڑتے جس نے فتح مکہ کے
باوجود اپنے دارالہجرت کو نہیں چھوڑا حضرت عثمانؓ آپ کے خلیفہ راشد تھے۔ آپ اپنے آقا کے نقش قدم پر چلے
اور اپنی جان کو خطرے میں سمجھنے کے باوجود آپ نے اپنے دارالہجرت کو نہ چھوڑا۔ دوسری وجہ آپ کی یہ بتائی کہ میں
حضور سے جُدا نہیں ہونا چاہتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر آپ شام چلے جاتے تو پھر جوار رسول میں نہ رہتے
اس سے پتہ چلا کہ جوار رسول یہیں ہے ہر جگہ نہیں اور عاشقان رسول وہیں دُیرے ڈالتے ہیں
جہاں جمال جہاں آرا رہ وقت ان کے سامنے رہے۔

حدیث میں آتا ہے جس حالت میں کوئی فوت ہو وہ اسی پیرایہ میں اٹھایا جاتا ہے حضرت
عثمانؓ نے جوار رسول سامنے رکھتے ہوئے جان جان آفرین کے سپرد کی اب اگلے جہاں میں (عالمِ زیریں) آپ
بدستور جوار رسول میں ہیں۔ گو جنت البقیع میں آپ کی قبر گنبدِ خضر سے کچھ فاصلہ پر ہی کیوں نہ ہو۔ مگر آپ
بھی اپنے پیشروں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ جوار رسول میں ہیں۔

من نازق قبر رسول الله كان في جوار رسول الله صلى الله عليه وسلم.

اگر حضورِ الہی کی روحِ القدس آپ کے عیدِ اطہر سے مفارِق امد بالکل بے تعلق ہوتی تو سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اس خصوصیت کے ساتھ قربِ روضہ مطہرہ کو ہمسائیگی رسولِ ہرگز قرار نہ دیتے۔ آپ کے اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بھی حضرت عثمانؓ کی طرح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے روضہ مطہر میں زندہ یقین کرتے تھے۔

مدینہ منورہ جانے والا یہ نہ کہے کہ میں نے حضورِ انورؐ کی قبر کی زیارت کی، بلکہ یوں کہے کہ میں نے حضورؐ کی زیارت کی، کیونکہ حضورؐ زندہ ہیں۔

اذهبوا في قبورهم يصلون

حضرت علیؓ کے اس عمل کی بناء یہی تھی کہ حضور اکرمؐ اپنے روحِ اطہر میں زندہ ہیں۔

وما عمل على ابن أبي طالب مصرعي داره إلا بالمناصع توقيلا لذلك

ترجمہ حضرت علی مرتضیٰ نے اپنے گھر کے دروازے مدینہ میں ایک باہر کی جگہ میں بنائے

تہا کہ کواڑ بننے کا کہیں شہور پیدا نہ ہو اور حضورؐ کو اذیت نہ ہو۔

عنه محل بالمدينة كان متبرعا للنساء وليد قبل اتخاذ الكنف وهي ناحية بئر أبي ايوب. زرقاتي جلده ٨٨ مصر
به جذب لقرب منه ٨٨ وعطرا مبيغ ٨٨ حمادي ٨٨ في ٨٨ هـ ٨٨ زرقاتي جلده ٨٨ ٨٨ شفا السقام ٨٨ مصر

علامہ ازیں حافظ عبد اللہ مصباح الظلام میں حضرت علی المرتضیٰؑ سے روایت کرتے ہیں ایک اعرابی
حضرت ائمہ کے روضہ اطہر پر حاضر ہوا اور عرض کی :-

یا رسول اللہ! آپ نے جو پہ در و کار سے سنا، ہم نے آپ سے سُن لیا اور جو کچھ آپ
نے خُلسے یاد کیا، ہم نے آپ سے یاد کر لیا، آپ پر جو آیات نازل ہوئیں، ان میں
یہ آیت شریفہ بھی ہے :-

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ
لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا (پ ۵ : النساء)

ترجمہ۔ اور ان لوگوں نے جب اپنے آپ پر ظلم کیا، تو اگر آتے آپ کے پاس اور اللہ تعالیٰ
سے مغفرت چاہتے اور یہ رسول بھی ان کے لیے دُعا ئے معافی کرتے، تو یہ لوگ اللہ
تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔

روضہ منورہ سے آواز آئی :-

اللہ تعالیٰ نے تجھے بخش دیا۔

حضرت علیؑ کی یہی روایت علامہ ابو حیان اندلسیؒ البحر المحیط جلد ۲ ص ۲۸۳ مصر میں، علامہ سمہودیؒ
مقار الفوائد میں (خلاصۃ الزوائد ص ۵ مصر) اور علامہ قرطبیؒ اپنی تفسیر جلد ۵ ص ۲۲۵ میں نقل فرماتے ہیں حضرت علیؑ
کا یہ مشاہدہ اور پھر اس پر کسی قسم کی تکمیل نہ کرنا اور نہ اس کی کوئی توجیہ کرنا، ان کے اس عقیدے کی تائید
کرتا ہے کہ :-

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کی زیارت کے لیے آیا، وہ اس وقت
حضور اکرمؐ کی مہمانگی میں ہے۔

یاد رہے کہ اعرابی کا مذکورہ بالا واقعہ ہم نے صرف تائیداً نقل کیا ہے پس اسناد کا متصل
نہ ہوتا اور روایت میں کلام ہونا مفسر نہ سمجھا جائے، اس لیے کہ استدلال مقصود نہیں، صرف

استشہاد پیش نظر ہے۔

تنبیہ

اسرائیلی کی یہ روایت اپنی جگہ تسلیم ہو یا نہ، لیکن یہ بالکل صحیح ہے کہ آیت مذکورہ میں جاء وک (اگر وہ گنہگار آپ کے پاس حاضر ہوتے) کا مطلب آنحضرتؐ کی یہاں کی دنیوی زندگی تک بالکل محدود نہیں سمجھا گیا بلکہ آنحضرتؐ کو وفات شریفہ کے بعد پھر حیات حقیقی اور سماع حقیقی حاصل ہے اور ان کے حضور میں پھر دعائے استغفار کے لیے عرض کیا جاسکتا ہے۔ محدثین اور مفسرین کا اس آیت شریفہ کے تحت ایسے واقعات نقل کرنا اس حقیقت کا پتہ دیتا ہے کہ جاء وک کا مطلب ہرگز اس دنیا کی زندگی تک محدود نہیں بلکہ اب بھی آپ کے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر دعائے مغفرت کے لیے عرض کیا جاسکتا ہے۔

وراجع له شرح المسلك المقسط للملا علی القاری ص ۲۸۱ مصر

وشرح الشفاء للعلامة الحفاجی المصری جلد ۳ ص ۲۹۸

والزرقانی جلد ۸ ص ۲۹۹، ص ۳۰۶ مصر

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ ارشاد فرماتے ہیں:-

نفتہا نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے۔ پس یہ حراز کے واسطے کافی ہے۔

مع فتح القدیر جلد ۲ ص ۳۳ مصر میں ہے ثم یسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الشفاعۃ فیقول یا رسول اللہ اسئلك الشفاعۃ یا رسول اللہ اسئلك الشفاعۃ واتوکل بک الی اللہ فی ان اموت مسلماً علی ملتک و سنتک و یدکر کل ما کان من قبیل الاستعطاف والرفق اتتمنی قلت وکذلک فی الطحطاوی علی مرقی الفلاح فراجع له تجده کافیا فی کل باب شافیا من کل اریاب واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔ لہ فتاویٰ رشیدیہ جلد ۱ ص ۱۰۱

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بھی اس آیت شریفہ میں ”جاہدوا“ (اگر گنہگار آپ کے پاس حاضر ہوں) کو عام رکھا ہے۔ فرماتے ہیں:-

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاہدوا فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول
لوحدوا الله تو آيات حیماء کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص ہو تو کیونکر ہو۔ آپ کا وجود
باوجود تربیت تمام امت کے لیے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی
خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرنا، جب ہی مقصور ہے کہ آپ قبر میں زندہ ہوں۔
حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:-

مواہب میں بسند امام ابو المنصور صباح اور ابن النجار اور ابن عساکر اور ابن الجوزی
نے محمد بن حرب ہلال سے روایت کیا ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کر کے سامنے
بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کر کے عرض کیا کہ یا خیر الرسل! اللہ تعالیٰ
نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد فرمایا: ولو انهم اذ ظلموا
انفسهم جاہدوا فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوحدوا الله تو آيات
وحیماء میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوا اور اپنے رب
کے حضور میں آپ کے وسیلے سے شفاعت چاہتا ہوا آیا ہوں۔ اور پھر دو شعر پڑھے
..... ان محمد بن حرب کی وفات ۲۲۸ ھ میں ہوئی ہے اور غرض نہ مانہ
خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت نیکر منقول نہیں پس محبت ہو گیا۔
ثبت ان حکم الایۃ باق بعد وفاته صلی اللہ علیہ وسلم
ترجمہ: ثابت ہو چکا ہے کہ اس آیت کا حکم حضورؐ کی وفات شریفہ کے بعد بھی
باقی ہے۔

یہ تحقیق اپنے مقام پر ثابت ہو چکی ہے کہ اس آیت کا حکم حضورؐ کی وفات شریفہ کے بعد بھی باقی ہے۔

اعرابی کی حکایت مذکورہ حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر (جلد ۲ ص ۱۳۲ مصر) میں شیخ المنصور صباغ کی روایت سے نقل فرماتے ہیں اور یہی واقعہ تفسیر مدارک (جلد ۱ ص ۳۹۹ مصر) میں بھی موجود ہے۔
شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :-

جميع ارباب مذاہب اربعہ کہ تصنیف مناسک حج کردہ اند، اس حکایت را آوردہ
دستچمان نمودہ و بسیارے ازائمہ اعلام باسانیدے کہ دارند روایت اس کردہ۔
ترجمہ چاروں مذاہبوں کے علماء نے، جنہوں نے مناسک حج پر تصنیفات کی ہیں، اس
حکایت کو بیان کیا ہے۔ اس کی تحسین کی ہے اور بڑے بڑے ائمہ نے اسے اپنی
اپنی سندوں سے روایت کیا ہے۔

ممکن ہے محمد بن حرب کی یہی روایت دراصل حضرت علی المرتضیٰؑ سے منقول ہو، اختصار کے
باعث محمد بن حرب سے اوپر کی سند حذف ہو گئی ہو اور "اعتماد علی محمد بن حرب" کے سبب اس
کا ذکر ضروری نہ سمجھا گیا ہو۔ ہم نے اس روایت کو صرف تائید مفہوم اور آیت شریفہ کے بیان عموم کے
لیے بیان کیا ہے مستقل استدلال مقصود نظر نہیں۔

تہذیب و تمدن

بیان عقیدہ از عائشہ صدیقہؓ

علامہ سبکیؒ نقل فرماتے ہیں :-

روی عن عائشہؓ انہا كانت تسمع صوت الوتد يوتد والمسمار يضرب في بعض الدور المطنة بمسجد رسول الله ﷺ فتقول اليهم لا تؤذوا رسول الله صلى الله عليه وسلم.

وكذلك في شرح العلامة الزرقاني جلد ۸ ص ۳۰۴ مصر.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ جب کبھی ان گھروں سے جو مسجد نبویؐ سے متصل تھے کسی میخ یا کیل لگائے جانے کی آواز سنتی تھیں تو یہ حکم بھیجتی تھیں کہ (خبردار!) حضورؐ کو (اس آواز سے) اذیت نہ دو۔

عن عائشہؓ قال كنت ادخل بيتي الذي فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم والى واضع ثوبي واقول اتما هو زوجي وابي فلما دفن عمر معهم فرأيت ما دخلت الا وانا مشدودة على ثيابي حياء من عمر ورواه احمد.

رجال اسناد احمد رجال صحيح (تقيق الرواة جلد ۳ ص ۳۳۳ مطبع انصاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں اپنے حجرے میں، جس میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، چادر کھلے داخل ہو جایا کرتی تھی۔ مجھے یہ خیال ہوتا تھا کہ میرے خاوند اور میرے والد ہی تو یہاں ہیں۔ جب حضرت عمرؓ وہاں دفن ہوئے، تو خدا کی قسم،

میں وہاں پہنچے ہی سے جاتی تھی اور یہ حضرت عمرؓ سے حیا کے باعث تھا۔

دیکھئے: حضرت عائشہؓ یوں نہیں کہہ رہی ہیں کہ میں اس حجرے میں داخل ہوتی تھی، جس

میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن میت مدفون تھا، بلکہ یوں فرما رہی ہیں :-

”جس میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے“

نبوت و رسالت کے لیے ادراک و شعور لازم ہے۔ اگر ذات مدفون محض بے حس و

بے شعور ہو، تو پھر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں کہا جاسکتا۔ اور اگر کہنا ہی ہو، تو

محکم طور پر کہنے سے چارہ نہیں، حقیقی اعتبار سے بے حس و بے شعور ذات مدفون کو ہرگز رسول اللہ

(صلی اللہ علیہ وسلم) کہنے کی گنجائش نہیں۔ فقط روح اقدس کے لیے تو فقط ”رسول اللہ کے اطلاق

کے لیے تاویل ہو سکتی ہے۔ روح اقدس اور جسم اطہر کے مجموعہ پر بھی یہ اطلاق باریب صحیح ہے۔

لیکن فقط بدن، جس میں ادراک و شعور دونوں منتفی ہوں۔ اس پر حقیقی اعتبار سے اطلاق رسول قطعاً

نہ ہو سکے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ام المؤمنینؓ حضور انورؐ کو آپ کے روحہ اقدس میں زندہ یقین

کہتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کا سماع ہوتی سے انکار مشہور ہے۔ مگر یہاں نہ صرف اس کا استثناء ہے۔

بلکہ روایت بصری بھی ثابت کی جا رہی ہے۔ ہاں پہنچنے کی چادر کا چونکہ مقصود وجود ہی ستر و حیا

اور پہنچنے کا اہتمام ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی کثافت باقی رہنے دی جاتی تھی۔ تاکہ جس طرح

قبور شریفہ کی پاک مٹی سے یہ انکشافات جاری ہیں، پر دے کی چادر سے ایسا نہ ہو اور اس کا مقصود

وجود باطل ہو کر نہ رہ جائے۔

بات دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تک کسی چیز کو قائم رکھتے ہیں، اس کا مقصود وجود ضائع

نہیں فرماتے۔ ہاں ضمنی حالات میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ قبر کا مقصود وجود ذات مدفون کو عادت

الناس سے پہنچنے میں کرنا ہوتا ہے، عامۃ الناس کو ذات مدفون سے پہنچنے میں لانا نہیں ہوتا۔

اگر ایسا ہو تو فہمنا ہوتا ہے۔ پس اگر ذات مدفون کو پردہ قبر میں سے باہر کا انکشاف ہو رہا ہو اور باہر

والے اسے عادت نہ دیکھ سکیں تو اس سے مقصود وجود باطل نہیں ہوتا اور پردہ چادر کا چونکہ مقصود وجود ہی اور بننے والے کو پردے میں لانا ہے۔ اس لیے انکشاف کی حدود اگر اس کے پار نہ ہو سکیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

عاشیہ مشکوٰۃ میں اس حدیث عائشہؓ پر یوں لکھا ہے :-

اوضح دليل على حیات الميت وعلى انه ينبغي احتتام القبر عند زیارة
مهما امکن لا سيما الصالحون بان يكون فی غاية الحياء والتأدب بظاہرہ
باطنہ۔

ترجمہ۔ یہ حدیث حیات میت پر بہت واضح دلیل ہے اور اس پر کہ قبور شریفہ کا احترام
جہاں تک ممکن ہو سکے کیا جائے، خاص طور پر صالحین کی قبور کے سامنے بہت ادب
وحیاء ملحوظ رہے۔

حضرت صدیقہ کے اس تعامل سے نہ صرف آنحضرتؐ کی حیات طیبہ اور آپ کے حواس کے
روشن ہونے کا پتہ چلتا ہے بلکہ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کی حیات اقدس اور ان
کے حواس کے روشن ہونے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

ولید بن عبد الملک کے زمانہ خلافت میں جب کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ دلی مدینہ تھے تو ایک
دفعہ آنحضرتؐ کے روضہ اقدس کی دیوار خستگی کی وجہ سے کچھ کھل گئی، تو ایک قدم نظر آیا، لوگ بہت
گھبرائے یہاں تک کہ :-

جاء سالم بن عبد الله بن عمر بن الخطاب و عرف الناس انما قدم
جده عمر بن الخطاب۔

ترجمہ۔ حضرت عمرؓ کے پوتے سالمؓ آئے اور انہوں نے پہچان کی کہ یہ ان کے دادا سیدنا
حضرت عمرؓ کا قدم مبارک ہے۔

قبر کے انکشاف کی ایک اور مثال

گنبد خضریٰ کے مکتب کی دینرتہ سے گزر کر زائر کو دیکھ پائیں یا زائر کی روحانی نظر اس دبیز تہ کو چیر کر مدفون افراد قدسیہ تک جا پہنچے۔ قبر کا یہ انکشاف اور سچی روحانی اثر ان ارٹھنے والوں کو نصیب ہو ہی جاتا ہے۔ یہ کرامت بطور خرق عادت ہوتی ہے کیونکہ عادت یہی ہے کہ مٹی مائل سجنے سے ادھر کی نگاہ اُدھر نہ جاسکے اور دنیا کی آنکھ احوال برزخ کو نہ دیکھ سکے۔

ہاں برزخ ملے دنیا والوں کو دیکھ لیں اس کے مواقع اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ کوئی دنیا کی آنکھ برزخی حالات کا کچھ مشاہدہ کر لے۔ دسویں صدی کے مجدد و محدث شہیر ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) شرح اللباب میں لکھتے ہیں:-

ثم من آداب الزيارة ما قالوا من انه يأتي الزائر من قبل رجل المتوفي لامن قبل راسه لاجله اتعب لبصر الميت بخلاف الاول لانه يكون مقابل بصره^۱۔
ترجمہ: قبروں کے آداب زیارت میں سے ہے کہ زائر میت کے پاؤں کی طرف سے آئے سر کی طرف سے نہ آئے کیونکہ اس طرح کرنا میت کی آنکھ کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہوگا بخلاف پہلی صورت کے۔ کیونکہ اس صورت میں زائر اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔

میت زائر کو دیکھے یہ صرف اس صورت میں ہوگا کہ مٹی کے دبیز پردے میت کی آنکھوں کے آگے مائل نہ ہو اور وہ برابر زائر کو دیکھ سکے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کی آنکھ زائر کے کپڑوں کی تہ کو بھی پار کرے گی یا نہ؟

جواب یہ ہے کہ نظر کا مٹی کے دبیز پردے کے پار ہونا خرق عادت اور خلاف قیاس ہے اللہ تعالیٰ کسی کو یہ منظر دکھادیں تو یہ اس کی کرامت ہے نہ دکھادیں تو یہ مٹی کی عادت ہے

کہ جب یہ حائل ہو تو کچھ نظر نہیں آتا۔

اصل فقرہ میں یہ بات طے ہے کہ جو بات خلاف قیاس اور خرق عادت کے طور پر ہو وہ اپنے مورد پر مقصر ہوتی ہے۔ ہم اس پر قیاس کر کے آگے یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ پھر وہ نگاہ زائے کے کپڑوں کے اندر بھی پہنچتی ہوگی اور داریت کو بالکل شکا دکھائی دیتا ہوگا۔ اگر اس کا ذرا بھی احتمال ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بقیع کے بامیوں کے لیے وہاں دعائے مغفرت کرنے نہ جاتے۔ یہ بات مافی جاسکتی ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور گنبد خضریٰ کے مکیوں کے مابین مٹی کی دیوار تھ حائل نہ رہے۔ لیکن اس پر قیاس کہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ پھر ان مکیوں کی نگاہ اس چادر سے بھی گزر جانی چاہیے جس سے حضرت ام المؤمنینؓ نے روضہ اطہر پر عاصری کے وقت پردہ کیا ہوتا تھا۔

حضرت ام المؤمنینؓ کا روضہ انور میں حضرت عمرؓ سے پردہ کرنا بتلاتا ہے کہ وہ نہ صرف حضورؐ کی حیات فی القبر کی قائل تھیں بلکہ وہ حضرات شیخین کریمینؓ کی بھی حیات فی القبر کا عقیدہ رکھتی تھیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

فیه اوضح دلیل علی حیاۃ المیت و علی افاہ ینبغی احترام المیت عند زیارتہ
مہما ممکن لاسیما الصالحون بان یمکن فی غایۃ الحیاۃ والتادب بظاہرہ
وباطنہ۔

ترجمہ۔ اس میں حیات میت کی کھلی دلیل ہے اور یہ کہ زیارت قبر کے وقت میت کا خود احترام کیا جائے۔ جتنا بھی ہو سکے خاص کر نیک لوگوں کا۔ ظاہر اور باطن ہر دو پہلوؤں سے پورے ادب اور حیا و عیاں کے۔

بتائیں یہ احترام میت کس قبر کے کنارے کیا جا رہا ہے اور اسے میت سمجھ کر کیا جا رہا ہے

یا زندہ — اور کیا حضرت شیخ نے اسے حیات میت کی روشنی دلیل نہیں کہا؟

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا تعامل

حدثنا ابو معاوية عن عبيد الله عن نافع عن ابن عمرؓ انه كان اراد ان يخرج دخل المسجد فصلى ثم اتى قبر النبي فقال السلام عليك يا رسول الله، السلام عليك يا ابا بكر، السلام عليك يا ابياه ثم ياخذ وجهه وكان اذا قدم من سفر فيعمل ذلك قبل ان يدخل منزله.

اخرجه عبد الرزاق ايضا بسند صحيح. (وفاء الوفاء للسهمي جلد ۲ ص ۲۴۱)
ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ جب کبھی سفر پر روانہ ہوتے تو مسجد نبویؐ میں آتے، نماز پڑھتے اور پھر دو منہ انور پر حاضر ہوتے اور السلام علیک یا رسول اللہ، یا ابا بکرؓ، اور السلام علیک اے ابا جان! پڑھتے اور پھر اپنے منہ کو محکم لیتے اور جب سفر سے واپس ہوتے، تو اپنے گھر جانے سے پہلے پھر اسی طرح صلوٰۃ و سلام عرض کرتے۔

عبدالرحمن باسناد صحیح می آرد کہ ابن عمرؓ چوں از سفر قدم سے آرد، اول بقبر شریف می رسید می گفت، السلام علیک یا رسول اللہ!

وراجع له المؤطا للامام محمد ص ۳۹۶

روایات سابقہ میں صرف سلام عرض کرنے ہی کا صیغہ ملتا ہے :

السلام علیک یا رسول اللہ۔۔۔ وغیر ذلك۔

البتہ شرح شرع الاسلام میں جو ترکی اخلاف کے ہاں بہت بڑا علمی اور تحقیقی فہمی سوا یہ

ہے۔ یوں بھی مرقوم ہے :-

يقول الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ.

عن نافع كان ابن عمر يسلم على القبر رأيت في اليوم مائة مرة واكثر
يحيي الى القبر فيقول السلام عليك

ترجمہ حضرت نافعؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کو میں نے دیکھا۔ وہ روضہ اطہر پر سلام
عرض کرتے تھے میں نے ایک ایک دن میں انہیں سو سو دفعہ، بلکہ اس سے بھی زائد
بار بار قبر شریف پر آتے اور السلام علیک یا رسول اللہؐ پڑھتے دیکھا،
حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے بھی یہی صیغہ سلام کے لکھے ہیں :-
السلام علیک یا رسول اللہ۔ السلام علیک یا خیر خلق اللہ۔ السلام علیک
یا حبیب اللہ۔

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نزول فرمانے کے بعد روضہ اطہر پر حاضری دیں گے۔ حضرت
ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا :-

ولياتن قبری حتی یسلم علی ولا ردن علیہ رواہ الحاکم وصححہ
ترجمہ حضرت عیسیٰؑ ضرور میری قبر پر بھی آئیں گے اور سلام کہیں گے اور میں بھی
اس کا جواب دوں گا۔

مسند ابی علیٰ جلد ۶ ص ۱۸۱ میں یہ حدیث بدیں الفاظ مروی ہے :-
والدی نفس ابی القاسم بیدہ لی نزلن عیسیٰ ابن مریم اماماً مقسطاً
حکماً عادلاً... ثم لمن قام علی قبری فقال یا حقتہ لاجبتہ۔

یہاں کون سی قبر مراد ہے جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے یہی مدینہ منورہ والی یا کوئی
اعلیٰ علیین والی۔ یہ آپؐ سوچیں یا محمدؐ کے الفاظ روایت بالمعنی ہوں گے کیونکہ حضورؐ اسے روایت
کر رہے ہیں۔

روضہ اطہر کے پاس ان صیغوں سے صلوٰۃ و سلام عرض کرنا اسی لیے ہے کہ حضور مدد مسجد کے قریب میں خود سماعت کرتے ہیں پس اس طرز ادا سے کسی غلط عقیدے کا ایہام نہیں ہوتا۔ اگر حضور روضہ مطہرہ پر بھی خود نہیں سنتے تو پھر ان صیغوں سے صلوٰۃ و سلام عرض کرنا غلط عقائد کا ایہام پیدا کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ اس باب میں ہمارے ائمہ کرام الفاظ موسمہ سے احتراز کرنے کا حکم دیتے ہیں صلوٰۃ و سلام کی مختلف کیفیات صرف اسی صورت میں لائق قبول ہیں کہ کسی طرح کے غلط عقیدے کا ایہام پیدا نہ ہوتا ہو۔ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:-

قد اختار جماعة من العلماء كليات في الصلوة. ومقتضى كلام أئمتنا المنع من ذلك إلا فيما ورد عنه صلى الله عليه وسلم على من اختاره الفقيه.

ترجمہ علماء کے ایک طبقے نے صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے باب میں مختلف کیفیات جائز قرار دی ہے۔ ہمارے ائمہ احناف کے کلام کا حاصل ہے کہ ماسوائے ماثرہ صیغوں کے باقی تمام الفاظ موسمہ سے پرہیز کیا جائے۔ جیسا کہ فقہ نے فیصلہ فرمایا ہے۔ پس اگر حضور اپنے روضہ اقدس کے قریب عرض کیے گئے صلوٰۃ و سلام کو خود نہ سنتے ہوتے۔ تو پھر ان صیغوں سے صلوٰۃ و سلام عرض کرنا غلط عقائد کا ایہام پیدا کرنے کی وجہ سے ہرگز جائز نہ ہوتا اور اور اگر جائز ہوتا تو پھر قریب و بعید ہر جگہ سے جائز ہوتا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ عمل ہر جگہ پر توارث تعامل کے طور پر موجود ہوتا۔

یہ گمان نہ کیا جائے کہ پھر عامۃ المسلمین کی قبروں کے پاس صیغہ خطاب سے سلام کہنے کی کیا وجہ ہوگی۔ اس لیے کہ وہاں خطاب جمع اور جنس مؤنثین کو ہے، کسی معین کو نہیں۔ اور یہاں ایک ذات معین کو اس صیغہ خطاب سے مخاطب کیا جا رہا ہے اور ظاہر ہے کہ غیر معین مخاطبین سے خطاب مجاز کے جتنے پہلو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہیں معین فرد واحد کو خطاب کرنے میں اس کی اتنی گنجائش نہیں ہوتی۔ فافہم و تفکر۔

حضرت ابویوب انصاریؓ

عن داؤد بن صالح قال اقبل مروان يوماً فوجد رجلاً واضعاً وجهه على
العتب فاحذ برقبته وقال اتدري ما صنعت قال نعم فاقبل عليه فاذا هو
ابو يوب الانصاري فقال جئت رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم ات
الحجر سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا تبكوا على الدين اذا
وليد اهلله ولكن ابكوا عليه اذا وليه غير اهلله

اخرجه الحاكم وقال صحيح الاسناد جلد ۴ ص ۵۵۵ وافر عليه الذهبي فقال صحيح

ترجمہ۔ ایک دن مروان آیا اور اس نے ایک شخص کو روضۂ انور پر منہ رکھے ہوئے
دیکھا اس نے اسے گردن سے پکڑ کر ہٹایا اور کہا ”جانتا ہے کہ تو کیا کر رہا
ہے؟ اس نے کہا، ہاں۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہوا کیا دیکھتا ہے کہ وہ حضرت
ابو یوب انصاریؓ ہیں۔ آپ نے فرمایا ”میں رسول اللہ کے پاس آیا ہوں پتھروں
کے پاس نہیں آیا، میں نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس وقت دین

لہ رواہ احمد ایضاً بہ حسن قال حدثنا عبد الملك بن عمرو حدثنا كثير بن زيد عن
داؤد بن الحجب صالح قال..... ان قال المهيثي رواه احمد والطبراني في الكبير
والاوسط وفيه كثير بن زيد وثقة جماعة وضعفه النسائي (كافي كتاب الضعفاء و
المتروكين للامام النسائي) وغيره ورواه يحيى بن الحسين بن جعفر الحسيني في اخبار المدينة
حدثني عمر بن خالد حدثنا ابو نباتة عن كثير بن زيد عن المطلب بن عبد الله قال السبكي
وابو نباتة ومن فوقه ثقات وعمر بن خالد لم اعرفه قلت لاضير فان احمد
رواه عنه عبد الملك بن عمرو وهو ثقة عن كثير بن زيد وقد حكم السبكي
بوثيقه (كافي وفاء الوفاء جلد ۴ ص ۴۲۲)

پر درونا جب اس کے والی اُس کے اہل ہوں بلکہ اس وقت رونا جب کی دین
کی ملایت غیر اہل ہاتھوں میں آجائے۔

پیش نظر ہے کہ یہ مقام فقط انہی حضرات کا ہے، جنہیں انکشاف ہو رہا ہو اور وہ قبر سے
نہیں، صاحب قبر سے مصروف نیاز ہوں پس ان لوگوں کے لیے جو اس مقام انکشاف کے بغیر
روضات عالیہ یا قبور شریفہ سے لپٹے ہوں یا انہیں بوسہ دیتے ہوں اس حدیث میں کوئی دلیل
بعد حجت نہیں۔ ان کے لیے ایسے امور کا ارتکاب جیسا کہ فقہائے کرام نے فرمایا ہے، وہ قطعاً
ناجائز ہے۔

حضرت ابوالیوب انصاریؒ کی حضورؐ کی خدمت میں یہ عارضی بتاتی ہے کہ ان کا ملین کے لیے
کس طرح برزخی پردے اٹھے ہوئے تھے حضرت ابوالیوب انصاریؒ جب خود قسطنطنیہ میں دفن ہوئے
تو دنیا نے دیکھا کہ آپ کے برزخی مقام کا شعلہ نور کئی پر شکوہ پیرائے میں پورے فوجی گیمپ کو منور کر گیا
علامہ خضریٰ (۷۳۸۳) لکھتے ہیں:-

ودفنوه لیلاً فصد من قبره نوراً الى السماء وداى ذلك من كان بالقرب من ذلك الموضع.

ترجمہ مسلمانوں نے آپ کو رات کو دفن کیا مگر آپ کی قبر سے ایک شعلہ نور اٹھا اور
وہ اور پر بلند ہوا جو لوگ بھی اس مقام کے قریب تھے سب نے یہ منظر دیکھا۔

حضرت ابوالیوب انصاریؒ کی حیات برزخی اس وقت ہی ہر وارد و صادر پر کھل گئی تھی۔

خلاصۃ البیان

یہ کہ آنحضرتؐ کے ارشادات عالیہ، خلفائے راشدینؓ کے عقائد قدسیہ، ام المؤمنینؓ
کے عمل فیصلے اور صحابہ کرامؓ کے نظریات یکے بعد دیگرے آپ کے سامنے آچکے ہیں۔ ان سب میں قدس
مشارک یہ ہے کہ حضورؐ اور اپنے روضہ اطہر میں فائزہ بحیات ہیں اور قریب عرض کئے گئے صلوٰۃ و سلام
کو خود سنتے ہیں، احادیث خمسہ اور خلفائے رجبہ کے فیصلوں کے بعد اب مسالک اربعہ ملاحظہ کیجئے۔

مذہبِ اربعہ قرآن کے خلاف نہیں چلے

مذہبِ اربعہ میں آپس میں کتنے بڑے چھوٹے اختلافات ہیں مگر حضورؐ کی حیات بعد الوفا پر چاروں متفق ہیں۔ کیوں کہ اہل السنۃ والجماعۃ عقیدہ میں سب ایک ہیں مسئلہ حیات النبیؐ میں کچھ بھی اختلاف کی گنجائش ہوتی تو یہ موقع تھا جس میں کوئی ایک فریق اس مسئلہ میں دوسرے پر پیٹ فارم ترتیب دے سکتا تھا۔ لیکن مسئلہ حیات النبیؐ کی نوعیت کچھ ایسی یقینی ہے کہ یہ چاروں طبقے اپنے دوسرے مبسوط اختلافات کے باوجود اس میں سب موعی ایک دوسرے سے مختلف نہیں دیا۔ العلوم دیوبند کا یہ ۱۳۰۵ھ کا مفصل فتوے یہاں ہدیہ قارئین ہے۔ غور فرمائیں کہ پنجاب کے مماتی گروہ میں اگر کچھ بھی مسلکی صداقت علمی قوت اور استدلالی شوکت ہوتی تو یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ہندوستان کے دس ہزار مدارس دینی میں کوئی ایک معروف شیخ الحدیث بھی ان کا ہمنوا نہ ہو اور یہ بدعتی ٹولہ صرف پنجاب میں فساد انتشار کے سہارے ایک اختلافی مسلک بنائے بیٹھا ہو۔

الفصل الثانی

مذہب اربعہ در حیات نبویہ

مالکیہ

سیدنا حضرت امام مالکؒ مدنی ہونے کے اعتبار سے اس باب میں خاص طور پر ممتاز ہیں آپ
روحہ اطہر کے پاس ہی مسجد نبوی میں درس حدیث دیتے تھے۔

امیر المؤمنین ابو جعفر نے امام مالک سے کسی مسئلے میں مسجد نبوی میں گفتگو کی تو امام
مالکؒ نے فرمایا، اے امیر المؤمنین! تم کو کیا ہوا؟ اس مسجد میں آواز مت بلند کرو،
کہ حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام وفات کے بعد وہی ہے، جو حالت حیات
میں تھا، سو ابو جعفر دب گیا۔

(و کذلک فی وفاء الوفاء جلد ۲ ص ۴۲۳ طبع مصر)

تقل عن الامام مالکؒ انه کان یکره ان یقول رجل خارت قبر النبی قال
ابن رشد من اتباعه ان الکراهۃ لغلبة الزیارة فی الموقی وهو صلی اللہ
علیہ وسلم احیاء اللہ لعالی بعد موته حیاء تامۃ واستمرت تلک الحیوة
وهی مستمرة فی المستقبل وليس هذا خاصة به صلی اللہ علیہ وسلم
بل یشارکہ الانبیاء فهو حی بالحیاء الكاملة مع الاستغناء عن العذاب

الحسی الدینی ص ۲ (و کذا فی وفاء الوفاء جلد ۲ ص ۴۲۳، ص ۴۲۴ مصر)

علمائے مالکیہ میں سے امام قرطبی (جلد ۵ ص ۲۶۵) امام ابو حنیفہ اندلسی (بحر المحیط جلد ۱ ص ۶۸۳)، علامہ ابن الحاج، علامہ ابن رشد اندلسی اور ابن ابی جبرہ و غیر ہم من الکبار نے ان مسائل کا خوب تذکرہ کیا ہے۔

شوافع

شوافع میں سے امام بیہقی اور امام سیوطی نے حیاتِ انبیاء کے عہدِ ان پستقل تعانیت سپرد قلم کی ہیں۔ علامہ طیبی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے متعدد حوالے مباحث حدیثیہ کے ضمن میں آپ کے سامنے آچکے ہیں۔ امام غزالی اور علامہ سبکی نے بھی اپنی حقائق کی تصدیق فرمائی ہے۔

لطف یہ ہے کہ یہ اکابر، خواہ مالکی ہوں، خواہ شافعی، کسی مقام پر بھی اس تحقیق کو اپنے فقہی مسلک کے تحت ذکر نہیں کرتے بلکہ جہاں کہیں اس عقیدے کا ذکر آتا ہے، وہاں اسے مسلکِ اہلسنت ہی کے طور پر ذکر کرتے ہیں معلوم ہوا یہ کسی ایک فقہی مسلک کا نہیں سب اہلسنت کا اجماعی عقیدہ ہے۔ جمیع اکابر شافعیہ یہی مسلک رکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ کو اپنے ردضہ اطہر میں جو حیات حاصل ہے وہ حیات جسمانی ہے اور وہی حسب اطہر فائزہ حیات ہے جو اس دنیا میں تھا۔

علامہ قزوینی (شافعی المسلک) کا تفرّد اس میں تو ہے کہ وہ انبیاء کے کرام کے استقرارِ قبر میں استمرار کے قائل نہیں، بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ انبیاء کے کرام دفن کے کچھ دن بعد اپنی قبور شریفہ سے اٹھا لیے جاتے ہیں اور طائر اعلیٰ میں استقرار پذیر ہوتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے انہیں بھی انکار نہیں کہ انبیاء کرام کی روحیں ان کے اجسادِ کریمہ سے ہرگز جدا نہیں ہوتیں اور جہاں بھی انبیاء کے کرام کے یہ دنیا والے جسم ہوں، وہیں انہیں حیاتِ جسمانی حاصل ہوتی ہے۔ حیاتِ جسمانی پر بہر صورت اجماع قائم ہے اور علمائے شافعیہ کا مدحیات فی البقرہ پر جو اجماع ہے، وہ بھی ایک تفرّد سے قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔ علامہ سبکی الشافعی طبقاتِ شافعیہ میں لکھتے ہیں :-

عندنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی نحس وبعلم ونعرض علیہ اعمال

الامة وبلغ الصلوة والسلام

ترجمہ ہم شافعیہ کے نزدیک حضور زندہ ہیں اور آپ میں احساس و شعور موجود ہے
آپ پر اعمال امت بھی پیش ہوتے ہیں اور صلوٰۃ و سلام بھی آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔
علامہ یوسف اردوبیلی الشافعی کتاب الانوار لا اعمال الابراہیم لکھتے ہیں۔
وینحاطب بعد الموت بقول السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته لان
الانبياء احياء في قبورهم يصلون ويجنون كما ورد في

خاتمہ

خاتمہ میں سے حافظ ابن قیم کی یہ تحقیق ہے کہ حضور اپنے روزِ اظہر کے قریب عرض کئے گئے
صلوٰۃ و سلام کو خود بواسطہ سنتے ہیں۔ ان کی اپنی تحریر۔ باحوالہ بقید صفحہ و مطبع آپ کے سامنے آ
چکی ہے۔ حافظ ابن قیم کی تصریحات بھی یکجہ دیگرے آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔
قال ابن عقيل من المنايا هو صلى الله عليه وسلم حتى نفي قبره يصلي به
ترجمہ۔ خاتمہ کے مشہور بزرگ ابن عقیل فرماتے ہیں کہ حضور اللہ اپنی قبر شریف میں زندہ
ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

حقیقۂ کرامت

① علامہ شرنبلالیؒ نور الایضاح میں فرماتے ہیں دیکھ کتاب دارالعلوم دیوبند کے نصاب تعلیم میں داخل ہے
ولما هو مقدر عند المحققين انه صلى الله عليه وسلم حتى ينزل من فوقه جميع

۱۔ طبقات شافعیہ جلد ۲ ص ۲۸۲ ۲۔ کتاب الانوار جلد ۲ ص ۳۳۳ ۳۔ الروقة البہیہ ص ۳۳
۴۔ مسالک العرب میں سے اس مسلک کو باوجودیکہ یہ رتبہ، تحقیقاً اور قبولاً باقی سب مسالک پر فائق و
مقدم ہے، آخر میں اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ اس کی کچھ تفصیل مطلوب تھی ورنہ پہلے تین مسالک چونکہ ہمارے
ہم میں کم پائے جلتے ہیں۔ اس لیے ان کے متعلق اجمال سے کام لیا گیا ہے۔

الملاذ والعبادات غیرانہ اوجب عن ابعصار القاصورین عن شریف المقامات۔
ترجمہ: محققین کے نزدیک یہ طے شدہ ہے کہ حضور انورؐ زندہ ہیں اور آپؐ کو رزق بھی
ملتا ہے اور عبادات سے آپؐ لذت بھی اٹھاتے ہیں، ہاں اتنی بات ہے کہ وہ ان
ہنگاموں سے پردے میں ہیں جو ان مقامات تک پہنچنے سے قاصر رہتی ہیں۔

② مراقی الفلاح میں ہے :-

یفنی لمن قصد زیارة النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یکث الصلوة علیہ
فانہ لیسعھا و یتلغ الیہ۔

ترجمہ: جو شخص حضور اکرمؐ کی زیارت کرنے کے لیے آئے اسے چاہیے کہ کثرت سے
درد عرض کرے کیونکہ آپؐ اسے خود شن رہے ہوتے ہیں اور (دور سے) آپؐ
کو پہنچایا بھی جاتا ہے۔

③ طحاوی میں ہے :-

(فانہ لیسعھا) ای اذا کانت بالقرب منه صلی اللہ علیہ وسلم (و یتلغ الیہ)
ای ینالھا الملک اذا کان المصلی بعیذاً۔

ترجمہ: آپؐ صلوٰۃ وسلم کو اس وقت خود سنتے ہیں جب قریب سے عرض کیا جا
رہا ہو اور فرشتے اس وقت پہنچاتے ہیں جب یہ دور سے پڑھا جا رہا ہو۔

تنبیہ

علامہ شرنبلالیؒ کا مذکورہ سابقہ فیصلہ اور پھر اسے مختار محققین قرار دینا اگر کچھ بھی محل نظر ہوتا تو
اس کے شارح اور پھر شارح کے شارح ہر ایک مرحلے پر اس کی تصدیق و توثیق نہ کرتے چلے جاتے
ہو کسی مقام پر اسے نشانہ ضعف کیا جاتا۔ جب ہر مرحلے پر اس کی تصدیق ہی تصدیق ہے۔ تو اس
یقین سے چاہہ نہیں کہ فقہ حنفی کا متفقہ نظریہ یہی ہے کہ حضور انورؐ اپنے روحانہ اطہر میں جہانی طور پر

فانزالحيات ہیں اور قریب عرض کئے گئے صلوٰۃ وسلام کو خود بلا واسطہ سنتے ہیں۔ واللہ اعلم

④ محقق علی الاطلاق امام ابن البہائم (المتوفی ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں :-

تستقبل القبر بوجهك، ثم تقول السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته
..... وذلك انه عليه السلام فح القبر الشريف المكرم على شفعه

الايمان مستقبل القبلة فليكثر دعاءه بذلك في الروضة الشريفة عقب
الصلوة وعند القبر وبجته في خروج الدمع فانه من امارات القبول

وينبغي ان يتصدق بشئ على حيوان النعم ثم يصرف متباكيا متحررا
على الفراق المحضرة النبوية والقرب منها..... ثم يسئل النبي الشفاعة

فيقول يا رسول الله اسألك الشفاعة يا رسول الله..... الخ

ترجمہ۔ تم حضور اللہ کی قبر شریف کے سامنے ہو کر السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ

عرض کرو..... اور یہ اس لیے کہ حضور علیہ السلام اپنی قبر شریف میں دائیں کر دے قبلہ

کی طرف رخ کئے ہوتے ہیں، روضہ شریفہ میں درود شریف کے بعد اور قبر کے پاس

پھر کثرت سے دعا کرے اور اسنو آجانے کی حد تک زاری کرے کیونکہ یہ قبولیت

کی علامات میں سے ہے اور چاہیے کہ روضہ اطہر کے مجاورین پر کچھ صدقہ بھی کرے

پھر رہتا ہو آپ کے قرب اقدس سے جدا ہونے کا غم ساتھ لیتے ہوئے واپس

ہو..... پھر حضور اللہ سے شفاعت کرنے کی التجا بھی کرے اور کہے کہ یا رسول اللہ

میں شفاعت کے لیے سوال عرض کرتا ہوں۔

⑤ علامہ ابن عابدین شامی :-

امام شافعی کے نزدیک مال غنیمت میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ آپ کی
وفات شریفہ کے بعد خلیفہ کو پہنچنا ہے۔ کیونکہ آنحضرت کو یہ حق قیادت اور قیام بامور العاہلہ کی بناء

پر پہنچتا تھا اور اب آپ کے بعد یہ انتظامیہ قیادت بصورت خلافت موجود ہے۔ احناف کے نزدیک آپ کا یہ حق امامت پر معینی نہیں، بلکہ رسالت پر معینی تھا۔ آپ کی وفات شریفہ کے بعد کسی نئے رسول کی آمد شرعاً نہیں۔ پس حنفیہ کے نزدیک سہم رسول وفات پیغمبر سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اس سے آگے یہ بحث چلتی ہے کہ کیا رسول کی رسالت اس کی وفات پر ختم ہو جاتی ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں صرف حکماً باقی ہوتی ہے، حقیقہ نہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ وہ حقیقہ باقی ہے۔ یعنی حضور اب بھی حقیقی طور پر رسول ہیں۔ رسالت کو صرف حکماً باقی کہنا صحیح نہیں۔ علامہ شامی فرماتے ہیں:-

اذا دنا في الدر المنقذ انه خلاف الاجماع قلت وما نسب الى الامام الاشعري
امام اهل السنة والجماعة من انكار ثبوتها بعد الموت فهو افتراء وبهتان
والمصرح في مكتبه وكتب اصحابه خلاف ما نسب اليه بعض اعدائه
لان الانبياء عليهم السلام الصلوة والسلام احياء في قبورهم وقد اقام
النكير على افتراء ذلك ابو القاسم القشيري

ترجمہ۔ در منتقى میں ہے کہ حضور کی رسالت آپ کی وفات شریفہ کے بعد اب بھی حقیقہ باقی ہے اور اسے صرف حکماً باقی کہنا خلاف اجماع ہے اور امام اہل سنت امام اشعری کی طرف جو اس کا انکار منسوب ہے، وہ افتراء اور بہتان ہے۔ اشارہ کی کتابوں میں اس کے خلاف تصریح موجود ہے۔ آپ کی وفات شریفہ کے بعد رسالت کا حقیقہ باقی نہ رہنا اہل سنت کے بعض دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کر دیا ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام تو اپنی قبور شریفہ میں زندہ موجود ہوتے ہیں۔

ان المنع هنا لا تنقام الشرط وهو ما عدم وجود الوارث بصفة الارثية كما اقتضاه
الحديث واما عدم موت الوارث بناء على ان الانبياء احياء في قبورهم
كما ورد في الحديث

① علامہ عینیؒ

انفس لا يموتون في قبورهم بل هم احياء

ترجمہ یقیناً انبیائے کرام اپنی قبور شریفہ میں مردہ نہیں ہوتے، بلکہ وہ وہاں زندہ ہیں۔

② امام ملا علی قاریؒ

ان الانبياء احياء في قبورهم فيمكن لهم سماع صلوة من صلى عليهم

ترجمہ بے شک انبیائے کرامؑ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ سن سکتے ہیں، اس شخص کو جو ان پر درود پڑھے۔

المعتقد المعتمد انه صلى الله عليه وسلم حي في قبره كسائر الانبياء في قبورهم
وهم احياء عند ربهم وان لا تدوا سمع تعلقا بالعالم العلوي والسفلي كما
كانوا في الحال الدنوي

ترجمہ عقیدہ میں پُر پورا اعتماد ہے، وہ یہی ہے کہ حضورؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں
اور اسی طرح تمام انبیاءؑ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی ادوار قدسیہ کو عالم
علوی اور عالم سفلی کے ساتھ ایک تعلق بھی ہوتا ہے اور ایسا ہی تعلق انہیں اس دنیا
میں بھی حاصل تھا۔

اکابر فرقہ اہل حدیث

اہلسنت کی کشتی کے پانچویں سوار حضرات فرقہ اہل حدیث ہیں۔ ان کے اکابر کی تقریبات
بھی دیکھئے۔

① قاضی شوکانی مینیؒ

روحہ صلى الله عليه وسلم لا تفارق قلوبنا صح ان الانبياء احياء في قبورهم

علامہ عینی شریع بخاری جلد ۱ ص ۱۸۱ ۲ مرقاۃ جلد ۲ ص ۲۳۲ شرح اشعار للعلی القاری جلد ۲ ص ۴۲۲ تحت الذاکرین مشام

ترجمہ حضور انور کی روح مبارک اپنے جسد اطہر سے جدا نہیں ہوتی، کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ انبیائے کرامؑ اپنی قبور شریفہ میں زندہ رہتے ہیں۔

انہی فی قبرہ وقد ذهب جماعة من المحققين الى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم حي بعد وفاته۔

ترجمہ حضور اکرمؐ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور محققین کی ایک جماعت کا یہی فیصلہ ہے کہ حضورؐ اپنی وفات شریفہ کے بعد زندہ ہیں۔

② شیخ کبیر عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدی :-

والذی یعتقد ان رتبة نبينا صلى الله عليه وسلم اعلى مراتب المخلوقين على الاطلاق وانہی فی قبرہ حیۃ مستقرۃ ابلغ من حیاۃ الشہداء المنصوص علیہا فی التذیل اذا هو افضل منهم بلا ریب وانہ یسمع من سلیم علیہ۔
ترجمہ ہمارا یہی اعتقاد ہے کہ حضور اکرمؐ کا مرتبہ تمام مخلوقات سے علی الاطلاق اعلیٰ ہے اور یہ کہ آپؐ اپنی قبر شریف میں دائمی طور پر زندہ ہیں اور آپؐ کی یہ حیات شہداء کی حیات سے، جو قرآن پاک میں منصوص ہے، بہت بالا ہے، کیونکہ آپؐ ان سے بلا ریب افضل ہیں اور آپؐ اپنے روضہ اطہر میں سلام عرض کرنے والوں کے سلام کو خود سنتے ہیں۔

③ نواب صدیق حسن خاں :-

حدیث ”من صلی علی عند قبری سمعہ“ (جو میری قبر کے پاس آکر درود پڑھتا ہے، اُسے

عہ آپؐ نے اپنے عقائد پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا بیشتر حصہ نواب صدیق حسن خاں صاحب نے اپنی کتاب اتحاف النبلاء مقصد دوم میں حرف المیم کے ماتحت نقل فرمایا ہے۔ شیخ عبد اللہ نے اس میں ان تمام الزامات کی تردید ہے جو اس طبقہ سے منسوب کئے جاتے ہیں آپؐ متعلقہ غیر متعلقہ تھے۔

۱۔ نیل الاوطار جلد ۲ صفحہ ۲۱۱۔ ۲۔ اتحاف النبلاء ص ۲۱۵ مطبوعہ کانپور

میں خود سنتا ہوں، کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔ اسنادہ جیدہ۔

حج الکرامۃ ص ۱۸۵ میں واقعہ ثرہ نقل فرمایا ہے کہ امام التابعین حضرت سعید بن المسیبؓ فرماتے ہیں کہ "میں ان دنوں حجرہ شریفہ سے اذان اور اقامت سنتا تھا" مدفنہ الطہر سے آواز آنے کی اس روایت کے متعلق ذاب صاحب لکھتے ہیں۔

ابن جوزیؒ بسند متصل تا سعید بن المسیبؓ لایا ہے کہ سعیدؓ نے ایسا فرمایا۔

④ حضرت مولانا میاں نذیر حسین صاحب دہلویؒ (۱۳۲۰ھ)

اور حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے، میں سنتا ہوں اور دُور سے پہنچایا جاتا ہوں۔

⑤ مولانا وحید الزماں حیدر آبادی (۱۳۳۸ھ) تلمیذ حضرت میاں صاحب

اور پیغمبروں کے اجسام مردہ نہیں وہ جسم سمیت اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں۔ جیسے دوسری حدیث سے ثابت ہے۔۔۔۔۔ وہ مرنے کے بعد بھی جب حکم الہی ہوتا ہے تو اپنے زائر پر توجہ فرماتے ہیں اور ان کی روح سے زائر کو بہت فیوض پہنچتے ہیں۔۔۔۔۔ اگر مردوں میں عمرو یا احساس اور سمع نہ ہوتا تو اہل قبور پر سلام کیوں شروع ہوتا کیا کئی پتھر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کرنے کا دیا۔ اس کا وہی قائل نہ ہو گا جو نادان ہے۔

⑥ مولانا شمس الحق عظیم آبادی (ھ) شارح سنن ابی داؤد

ان الانبیاء فی قبورہم احياء ص ۱۸۵ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ اور حدیث مامن احد یسلم علی الارواح اللہ علی روحی کے تحت لکھتے ہیں۔

والقول الصیغ ان هذا من زاره ومن بعد عنه تبلغه الملائكة سلامہ۔

عہ و سنائی تفصیلہ و راجع لہ ص ۲۰۹ من هذا الكتاب لہ الدلیل الطالب ص ۸۴۲ ۷ حج الکرامۃ ص ۱۸۵

۸ فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ ص ۵۵ ضمیمہ کہ تیسرے بار کی کتاب الدعوات جلد ۲ ص ۹۸ ۹ عون المعبود ص ۵

④ التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی میں منقول ہے۔

انہما احیاء فی قبورہم یصلون وقد قال النبیؐ من صلی علی عندقبری سمعته
ومن صلی علی فانیاً بلغته۔
(التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی ص ۱۳۴)

ترجمہ۔ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور حضورؐ
نے فرمایا ہے کہ جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے، اسے میں خود سنتا ہوں اور
جو دور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

التعلیقات السلفیہ جلد ۱ ص ۱۹۵ پر سنن نسائی مطبوعہ دہلی جلد ۱ ص ۸۵ کا پورا حاشیہ (جو حیاتِ قبریہ
کے حیاتِ جسمانی عنصری اور غیر معطل عن الاشتغال الطیبہ ہونے پر نہایت واضح بیان اور مکمل برہان
ہے) منقول ہے اور مولف نے اپنی عادت کے مطابق یہاں کوئی اختلافی نوٹ نہیں لکھا۔

⑤ مولانا فضل الرحمن بری پوری

کل پیغمبروں کے اجسام زمین کے اندر صحیح و سالم ہیں قبر شریف میں۔ اور اہل حدیث کا یہی اعتقاد ہے۔

⑥ مولانا شمس الحق ملتانی از دارالحدیث رحمانیہ ملتان

عالم برزخ میں خصوصیتِ نبوی سے ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ آپ درود و سلام زائر
کا سنتے ہیں اور دور سے صلوٰۃ و سلام پہنچایا جاتا ہے۔

⑦ مولانا شمس الدین امرتسری

آپ میت کی حیات فی الجبر اور اعادہ روح دونوں کے قائل تھے۔ آپ لکھتے ہیں۔
فرشتے میت کو بٹھاتے ہیں۔ یعادہ روحہ بھی ہے۔

یہ ان دس حضرات کا بیان ہے جو جماعتِ اہل حدیث میں لائق تقلید سمجھے جاتے ہیں۔ اب

سعودی عرب کے منبلی علماء جو گو مقلد ہیں مگر اہل حدیث حضرات کے ہاں ان کا بڑا احترام پایا جاتا ہے
گو کسی وجہ سے ہو۔ ان کا موقف بھی اس باب میں ملاحظہ کر لیجئے۔

لے رسالہ درود شریف از مولانا فضل الرحمن لے فتویٰ ۱۲ جمادی الثانیہ ۱۴۱۴ھ لے فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۱۹۲

اب علمائے نجد کی تصریحات بھی ملاحظہ فرمائیں۔

علمائے نجد کا عقیدہ

- ① شیخ کبیر عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدی کا بیان آپ اس کتاب میں ص ۱ پر استخفاف النبلاء المتعین کے حوالے سے پڑھ آئے ہیں۔
- ② علامہ نجد شیخ محمد بن عبد اللطیف من آل الشیخ کا عقیدہ آپ اس کتاب کے ص ۱ پر ملاحظہ کرسکتے ہیں کہ مدآپ اپنی قبر میں زندہ ہیں بزغنی زندگی کے ساتھ۔
- ③ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ رتبہ حضور انور کا تمام مخلوق کے مراتب سے اعلیٰ ہے وہ اپنی قبر میں حیات بزخیمہ سے زندہ ہیں جو کہ حیات شہداء سے کمال و افضل ہے اور سلام کہنے والے کا سلام آپ سنتے ہیں۔
- ④ پاکستان میں سعودی عرب کے سابق سفیر علامہ عبد الحمید الخطیب فرماتے ہیں :
کیا واقعی علمائے نجد اور علمائے وہابیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے ہاں الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنا حرام ہے ؟ تو میں نے اس کا جواب دیا کہ تمام اصلاف وہابیہ اس سلام کو جائز قرار دیتے ہیں بعض لوگ خواہ مخواہ اپنے غلط عقائد وہابیہ کے ساتھ غلط ملط کر کے وہابیہ کو بدنام کر رہے ہیں جیسا کہ انڈونیشیا کی ایک عجائبات اور نغ وہابی کے نام سے مشہور ہے مگر ان کے عقائد سراسر وہابیہ کے خلاف ہیں۔ اس سے متاثر ہو کر میں نے یہ قصیدہ لکھا اور اس کو اجلہ علمائے نجد کے سامنے پیش کیا، سب نے تصویب فرمائی۔ اس قصیدہ مسمیہ کا پہلا شعر یہ ہے :-

علیک سلام اللہ یا مسید الودی

ومن قدرہ عندالہ عظیم

یہ پورا قصیدہ ”تختہ للحبیب“ علامہ مذکور نے روضۃ الطہر کے سامنے کھڑے ہو کر خود پڑھا۔

لہ الہدیۃ النبیۃ والتختۃ الودابیۃ النجدیۃ ص ۱۱۱ مطبوعہ مصر دیا چہ رسالہ اسکی الرسالات ص ۱۱۱

عقائد متکلمین در حیات النبیین

علم کلام کے مشہور امام علامہ تورشٹی فرماتے ہیں :-
 صلوات و برکات چنداں کہ فہم از او پر شود و اندیشہ در دگم گردد از سر پر وہ
 کبریا کے اوتار رواں پاک و کالبہ زندہ ساکن مدینہ
 پھر اہلسنت کے عقائد شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-
 و ازاں جملہ اس مست کہ بدانند کہ کالبہ دے رازین نخر و دوسیدہ نشود
 و چوں زمین از دے شگافتہ شود کالبہ دے بحال خود باشد و حشر دے و جملہ
 انبیاء جنیں باشند و حدیثی درست است کہ ان معوم علی الارض اجساد
 الانبیاء — ہم احياء فی قبورهم یصلون — و اول ہم پیغمبر مابریخیزد
 از گور — دانستن اس ہمہ کہ یاد کردیم ہمہ است

اشاعرہ اور ماتریدیہ کا فیصلہ

① ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی العبر حی یحییٰ و یعلم و تعرض علیہ اعمال
 الامۃ و اللہ تعالیٰ خلق ملتکة سیاحین یبلغون الیہ الصلوۃ من امتہ
 ترجمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں، علم و احساس آپ میں
 برابر موجود ہیں۔ امت کے اعمال آپ پر پیش ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ایسے
 فرشتے پیدا کر رکھے ہیں جو زمین میں سیاحت کرتے رہتے ہیں اور امت کا صلوة
 و سلام پہنچاتے رہتے ہیں۔

② عندہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ

اشاعرہ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔

امام ابو منصور الشافعی البغدادی اکابر ائمہ اہلسنت میں سے ہیں۔ آپ کی کتاب اصول الدین عقائد میں سند کا وہ تبرکتی ہے۔ ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں آپ کا مرتبہ امامت تسلیم کیا ہے۔ آپ کا عقیدہ کیا تھا؟ مولانا طغر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:-

(۳) قال الاستاذ ابو منصور البغدادی قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم فی بعد وفاته۔

ترجمہ: امام ابو منصور بغدادیؒ نے فرمایا ہے ہمارے اصحاب محققین متکلمین کا یہی فیصلہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات شریفہ کے بعد پھر زندہ ہیں۔ خلفائے راشدینؓ مذاہب اربعہ اور متکلمین اسلام کے ان اجماعی عقائد کے خلاف جو بھی کوئی نئی راہ چلے ہر چند وہ اپنے موقف کو براہ راست قرآن کریم سے نسبت کرے۔ لیکن اہل السنۃ والجماعۃ ایک دین مسلسل پر ایمان رکھتے ہیں جو بات امت کے اس اجماعی موقف کے خلاف ہو وہ کبھی حق نہیں ہو سکتی۔

(تمتہ الفصل) عقائد علمائے دیوبند اور المہند

مسلمانوں پر جب بھی غیر اسلامی افکار نے هجوم کیا مسلمانوں نے انہی کے ہتھیاروں سے ان کو لپٹا لیا۔ ما انا علیہ واصحابی سے عہد وفا باندھنے والوں کے خلاف معتزلہ وغیرہ اٹھے تو یہ متکلمین اسلام ہیں جنہوں نے انہیں ہر محاذ پر شکست دی۔

چودہویں صدی کے اوائل میں اہل بدعت پھر اہل سنت سے صف آرا ہوئے۔ اس تحریک کا آغاز بدایوں کے ہوا۔ پھر ربیعی اس کا مرکز بنا اور مولانا احمد رضا خان ۱۲۴۲ھ میں ایک تکفیری دستاویز لے کر حجاز پہنچے۔ اب ضرورت تھی کہ ہندوستان میں اہل السنۃ والجماعۃ (علمائے دیوبند) پھر اپنے عقائد کا ایک خاکہ مرتب کریں۔ المہند ان کے انہی عقائد کی ایک تاریخی دستاویز ہے جس میں عقیدہ حیات انبیؑ پوری صراحت سے موجود ہے۔

الفصل الرابع

شواہد الحیات من بیان الوقعات

واقعہ حرہ

اسلامی تاریخ کا یہ سانحہ یزید کے عہد حکومت میں پیش آیا۔ منطایم کہ بلا کے بعد ۶۳ھ میں مسلمانوں کی تاریخ اس خونی المیہ سے رنگی گئی۔ یزید نے اہل مدینہ پر جن میں بہت سے صحابہ کرامؓ اور اکثر تابعین کرامؓ تھے، فوج کشی کا حکم دیا۔ مسلم بن عقبہ شامی فوج کا سردار تھا۔ اس لشکر نے اپنے ڈیسے حرہ کے مقام پر ڈالے۔

وحرہ هذا ارض بظاہر المدينة لها حجارة سود كثيرة۔^۱

ترجمہ: حرہ مدینہ منورہ کے باہر وہ زمین ہے جہاں بہت سے سیاہ پتھر پائے جاتے ہیں۔

جب قتل عام اور لوٹ مار کا بازار گرم ہوا تو سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں پناہ گزیں ہو گئے۔ اس وقت مسجد نبویؐ میں حضرت سعید بن مسیب کے سوا اور کوئی نہ تھا۔

حضرت سعید بن مسیبؓ بڑے علیل القدر تابعی تھے، ان کے غلبت شان کے باعث انہیں افضل التابعین کہتے ہیں۔ آپ نے سینکڑوں ان ہستیوں کو دیکھا، جن کی آنکھیں آنحضرتؐ کی دولت دیدار سے بارہا شرف یاب ہو چکی تھیں۔

امام دارمیؒ، ابن سعدؒ، ابونعیمؒ، ذہبیر بن بکارؒ اور علامہ ابن الجوزیؒ روایت کرتے ہیں کہ

حضرت سعید بن المسیبؓ نے ارشاد فرمایا:-

اذا حانت الصلوة اسمع اذاناً يخرج من قبل القبر الشريف لا يأتي
وقت الصلوة الا وسعت الاذان من القبر ثم اقيمت الصلوة فتقدمت
فصليت وما في المسجد احد غیری۔

ترجمہ جب نماز کا وقت ہوتا تھا، میں قبر شریف سے اذان کی آواز سنتا تھا، پھر اقامت
مبھی ہوتی اور میں اسی اقامت سے نماز پڑھتا، ان دنوں مسجد نبوی میں میرے سوا
اور کوئی نہ ہوتا تھا۔

اسی واقعہ کو محدث شہیر علامہ سخامیؒ نے بھی القمل البدیع میں نقل کیا ہے۔ نواب صدیق حسن
خال صاحبؒ فرماتے ہیں:-

ابن جوزی بسند متصل تا سعید بن المسیبؓ لایا ہے۔
شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:-

وقتیہ سماع سعید بن المسیبؓ ایام قرعہ اذان از حجرہ شریفہ تاسہ روز
کہ مردم مفارقت مسجد نبوی کردہ بودند۔

ترجمہ۔ آیام قرعہ میں سعید بن المسیبؓ کے حجرہ شریفہ سے تین دن تک اذان سننے
کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ ان دنوں لوگ مسجد نبوی میں نہ آتے تھے۔

قبر سے آواز آنے کی ایک اور مثال

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرتؐ کے بعض صحابہؓ نے بے خبری
میں ایک قبر پر خیمہ گاڑ دیا۔ اس سے سورۃ بقرہ الذی بیدہ الملک کی آواز آرہی تھی جنی کہ اس
نے تمام سورۃ شتم کی۔ صحابہؓ نے آکر یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، تو

آپ نے فرمایا :-

هي المانعة المنجية وتنجية من عذاب القبر.

ترجمہ: یہ سورت عذاب سے نجات دینے والی ہے۔

اسے امام بیہقیؒ اور امام حاکمؒ نے بھی روایت کیا ہے، حکیم الامت حضرت محمداویؒ نے بھی انکشاف ص ۴۴ پر نقل فرمایا ہے۔ دانشور اعلم بالصواب و علمہ اتم و احکم فی کل باب۔

اسے اور مذکورہ سابقہ واقعہ قرہ کو ”واقعہ حال“ کہہ کر نظر انداز نہ کیا جائے، اس لیے کہ اکابر علمائے ثقات اسے ایک اصول اور ضابطے کے ماتحت ذکر کرتے آئے ہیں۔ خاتم المحدثین حضرت مولانا السید نور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں :-

ان كثيرا من الاعمال ثبتت في القبور كالاذان والاقامة عند الدار
وقراءة القرآن عند الترمذيؒ

ترجمہ: بے شک سے بہت سے اعمال قبروں میں بھی ظہور پذیر ہوتے ہیں جیسے کہ داری کی روایت میں اذان اور اقامت کا وجود (واقعہ قرہ) اور ترمذیؒ کی روایت سے قبر میں قرأت قرآن کا ثبوت ملتا ہے۔

واقعہ سلطان نور الدین شہید محمود بن زنگیؒ (۱۱۵۷ھ)

سلطان نور الدین شہید (شاہ مصر) نے ایک رات سردارِ انبیاء حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین بار خواب میں دیکھا کہ وہ سامنے کھڑے دو شخصوں کی طرف اشارہ کر کے فرما رہے ہیں کہ ”بلدی پہنچو اور مجھے ان دو شخصوں کے شر سے محفوظ کرو“ سلطان نے اپنی فراست سے معلوم کر لیا کہ مدینہ منورہ میں کوئی بہت ناخوشگوار واقعہ پیش آ رہا ہے۔ سلطان مذکور نے اسی وقت رات کے آخری حصے میں اپنے بیس خاص آدمیوں کے ساتھ بہت سا مال ساتھ لے کر مدینہ منورہ کی طرف

چل پڑا اور سولہ دنوں میں شام سے مدینہ منورہ پہنچا۔

آخر کار پتہ چلا کہ دو انگریز جو بظاہر بہت پرہیزگار اور عبادت گزار بنے ہوئے تھے،
روضہ اطہر کے قریب ایک رباط میں مقیم ہو کر سُرنگ کے خدیجے قبر منور تک پہنچنے کی کوشش کر رہے
تھے۔ انہیں عیسائی بادشاہ نے اس ناپاک پروگرام کے ساتھ بھیجا ہوا تھا کہ حبیب اطہر کو وہاں سے
مستقل کر لیا جائے۔ یہ لوگ حاجی بن کر حرم شریف میں داخل ہوئے تھے۔

جس رات وہ روضہ اطہر کے قریب پہنچنے والے تھے، ابرو باراں اور رعد و برق کا ظہور ہوا
زمین کانپنے لگی اور صبح سلطان نور الدین مدینہ منورہ میں حاضر ہو گیا۔ سلطان کی آنکھیں اشکبار تھیں
اور ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ بالآخر ملعون فریب کار قتل کر دیئے گئے اور سلطان عادل نے حجرہ
شریفہ کے گرد خندق کھدوا کر ایک سیسہ پلائی چار دیواری اسی بنادی تاکہ حبیب اطہر تک پھر کسی رسائی
نہ ہو سکے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

ایں قصہ را جمیع متورخان مدینہ منورہ و مثل شیخ جمال الدین مطری و مجد الدین
فیروز آبادی و غیر ایشان از علمائے اعلام ذکر کردہ اند و تصحیح نمودہ۔

قلت و كذلك في خلاصة الوفاء باخبار دارالمصطفى ص ۱۶۱ وافي الشيخ

السمهودي بالسناد والاعتقاد۔

تتمۃ الفصل

حب طبری ریاض النقرہ میں اس جیسا ایک اور عجیب واقعہ نقل کرتے ہیں :-

رواقص حلب کی جماعت دانی مدینہ کے پاس آئی اور اسے (مخالطہ یا) بہت سی رشوت اور

لاپچ دے کہ اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ انہیں رات کے وقت حجرہ شریفہ تک بار یا بی دے (تاکہ وہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اجسادِ مطہرہ کو کسی اور جگہ منتقل کر سکیں) امیر نے دربان کو کہہ دیا کہ جب وہ آئیں، تو حرم کا دروازہ کھول دے اور انہیں کسی بات سے نہ روکے۔

دربان کہتا ہے کہ جب عشاء کی نماز ہو چکی اور تمام دروازے بند ہو گئے۔ چالیس رافضی کھودنے، گرنے کے آلات اور شمع لے کر ”باب السلام“ پر آگئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے امیر کے حکم کے مطابق دروازہ کھول دیا اور خود ایک گرشے میں بیٹھ کر رونے لگا۔

خدا کی قدرت کہ ابھی وہ منبر شریف کے برابر بھی نہ پہنچے تھے اور اس سٹون کے قریب ہی تھی جو حضرت عثمانؓ کے ایندہ کردہ حلقہ مسجد کے ساتھ ہے کہ تمام کے تمام اپنے سب آلات و سامان کے ساتھ نیچے دھنس گئے۔ والی مدینہ، جو بد مذہب اور منافق تھا، انجام کار کا منتظر تھا اس نے مجھے بلایا اور ان لوگوں کا حال پوچھا۔ میں نے جو کچھ دیکھا تھا، پورے کا پورا سنا دیا۔

امیر نے کہا، کیا تو دیوانہ ہو گیا ہے، کیا کہہ رہا ہے ؟

میں نے کہا، امیر خود جا کر دیکھ لیں، ان کے دھنسنے کے آثار اور ان کے کپڑوں کے نشان

ابھی باقی ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:-

”دھنسنے کے کچھ آثار اس لیے باقی رہ گئے تھے کہ وہ ملعونین کی قبر کردار کو پہنچنے کے بعد وہاں سے اٹھا کر پھر کسی دوسری جگہ پھینکے جاسکیں۔ اس پاک سرزمین میں انہیں ہمیشہ کا استقرار کیسے مل سکتا تھا اگرچہ ”روضة من رياض الجنة“ کی حدود آگے منبر شریف سے شروع ہوتی تھیں اور حجرہ شریفہ تک پہنچتی تھیں اور یہ جگہ یہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا، اس قطعہ قدسیہ سے دنیا پہلے تھی، تاہم اس کا بھی احترام قائم رکھا گیا۔ ان ملعونین کے جو حصے دھنسنے سے باقی رہ گئے۔ پھر ان پر حکم قتل جاری کیا گیا تھا۔ زیادہ تفصیل کے لیے تحفہ اثنا عشریہ قاری ص ۱۰۷ مطبوعہ لکھنؤ دیکھئے۔“ ————— وراجع لہ کتاب الاستنصار للفاضل السہتانی القاضی۔

طبری نسبت اس حکایت بہ ثقات سے کند کہ بہ صدق و دیانت مشہور اند و بعضی مورخان
مدینہ نیز ذکر کردہ اند۔

ارشادات نبوت، خلفائے راشدین کے نظریات قدسیہ، ام المؤمنینؓ اور صحابہ کرام کے بیانات
عالیہ، مذاہب اربعہ کی تصریحات، متکلمین کرام کے فیصلے اور شواہد واقعات کے بعد دیگرے آپ نے
ملاحظہ فرمائیے۔ تاریخ اسلامی کے ان مختلف ادوار میں حیات انبیاء کا سلسلہ اس کثرت سے بیان
ہوتا رہا کہ ان تمام نقل کا استقصاء اور دلائل کا احصاء قریب قریب ناممکن ہے۔ ہاں یہ حقیقت
لف سے خالی نہیں کہ جہاں تاریخ کے ہر دور میں یہ سلسلہ اتنے شد و مد سے سامنے آتا رہا، وہاں ایک
مثال بھی نہیں ملتی کہ سوادِ اہلسنت کے کسی فقہی یا کلامی مسلک نے اس مرکزی نقطہ حیات سے سُرُمو بھی
تجاوز کیا ہو۔ تاریخ کے ہر دور میں بعض ائمہ و اکابر اسے بیان کر دینا اور دوسرے اعیانِ امت میں
سے کسی کا اس پر نیکر نہ کرنا، اس حقیقت کی واضح شہادت ہے کہ انبیائے کرام کی حیاتِ برزخیہ
کے جہانی اور اسی دنیا والے جسم سے قائم ہونے پر اہل حق اہلسنت کا تاریخِ ملت کے ہر دور میں
اجماع رہا ہے۔

شہاداتِ اجماع

① محدث کبیر علامہ سخامیؒ تلمیذہ خاتمہ الخفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ۔

نحن نوؤمن و نصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یزق فی قبرہ ان جسدہ
الشریف لا تأکلہ الارض والا جماع علیٰ ہذہ۔

ترجمہ۔ ہمارا ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ اپنی قبر شریف میں
زندہ ہیں، آپؐ کو وہاں رزق بھی ملتا ہے اور آپؐ کے جسدِ اطہر کو مٹی نہیں کھاتی،
اور اس عقیدے پر اہل حق کا اجماع ہے۔

(۲) شیخ الاسلام محدث شہیر حضرت علامہ عینیؒ۔

ومذهب اهل السنة والجماعة ان في القبر حياة وموتاً فلا بد من ذوق
الموتين لكل احد غير الانبياءؑ

ترجمہ۔ پورے اہلسنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ قبر میں حیات اور پھر موت
یہ دونوں سلسلے ہوتے ہیں، پس ہر ایک کو دو موتوں کا ذائقہ چکھنے سے چارہ نہیں ماسوائے
انبیاء کے (کہ وہ اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں، ان پر دوبارہ موت نہیں آتی)۔

(۳) علامہ محقق محمد عابد السندیؒ استاد حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ۔

اما هم (ای الانبياء) فحياتهم لا شك فيها وخلاف احد من العلماء في ذلك
فهو صلى الله عليه وسلم حي على الدوامؑ

ترجمہ۔ انبیائے کرام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور نہ علماء میں سے کسی کا اس سے
اشکاف ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب دائمی طور پر زندہ ہیں۔

(۴) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔

حیات متفق علیہ است، بیچ کس را در دے خلاف نیستؑ

ترجمہ۔ حضور اقدسؐ کی حیات ایک متفق علیہ اجماعی مسئلہ ہے، کسی کا (اہل حق میں) کسی کا اختلاف نہیں۔

(۵) ذاب قطب الدین صاحب دہلویؒ۔

”زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں“ یہ مسئلہ متفق ہے کسی کو اس میں خلاف نہیں

کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے۔

لہ عینی علی البخاری جلد ۷ ص ۶۱۰ رمالہ مدنیہ ص ۱۴۱ شمع اللغات جلد ۱ ص ۶۱۱ مظاہر حق جلد ۱ ص ۲۴۵ عن ابن
امت نے آنحضرتؐ کی اس حیات فی البرزخ کو دنیوی کہا ہے ان کی مراد صرف یہی ہے کہ آپ کا وہی بدن فائز الحیات ہے
جو اس دنیا میں تھا، یہ کہ اس عالم دنیا کی حیات کے جمیع لازم وہاں ثابت ہیں، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اس دنیوی حیات کا
مغہم ان لفظوں میں بیان فرماتے ہیں ”انبیاء کرام کو انہیں حیات دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھنا سوں“ لطائف قاسمیہ ص ۲

⑥ قلب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ
قبر کے پاس انبیاء کے سماع میں کوئی اختلاف نہیں ہے

جب جمع اہل سنت کا یہ متفقہ اور مجمع علیہ عقیدہ ہے تو پھر وضہ اطہر کی

حیاتِ جسمانی کا انکار

آخر کن کا مذہب ہے؟

① شیخ الاسلام حضرت علامہ عینیؒ فرماتے ہیں :-

من انكر الحیوة فی القبر وهم المعتزلة ومن غا نحوهم واجلب اهل السنة
عن ذلك

ترجمہ جن لوگوں نے آنحضرتؐ کی قبر کی زندگی کا انکار کیا ہے اور وہ معتزلہ اور ان کے
ہم عقیدہ ہیں، اہلسنت نے ان کے دلائل کے جوابات دیئے ہیں۔

② حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اسی انداز کو بیان فرمایا ہے کہ منکرین حیاتِ اہل سنت میں
سے نہیں ہیں۔

قد تمسك به من انكر الحیوة فی القبر واجيب عن اهل السنة ان
حیوقہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر لا یبعثہا موت بل یسمر حیا

ترجمہ منکرین حیات فی القبر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اہلسنت کی طرف سے
ان کا جواب دیا جاتا ہے کہ حضورؐ کی قبر کی زندگی ایسی ہے کہ دوبارہ اس پر موت نہیں اور
آپ اب دائمی طور پر زندہ ہیں۔

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ نے بھی اس عبارت کو حاشیہ بخاری جلد ۱ ص ۱۵ پر نقل اور تسلیم کیا ہے۔

ملہ فتاویٰ رشیدیہ ص ۲۷ عینی علی البخاری جلد ۱ ص ۲۷ فتح الباری جلد ۱ ص ۲۷ مصر

الفصل السابع

وفیه اربعۃ من المباحث

مبحث اول

حیات فی القبر

جمع اہل السنۃ و الجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ مرنے کے بعد قبر میں دیا جہاں بدن منیت پڑا ہو یا جہاں جہاں اجزائے بدن پھیلے ہوئے ہوں، سب میں پھر روح سے تعلق قائم ہوتا ہے۔ یہ تعلق یا تو ”دخول روح در جسد“ سے قائم ہوتا ہے یا اس کا تحقق ”الفعال روح بجد“ سے ہوتا ہے۔ جو صورت بھی ہو قبر میں زندگی ضرور ملتی ہے۔

سوال و جواب کی منزل گزرنے کے بعد پھر یہ تعلق کمزور ہو جاتا ہے اور اتنا کمزور کہ اُسے ”موت فی القبر“ سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس منزل میں حیات صرف اس درجہ میں باقی ہوتی ہے، کہ ثواب و عذاب کا ادراک ہوتا ہے، اور ہو سکتا ہے کہ حیات کا یہ درجہ روح کے بغیر ہو۔ اس لیے کہ روح اور حیات میں تلازم محض ایک امر عادی ہے کہ عام عادت الہی اسی طرح جاری ہے عقلی یا شرعی نہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ بہت سے اشاعرہ اور خفیہ روح و حیات کے اس تلازم کے قائل نہیں۔

خیر، یہ تو سوال و جواب کی منزل کے بعد کی بات ہے کہ اس درجے کی حیات روح کے ساتھ قائم ہوتی ہے یا روح کے بغیر لیکن اس پر سب اہل تحقیق متفق ہیں کہ اس منزل سے پہلے کی ”حیات فی القبر“ روح کے ساتھ ہی قائم ہوتی ہے خواہ ”اعادۃ روح بجد“ کے ساتھ خواہ ”الفعال روح بجد“ کے ساتھ۔ بہر حال اس حیات کے تعلق بالروح سے چارہ نہیں۔ یہ امر مجمع علیہ اور یقینی ہے کہ دفن

کے بعد قبر کی پہلی منزل میں ایک دفعہ پھر تعلق بالروح سے زندہ کیا جاتا ہے اور اس منزل کے گزرنے کے بعد عامۃ الناس میں روح کا استقرار نہیں رہتا۔ اس زندگی پر پھر ایک دفعہ موت آتی ہے۔ ہاں یہ امانت جتنی نہیں ہوتی اور اس درجہ میں احساس باقی رہتا ہے کہ ثواب و عذاب کا ادراک ہوتا رہے۔

طریق حیات فی القبر

دفن ہونے کے بعد قبر کی پہلی منزل میں یہ حیات کیسے حاصل ہوتی ہے۔ اس باب میں سوادِ اعظم کے دو طبقے ہیں۔ ایک اعادہ روح کا قائل ہے اور دوسرا اتصال روح کا مسلک رکھتا ہے۔ اس میں ترجیح کے حاصل ہے، براہِ راست ہمارا موضوع نہیں۔ ہاں، یہ امر یقینی اور متفق علیہ ہے کہ بدن مدفون ایک دفعہ پھر تعلق بالروح سے فائز الحیات ہوتا ہے اور اس کے بعد قبر کی دوسری منزل میں ایک دفعہ پھر علکی موت وارد ہوتی ہے۔ اور یہ امر بھی اجماعی اور یقینی ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر یہ دوسری موت قطعاً نہیں آتی۔ ان کے لیے ایک ہی دفعہ موت کی لذت کشناسی ہے اور صحابہ کرامؓ کا سب سے پہلا اجماع اسی مسئلے پر قائم ہوا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ”حیات فی القبر“ کے متعلق بھی یہی دو نظریے بیان کیے جاتے ہیں۔ بعض حضرات اعادہ روح کے قائل ہیں اور بعض اتصال روح یا تاثیر روح کا مسلک رکھتے ہیں۔

یہ دونوں مسلک اسی ایک پہلے اختلاف کا نتیجہ ہیں کہ قبر کی حیات ثانیہ اعادہ روح سے حاصل ہوتی ہے۔ پھر اول الذکر مسلک زیادہ صحیح ہے اور اگر اس حیات کا تحقق اتصال روح سے ہے تو پھر ثانی الذکر نظریہ زیادہ صحیح ہو گا۔

آئیے؛ چلتے ہوئے یہ بھی دیکھتے جائیں کہ حیات فی القبر اعادہ روح سے قائم ہوتی ہے، یا اتصال روح۔

حضرت براہِ بن عاذبؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا :-

فتقاد روحه فی جسده فیاتہ ملکاً فی جلسانہ فیقولان لہ من ربک
الحديث رواه احمد .^۱

ترجمہ پس اس مرنے والے مومن کی روح پھر اس بدن میں لوٹائی جاتی ہے اور دو فرشتے
اس کے سامنے آتے ہیں پس اُسے پھلاتے ہیں اور پھر سوال و جواب کا سلسلہ ہوتا ہے ۔
والحديث صحيح . (تقيق الرواة جلد ۱ ص ۳۷۷)

ما فظ ابن قیّم فرماتے ہیں :-

سواء الامام احمد و ابو داؤد و روى النسائی وابن ماجه اوله و رواه ابو عوانه
الاسفرائینی فی صحیحہ و ذهب الی القول بموجب هذا الحديث جميع اهل
السنة والحديث من سائر الطوائف .^۲

النص الصحيح الصريح وهو قوله صلى الله عليه وسلم " فتقاد روحه
فی جسده .^۳

فالحديث صحيح لا شك فيه .^۴

رواه احمد محتج بهم فی الصحيح والحديث حسنة المنذرى ورواه ايضا
ابو داؤد والحاكم وابن ابی شيبه وابن منده و ابو نعیم و ابو عوانه الاسفرائینی
فی صحیحہ من طرق صحیحة والبيهقی وقال هذا حديث صحيح لا سناد .^۵

ابن منده کی پوری روایت ما فظ ابن قیّم نے کتاب الروح ص ۵۶ تادمہ نقل کی ہے اس میں
ایسے الفاظ بھی ملتے ہیں کہ رب العزت ملائک سے فرماتے ہیں :-

وعداد روح عبدک الی الارض فانی وعدتمہ ان ارددہم فیہا .^۶

ترجمہ میرے بندے کی روح پھر زمین کی طرف لوٹا دو کہ میرا وعدہ ہے کہ میں انہیں
پھر زمین میں لوٹاؤں گا ۔

اس کا حاصل یہی ہے کہ مرنے والوں کی روحیں علیین یا سچین سے تعلق قائم کر کے وہاں سے ہو کر پھر زمین کی طرف لوٹائی جاتی ہیں۔ اعادہ روح کی اس حدیث کے متعلق حافظ ابن قیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:-

هذا حديث ثابت مشهور ومستفيض صحيحه جماعة من الحفاظ ولا
نعلم احدا من ائمة الحديث طعن فيه بل ردوه في كتبهم و تلقوه
بالقول وجعلوه اصلا عن اصول الدين.

ترجمہ۔ یہ حدیث ثابت ہے مشہور اور مستفیض ہے، حفاظ حدیث کی ایک پوری
جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے اور ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس پر کوئی اعتراض
نہیں کیا، بلکہ اسے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، اسے قبول کیا ہے اور اس کو
اصول دین میں سے ایک اصل قرار دیا ہے۔

المبحث الثاني

رد الاشتباہات فی تحقیق الروات

حافظ ابن تیمیہؒ کا ارشاد:-

قال الحافظ ابو نعیم الاصفہانی واما حدیث البراء رواه المنہال بن عمرو
عن زاذان عن البراء و حدیث مشہور رواه عن المنہال الجمر العفیر و
رواه عن البراء عدی بن ثابت و محمد بن عقبہ و غیرہما و رواه
عن زاذان عطاع بن السائب قال و هو حدیث اجمع رواة الاثر علی شہرتہ
واستفاستہ و قال الحافظ ابو عبد اللہ بن منذہ هذا الحدیث اسنادہ متصل

مشہور مرواہ جماعة عن البراء . (شرح حدیث المنزول مآل الحافظ ابن تیمیہ)
حافظ ابن قیمؒ کا ایک اور حوالہ :-

وهو حديث صحيحه جماعة من الحفاظ

اجتماع جیوش الاسلامیہ علی غزو المعطلۃ الجمعیہ لابن قیمؒ

امام احمدؒ کی پہلی روایت کے متعلق بعض حضرات کہتے ہیں کہ :-

اس میں ایک راوی منہال بن عمرو ہے اور وہ "فتاویٰ روحہ فی جسدہ" کے قطعہ روایت میں منفرد ہے۔ ابن حزم نے اس کے متعلق کہا ہے :- "لیس بالقوی"

جو اباعرض ہے کہ منہال بن عمرو کو امام جرح و تعدیل امام یحییٰ بن معینؒ نے ثقہ کہا ہے۔ امام عجلؒ بھی اس کے ثقہ ہونے پر نص فرماتے ہیں۔ ابن حزمؒ چونکہ عذاب قبر کے قائل نہ تھے اور یہ حدیث ان کے اعتقاد کی تردید کرتی تھی اس لیے انہوں نے اس حدیث کی تضعیف کر دی اور منہال بن عمرو کو ضعیف کہہ دیا۔ تنقیح الرواة میں ہے :-

وفي اسناد الحديث منہال بن عمرو وثقه ابن معین والعجلؒ وقد تكلم

ابن حزمؒ فی المنہال ولا یلتفت لكلام بن حزم بعد احتجاج الشيخین به و

لما رآح ابن حزم حدیث المنہال راد علی معتقدہ فی انكار عذاب

الاجساد فی قبرها طعن فيه و طعنہ مردود والحدیث صحیح بہ

ترجمہ :- اس حدیث کی سند میں منہال بن عمرو ہے، اسے امام یحییٰ بن معینؒ اور عجلؒ

ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن حزمؒ نے اس پر کلام کیا ہے، لیکن اس کی کوئی پرواہ نہ کی جائے

کیونکہ حدیث کے درجہ امام اسے حجت مان رہے ہیں۔ ابن حزمؒ چونکہ عذاب قبر

کے جہانی ہونے کے قائل نہ تھے اور یہ حدیث ان کے عقیدہ کی تردید کر رہی تھی اس لیے

انہوں نے اس پر جرح کر دی، حالانکہ حدیث صحیح ہے اور اس پر طعن مردود ہے

ماظ ابن قیّمؒ لکھتے ہیں۔

فالمہمال احد الثقات العدل قال ابن معین المہمال ثقة وقال العجلی کوفي ثقة واعظم ما قيل فيه انه سمع من بيته صوت عناء وهذا لا يوجب القدح في روايته واطراح حديثه وتضعيف ابن حزم له لاشي عاقبه لم يذكر موجبا لتضعيفه غير تفرد بقوله فتقاد روحه في حبه وقد بينا انه لم يتفرد به بل رواها غيري قد روى ما هو ابلغ منها.

ترجمہ: مہمال عادل اور ثقہ لوگوں میں سے ہیں۔ ابن معین اور عجلی انہیں ثقہ کہتے ہیں زیادہ سے زیادہ جو ان پر اعتراض ہے، وہ یہی ہے کہ ایک دفعہ ان کے گھرے گانے کی آواز سنی گئی تھی (یہ بھی قیل سے ہی مذکور ہے معلوم نہیں صحیح ہے یا غلط نیز اس کا ترکب کون تھا اور کون نہیں) اور یہ اس کی روایت میں مر جب قدر نہیں اور ابن حزم کا اسے ضعیف کہنا بالکل لاشع ہے۔ اس نے صرف اس کا تفرد ہی بیان کیا ہے اور ثابت کر آئے ہیں کہ وہ متفرد نہیں۔

دوسرا اعتراض

حضرت برادر بن عازبؓ سے اس حدیث کو داذان نقل کر رہے ہیں اور اس کا سماع حضرت برادرؓ سے ثابت نہیں۔ علاوہ ازیں وہ بھی اس روایت میں متفرد ہے۔ نیز اس میں بھی ابن حزمؒ کو کلام ہے۔

جواباً گذارش ہے کہ مافظ ابو عوانہ اسفرائینیؒ نے داذان کنہی کا حضرت برادرؓ سے صیغہ سماع

نقل کیا ہے۔ پس اعتراض کی بھی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی۔

ماظ ابن قیّمؒ لکھتے ہیں۔

هذه العلة باطله فان اباعوانه الاسفرائني رواه في صحيحه باسناده
قال عن ابن عمرو وذاذان الكندي قال سمعت البراء

ترجمہ: یہ علت باطل ہے کیونکہ امام ابو عوانہ اسفرائنی نے اسے اپنی صحیح میں اپنی
سند سے روایت کیا ہے اور اس میں سماع کی تصریح ہے۔
تفرد ذاذان کے متعلق فرماتے ہیں:-

فالحديث لا شك فيه صحيح وقد رواه عن البراء بن عازب جماعة غير
ذاذان منهم عدي بن ثابت ومحمد بن عقبه ومجاهد

ترجمہ: پس حدیث صحیح ہے اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔ براء سے اسے
ذاذان کے علاوہ اور لوگوں نے بھی روایت کیا ہے انہیں میں عدی بن ثابت
محمد بن عقبہ اور مجاہد بھی ہیں۔

اور توشیق ذاذان کے متعلق ملاحظہ ہو:-

امام یحییٰ بن معین انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن سعد ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں خطیب
اور عیسیٰ نے بھی ثقہ کہا ہے۔ ابن عدی اور حاکم نے بھی توشیق کی ہے (تہذیب لہٰتہذیب جلد ۲ ص ۳۰۳)
علامہ عزیزیؒ اس کی روایت کے متعلق لکھتے ہیں۔ حدیث صحیح۔ (السراج المنیر جلد ۱ ص ۵۴ مصر)
حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:-

ورواذان من الثقات روى عن اكااب الصحابة كعروقه وسوى
له مسلم في صحيحه قال يحيى بن معين ثقة قال حميد بن هلال
وقد سئل عنه هو ثقة لا تسأل عن مثل هؤلاء

ترجمہ: ذاذان ثقہ راویوں میں سے ہے۔ اس نے حضرت عمرؓ جیسے اکابر صحابہ سے
روایات لیں ہیں۔ امام مسلم نے صحیح مسلم میں اس کی روایت لی ہے یحییٰ بن معینؒ

اسے ثقہ کہتے ہیں حمید بن ہلال سے زاذان کے متعلق پوچھا گیا، تو انہوں نے فرمایا، ایسے ذمہ دار دار لوگوں کے متعلق پوچھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

المبحث الثالث

اعادۂ روح کے متعلق متکلمین کا موقف

تفصیلات مذکورہ کے پیش نظر محدثین کا موقف تو بالکل بے غبار ہے کہ وہ طریق حیات فی القبر کے باب میں "اعادۂ روح" کے قائل ہیں، لیکن متکلمین کے متعلق عام طور پر یہی رائے ہے کہ وہ اعادۂ روح کے قائل نہیں، بلکہ انتقال روح سے بدن مدفون میں حیات تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ لکھتے ہیں:-

ليس المراد بالحي ههنا ما يعاد فيه الروح ويصدر عنه الافعال الاختيارية بل ما لم يدرك الالذ واللذة فاذا خلق الله فيه ادراكا يكون حيا لا جمادا .

ترجمہ: اس جگہ سے "حی" سے مراد یہ نہیں کہ اس میں روح لوٹائی گئی ہو، اور اس سے افعال اختیاریہ صادر ہوتے ہیں، بلکہ حیات سے مراد یہ ہے کہ وہ الہم و لذت کا ادراک کر سکے۔ اس انداز حیات سے بھی وہ جماد ہونے سے نکل جاتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں۔

تحقیق المقام

اس مقام پر تین مسلک بیان کئے جاتے ہیں:-

① — میت کو قبر میں زندگی ملتی ہے پس عذاب قبر برحق ہے۔ یہ مسلک اہلسنت و اجماع کا ہے۔

② — میت قبر میں جمادِ محض ہے پس عذاب قبر کچھ نہیں۔ یہ جمہور معتزلہ درود افغن کا مسلک ہے۔

③ — میت ہے تو قبر میں جماد اور بے جان، مگر اس پر عذاب پھر بھی ہوتا ہے۔ یہ مسلک معتزلہ کی شاخ صالحیہ اور فرقہ کلامیہ کا ہے۔

خیالی کی عبارت ”جو بعضہم تعذیب غیر الحی“ میں اس تیسرے مسلک کا بیان ہے اس پر حضرت مولانا سیالکوٹیؒ انہیں الزام دیتے ہیں جسے ہم اپنے نقطوں میں بیان کرتے ہیں۔

کہ جب تم میت کے لیے قبر میں عذاب مانتے ہو تو پھر تمہارا اسے جماد کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ جماد تو اسے ہی کہتے ہیں جس میں کہ کوئی احساس نہ ہو۔ پس اسے عذاب ہونے کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اس میں اتنا احساس ہے کہ اَلْمَوْلُذَاتِ کا ادراک کر سکے، تو پھر اس کے لیے زندگی ثابت ہو گئی، جمادِ محض نہ رہا۔

اس مقام پر مولانا سیالکوٹیؒ ”حیاتِ میت کی تشریح میں وہ عبارت لکھتے ہیں جو کہ پہلے لکھی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں مولانا مرحوم صالحیہ اور کرامیہ کو الزام دے رہے ہیں کہ جس ”صورتِ عذابِ قبر کو تم تجویز کر رہے ہو، اسے بھی حیاتِ قبر لازم آرہی ہے۔ ہاں اس صورتِ حیات میں اعادہ روح لازم نہیں۔ چنانچہ ”بنا براس علی شرح العقائد“ میں ایسے جواب پر لکھا ہے۔

هَذَا جَوَابُ اشْكَالِ اُولَئِہِ الْمُعْتَزِلِہِ مُسْتَدَلِّیْنَ بِقَوْلِہِ تَعَالٰی لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْہَا الْمَوْتَ الْاُولٰٓئِہِ

ترجمہ۔ یہ تو ایک اشکال کا جواب تھا، معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے پیش کیا تھا وہ نہیں حکمیں گے وہاں کوئی اور موت، انکے لیے تو وہی موت ہے جو آپلکی

یہ صورت جواب کیوں اختیار کی گئی؟

اس لیے کہ اعادۂ روح کا مضمون متکلمین کے نزدیک حدیث برابر بن عاذب کی رو سے خبر واحد سے ثابت ہو رہا تھا اور معتزلہ خبر واحد کی حیثیت کے قائل نہ تھے۔ پس انہیں اعادۂ روح کی روایت سے قائل نہ کیا جاسکتا تھا۔ ہاں عذاب قبر کی روایات چونکہ حد تو اتارہ تک پہنچ رہی تھیں، اور ان کی رو سے میت مدفون کے لیے لذت و الم کا ادراک ثابت ہو رہا تھا۔ اس لیے یہاں اسے ہی حیاتِ میت ثابت کرنے کے لیے ایک ذریعہ بنایا گیا۔ معتزلہ اور کرامیہ یقیناً اس کے جواب باصراب سے عاجز تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ متکلمین نے میت میں پھر روح نہ لٹنے کو، کیا تحقیق واقعی کے طور پر بیان کیا ہے یا یہ صرف ایک لازمی شکل جواب تھی اور متکلمین کا اصل مسک وہی ہے جو محدثین کا تھا، شرح نبرا میں اس حقیقت سے اس طرح نقاب کشائی کی گئی ہے :-

وعندى فى هذا الجواب بحث وهو ان الاحاديث الصحيحة ناطقة
بلن الروح تعاد فى الجسد عن السؤال فالجواب بانكار الاعادة غير مرجح
وقد اجاب المشائخ عن هذه الآية بوجوه^{ثلاثة}

ترجمہ میرے نزدیک یہ جواب عملِ نظر ہے، اس لیے کہ احادیث صحیحہ پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ روح پھر جسم میں لوٹانی جاتی ہے۔ پس اعادۂ روح کا انکار کے معتزلہ کو جواب دینا ٹھیک نہیں۔ معتزلہ نے ان کی پیش کردہ آیت کے اور کئی جواب دیئے ہیں۔

سائر الاحاديث الصحيحة المتواترة تدل على عود الروح ان البدن اذا
المسئلة للبدن بلا روح قول قاله طائفة من الناس وانكره الجمهور
مبتدأ

و كذلك السؤال للروح بلا بدن قاله ابن ميسرة وابن حزم ولو كان كذلك
لم يكن للقبور بالروح اختصاص.

هذا قول منكر عند عامة اهل السنة والجماعة.

واذا قبضت (الروح) عرج بها الى الله في أدنى زمان ثم تقاد الى البدن
فتسأل وهي في البدن.

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے بھی تحفہ اثنا عشریہ میں "حیات فی القبر"

کا حکمی ہونا رد افق کے آیت مذکورہ سے استدلال کرنے کے جواب ہی میں تحریر فرمایا ہے۔ جی یہی
ہے کہ محدثین کا مسلک اس باب میں بالکل بے غبار ہے اور متکلمین بھی تحقیقاً انہی کے ساتھ
ہیں۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی صورت جواب ہے، وہ معتزلہ کے پیدا کردہ اشکالات کے پیش نظر ہے۔
جب جملہ اموات کے لیے اعادۂ روح ثابت ہے تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کس دلیل کی بناء
پر استثنا کیا جاتا ہے؟ علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں۔

وعود الروح الى البدن فی سائر الموتی فضلا عن الشهداء فضلا

عن الانبياء وانما النظر فی استمرارها فی البدن.

ترجمہ۔ روح کا بدن میں پھر دوبارہ لوٹنا۔ یہ تو تمام اموات کے لیے ثابت ہے شہداء اور
انبیاء پر تو بدرجۂ اعلیٰ اس کا تحقق ہوگا۔ بحث صرف اس میں ہے کہ روح پھر بدن
میں دائماً رہے گی یا پھر یہ تعلق ٹوٹے گا۔

۱۔ شرح حدیث النزول للحافظ ابن تیمیہؒ ص ۵۸ ایضاً ص ۵۹ شفاء السقام ص ۱۵۹

۲۔ اس عقیدہ کی تائید میں کہ قبر کے سوال و جواب روح اور بدن کے مجروح سے متعلق ہیں علامہ صدر الدین
الحنفیؒ کی یہ تصریح بھی ملاحظہ کیجئے۔

وكذلك عذاب القبر يكون للنفس والبدن جميعاً باتفاق اهل السنة والجماعة تنعم النفس وتعذب
مفردة عن البدن ومتصله به۔ (شرح عقیدۃ الطحطاوی ص ۲۳)

احادیث شریفہ میں حیات فی القبر کے لیے اعادہ روح تو نہایت صحیح اور متواتر المعنی روایات سے ثابت ہے۔ لیکن قبر کی پہلی منزل گزرنے کے بعد بدن یا اجزائے بدن میں ادراک المم ولذت کا کچھ اثر چھوڑتے ہوئے یہ روح پھر نکل جاتی ہے یا وہیں استقرار پذیر رہتی ہے؟ یہ معاملہ غور طلب ہے۔

حافظ ابن قیمؒ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے نقل کرتے ہیں:-

قال شیخ الاسلام الاحادیث الصحیحة المتواترة تدل علی عود الروح الی البدن وقت السؤال۔

ترجمہ۔ احادیث الصحیحہ متواترہ بتا رہی ہیں کہ سوال قبر کے وقت روح پھر بدن میں لوٹائی جاتی ہے۔

قطع می کنم بعود حیات مرہرہت را چنانکہ در احادیث ورود یافته۔

اس منزل کے بعد پھر روح رخصت ہو جاتی ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس سے کسی شخص کو اختلاف نہیں اور مجملہ فرق اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ عامۃ الاموات کے لیے اعادہ روح کے ساتھ قبر کی زندگی ہمیشہ نہیں، عود روح تو احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے۔ لیکن پھر اس کی مفارقت؟ یہ امر اجماع اور تواتر طبقاتی سے منقول ہے۔ ہاں انبیائے کرام کے لیے یہ مفارقت قطعاً ثابت نہیں اور جس طرح عامۃ الاموات کے لیے اس مفارقت کا پتہ اجماع سے چلتا ہے، اسی طرح انبیاء کے لیے اس عدم مفارقت پر بھی اجماع اور تواتر طبقاتی قائم ہے۔ فافہم وتدبر۔

المبحث الرابع

اعادۂ روح اور اتصالِ روح میں موازنہ

حیات فی القبر کے لیے اعادہ روح تو احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے۔ اسی اصل کے مطابق انبیاء علیہم السلام کے اجسادِ مطہرہ میں ارواحِ قدسیہ دوبارہ لوٹائی جاتی ہیں۔ صورتِ زیر بحث صرف یہ رہ جاتی ہے کہ جس طرح جملہ اموات کے لیے پھر روح کی مفارقت ہوتی ہے، کیا انبیاء علیہم السلام کی ارواحِ قدسیہ بھی پھر معرض مفارقت میں آ جاتی ہیں؟ اہل سنت کے ہاں یہ مفارقت کہیں ثابت نہیں ہوتی۔

اتصالِ روح کا موقف اثباتِ حیات کے باب میں اگرچہ نہایت کافی دوانی ہے اور اس صورتِ کیفیت میں بھی انبیاء علیہم السلام کی اپنی اپنی قبروں میں حیاتِ عنصری جسمانی کی قطعاً نفی نہیں ہوتی۔ تاہم دیکھنا یہ ہے کہ اس صورتِ کیفیت کی اصل کیا ہے؟

بات دراصل یہ ہے کہ اتصالِ روح کا موقف کسی نص صریح پر مبنی نہیں بلکہ علمائے کبار نے مختلف نصوص میں تطبیق دینے کے لیے اسے اجتہادی طور پر اختیار کیا۔ مگر بعض مقامات پر ارواحِ قدسیہ کے اعلیٰ علیین میں ہونے کی خبر دی گئی تھی اور دوسری طرف انبیاء کرام کے اپنی اپنی قبورِ شریفہ میں زندہ ہونے اور عند القبر خود سُنانے کا صحیح روایات سے ثبوت ملتا تھا۔ اب بعض علماء کا ذہن بجائے اس کے کہ ابدانِ مطہرہ کو ارواحِ قدسیہ کا مستقر قرار دے کہ اعلیٰ علیین سے ایک قوی تعلق پیدا کریں، اور منتقل ہوا کہ ارواحِ قدسیہ کو وہاں مان کر ابدانِ مدفونہ سے ایک قوی علاقہ حیات تسلیم کر لیا۔

خلاصہ یہ کہ اعادہ روح کا موقف من حیث الاصل احادیث صحیحہ صریحہ پر مبنی تھا اور اتصالِ روح کا موقف علمائے کبار نے محض تطبیق میں روایات کی خاطر اجتہادی طور پر اختیار

کیا تھا۔ بہت ہی وقت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ لکھتے ہیں:

انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی علی عند قبر ے سمعته و
من صلی علی ناساً بلغته فكيف التطييق؟ قلنا وجه التطييق ان
مقرر ارواح المومنین فی علیین او فی السماء السابقة و نحو
ذلك كما مر و مقرر ارواح الكفار فی سجنین و مع ذلك لكل روح
منہما اتصال بجسده فی قبره لا یدرک كنهہ الا اللہ تعالیٰ و بذلك
الاتصال یصح ان یعرض علی الانسان المجموع المركب من الجسد
والروح مقعده من الجنة او النار و یحس اللذة و الا لہو یسمع
سلام الزائر ے

ترجمہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس آکر مجھ پر
درد پڑھے، اسے میں خود سنتا ہوں اور دُور کا پڑھائیے پہنچا یا جاتا ہے (اور
یہ بھی سابقاً گزرا کہ ارواح طیبہ علیین میں ہوتی ہیں) پس دونوں معنوں میں
تطبیق کیے ہوگی؟ ہم کہتے ہیں ارواح مومنین کا مقرر علیین یا ساتوین آسمان
ہی میں ہے۔ اسی طرح ارواح کفار مقام سجنین میں ہی رہتی ہیں، لیکن ان حقائق
کے باوجود ہر روح کا تعلق قبر میں پڑے جسد (یا اجزائے جسد) سے بھی ضرور
ہوتا ہے۔ اس تعلق کی پوری حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں ہاں روح کے جسد
کے ساتھ اس طرح متصل ہونے سے ایسی صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ معاملہ
قبر روح و جسد کے مجموعے سے ہوتے ہیں اور الم و لذت کا ادراک اسی طرح واقع
ہوتا ہے۔

پس جب اعادۂ روح کا موقف من حیث الاصل منصوص اور اتصال پر روح کا موقف من

حیث الاستدلال اجتہادی ہے۔ تو اگرچہ بہر صورت کیفیت قبر شریف کی حیات عنصری سہجانی نہایت واضح طور پر ثابت ہے۔ تاہم اتصال روح کا موقف اختیار کرنے سے نصوص پر اجتہاد کی ترجیح لازم آتی ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ جمہور محدثینؒ اور اکابر علمائے دیوبند اسی صورت کیفیت حیات کے قائل ہیں۔ جس کی اصل احادیث صحیحہ صریحہ پر مبنی ہے۔

روح و بدن کے تعلق کے کھلے آثار

عالم برزخ میں روح و بدن کا تعلق برزخی ہے۔ ضروری نہیں کہ اسے عام لوگ بھی دیکھ پائیں لیکن اللہ رب العزت کبھی ان برزخی امور سے پردہ اٹھا بھی لیتے ہیں ایسے اٹھے پرشے بھی دنیا نے بار بار دیکھے ہیں ہم پہلے بہت ایسے واقعات پیش کر آئے ہیں جنہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہما کی قبریں چودہویں صدی میں کھلیں تو لوگوں نے ان کے ابدان مبارکہ کو بالکل محفوظ پایا۔

ایک صاحب سید الطاف حسین بیان کرتے ہیں:-

قبر سے نکلے ہوئے جنازوں کی موجودگی اور خلق کی آہ و بکا نے قیامت کا نمونہ برپا کر دیا تھا۔ اکثر آدمی روتے روتے بیہوش ہو گئے، نفیس تیرہ سو سال گزرنے کے بعد بھی بالکل سالم تھیں۔ کفن ہاتھ لگانے سے بوسیدہ تھا۔ ایک صاحب کی دائرہ سفید تھی اور ایک کی سیاہ۔

یہاں ہم صرف یہ بات کہنا چاہتے ہیں کہ بعد الوفات تحفظ اجساد کا وعدہ انبیائے کرام سے ہے۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے علاوہ بعض دوسرے اجسادِ کریمہ کو بھی تحفظ سے مشرف فرمایا ہے اور یہ ان اہل حق میں سے ہونے کا ایک کھلا دنیوی نشان ہے۔
واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

انبیاء کرام کے علاوہ بعض دوسرے مقربین کے اجساد کا بھی محفوظ ہونا

حیاتِ قبریہ اور اُس کے ادراکات

① — جب حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے عہدِ حکومت میں مدینہ منورہ میں ایک نئی شہر کھدوانے کا حکم دیا تو اس کی گزرگاہ میں اتفاق سے قبرستان اُمداتما تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ ان مدفونین کو یہاں سے اٹھا کر دوسری جگہ دفن کر دیا جائے۔ جب قبریں کھولی گئیں تو شہداء اُسے اُمداتما کی اصل حالت پر بالکل تروتازہ تھے۔ کھودتے ہوئے اتفاق سے ایک کدال حضرت حمزہؓ کے پاؤں کے قریب جا لگی، اسی وقت خون جاری ہو گیا۔ یہ واقعہ جنگِ اُمد سے قریباً ۵۰ سال بعد کا ہے۔

② — بیہقی نے روایت کیا ہے کہ فاطمہ بنت خزامیہ نے حضرت حمزہؓ کی قبر پر سلام کیا۔

السلام علیک یا عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وہاں سے جواب آیا :-

علینا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔

③ — حضرت عمرو بن جراح انصاریؓ بھی شہداء اُمد میں سے تھے۔ جب سیلاب نے اُن کی قبروں کو کھول ڈالا، تو یوں معلوم ہوتا تھا، گویا کہ کل دفن کئے گئے ہیں۔ جنگِ اُمد اور اس واقعہ سیلاب کے مابین ۶۴ سال کا فرق تھا۔

فوجد الم یتغیرا کانہما ماتا بالامس وكان احدهما قد جرح فوضع یدہ

علی جرحہ فدفن وهو كذلك فامیطت یدہ عن جرحہ ثم ارسلت فرجعت

لما کانت لیلہ

ترجمہ۔ پس ان دونوں کو اس طرح پایا گیا کہ وہ ابھی کی ہی قوت ہوئے ہیں۔ دونوں میں سے ایک کو ایسا زخم لگا تھا کہ انہوں نے اپنا ہاتھ اس پر رکھا تھا اور اسی طرح انہیں دفن کر دیا گیا تھا۔ پس جب ان کا ہاتھ اس زخم سے ہٹایا گیا اور پھر تھپوڑ دیا گیا تو وہ وہیں آگیا جہاں کہ تھا۔

②—حضرت حذیفہؓ اور حضرت عبداللہ بن جابرؓ کے مزارات دریائے دجلہ کے کنارے تھے۔ پندرہ بیس بیس کا عرصہ گزرتا ہے کہ دریا زمین کاٹتا ہوا ان مزارات تک پہنچنے لگا حکومت عراق نے حکم دیا کہ ان مزارات شریفہ کو یہاں سے حضرت سلمان فارسیؓ کے اعظم میں منتقل کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ آٹھ دس ہزار آدمیوں کے قریبان جنازوں میں شامل ہوئے۔ قاضی ثور کافیؒ لکھتے ہیں۔

ورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشہداء انہم احياء ین ذقون وان
الحیاء فیہم متعلقۃ بالجسد۔

ترجمہ۔ شہدائے کرام کے حق میں، نص قرآنی وارد ہے کہ وہ زندہ ہیں اور انہیں رزق بھی ملتا ہے اور یہ کہ ان کی حیات جسمانی ہے (خواہ ہمارے ادراک سے بالا ہی کیوں نہ ہو)۔

شہدائے کرام کی قبور کھلنے پر اگر ہمیں ان کے حرکت و عمل پر اطلاع نہیں ہوتی، اور ہم انہیں عبادت کرتا ہوا محسوس نہیں کر سکتے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری آنکھوں میں وہ قوت نہیں کہ ہمیں ان کے مصروف بالعبادت ہونے کا ادراک ہو سکے۔ یہ نہیں کہ وہ ذوات مدفونہ ہی محفل من الافعال ہیں۔ پردہ برزخ اس ادراک لطیف میں حائل ہوتا ہے، ہاں ! اللہ تعالیٰ جب کسی کے لیے اس عالم سے پردہ اٹھا دیں، تو وہ اس عالم میں ہوتے ہوئے بھی اس عالم کے بہت سے حالات مشاہدہ کر لیتے ہیں۔

مسک ارجمند از اکابر دیوبند

المعروف

اجماع العلماء الاعلام

علی

حیات الانبیاء الکرام

پیشتر اس کے کہ حیات النبی کے باب میں ہم اکابر دیوبند کی تصریحات پیش کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس بات کی وضاحت کر دی جائے کہ مسک دیوبند سے کیا مراد ہے ؟ معلوم رہے کہ دارالعلوم دیوبند کسی مستقل مکتب فکر کا بانی نہیں اور نہ اکابر دیوبند کے مسک کی تاریخ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔ اکابر دیوبند نے کوئی نیا مسک ترتیب نہیں دیا۔ بلکہ دارالعلوم کے تمام اکابر اپنی عقائد و افکار کے پابند رہے جو قرونِ ثلاثہ مشہود لہا بالحدید سے ما انا علیہ واصحابی کی مقدس وراثت کے طور پر چلے آ رہے تھے دیوبندیت کسی مستقل مکتب فکر یا مسک عمل کا نام نہ تھا، بلکہ سلف صالحین، اہل تحقیق کی کامل اتباع اور اس کی تعلیم و اشاعت اکابر دارالعلوم دیوبند کا طرز امتیاز رہا ہے۔ یہ تمام حضرات عقائد میں اہلسنت والجماعت اور فروعیات میں امام اعظم ابوحنیفہ کے مسک عمل پر تھے اور دارالعلوم دیوبند پورے ایشیا میں مسک فکر کا سب سے بڑا مرکز سمجھا جاتا تھا اور اس سے کسی کا اختلاف نہ تھا۔

اپانک اوپر سے تار ہلا اور جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب اہل سنت میں ان بزرگوں کے خلاف ایک تکفیری دستاویز تیار کر کے جہاز پہنچ گئے تاکہ علمائے حرمین سے اس پر

دستخط لینے میں کامیاب ہو سکیں۔ ان کے پاس پہنچنے کا فائدہ یہ تھا کہ وہ اردو نہ نہ جانتے تھے اور وہاں علماء دیوبند کی اردو تحریرات بدلے مفہوم سے پیش کی جاسکتی تھیں۔

کئی منزلیں گزرنے کے بعد معاملہ یہاں تک پہنچا کہ علمائے حرمین نے "موضوعات زیر بحث" اکابر دیوبند سے خود براہ راست ۲۶ استفسارات کئے اور ان کے عقائد و افکار کو اصول اہلسنت پر جانچنے کی کوشش کی۔

اس کے جواب میں اس وقت کے اکابر دارالعلوم نے اپنا مسلک پیش کیا اور ۲۶ مفصل جوابات کے ضمن میں اپنے عقائد و افکار کی قلمبند کر دیئے۔ اور اس پر اپنی مہریں ثبت کر دیں۔
فخر المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے انہیں لکھا اور حضرت شیخ الہند، مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمن صاحب، حکیم الامت حضرت تھانویؒ، حضرت شاہ عبدالحق صاحب رائے پوریؒ اور حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ جیسے سب بزرگوں نے اس پر تصدیقات تحریر فرمادیں اور فقط اعتماد نہیں، بلکہ تحقیقاً سب جواب دیکھ کر اس پر دستخط کر دیئے۔

چنانچہ مفتی اقلیم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:-
رأيت الاجوبة كلها فرجدها حقة صحيحة.

ترجمہ: میں نے تمام جوابات خود دیکھے ہیں اور انہیں حق و صریح پایا ہے۔
ان عقائد پر پھر مکہ منظمہ، مدینہ منورہ، جامعہ ازہر، مصر و شام کے علمائے کبار دجن میں کہ اخلاف و شوافع، موالک و حنابلہ، مسالک اربعہ کے اکابر علماء سب شامل تھے سب نے اس پر تصدیقات فرمائیں اور یہ "المہند"، نامی دستاویز عقائد علمائے دیوبند کے نام سے موسوم ہوئی۔

اس منزل سے گزرنے کے بعد اکابر دیوبند کا مسلک ایک واضح، معتین اور مشخص صُورت میں سامنے آگیا۔ یہ کوئی نیا مسلک نہ تھا، چودہ سو سال کے اکابر علمائے حق کی صدائے بازگشت تھی۔

دیوبندیت کے ضابطہ تحریر میں آنے کے بعد اب یہ امکان نہ رہا کہ کوئی شخص علمائے دیوبند کی طرف کسی ایسے عقیدے کو منسوب کرے، جو اکابر کی اس اجتماعی مسلکی دستاویز کے خلاف ہو اور نہ ہی یہ امکان باقی رہا کہ کوئی منسوب بہ دارالعلوم انکار و آزار کے باہمی اختلاف میں اس مرکزی دستاویز سے کچھ سجادہ ذکر سکے۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اکابر دیوبند کے مسلک پر بھی کہے اور عقائد بھی اس کے اس ”مرکزی مسلکی دستاویز“ کے خلاف ہوں اور نہ صرف خلاف بلکہ اس کا رد و ابطال اس کے نزدیک جرم تبلیغِ توحید ہو، تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کذب و دجل اور دھوکہ و فریب آخر کس بلا کا نام ہے عقل و خرد سے کھیلنے کا یہ خوف ناک منظر ہم نے آنکھوں دیکھا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس مرکزی مسلکی دستاویز کے علاوہ اور دوسرے مسائل میں اختلاف خواہ وہ تعبیرات و ترجیحات میں ہو یا فقہی جذبات میں، ترجیحات کے باب میں ہو تنظیماتِ عمل میں، اصل دیوبندیت کو ہرگز مشتبہ نہیں کرتا۔ اس لیے کہ دیوبندیت اکابر دیوبند میں سے کسی ایک شخصیت کا نام نہیں اور نہ دیوبندیت کا معیار اکابر میں سے کسی ایک بزرگ کی تقلید شخصی ہے بلکہ مسلکِ دیوبند کا مرکزی نقطہ ”المہند علی المنہد“ ہے جسے وقت کے تمام اکابر دیوبند اجتماعاً آئینہ دیوبندیت قرار دے چکے ہوئے ہیں۔

مسائلِ حدیث میں حضرت گنگوہیؒ اور حضرت علامہ کشمیریؒ کے اختلافات ترجیحات اہل علم سے مخفی نہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت تھانویؒ کے مختلف مواقفِ عمل سے کون واقف نہیں۔ اور مختلف علمائے دیوبند کے مختلف نظریات بلکہ تفردات کس دور میں نہیں رہے۔ اکابر کی علمی تحقیقات کے ناپید اکمارِ سمندر اور تصنیفات کے ضخیم دقاتر اس حقیقتِ حال کے پرزور ترجمان ہیں کہ اکابر دیوبند افکارِ بشرییت اور اسرارِ کتاب و سنت کی تعلیم و تفہیم میں ہمیشہ دقیق النظر اور عمیق الفکر اور سلف صالحین کے متبع رہے ہیں اور انہوں نے اپنی روایتی وسیع النظری کو کبھی گروہی تعصب یا دھڑے بندی کی تدریج نے نہیں دیا۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

انکار و آزار کے ان اختلافات میں کبھی ایک طبقے نے دوسرے کی دیوبندیت کو چیلنج نہیں کیا

نہ اسے اس پہلو سے کسی شے کی نگاہ سے دیکھا اور نہ کبھی سنا گیا کہ علماء کا فلاں طبقہ مسلک دیوبند سے
ہٹ گیا ہے۔ اس لیے کہ ایسے تمام اختلافات اور ایسے مختلف نظریات ان ابواب میں ہے جو مسلک
دیوبند کی مرکزی مسلکی دستاویزہ "المہند علی المفند" سے کسی طرح متصادم نہ ہوتے تھے مسلک دیوبند
کے خدوخال جس آئینے میں مشخص یا معین ہوئے، وہ بلا ریب اکابر دیوبند کی اجماعی تحریر "المہند علی المفند"
ہی ہے۔ مسلک دیوبند کی حدود باعتبار کمیت کبھی بھی "المہند" سے متجاوز نہیں ہوتیں۔ ہاں باعتبار کیفیت
یعنی قوت و ضعف کے مختلف بزرگوں کا مزاج مختلف رہا ہو تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

مسند حیات، النبی کا مدار اگر صرف "آب حیات" پر ہوتا تو اس سے اختلاف مسلک
دیوبند سے خروج نہ تھا، اس لیے کہ دیوبندیت کوئی مستقل مکتب فکر نہیں اور نہ حضرت نالوتویؑ
کسی علیحدہ مکتب فکر اور مسلک عمل کے بانی تھے۔ بلکہ حضرت نالوتویؑ اور حضرت گنگوہیؒ نے دارالعلوم
دیوبند کی بنیاد جس اصول پر رکھی، وہ سلف صالحین اہلسنت کی اعتقاد اور عملاً کامل اتباع ہی تھی۔ ان
اکابر سے کسی ایک مسند میں اختلاف یہ صورت فکر تو پیش کر سکتا تھا کہ جانب مخالف اہل سنت
سے خروج ہے۔ یا یہ اختلاف حدود اہل سنت میں بھی سمومسکتا ہے، لیکن یہ بحث ہرگز نہ چل سکتی
تھی کہ یہ مسلک دیوبند سے خروج ہے یا نہیں، اس لیے کہ دیوبندیت حضرت نالوتویؑ یا حضرت گنگوہیؒ
کی تقلید شخصی کا نام ہرگز نہیں۔

دیوبند سے قریبی تعلق رکھنے والوں سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ مسند حیات النبیؐ میں مسلک
دیوبند کا مدار صرف آب حیات پر نہیں، بلکہ "المہند" کی اجماعی مسلکی دستاویز ہے۔ پس اس سے
اختلاف یقیناً مسلک دیوبند سے خروج اور دیوبندیت سے ہٹ جانا ہے، ورنہ ان تمام اکابر کی
یکذیب لازم آتی ہے جنہوں نے "المہند" کو آئینہ دیوبندیت قرار دیا تھا اور ان تمام بزرگوں کی بھی
تجہیل ہوتی ہے، جو اُسے دوسروں کے سامنے اسے دیوبندی مسلک فکر کے ترجمان کی صورت میں
پیش کرتے رہے۔

مسند ذریعہ بحث میں مسلک دیوبند تو "المہند" سے ہی پوری طرح عیاں ہے، تاہم

اکابر دیندگی علیحدہ علیحدہ تصریحات بھی تائیداً پیش خدمت ہیں۔ انہیں مروتین اور موجودین کی ترتیب سے ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔

مروتین

① — بحمد اللہ العالمین، مرکزہ دائرۃ التحقیق، قطب افلاک اسرار التشریع

حضرت مولانا الشیخ محمد قاسم نانوتوی الصدیقی انار الشریبہ پانہ (۱۲۹۷ھ)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے حسب ارشاد حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ایک کتاب ”ہدیۃ الشیعہ“ تحریر فرمائی تھی۔ آپ اس میں رقمطراز ہیں :-

رسول اللہؐ بلکہ تمام انبیاءؑ بالیقین قبر میں زندہ ہیں، تو اس صورت میں آپؐ کی ملک زائل ہونے ہی نہیں پائی، جو دار ثوں کی ملک اس کے قائم مقام ہو، بلکہ جیسے ہم تم

عہ ہدیۃ الشیعہ اور ہدایہ الشیعہ دو علیحدہ علیحدہ کتابیں ہیں۔ اول الذکر حضرت نانوتویؒ کی تصنیف ہے اور ثانی الذکر حضرت گنگوہیؒ کی مولانا نانوتویؒ کی کتاب بھی دراصل حضرت گنگوہیؒ کی ہی تحریک پر لکھی گئی تھی یہ آپ حیات سے بہت پہلے کی تصنیف ہے حضرت مولانا نانوتویؒ آپ حیات میں لکھتے ہیں :-

ارشاد حضرت مجموعہ علم و عمل جامع کمالات عیانی و دینیہانی عالم ربانی مولانا رشید احمد صاحب خلیفۃ ارشد حضرت پیر و مرشد ادام اللہ فیوضہ باعث تحریر اصل رسالہ اعلیٰ ہدیۃ الشیعہ ہوا تھا۔
(آب حیات ص ۵ مطبع مجتہائی)

ہدیۃ الشیعہ میں حیات البنی کے مضمون کا ہونا ان لوگوں کے لیے تازیانہ عبرت ہے جو اسے محض حضرت نانوتویؒ کی افتاد طبع قرار دیتے ہیں اور اسے ان کے نفرد پر محمول کرتے ہوئے حضرت گنگوہیؒ کو اس سے بالکل لا تعلق قرار دیتے ہیں، حق یہ ہے کہ ہدایۃ الشیعہ (حیات البنی کے بیان پر حضرت نانوتویؒ کی پہلی تصنیف) کے محرک ہی حضرت گنگوہیؒ تھے۔ فافہم و تدبر

کہیں چلے جائیں یا چندے کسی گوشہ میں بیٹھ رہیں اور سہارے لواتی وغیرہ سہاری اشیاء کو برقیں اور اس سے سہاری ملک ذائل نہیں ہوتی اور برتنے والے یا وارث مالک نہیں بن جاتے ایسے ہی رسول اللہ بھی گوشہ قبر میں پنہاں ہو گئے اور آپ بدستور اپنے اشیاء اموال کے مالک ہیں، کوئی اور مالک نہیں ہو گیا اور حدیث لا نورث ما ترکناہ صدقہ جو ابو بکر صدیقؓ سے مروی ہے۔ اس حدیث کی لم بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ آپ اب تک بقید حیات ہیں، پیشیہ نہ سمجھیں تو کیا کیجئے۔

پھر نالوتوی لطائف قاسمیہ میں لکھتے ہیں:-
انبیائے کرام کو انہیں اجسام دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔
اصل مضامین کی حقیقت تو اپنے نزدیک محقق ہو گئی۔ یوں کوئی منکر نہ مانے تو وہ

لے بدیہ الشیعہ ۲۷۸ از حضرت نالوتویؒ لطائف قاسمیہ ص ۷۷ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نالوتویؒ اور علماء دیوبند جو آنحضرتؐ کی اس عالم برزخ کی حیات کو دنیاوی حیات کہتے ہیں اس سے ان کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ حیات برزخی اسی دنیا والے جہد اطہر سے متعلق ہے نہ یہ کہ وہ حیات بجمع الوجہ دنیاوی حیات ہے جب حضرت نالوتویؒ حیات دنیاوی کے مہم اور اس کی حدود کو خود واضح فرما رہے ہیں کہ وہ بعینہا اس دنیا والی حیات نہیں بلکہ حیات دنیوی کا اطلاق محض ابدان دنیوی میں زندگی ہونے کے اعتبار سے ہے تو کس قدر مغالطہ دہی ہے کہ اس حیات دنیوی کے ابطال کے لیے ان آیات اور روایات کا سہارا لیا جائے جن میں اس عالم دنیا کی حیات اور اس کے مطلوب و محبوب نہ ہونے کا بیان ہے جو لوگ اس مغالطہ دہی کے سہارے علمائے دیوبند کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ وہ آنحضرتؐ کو اسی عالم دنیا میں زندہ سمجھتے ہیں اور متعل دار من الدار کے قائل نہیں، انہیں حضورؐ کا یہ ارشاد پیش نظر رکھ کر کہ آپؐ نے مغالطہ ڈالنے سے منع فرمایا ہے اپنی آخرت کی فکر کرنی چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ عہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نالوتویؒ حیات البنی کے معنوں کو محض الہامی طور پر بیان نہیں کر رہے بلکہ اس کا حق ہونا حضرت کے نزدیک محقق ہے۔ یوں کوئی منکر نہ مانے تو وہ جانے۔ افسوس کہ اس باب میں بھی مغالطہ دہی سے کام لیا جاتا ہے اور یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے کہ حیات البنی حضرت کا اپنا عقیدہ نہ تھا، بلکہ آپؐ نے اسے محض الزامی طور پر تردید شیعہ کے لیے بیان کیا تھا۔ رب العزت تعین کی تہمت سے محفوظ رکھے۔

جانے منکروں کا کام یہی ہے

پھر لکھتے ہیں :-

انبیاء کو ابدانِ دنیائے حساب سے زندہ سمجھیں گے، پر حسبِ ہدایت کل نفس ذلقة

الموت اور انک میت وانہم میتون تمام انبیائے کرام خاص کر حضرت سرورِ انام

صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضروری ہے

حضرت نافذتویؒ ایک دوسرے مقام پر انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے ورودِ موت کا

اقرار ان لفظوں میں کرتے ہیں :-

باجملہ موت انبیاء اور موت عوام میں زمین و آسمان کا فرق ہے، وہاں استعار

حیات زیر پر وہ موت ہے اور یہاں القطارِ حیات، جو ہر عرصہ موت ہے

اگر موت ضدِ حیات، اور صفتِ وجودی ہو یا جوہر دیگر اگر موت، عدم اور ملکِ حیات

ہو اور شاید یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ جناب باری نے حضرت سرورِ عالم کو بعدِ خطاب

کہ کے ارشاد فرمایا انک میت اور سو آپ کے اوروں کو بھی بعدِ ارشاد فرمایا،

انہم میتون اور مثل جملہ لاحقہ ثمر انکم یوم القیمة عند ربکم تختصمون

سب کو شامل کر کے یوں ارشاد فرمایا کہ انکم میتون، باجملہ جیسے حیاتِ نبویؐ

اور حیاتِ مومنین امت میں فرق ہے۔ چنانچہ اس کے اثبات کے لیے تقریریاتی

اور تحریری ثبوت کافی ادراکِ گزشتہ میں گزر چکی ہے۔ ایسے ہی موتِ نبویؐ اور

۱۔ آپ حیاتِ ص ۱۵ لطائفِ قاسمیہ ص ۷ حضرت کی یہ تصریح ان لوگوں کے منہ پر ایک عبرتناک

ظہا پنچ ہے جو یہ پراپگینڈہ کر رہے ہیں کہ حضرت نافذتویؒ کا یہ عقیدہ تھا کہ حضورؐ پر ورودِ موت ہی نہیں ہوا

اور وہ حضورؐ کے لیے کسی قسم کی وفات کے قابل نہیں، یہ حضرت پر ایک بہتانِ عظیم ہے۔ ثانیاً اس عبارت سے منکرین

حیات کا یہ پراپگینڈہ بھی بے غبار ہو گیا کہ وفاتِ نبویؐ کی یہ مذکورہ آیات حضرت نافذتویؒ کو یاد نہ تھیں یا بیان

حوادثِ نبویؐ کے وقت مستحضر نہ تھیں اور سامنے نہ تھیں۔

ان تفصیلات سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ حضرت نانوتویؒ حضور پروردگار وفات کے ہرگز منکر نہ تھے۔ حضرت گنگوہیؒ کی انہیں پوری تائید حاصل تھی اور وہ اپنی رائے میں منفرد تھے۔ آیت اللہ متین و نفع مینون ان سے اوچھل نہ تھے، وہ اسے ان مباحث میں پڑھتے بھی تھے اور تشریح بھی کرتے تھے اور آپ کی یہ تشریح اسلاف امت کے خلاف نہ تھی حقیقت یہی ہے، البتہ جھوٹ کا کوئی علاج نہیں۔

② — فخر المحدثین قطب الارشاد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

ولان النیین صلوات اللہ علیہما اجمعین لما کانوا احياء فلا معنى لتوريث
الاحياء منهم علیہ

ترجمہ: چونکہ انبیائے کرام علیہم الصلوات سب کے سب زندہ ہیں۔ اس لیے ان کے آگے ان کی وراثت چلے، یہ سوال ہی پیدا نہیں ہونا۔
پھر فرماتے ہیں:-

آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔ ونبی اللہ حی یوزق۔ اس مضمون حیات کو بھی مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ ”آب حیات“ میں بحال مزید علیہ ثابت کیا ہے۔

پھر ارشاد فرماتے ہیں:-

”کسی، قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں! تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ

سہ اکتواکب الدرر جلد ۳ ص ۴۲۳ سہ ہدایۃ الشیعہ ص ۱۸ مجتہبانی عبد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری دامت برکاتہم حضرت گنگوہیؒ کی اس حیات النبی کی تقریر کے متعلق لکھتے ہیں: تقریبا انقبا بینغی ان
یکتب بماء الذهب۔ (ادجز المسالک جلد ۲ ص ۴۸۲)

عہ سنن ابن ماجہ ص ۱۹ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ حضرت نانوتویؒ کے پورے حامی تھے۔

میرا کام کر دیوے، اس میں اختلاف علماء کا ہے۔ مجوز سماع موتی اس کے جواز کے مقرر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں۔ سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں۔ اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے، اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے ثناعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے۔ پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری دامت برکاتہم حضرت گنگوہیؒ کا مسلک بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :-

حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم نور اللہ مرقدہ نے حضرت گنگوہیؒ قدس سرہ سے آنک میت الایہ کے اشکال کا جو جواب نقل کیا ہے، وہ تو حضرت ناتھوی قدس سرہ کی تعبیر سے بھی بہت اوسچا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ موت سب کو شامل ہے۔ مگر انبیاء کرام کی ارواح مشاہدہ جمال و جلال حق تعالیٰ شانہ و تقابل آفتاب وجود باری تعالیٰ سے اس طرح پہنچ جاتی ہیں کہ اجزائے بدن پران کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تمام بدن حکم روح پیدا کر لیتا ہے اور تمام جسم ان کا عین ادراک اور عین حیات ہو جاتا ہے اور یہ حیات دوسری قسم کی ہوتی ہے اور اس تحقیق سے مکہ ان اللہ حرم علی الارض ان تا کل اجساد الانبیاء اور بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ انتہی کلامہ الشریف۔

عہ معلوم ہو کہ حضور اکرمؐ کے اپنے روحہ اطہر میں خود سماعت فرمانے پر پوری امت کا اجماع ہے اور اس کا منکر پورے اجماع امت کا منکر ہے۔ عہ ثم یسئل النبی الشفاعۃ یقول یا رسول اللہ اسألك الشفاعۃ (فتح القدیر آخر کتاب الحج جلد ۲ ص ۳۲۴ مصر) لے حضرت شیخ الحدیث کا پورا بیان آگے آرہا ہے یہاں صرف حضرت گنگوہیؒ کا مسلک پیش کرنا مقصود تھا اس لیے اس پر کفایت ہے۔ لے حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب کا مسلک بھی اس نقل سے واضح ہو گیا۔ فجزاہ اللہ عن الجزاء۔

③۔ رئیس المحققین زبیدۃ المحدثین شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب (۱۲۳۹ھ)

”الہند علی المقند“ میں پانچویں سوال کے جواب میں لکھا ہے :-
عندنا وعند مشائخنا حضرت الرسالۃ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ
الشریف و حیوتہ صلی اللہ علیہ وسلم دیتویۃ برئاختیۃ لکونہ فی عالم
البرئخ بل

اس پر حضرت شیخ الہند لکھتے ہیں :-
ہو معتقدنا و معتقد مشائخنا جمعاً لادیب فیہ
ترجمہ۔ ہمارا اور ہمارے مشائخ کا یہی عقیدہ ہے، اس میں کسی قسم کا کوئی
شک نہیں۔

حضرت شیخ الہند کے تصحیح کردہ ابو داؤد کے حاشیہ ص ۱۵۷ میں ہے :-
ان العرض هل هو علی الروح المجرد او علی المتصل بالمجد حسبوا ان
جد النبی کے جد کل احد فکفی فی الجواب ما قالہ علی وجہ الصواب
ترجمہ۔ وفات شریفہ کے بعد حضور پر درود شریف کیا صرف روح مجرد پر پیش ہوا کہے
گایا روح متصل بہ جد پر اس کا عروض ہوگا؟ حضور کا جواب کہ انبیائے کرام کے
اجساد مطہرہ مٹی نہیں ہوتے، اس سوال کی کیفیت کا کافی جواب تھا۔

④۔ فی المحدثین زبیدۃ العارفين حضرت مولانا غلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کما ان الانبیاء علیہم السلام اخیار
فی قبورہم ولا فرق بین ان یکون فوق الارض او تحت سجاہم کما لا فرق

علمائے دیر بند کی مرکزی علمی دستاویز المہند کے مصنف یہی بزرگ ہیں۔ المہند کی تالیف سے
 برہہ بارس پہلے آپ نے مولانا عبد السمیع رامپوری کی کتاب انوارِ ساطعہ کے جواب میں براہین قاطعہ لکھی
 تھی یہ کتاب حضرت گنگوہیؒ کے حکم سے لکھی گئی اور ان کی زندگی میں لکھی گئی تھی۔ اس وقت مولانا احمد رضا
 خاں میدان میں نہ تھے نہ ابھی انہوں نے وسیع پیمانے پر تکفیر کی مہم شروع کی تھی۔ اس میں آپ
 نے اپنا عقیدہ حیات النبی ان الفاظ میں لکھا ہے:-

اس بات کو خوب یاد کر لیتا ضرور ہے کہ عقیدہ سب کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام
 اپنی قبور میں زندہ ہیں اور عالم غیب اور جنّت میں جہاں چاہیں باذنہ تعالیٰ چلتے
 پھرتے ہیں اور اس عالم میں بھی حکم ہو تو آسکتے ہیں اور صلوٰۃ و سلام ملے کہ
 پہنچاتے ہیں اور اعمال امت ان پر پیش ہوتے ہیں اور جس وقت چاہے حق تعالیٰ
 دنیا کے احوال ان پر کشف ہو جاتے ہیں اس میں کوئی مخالفت نہیں مگر یہ کہ
 ہر جگہ محفل مولود میں اور دیگر مجالس ذکر میں ہر روز آتے ہوں یا ہر صورت
 و بند اور عرض و حالات دنیا کے ہر روز معلوم ہوتے ہوں بدوں اعلام
 حق تعالیٰ کے اس کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ

اس عالم میں آنے کا یہ مطلب نہیں کہ اب وہ اس جہان (عالم دنیا) کے فرد ہو
 ہو گئے۔ آپ کی یہ تشریف آمدی ایک بنزخی زندگی سے ہی ہوگی جس طرح معراج کی رات عالم
 برزخ کے ان مسافروں کی بیت المقدس تشریف آوری ایک بنزخی زندگی سے تھی اور اس
 میں اس زندگی (دنیا کی زندگی) کے لوازم گرمی سردی مہوک اور پیاس وغیرہ نہ تھے۔
 اس عالم میں عالم برزخ کے مسافر سی پیرایہ میں آتے ہیں۔

یاد رکھیے آپ نے عقیدہ حیات النبی صرف مولانا احمد رضا خاں کے جواب میں
 ترتیب نہ دیا تھا پہلے سے یہ حضرات اس عقیدہ پہلے آ رہے ہیں اور براہین قاطعہ اس پر شاہد ہے

فی حضورہ و غیبتہ فی زمان حیاتہ و لہذا العلة لم یذهب الیہ احد
من الاممۃ۔

ترجمہ۔ یقیناً بنی کریمؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں جیسے کہ سب انبیائے کرام اپنی اپنی
قبروں میں زندہ ہیں۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ زمین کے اوپر دکھائی دیں، یا
پردہ زمین میں استراحت فرما ہوں (وہ زندہ یقیناً ہیں) جیسے کہ آپؐ کی اس دنیا
کی زندگی میں آپؐ کے حاضر ہونے یا غائب ہونے میں (زندہ ہونے کے اعتبار
سے) کوئی فرق نہ تھا۔

پھر لکھتے ہیں:-

ان الانبیاء فی قبورہم احياء۔

ترجمہ۔ یقیناً انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔
رأس التقیاء حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ پر اس یقین کی کیفیت اس طرح غالب تھی کہ
سامنے اس کا انکشاف ہو رہا تھا۔ تذکرۃ الخلیل میں ہے:-

استانہ محمدیہ پر حضرت کی عجیب کیفیت ہوتی تھی، آواز نکالنا تو کیا سوا جہہ شریفہ
کے قریب یا مقابل بھی آپؐ کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ خوفزدہ، مودبانہ، دبے
پاؤں آتے اور مجرم و قیدی کی طرح دُور کھڑے ہوئے بکمال خشوع و سلام
عرض کرتے اور چلے آتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ آں حضرت حیات ہیں۔
لہذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیئے۔ مسجد نبویؐ کی حد میں کتنی ہی
پست آواز سے سلام عرض کیا جائے، اس کو حضرت خود سنتے ہیں۔
پھر لکھتے ہیں:-

عندنا وعند مشائخنا حضرة الرسالة صلى الله عليه وسلم حي في قبره

الشریف و حیوۃ صلی اللہ علیہ وسلم دنیویۃ من غیر تکلیف فثبت
بہذا ان حیوۃ دنیویۃ لکنہا فی عالم البرزخ ۛ

ترجمہ ہمارا اور ہمارے سب مشائخ کا عقیدہ یہی ہے کہ حضورؐ اپنی قبر شریف میں زندہ
ہیں اور آپؐ کی حیات (اس دُنیا والے جہدِ اطہر میں ہونے کے اعتبار سے) دُنیاوی
ہے، ہاں (بجميع الوجہ دُنیاوی نہیں)، اس میں آپؐ مکلف بالاحکام نہیں ہیں
آپؐ کی حیات اس طرح دُنیاوی اور عالمِ برزخ میں ہونے کے لحاظ سے بذاتی ہے۔

⑤۔ شیخ الاتقیار زبۃ الصلی حضرت مولانا الحاج الشاہ عبدالرحیم صاحب رانی پوریؒ

حضرت رائے پوریؒ قدس سرہ العزیزہ مذکورۃ الصدر "المہند علی المفید" (جس کی عبارت دربارہ
حیات البتہی اور پردیہ قارئین ہو چکی ہے) کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :-

الذی کتب فی ہذہ الرسالۃ حق صحیح و ثابت فی الکتب بنص صریح و
ہو معتدی و معتقد مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین احیانا اللہ بہا و
وامانا علیہا وانا العبد الضعیف عبدالرحیم عفی عنہ الرائی پوریؒ

ترجمہ جو کچھ اس رسالہ "المہند" میں لکھا ہے حق اور صحیح ہے اور کتابوں میں نص صریح
کے ساتھ موجود ہے یہی میرا عقیدہ ہے اور یہی میرے مشائخ کا عقیدہ تھا۔ اللہ تعالیٰ
ہمیں اس عقیدے کے ساتھ زندہ رکھے اور اسی عقیدے پر ہمیں موت دے دیں
ہوں بندہ ضعیف عبدالرحیم عفی عنہ رائے پوریؒ

⑥۔ امام کبیر محدث شہیر حضرت مولانا العلماۃ الشیخ امام انور شاہ صاحب کشمیریؒ

یرید بقولہ الانبیاء احياء مجموع الاستغاص لا الارواح فقط ۛ

لہ المہند ص ۱۱۱ اعزازیہ لہ ایضاً ص ۱۱۱ تہ نتیجۃ الاسلام ص ۱۱۱

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کہ ”انبیائے کرام زندہ ہوتے ہیں“ کا مطلب یہ نہیں کہ فقط ان کی ارواح زندہ ہیں، بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اشخاص انبیاء (روح و بدن کے مجموعہ کے ساتھ زندہ ہیں۔ پھر لکھتے ہیں:-

المراء بحديث: ”الانبياء احياء في قبورهم يصلون“ انهم ابقوا على هذه الحالة ولم تسلب عنهم فلا يريد ان الروح بنفسه يستطيع الصلوة ورد السلام فكيف وجه في الحديث بقاء الحيوة بفعل الصلوة وكذا رد السلام برد الروح^۱ ترجمہ: انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازوں میں مشغول ہیں، اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ انبیائے کرام اسی حالت (اشتغال باعمال طیبہ) پر باقی رکھے گئے ہیں اور (قائز الحیات ہو کر اشتغال باعمال طیبہ کی) یہ کیفیت اُن سے سلب نہیں کی گئی، یہ خیال نہ ہو کہ روح اکیلی ادا کے نماز اور جواب سلام کی استطاعت رکھتی ہے۔ اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا، تو حضور نے حیات النبی کے ساتھ ان کے فعل نماز کو اور روح نوٹنے (متوجہ ہونے) کے ساتھ جواب سلام کو وابستہ نہ فرمایا ہوتا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے:-

قوله فنبی اللہ حی یرزق و احياء فی قبورهم يصلون تسرد فی ذکر الحيوة افعالها لا اصلها اوراد مع الاجساد فان اجسادهم حُرمت علی الارض^۲ ترجمہ: حضور کا ارشاد ہے کہ اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے اور یہ کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں، یہ احادیث صرف حیات کا بیان نہیں کرتیں، بلکہ افعال حیات (زندہ والے کاموں کو) بھی ثابت کرتی ہیں یا توں کہیے کہ انبیائے کرام کے اجسادِ مطہرہ مٹی پر حرام کر دیئے گئے ہیں۔

④ — حکیم الامت، محمد دہلوی، محی السنۃ الغرار، جامع البدعۃ الظہار

حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانویؒ (۱۳۶۳ھ)

حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسد کو کھا سکے، پس خدا کے پیغمبر زندہ ہوتے ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

ف۔ پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے اور گو شہداء کے لیے بھی حیات اور مرزوقیت وارد ہے مگر انبیاء علیہم السلام میں ان سے اکمل واقعے ہے۔ بیہقی وغیرہ نے حدیث انسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ (کذا فی المواہب) اور یہ نماز تکلیفی نہیں، بلکہ تلذذ کے لیے ہے اور اس حیات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ کو ہر جگہ سے پکارنا جاتا ہے بلکہ

بدا کا شبہ یہاں بھی نہ کیا جائے، دو وجہ سے۔ ایک تو متبادر قصہ سے یہ ہے کہ مسجد نبویؐ میں جانے کو فرمایا، سو وہاں حضورؐ قریب ہی سے تشریف رکھتے ہیں، نذر غائب لازم نہیں آتی۔

شہداء کو احیاء کہا گیا اور ان کو دوسرے اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی اور یہی حیات ہے، جس میں حضرات انبیاء شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعد موت ظاہری کے سلامت جسد کے ساتھ ایک اثر اس حیات کا اس عالم کے احکام میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مثل ازواجِ احیاء کے ان کی ازواج سے کسی کا نکاح جائز نہیں ہوتا اور ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے دور تک اس مسئلے میں کوئی اختلاف سننے میں نہ آیا تھا۔ علمائے دیوبند کے مخالفین بھی اس مسئلہ میں ان کے ساتھ تھے۔ آپ فرماتے ہیں:-

① جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر موافقین و مخالفین سب کے نزدیک بالاتفاق محفوظ ہے اور مع روح ہے جیسا کہ بیان کیا گیا تو ظاہر ہے اور علماء نے بھی تصریح کی ہے کہ وہ بقعہ زمین جس سے جسم مبارک مخصوص مع الروح جس کیے ہوئے ہے عرش سے بھی افضل ہے۔

② ایک دوسری جگہ حضرت امام مالکؒ کے ایک قول کی تشریح میں فرماتے ہیں:-
ان کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں زندہ ہیں۔ اس لیے زیارت کرنے والے کو یہ نہ کہنا چاہیے کہ میں نے قبر کی زیارت کی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں۔

③ ایک مرتبہ فرمایا کہ:-
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے لیے بہت کچھ شرف حاصل ہے۔ کیوں کہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے۔ بلکہ حضور خود تلبیس الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں۔ کیونکہ آپ قبر شریف میں زندہ ہیں۔ قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں صحابہ کرام علیہم الرضوان کا بھی یہی اعتقاد ہے۔ حدیث میں بھی نص ہے کہ آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رزق پہنچتا ہے۔

اس کے بعد حضرت نے حیات کی تفصیل بیان فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ:-

تیسرا درجہ جو سب سے قوی ہے وہ انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات کا ہے کہ وہ شہید کی حیات سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کا ایک اثر تو محسوس ہے اور وہ وہی ہے جو شہید کے لیے ہے کہ ان کے جسم مبارک کو مٹی نہیں

کھا سکتی۔ حدیث شریف میں ہے :-

حرم الله اجساد الانبياء على الارض۔

اور دوسرا اثر محسوس تو نہیں مگر منصوص ہے اور وہ حرمت نکاح ازواج انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے بعد ان کے وصال کے کسی امتی کو نکاح جائز نہیں۔ نیز انبیاء علیہم السلام کی میراث ورثہ میں تقسیم نہیں ہوتی۔

نحن معاشر الانبياء لا نورث ما تركنا صدقة۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا تمام ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔

یہ باتیں شہید کے لیے شریعت نے مشروع نہیں کیں تو اگرچہ شریعت نے اس کا کوئی خاص راز بیان نہیں کیا مگر علماء متحققین یہی کہتے ہیں کہ اس کا راز قوت حیات انبیاء علیہم السلام ہے کہ حیات مانع ہے ان دونوں اموروں سے۔ ان امتیازات سے حیات بزرگیہ انبیاء کا شہداء اور عام مومنین سے اقویٰ ہونا ثابت ہوا۔ بہر حال یہ بات باتفاق امت ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبر میں زندہ رہتے ہیں اور خاص ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تو مخالفین بھی حیات کے معتقد ہیں اور ان کو بھی حضور کی حیات کا اقرار ہے چنانچہ ایک واقعہ سے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ مخالفین کو بھی جسد اطہر کے صحیح ہونے کا اعتقاد تھا۔

④ حضرت حکیم الامتؒ ایک اور وعظ میں فرماتے ہیں :-

غیب سمجھ لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو میں نے اموات کے ذیل میں بیان کیا ہے اس سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ یہ حیات انبیاء علیہم السلام کے خلاف ہے کیونکہ یہ ظاہری موت کے آپ کو میت کہہ سکتے ہیں، ورنہ واقع میں

آپ زندہ ہیں اور آپ کی حیات ایسی قوی ہے کہ دوسروں کو حاصل نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی حیات ایسی قوی ہے کہ ان کی بیبیوں سے نکاح کرنا بعد ان کی وفات کے بھی جائز نہیں جیسے کسی زندہ خاوند کی بیوی سے نکاح جائز نہیں اور سب کی بیبیوں سے بعد خاوند کی وفات کے شادی کرنا جائز ہے۔ حتیٰ کہ شہداء جن کی حیات بعد شہید ہونے کے امواتِ مومنین سے قوی ہوتی ہے کہ ان کے بدن کو زمین نہیں کھاتی مگر ان کی بھی بیبیوں سے بعد مرجانے کے نکاح جائز ہے۔ معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات شہداء کی حیات سے قوی تر ہے بلکہ ایک مرتبہ فرمایا کہ ۱۔

ایک شخص نے حیاتِ ابنی صلی اللہ علیہ وسلم میں مجھ سے گفتگو کی۔ میں نے کہا جو لوگ مقتول فی سبیل اللہ ہیں ان کے حق میں ارشاد ہے۔ بل احياء عند ربہم اور جو لوگ فی سبیل اللہ سے بڑھ کر مقتول فی اللہ ہیں وہ کیوں کر زندہ نہ ہوں گے اور اس نکتہ پر مدارِ مسئلہ کا نہیں۔ اس میں تو حدیثِ صریح موجود ہے اور نکتہ ثانیہ کے درجہ میں ہے بلکہ

ایک مرتبہ فرمایا کہ ۲۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بعد وفات کے بھی حیاتِ برزخیہ ثابت ہے۔ وہ حیاتِ شہداء کی حیات سے بھی بڑھ کر ہے اور اتنی قوی ہے کہ حیاتِ ناسوتی کے قریب اقرب ہے چنانچہ بہت سے احکامِ ناسوت کے اس پر متفرع بھی ہیں دیکھتے زندہ مرد کی بیوی سے نکاح جائز نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے بھی نکاح جائز نہیں اور زندہ کی میراث تقسیم نہیں ہوتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث بھی تقسیم نہیں ہوتی اور حدیثوں میں صلوٰۃ و سلام کا سماع وارد ہوا ہے بلکہ

④ ایک مرتبہ فرمایا کہ :-

آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبرِ حدیث قبر میں زندہ ہیں :-

ایک مرتبہ فرمایا کہ :-

مدینہ طیبہ جانے والوں کہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی کیونکہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں :-

⑤ حضرت حکیم الامتؒ کے ایک غلیظہ جب ہندوستان سے حج کے لیے تشریف لے جا
رہے تھے تو آپ کے پاس آئے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ :-

جب تم مدینہ منورہ روضۂ اقدس پر حاضر ہو تو میرا سلام اس طرح عرض کرتا :-

یا سیدی یا رسول اللہ اشرف علی خویہ مک یسلم علیک ویسئلك ان یدعوا
اللہ تعالیٰ ان یدخلہ فی عشاقک وخدام دینک ویمشرو معک :-

⑥ حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ :-

بس اب میں بیان کرو اس واقعہ پر ختم کرتا ہوں جس سے زیارتِ قبر شریف کے برکات
اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر شریف میں زندہ ہونا معلوم ہوگا :-

سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ جب وہ مزار شریف پر حاضر ہوئے تو عرض

کیا۔ السلام علیک یا جدی۔ جواب مسروع ہوا۔ وعلیک السلام یا ولدی۔ اس پر ان کو

وجہ ہوا اور بے اختیار یہ اشعار زبان پر جاری ہوئے :-

فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلاہا قبل الارض غنی وہی ناٹلتی

فہدہ دولۃ الاشباح قد حضرت فامدد یمینک کی تحفلی بہا شفقتی

بس فوراً قبر شریف سے ایک منور ہاتھ جس کے روبرو آفتاب بھی ماند تھا باہر نکلا۔

انہوں نے بے ساختہ دوڑ کر اس کا ہوسہ لیا اور وہاں ہی گر گئے :-

- ④ پھر فرماتے ہیں۔ آپ نبضِ حدیثِ قبر میں زندہ ہیں۔
 ⑤ مدینہ منورہ جانے والے... یوں کہے کہ میں نے حضور کی زیارت کی۔ کیونکہ
 حضور زندہ ہیں۔

مذکورہ بالا تحریرات وارشادات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا
 اشرف علی تھانویؒ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر اطہر میں زندہ ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔
 ⑥ — رئیس الثقلین، فاتمہ الحقیقین، محدث کبیر، شیخ الاسلام

حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۹ھ)

الانبياء احياء عند ربهم يرزقون۔
 ترجمہ۔ انبیائے کرام اپنے پروردگار کے ہاں زندہ ہیں اور انہیں رزق بھی ملتا ہے۔
 ان النبي سقى كما تقرر وانه يصلى في قبره باذان واقامة۔
 ترجمہ۔ بے شک حضور اکرمؐ زندہ ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ آپ اپنی قبر شریف میں
 اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

اما بعد وفاته فروحہ المقدسة صلى الله عليه وسلم قد استقرت في الرفيق
 الاعلى مع ارواح الانبياء عليهم الصلوة والسلام ولا يتوهم من هذا انكار
 حياته في قبره الشريف فان لروحہ صلى الله عليه وسلم اشراقاً على البدن
 المبارك المطيب واشراقاً وتعلقاً به وبدنه في ضريحه غير مفقود و اذا
 سلم عليه المسلم رد الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام كما ورد في الحديث

لہ التلکشف ص ۴۴۱ ۱۰ و غرر التبلیغ ص ۳ جمادی الاولیٰ ۳۴۷ ۱۱ فتح الملہم جلد ۳ ص ۳۲۲ ۱۲ ایضاً ص ۴۱۹
 معہ قال شیخ الاسلام المراد بقول رد الله على روحه كانت سابقة عقب دفنه لا انها تعاد ثم
 تنزع ثم تعاد كما في الفتح ص ۳۳

لَمْ يَفَارِقِ الْمَلَأَ الْأَعْلَى وَمِنْ كَثْفِ دِرَاكِهِ وَغَلِظَتِ طَبَاعَةُ مِنْ هَذَا الْأَدْرَاكِ
فَلْيَنْظُرْ إِلَى الشَّمْسِ فِي عِلْمِ مَحَلِّهَا

ترجمہ۔ وفات شریفہ کے بعد آپ کی روح مقدسہ دوسرے انبیاء کی ارواح طیبہ کے
ساتھ رفیقِ اعلیٰ میں استقرار پذیر ہے۔ لیکن اس سے آپ کا اپنی قبر شریف میں
زندہ نہ ہونے کا وہم نہ کیا جائے۔ کیونکہ آپ کی روح اقدس قبر میں رکھے بدن
پاک پر اپنا اثر ڈال رہی ہے اس کی روشنی اس پر پڑ رہی ہے اور اس کا بدن اطہر
کے ساتھ تعلق قائم ہے۔ آپ کا بدن مبارک قبر سے ہرگز غائب نہیں ہوا اور جب
بھی کوئی مسلمان آپ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح اقدس کو
آپ کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ آپ اس کے سلام کا جواب دیتے
ہیں، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ اس کے باوجود آپ ملا اعلیٰ اعلیٰ علیین سے
جدا نہیں ہوتے، جس کا ادراک کثیف ہو اور اس کی فطرت ایسے حقائق کے ادراک
کرنے میں غلیظ ہو، اسے سورج کو اس کے علو محل میں دیکھنا چاہیئے۔

⑨ — محدث شہیر، مجاہد کبیر، عمدۃ الفقہاء، راس الاتقیاء، مفتی اقلیم ہند

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ

حضرت مفتی اعظم ”المہند“ جس میں مسئلہ حیات البتہ ایک مستقل سوال اور جواب کی
صورت میں مرقوم ہے، اس پر لکھتے ہیں:-

رَأَيْتُ الْأَجْرِبَةَ كَلِمًا فَوَجَدْتُهَا حَقَّةً صَرِيحَةً لَا يَحُومُ حَوْلَ سِدَادِ قَاتِمِهَا شَكٌّ
وَلَا رَيْبٌ وَهُوَ مُعْتَقَدٌ وَمُعْتَقَدٌ مُشَاطَعِي

۱۔ فتح الملہم جلد ۳ ص ۴۲ ۲۔ المہند ص ۵۲ اعزازیہ

عہ جیسا کہ علامہ قزوینیؒ کی رائے ہے۔ والتفصیل فی جذب القلوب

ترجمہ میں لے تمام جوابات خود دیکھے ہیں اور انہیں حق مرتجح پایا ہے۔ کوئی شک
یادیں اس کے ارد گرد بھی گھوم نہیں سکتا یہی میرا عقیدہ ہے اور میرے سب مشائخ
بھی انہی عقائد پر تھے۔

① — رئیس المحدثین، امام المجاہدین، شیخ الاسلام والمسلمین، استاذ الہند والحجاز

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس اللہ سرہ ہم

نجدی اور اس کے اتباع کا اب تک یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات فقط اسی
زمانے تک ہے، جب تک وہ دنیا میں تھے۔ بعد ازاں وہ دیگر مومنین موت میں
برابر ہیں۔ اگر بعد وفات ان کی حیات ہے تو وہی حیات بندہ ہے جو احادیث امت کو
ثابت ہے، بعض ان کے حفظ جسد نبی کے قائل ہیں، مگر بلا علاقہ روح اور متعدد لوگوں

عہ یہ تصریح ان لوگوں کے لیے مقام عبرت ہے جو بعض اپنے موقف کی حمایت میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب
پر الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے خود ہی دوسرے اکابر و دیوبند کے نام ”المہند“ کی تصدیق میں لکھ دیئے تھے یا
یہ کہ دوسرے اکابر نے ”المہند“ پر صرف اعتماد و استحضار کر دیئے تھے، عبارات خود نہ دیکھی تھیں، دیکھئے
حضرت مفتی صاحب کس طرح واضح طور پر تصریح فرما رہے ہیں کہ میں نے تمام جوابات خود دیکھے ہیں۔ اب بھی
اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے مسکلی حمایت میں جھوٹ بولا ہے، انہوں نے جوابات خود ہرگز
نہ دیکھے تھے، تو ہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ بے عیاب اس و ہر چہ خواہی کون

عہ اس سے مراد نجدیہ متاخرین ہیں ورنہ متقدمین نجدیہ تو اجماع امت کے مخالف نہ تھے۔ شیخ کبیر عبد اللہ بن محمد بن
عبدالوہاب نجدی لکھتے ہیں :-

والذی نقصد ان رتبة نبينا صلى الله عليه وسلم اعلى مراتب المخلوقين على الإطلاق

وانه حتى في قبره حياة مستقرة ابلغ من حيات الشهداء المنصوص عليها في التذيل

اذا هو افضل منهم بل ريب وانه يسمع من يلهم عليه. (اتحاف النبوة ص ۴۱۵ مطبعة کاہنہ)

کی زبان سے الفاظِ کریمہ کہ جن کا زبان پر لانا جائز نہیں۔ دربارہ حیاتِ نبوی علیہ السلام
 مناجاتا ہے اور انہوں نے اپنے رسائل و تصانیف میں لکھا ہے۔ اب غور فرمائیے
 کہ ان اکابر کے رسائل اور اعتقادات بالکل اس کے مخالف ہیں۔ حضرت مولانا نازوقی
 قدس سرہ العزیز نے ایک بہت بڑی ضخیم کتب تحریر فرمائی ہے۔ جو کہ مشہور
 بین العالم ہے۔ اس میں کس زور شور سے حیاتِ نبوی کا اثبات کیا ہے اور مذہب
 اہل سنت و اجماعت اور فضائلِ نبوت میں کسی درجہ اور قوت کے دلائل درج فرمائے
 ہیں۔ مولانا گنگوہی قدس سرہ "ہدایۃ الشیعہ" اور رسالہ "حج" وغیرہ میں بھی اس کی
 تصریح و تائید فرما رہے ہیں۔ چونکہ اس مسئلہ میں خصوصاً ان حضرات کی عبارتیں
 بہت طویل واقع ہو رہی ہیں اور متحدہ در سالے اسی مضمون کے تفصیل و اجمالاً
 چھپے ہوئے مشہور ہیں۔ اس لیے بحرفِ تطویل میں نقل نہیں کرتا ہوں۔ جس کا جی چاہے
 "آبِ حیات" و "ہدایۃ الشیعہ" و "اجوبۃ اربعین" و "لطائفِ قاسمیہ" و "ہدایۃ الشیعہ"
 و "زبدۃ المناسک" وغیرہ رسائل میں دیکھ لیوے۔ یہ ایک خاص مسئلہ ہے، جس
 میں وہابیہ نے علمائے حرمین کی مخالفت کی ہے اور بار بار جدال و نزاع کی نوبت
 آئی۔ اس مسئلہ میں مسئلہ آئندہ کی وجہ سے وہاں وہابی سنی سے ممتاز ہوتا ہے
 پھر لکھتے ہیں:-

عہ اس سے معلوم ہوا کہ حیاتِ النبیؐ کا عقیدہ ضروریاتِ مذہبِ اہل سنت میں سے ہے جو اس کا
 قائل نہیں، وہ دائرہ اہل سنت سے خارج ہے۔

عہ اس سے معلوم ہوا کہ عقیدہ حیاتِ النبیؐ میں حضرت نازوقیؒ اور حضرت گنگوہیؒ کے مابین کوئی اختلاف
 نہ تھا۔ دونوں بزرگوں کا عقیدہ ایک ہی تھا۔

عہ اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ حیاتِ النبیؐ کے اقرار سے ہی کسی کا سنی ہونا پہچانا جاتا ہے۔
 لہٰذا رجوعِ المدینین ص ۳۸ مطبوعہ ممبئی جوپ بستی پریس دہلی، مصنفہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ

یہ روایت دوام حیات پر دلالت کرتی ہے۔ اس لیے کہ دن رات میں کوئی گھڑی
 اور کوئی گھنٹہ بلکہ کوئی منٹ اس سے خالی نہیں رہتا کہ آپ پر اندرون نماز اور بیرون
 نماز درود نہ بھیجا جاتا ہو۔ اس لیے دوام حیات لازم آئے گا۔
 محمد بن عبد الوہاب اور اس کے فرقہ سے ان حضرات (اکابر علمائے دیوبند) کو دور
 کا بھی تعلق نہ تھا۔ وہ عقائد و اقوال جو طائفہ دہاتیہ کے مشہور اور مابہ الامتیاز دین
 اہل سنت و جمیع ہیں۔ ان کے خلاف ان حضرات کی تصانیف بھری ہوئی ہیں
 وہ وفات ظاہری کے بعد انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی اور بقائے "علاقہ
 بین الروح والجسم" کے منکر ہیں۔ اور یہ حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں بلکہ
 مثبت بھی ہیں اور بڑے زور شور سے اس پر دلائل قائم کرتے ہوئے متعدد
 رسائل اس بارہ میں تصنیف فرما کر شائع کر چکے ہیں۔ رسالہ "آب حیات" نہایت
 مبسوط رسالہ خاص اسی مسئلہ کے لیے لکھا گیا ہے۔ نیز "ہدیۃ الشیعہ"، "ابواب
 اربعین" حصہ دوم اور دیگر رسائل مطبوعہ مصنفہ حضرت نانوتوی قدس سرہ الغریب
 اس مضمون سے بھرے ہوئے ہیں۔

۱۔ مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص ۲۴۳ مطبوعہ انجمن کرامۃ نقشبندیہ حیات جلد ۱ ص ۱۰۱
 عہ حضرت کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حیات جسمانی اور بقا علاقہ "بین الروح والجسم" کے منکر اہلسنت
 میں سے نہیں اور وہ دیوبندیوں سے بھی خارج ہیں۔ عہ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیوبندیوں کا
 یہی نہیں کہ آنحضرت کے تعلق میں الروح والجسم کا اقرار کر لیا جائے بلکہ دیوبندی ہونے کے لیے اس کا مثبت
 ہونا (خواہ تحقیقاً ہو، خواہ تقلیداً) اور اس عقیدے کو تسلیم کرانے کے لیے پوری طرح فکر و قوت صرف کرنا ضروری
 ہے۔ حضرت کا یہ بیان ان لوگوں کے لیے پیام عبرت ہے جو اس تعلق روح و جسم کا اقرار کرتے ہیں، مگر
 اس کے اثبات میں مصلحت خاموش ہیں۔ یہ معلوم ہوا کہ اب حیات لکھنے کی غرض محض رد و انقضائے ہی نہیں جیسا
 کہ بعض کا خیال ہے، بلکہ اصل مقصد عقیدہ حیات البنی کا اثبات تھا۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیزہ اس حضرت کی شان مبارک میں وہ بلند پایہ معنایں ارشاد فرماتے ہیں، جن کے حریم معنی تک جلیل القدر علمائے امت کا طائر فکر بھی پرواز نہیں کر سکتا تھا۔ رسالہ ”آبِ حیات“، ”قبلہ نما“، ”تذکرۃ الناس“، ”ہدیۃ الشیعہ“، ”اجوبۃ الربیعین“، ”قاسم العلوم“، ”مناظرہ عجیبہ“ وغیرہ ایسے معنایں سے بھرے ہوئے ہیں۔

دس اکابر دیوبند قدس اللہ سرہ ہم کا بیان ختم ہوا۔ تلک عشرہ کاملہ۔

اکابر دیوبند حضرات موجودین دامت برکاتہم

①— صدر الافاضل، فخر الامثال، جامع شریعت و طریقت حضرت علامہ الحاج

القاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند

حضرت قاری صاحب لکھتے ہیں :-

مسئلہ زیر بحث میں جہاں تک اپنے بزرگوں کی کتابوں، فتاویٰ، مقالات اور متواتر ذوق کا تعلق ہے۔ دیوبندیت تو یہی ہے کہ بزرخ میں آنحضرت کو حیاتِ دنیوی کے ساتھ زندہ مانا جائے کیونکہ دیوبندیت کی موجودہ جماعتی تشکیل قیام دارالعلوم سے شروع ہوتی ہے جس کی ابتداء حضرت اقدس حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کی سرپرستی میں ان کے دو جلیل القدر خلفاء حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی رحمہما اللہ سے ہوئی۔ ان تینوں کا مسلک بھی حیاتِ دنیوی (کہ اس عالم پر بزخ کی حیات اسی حیدر اظہر میں ہے، جو اس دنیا میں تھا، ہے۔ پھر آخر الذکر دو بزرگوں کے تلامیذ مثل حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا احمد حسن امروہی، حضرت مولانا غلیل احمد

سہارنپوریؒ، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، حضرت مولانا عاقظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی دیوبندیؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند وغیرہ وغیرہ حضرات کا بھی یہی مسلک تھا، جو ان کے مطبوعہ فتاویٰ و مقالات میں محفوظ ہے۔

پھر ان اکابر کے تلامذہ مثل حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ اور دوسرے اساتذہ دارالعلوم دیوبند وغیرہ حضرات کا بھی یہی مسلک ہے۔ یہی حضرات دیوبندیت کے اساطین کہلاتے ہیں۔ اس لیے دیوبندیت تو حیات النبیؐ کے بارے میں حیات دنیوی (باعتبار ابدان دُنیا) ہی ہے جو برزخ میں قائم ہے۔

محمدہ و نصلی، احرار و احرار کے مشائخ کا مسلک وہی ہے جو ”المہند“ وغیرہ میں بالتفصیل مرقوم ہے۔ یعنی برزخ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام بحبہ عنصری زندہ ہیں، جو حضرات اس کے خلاف ہیں وہ اس مسئلہ میں دیوبند کے مسلک سے ہٹے ہوئے ہیں۔

محمد طیب مدیر دارالعلوم دیوبند حال وار دلتان ع

پھر حضرت قاری صاحب ارشاد فرماتے ہیں:-

”آب حیات“ وہ کتاب ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ میں نے یہ کتاب استاد رحمۃ اللہ علیہ سے در سادہ نمائش ہی بہت مصنف کے مدارک پر مطلع ہوا۔ میں نے مولانا حبیب الرحمن صاحبؒ سے اس واقعہ کا حوالہ دے کر عرض کیا تھا کہ مجھے یہ کتاب آپ پڑھا دیں، تو انہوں نے بایں ذہن و ذکر فرمایا کہ میرے بس

کی بات نہیں، تو ایسی کتاب ہم جیسے مالا نقول کے بس کی بات کیا ہو سکتی ہے؟
 حاصل یہ ہوا کہ سرورِ عالم سرِ آن مشاہدہ جمالِ الہی میں بھی مستغرق رہتے ہیں
 ہیں اور امت کی طرف بھی آپ کی توجہ ہر لمحہ مبذول رہتی ہے، نہ یہ استغراق توجہ میں
 مانع ہوتا ہے، نہ توجہ استغراق میں یہی وجہ ہے کہ جب امت کا ایک عارفِ کامل
 حالتِ کشف میں اپنے محبوب کے جمالِ جہاں آرام کے دیدار سے مشرف ہوا، تو
 اس نے سرورِ عالم کو اس حال میں پایا :-

ورأيت مستقراً على حالة واحدة متوجهاً الى الخلق لا بسلباس
 العظمة فاذا توجه اليه انسان بجهد همته ولا يريد الانسان
 العالی المهمة فقط بل كل ذي كبد يشتاق الى شئ ويتوجه اليه بقصده
 وشوقه فانه يتدلى اليه ورأيت صلى الله عليه وسلم ينشرح
 انشراحاً عظيماً من صلى الله عليه وسلم ومدحه .

ترجمہ میں نے سرورِ عالم کو اس حال میں دیکھا کہ آپ بندگانِ الہی کی طرف متوجہ تھے
 پوری توجہ کے ساتھ عظمت و بڑائی کا لباس آپ کے زیب تن تھا جب کوئی خدا کا
 بندہ ذوق و شوق کے ساتھ آپ کی طرف متوجہ ہوا تو میں نے دیکھا کہ سرورِ عالم اس
 سے قریب ہو گئے اور میں نے دیکھا کہ جس شخص نے حضور پر درود و سلام بھیجا اور
 آپ کی تعریف کی، تو آپ اس سے بہت زیادہ خوش ہوئے۔

یہ کشف ہے اُن کا جو عارفوں کے امام اور محدثوں کے سردار تھے، یعنی حضرت
 شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جسے انہوں نے اپنی مشہور کتاب

عہ جو شبہات منکرین حیات کی طرف سے حدیث ”ما من احد يسلم على الا ن ذل الله على روحی“
 پر وارد کئے جاتے ہیں، ان کا ازالہ فرمائے اور مضمون حدیث پر نہایت نفیس بحث کرنے کے بعد حضرت
 قاری صاحب دامت برکاتہم نے یہ بیان فرمایا ہے۔

”فیوض الحرمین“ میں ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم وعلہ اتم واحکم۔

(مضمون حضرت علامہ القاری محمد طیب صاحب ماہنامہ دارالعلوم دیوبند)

ربیع الاول ۱۴۲۲ھ ————— ۱۹۵۳ء

②- زبدۃ المحدثین شمس العارفین شیخ المثنیٰ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب

دامت برکاتہم شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ مظاہر العلوم سہارنپور

مکرم و محترم مد فیوضکم بعد سلام سنون

نہایت طویل گرامی نامہ پہنچا۔ آپ نے ایسے شخص کو مخاطب بنا، جو نہ تو مفتی نہ مولوی۔ اس ناکارہ کی حقیقت ایک نقل نویس کی ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں، جو اکابر و اسلاف کی کتاب میں ملتا ہے، اسی کو ادھر ادھر نقل کرتا رہتا ہوں۔ اسی کا نام شرع موطا ہے، یہی تبلیغی رسائل کی حقیقت ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ دونوں طرف کے کچھ لوگ تیری تحریر کو قبول کرنے کو آمادہ ہیں، موجب تعجب ہے جن حضرات کو اس ناکارہ کے جملہ اکابر حضرت گنگوہی قدس سرہ سے لے کر حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کی تحریرات قابل قبول نہیں ہیں، وہ اس ناکارہ کی تحریر کو کیا قبول کرسکتے ہیں۔ بہر حال یہ ناکارہ ان اکابر کا بالکل متبع ہے۔ ان کے اس صاف ارشادات اور تحریرات کے بعد جس پر حضرت سہارنپوری، حضرت شیخ الہند، حضرت رائے پوری حضرت مصلحی قدس اللہ اسرارہم نے بلا کسی اجمال کے ”ہذا معتقدنا و معتقد مشائخنا“ لکھا ہے۔ کیا کوئی گنجائش ہے کہ اس کے خلاف کچھ کہا جاسکے

ع فیوض الحرمین ص ۲۳ پھر یہ بھی فرماتے ہیں۔ ما توجہت قبل قبرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الا وایتہ حاضرًا ظاہرًا ما بان انفتح بصورہ روحی فرأیتہ علی ما ہو واما ان تأثرت نفسی منہ تأثرًا

(فیوض الحرمین ص ۲۳ مطبوعہ دیوبند)

جو نصوص آپ نے مہمات کے متعلق لکھی ہیں، ان سے کوئی بڑھا لکھا انکار کر سکتا ہے؟
 بالخصوص جن حضرات کی رایتیں ہمیشہ تلاوت قرآن اور دن ساری عمر تدریس بخاری
 شریف وغیرہ کتب حدیث میں گزریں، ان کو کبھی بھی پتہ نہ چلا کہ قرآن پاک کی آیات
 میں کیا وارد ہوا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں کیا فرمایا۔ ان میں سے
 حضرت رائے پوری قدس سرہ کے علاوہ کون سا ایسا ہے جس کی عمر کا معتد بہ حصہ
 تدریس حدیث میں نہیں گزرا اور حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ کے علوم
 و معارف کو سننے والے ابھی تک دنیا میں بکثرت موجود ہیں۔ مگر ان میں سے
 کسی کو بھی نہ تو قرآن پاک کی کسی آیت کا پتہ چلا، نہ حدیث پاک میں کوئی مہمات
 والی روایت ان کی نظر سے گزری۔ یہ ناکارہ اپنے ان اکابر کے متعلق وہی عقیدہ
 رکھتا ہے جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اپنے اکابر یعنی صحابہ کرامؓ کے متعلق
 ارشاد فرمایا کہ ”فانهم على علم وقفوا وببصر نافذ كفوا وهم على كشف
 الامور كانوا اقوى وبفضل ما كانوا فيه اولى فمادونهم من مقصر
 وما فوقهم من محسرو وقد قصر قوم دونهم فجبوا وطمع عنهم اقوام
 فخلوا وانهم بين ذلك لعلی هدى مستقيم“ حقیقت یہ ہے کہ اس دور
 فساد میں آدمی اس وقت تک محقق نہیں سمجھا جاتا، جب تک کہ سلف صالحین کے
 خلاف کوئی نئی ایجاد نہ کرے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی پیش گوئی ”ان من
 ورائكم فتنايكث فيها المال ويفتح فيها القرآن حتى ياخذ به المؤمن و
 المنافق والرجل والمرأة والكبير والصغير والعبد والحرفيو شك قائل
 ان يقول ما للناس لا يتبعوني وقد قراءت القرآن ما هم بمتبعي حتى ابدع
 لهم غيره فاباكم ما ابدع الخ لئلا يهتدوا به ناكاره تؤخذ والنعل بالنعل ان حضرت

کا جامہ متبع ہے اور اس ناکارہ کی تحریر میں کوئی لفظ بھی ان اکابر کی تحقیق کے خلاف
ہے، تو وہ لغو ہے، ناقابل التفات ہے، مردود ہے۔ اس سب کے بعد گرامی
نامہ کے مستفسرات کے متعلق اپنا خیال یہ ہے کہ جیسا حیات کے درجات متفاوت
ہیں، جس کا اعتراف یہ حضرات خود بھی کرتے ہیں، جیسا کہ آپ نے لکھا۔ اسی طرح
مہلت کے بھی درجات مختلف ہیں۔ نوم پر بھی احادیث صحیحہ صریحہ میں موت کا
اطلاق کیا گیا سونے اور جاگنے کی دعاؤں میں کثرت سے ”الحمد لله الذي
احيانا بعد ما اماتنا“ وارد ہے، قرآن پاک میں ”الله يتوفى الانفس حين
موتها“، الآیہ میں نوم پر وفات کا اطلاق کیا گیا۔ ”لا تقولوا لمن يقتل في سبيل الله“
میں موت کی نفی کی گئی وغیرہ وغیرہ۔ لہذا جن نصوص میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
پر موت کا اطلاق کیا گیا۔ ان میں سے کوئی سی بھی حضرت نانوتوی نور اللہ مرقدہ
یا اکابر دیوبند یا مہند کے خلاف نہیں ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے خطبہ میں بھی
وہی موت مراد ہے، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شایان شان ہے خود حضرت
عمرؓ کے تفصیلی اقوال جو اس سلسلہ میں نقل کیے گئے ہیں، اس کی واضح تائید کرتے
ہیں۔ اس لیے کہ حضرت عمرؓ کسی نوع مہلت کے بھی قائل نہ تھے۔ چنانچہ ان کا ارشاد
”ان رجالا من المنافقين بن عمرو ان رسول الله صلى الله عليه وسلم
توفي والله مامات ولكن ذهب الى ربه كما ذهب موسى ابن عمران
والله ليرجع رسول الله صلى الله عليه وسلم كما يرجع موسى فليقطعن
ايديكم رجالي وارجلهم زعموا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مات“
بیہقی کی روایت سے خود حضرت عمرؓ کا یہ مقولہ نقل کیا گیا کہ وہ آیت وکذلك
جعلكم امة وسطا الرية کے متعلق فرماتے ہیں ”والله ان كنت اظن
انه صلى الله عليه وسلم سيدتي في امته حتى يشهد عليه باخر اعمالها وانه

هو الذی حملنی علی ان قلت ما قلت۔ لہذا شیخین کے مکالمہ کو موجودہ مسئلہ
 متنازعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے کہ حضرت عمرؓ موت کا بالکل انکار فرماتے
 تھے اور سمجھتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ابھی واپس تشریف لے آئیں
 گے۔ اس لحاظ سے حضرت صدیق اکبرؓ کا رد بالکل صحیح اور واضح ہے کہ بنوع من
 الموت سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ انکار صرف موت بجمیع الوجہ سے ہے کہ
 نوع خاص من الحیات فی الجسد الاطہر باقی ہے۔ تعجب ہے کہ یہ حضرات اجسادِ انبیاء
 کے بقا کے قائل ہیں، جیسا کہ آپؐ نے لکھا ہے۔ لیکن ان اجساد میں اگر کسی نوع
 کی بھی حیات نہ مانی جائے، تو یہ حدیث پاک ہی مہمل بن جائے گی۔ اس لیے کہ
 حضورؐ کا پاک ارشاد اس حدیث پاک میں یہ ہے ”اکثر واعلیٰ من الصلوٰۃ
 فیہ فان صلوٰتکم معروضۃ علی“ اس پر صحابہ کرامؓ کو اشکال ہوتا ہے۔
 قالوا یا رسول اللہ کیف تعرض وقد بیت“ اس پر حضورؐ جواب فرماتے ہیں
 ان اللہ عزوجل الخ آپؐ ہی غور کریں کہ اگر ان پاک اجساد میں کوئی نوع حیوۃ کی نہیں،
 تو حضورؐ کا یہ پاک ارشاد صحابہؓ کے اشکال ”کیف تعرض“ کا جواب کیسے
 بن گیا۔ روایت بھی صحیح ابن حبان کی ہے اور حاکم نے اس کو علی شرط البخاری
 بتایا ہے اور علامہ ذہبیؒ نے اقرار کیا، ایک چیز یہ بھی قابل غور ہے کہ باجماع امت
 قبرِ اطہر کا وہ حصہ جو جسدِ اطہر سے متصل ہے، کعبہ شریف بلکہ عرشِ معلیٰ سے افضل
 ہے۔ کیا یہ فضیلت صرف اس جسدِ اطہر کی ہے، جس کے ساتھ کبھی روح کا تعلق
 رہ چکا ہے، اب نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر مومنے مبارک جو کبھی جسدِ اطہر پر
 پڑ چکا ہے، اس کا بھی یہی حکم ہوتا وغیرہ وغیرہ۔ بہر حال یہ ناکارہ تو اکابرِ یونہد
 قدس اللہ سرار ہم کا ہمہ تن متبع ہے اور ان سب حضرات کا متفقہ فیصلہ ”المہند“
 میں بلا کسی اجمال کے تحریر ہے۔ اس سے آپ کے جملہ سوالات کا جواب واضح

ہو گیا۔ مختصر نمبر وار بھی عرض ہے لیکن آپ نے ص ۵ پر سوالات کر کے گرامی نامہ ختم کر کے ص ۱ پر پھر وہی سوالات عبارت کے تغیر کے ساتھ درج کر دیئے، یہ سمجھ میں نہیں آیا۔ بہر حال ہر دو کے جواب حسب ذیل ہیں:-
صفحہ نمبر ۵۔

- ① — اجداد انبیاء کرام علیہم السلام میں ایک خاص نوع کی حیات ہے۔
- ② — یہ ظاہر ہے کہ حیوۃ نور روح ہی کے تعلق سے ہوتی ہے بغیر تعلق روح کے حیاۃ کا کیا مطلب ؟
- ③ — اگر ایسی حیات ہوتی جو ہر ذرہ کائنات میں ہوتی ہے، تو پھر انبیاء کی کیا تخصیص رہی ؟ علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں ”نحن توّمن ونصدق بانّہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یرزق فی قبرہ“
- ④ — ایک دیوبندی سے یہ سوال کہ علماء دیوبند کا یہ قول قابل اقتدار ہے یا نہیں، بے محل ہے، علامہ سخاویؒ تو امام بیہقیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں قال البیہقی وفی حدیث سعید ابن المسیب عن ابی ہریرۃؓ أنّہ لقیہم بیت المقدس وفی حدیث ابی ذرؓ ومالک بن صعصعہ فی قصۃ المعراج أنّہ لقیہم فی جماعۃ من الرّسباء بالسّموات فکلّمہم وکلموہ وکلّ ذلک صیح لا ینخالف بعضهم بعضاً فقد یرى موسى علیہ السلام قائماً یصلی فی قبرہ ثم یرى موسیٰ وغیرہ الی بیت المقدس کما اسری بنیافیاہم فیہ ثم یرج بہم الی السموات کما یرج بنیافیاہم فیہا کما اخبر قال وحلّیہم فی اوقات مختلفۃ لمواضع مختلفات جائز فی العقل کما ورد بہ خبر الصادق وفی کلّ ذلک دلة علی حیوۃ ہم، یہ تو بہت ہی صاف ہے لیکن اگر یہ حضرات

اپنی قبروں میں روح مع الجسد ہوں اور دوسری مواقع میں روح متمثل ہو جیسا کہ بعض نے فرمایا تو اس میں بھی کوئی مانع نہیں۔

⑤ — جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے پاس کھڑا ہو کر درود پڑھے، حضور اقدس اس کو سنتے ہیں۔ ”من صلی علی عند قبوری سمعته“ نص صریح ہے، علامہ سخاویؒ نے حافظ ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے ”سند جید“ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مستقل قاصد مدینہ پاک بھیجا کرتے تھے تاکہ قبر اطہر پر سلام پہنچائے۔ اگر کوئی فرق نہیں تھا، تو ان کا یہ فعل عبث تھا، فقط۔

اس کے بعد صفحہ نمبر ۶ پر پھر مکرر سوالات درج ہیں نہ معلوم کیوں؟

① — یہ اُدبیہ بیان ہو چکا کہ ان سب حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے اجساد میں ایک خاص نوع حیوۃ ہے۔

② — یہ سوال بھی مکرر ہے اور جواب بھی وہی ہے کہ ان حضرات کے نزدیک اجساد انبیاء میں ایک خاص نوع حیوۃ کی ہے۔

③ — مجھے حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی قدس سرہما کے مسلک میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ مہند میں حضرت سہارنپوریؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت رچوڑیؒ وغیرہ کا یہ ارشاد ”ہذا معتقدنا و معتقد مشائخنا“ واضح ہے۔ اس لیے کہ ان تینوں حضرات کے شیخ حضرت گنگوہی قدس سرہما ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ حضرت مفتی عزیر الرحمن صاحب مفتی اعظم نور الدین مرقدہؒ نے حضرت گنگوہی رح قدس سرہما سے ”انک میت“ الایہ کے اشکال کا جو جواب نقل کیا ہے، وہ تو حضرت نانوتوی قدس سرہما کی تعبیر سے بھی اُدبیہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ موت سب کو شامل ہے، مگر انبیاء کرامؑ کی ارواح مشاہدہ جمال و جلال حق تعالیٰ شانہ و تعالٰیٰ

آفتاب و جوہاری تعالیٰ سے اس درجہ پر پہنچ جاتی ہیں کہ اجزائے بدن پر
اُن کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تمام بدن حکم روح پیدا کر لیتا ہے اور تمام جسم ان کا عین
ادراک اور عین حیات ہو جاتا ہے اور یہ حیات دوسری قسم کی ہوتی ہے اور اس
تحقیق سے مکملہ ان اللہ محرم علی الارض ان تا کلا اجساد الانبیاء بھی ظاہر ہو
جاتا ہے۔ آپ بھی غور کیجئے کہ ہم ناواقف ان داصلین کے علوم تک کہاں پہنچ سکتے ہیں۔
④ معلوم نہیں ایک ہی سوال کو بار بار مختلف عنوانات سے لکھنے میں کیا مقصد

ہے یقیناً مبتد میں جو ہے صحیح ہے۔ شہاب ثاقب اس وقت میرے سامنے نہیں ہے۔

⑤ حضرت رائے پوری دام مجدم بار بار زبان پر تحریر کی ارشاد فرما چکے ہیں

کہ میرا مسلک وہی ہے جو اکابر دیوبند کا ہے۔ اس وقت بھی یہی فرمایا اور یہ بھی فرمایا

کہ یہ لوگ بے کار وقت ضائع کر رہے ہیں۔ میں ۸۰ سال سے متجاوز ہو کر من میں

الی اذل العمر لکیلا یعلم من بعد علم شیئا میں داخل ہو گیا ہوں۔ اور بھی کس نفسی

کے الفاظ ارشاد فرمائے، جن کا نقل دشوار ہے کہ میں ان حضرات اکابر کے

مقابلے میں کیا چیز ہوں۔

نوٹ : علامہ ذہبیؒ کا قول جبرج و تعدیل میں معتبر ہے۔ لیکن ہر شخص کے قول کو

دیگر اہل فن کے اقوال کے لحاظ سے دیکھا جائے گا۔ اگر علامہ ذہبیؒ کی جبرج و تعدیل دوسرے

اکابر کے خلاف ہوگی، تو غور کیا جائے گا، ورنہ یقیناً معتبر ہے۔ فقط

آخر میں یہ ضرور عرض کر دوں گا کہ یہ دقیق مسائل عوام کی عقل سے اونچے ہیں۔ اردو

رسائل و اشتہارات میں لانا، ان میں بحثیں کرنا نہایت ناموزوں ہے۔ لا یدرک

الصبی مدارک العالم۔ ہر دو فریق سے درخواست ہے کہ اس بحث کا سلسلہ

جلد از جلد بند کر دیا جائے۔ فقط والسلام

ذکر یا تعلم خود منظر ہر العلوم سہارنپور

۱۵۔ ج ۲ صفحہ ۵۸

③ — فخر المحدثین و الفقہاء استاذ الاساتذہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی

دامت برکاتہم شیخ الحدیث دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یاسندھ

من ینکر حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ کان قوادہ فارغاً من
حبہ و عقلہ خالیاً من لبہ ۛ

ترجمہ: جو شخص حضور اکرمؐ کے اپنی قبر شریف میں زندہ ہونے کا انکار کرتا ہے اس کا
دل حضورؐ کی محبت سے فارغ ہے اور اس کی عقل بصیرت سے خالی ہے۔

④ — زبدۃ الفقہاء بدرالادب بار حضرت مولانا الحاج محمد شفیع صاحب

دامت برکاتہم۔ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسالہ ”رحمت کائنات“ مصنفہ مولانا زاہد احسنی تقریباً پورا مطالعہ کیا۔ حیاتِ انبیاء
علیہم السلام کے مسئلہ پر نہایت نافع اور مفید تحقیقات جمہورِ اہلسنت و الجماعہ
کے مطابق جمع کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں۔

مسئلہ کے متعلق تحقیقات کے ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تاقیات
باقی رہنے والے فیوض و برکات اور آثارِ حیات کا ذکر آیا ہے۔ وہ خود
ایک نہایت مفید مضمون ہے جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت
و محبت مومن کے قلب میں بڑھتی ہے، جو سرمایہٴ سعادت و دنیا و آخرت
ہے (رزقنا اللہ تعالیٰ) مجھے بھی بحمد اللہ اس سے بڑا نفع پہنچا۔ دل سے دعا
ہے کہ جمہورِ علماء امت کا عقیدہ اس مسئلہ میں یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

و سلم اور تمام انبیاء علیہم السلام بزرخ میں جسبہ عنصری کے ساتھ زندہ ہیں ان کی حیات بزرخی صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی حیات ہے جو حیات دنیوی کے بالکل مماثل ہے۔ سبجز اس کے کہ وہ احکام کے مکلف نہیں ہیں بلکہ کچھ آثار بعض دنیاوی احکام میں بھی باقی ہیں۔ مثلاً میراث کا تقسیم نہ ہونا۔ ازدواج مطہرات سے بعد وفات کسی کا نکاح جائز نہ ہونا۔ متقہ میں میں امام بیہقیؒ کا اور تخرین میں شیخ جلال الدین سیوطیؒ کا مستقل رسالہ اس مسئلہ کی توضیح کے لیے کافی ہے جن میں روایات حدیث کافی تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ بیہقیؒ نے فرمایا ہے: **وَلِحَيَاةِ الْأَنْبِيَاءِ بَعْدَ مَوْتِهِمْ شَوَاهِدٌ مِنَ الْأَحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ** اس میں تصریح ہے کہ موت کے بعد ان کی حیات احادیث صحیح سے ثابت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ موت صرف جسم پر آتی ہے، روح پر نہیں۔ اس لیے حیات بعد الموت کو صرف روحانی کہنے کے کوئی معنی نہیں اور **رِشْقَاءُ السَّعَامِ** میں امام حدیث وفقہ ترمذی الدین سبکیؒ نے اپنی کتاب کا نواں باب اسی مسئلہ کی تحقیق کے لیے لکھا ہے۔ اس میں انبیاء علیہم السلام کے لیے بعد الوفا کی حیات جسمانی حقیقی ثابت کرنے کے لیے فرمایا ہے :-

وَقَدْ ذَكَرْنَا مِنْ جَمَاعَتِهِ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَشَمَّهْد لَهُ صَلَوةٌ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي قَبْرِهِ فَإِنَّ الصَّلَاةَ يَسْتَدْعِي جَدًّا مَعَهَا وَكَذَلِكَ الصِّفَاتُ الْمَذْكُورَةُ فِي الْأَنْبِيَاءِ لَيْلَةُ الْأَسْرَاءِ كُلُّهَا صِفَاتُ الْأَجْسَامِ وَالْأَيْلِزَمِ مِنْ كَوْنِهَا حَيَاةٌ حَقِيقَةٌ أَنْ يَكُونَ الْأَبْدَانُ مَعَهَا كَمَا كَانَتْ فِي الدُّنْيَا مِنَ الْإِحْتِيَاجِ إِلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ وَالْإِمْتِنَاعِ عَنِ الْفُزُذِ فِي الْمَجَابِ الْكَثِيفِ وَغَيْرِ ذَلِكَ مِنَ الصِّفَاتِ الْأَجْسَامِ أَلَمْ نَشْهَدْ هَابِلَ قَدْ يَكُونُ لَهَا حُكْمُ الْخَوَافِيسِ فِي الْعَقْلِ مَا يَمْنَعُ مِنْ اثْبَاتِ الْحَيَاةِ الْحَقِيقَةِ بِهِمْ رِشْقَاءُ الْأَسْقَامِ مِنَ السَّكَنِ

اس کے بعد شہداء کی حیات برزخی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-
 فلم یبق الا انها حياة حقيقية الآن وان الشهداء احياء حقيقة وهو قول
 جمهور العلماء لكن هل ذلك للروح فقط او للجسد معها فيه قولان .
 اس کے بعد اس قول ثانی کو ترجیح دی کہ یہ حیات حقیقی صرف روح کے لیے
 نہیں بلکہ جسد کے لیے بھی ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ جب عام شہداء امت
 کے لیے برزخ میں حیات حقیقی جسمانی ثابت ہوئی تو انبیاء کی حیات کچھ ان سے
 اعلیٰ و اتقئے ہی ہے ۔

خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الموت حقیقی جسمانی مثل حیات دنیوی
 کے ہے جمہور علماء امت کا یہی عقیدہ ہے ۔ اور یہی عقیدہ میرا اور بزرگان دیوبند
 کا ہے ۔

(۳، ۴) مسند مذکورۃ الصدر کی تحقیق میں یہ بھی آچکا ہے کہ صرف حیات روحانی
 کا قول جمہور علماء امت کے خلاف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دیوبندیت کوئی
 مستقل مذہب نہیں ، اتباع سلف و جمہور اہل سنت و الجماعت کے خلاف
 ہے وہ دیوبند کے بھی ضرور خلاف ہے ۔

بندہ محمد شفیع عفی عنہ دارالعلوم کراچی ۱

۱۳ ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ

⑤ — محدث کبیر فقیر شہیر جامع معقول و منقول حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب

دامت برکاتہم مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند

الجواب :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں سجدہ موجود ہیں اور حیات میں

آپ کے مزار مبارک پاس کھڑے ہو کر جو سلام کرتا اور درود پڑھتا ہے آپ خود سنتے اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔ ہمارے کان نہیں کہ ہم سنیں۔ آپ اپنے مزار میں حیات ہیں مزار مبارک کے ساتھ آپ کا خصوصی تعلق بحسدہ و روتہ ہے۔

جو اس کے خلاف کہتا ہے غلط کہتا ہے، وہ بدعتی ہے، غلط عقیدے والا ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے۔ حدیث میں ہے۔
 اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلٰی الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَحْيَاءَ الْاَنْبِيَاءِ۔ (المحدث) وعن
 ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی من بید اعلتہ رواہ ابو الشیخ وسندہ جید۔ (المقول المبدع)
 عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الاتبیاء صلوۃ اللہ علیہم احياء فی قبورہم یرسلون رواہ ابن عدی والبیہقی
 وعبرہما۔

تین حدیثیں نقل کر دی ہیں۔ اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں، جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا، اور جو انکار کرتا ہے، بدعتی اور خارج اہلسنت والجماعت ہے۔ غرض پڑھنے والے کو ثواب بھی پہنچتا ہے اور مزار مبارک کے قریب پہنچنے سے آپ سنتے بھی ہیں اور اپنے مزار مبارک میں بحسدہ موجود ہیں اور حیات ہیں۔
 کتبہ: السید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند ۱۳۴۵ھ

۵۳ الف : انجواب :-

اہل سنت والجماعت متفق ہیں کہ انبیاء اپنی قبور میں حیات ہیں۔ ان کی ارواح کوان کے اجسام مطہرہ سے خصوصی تعلق ہے۔ اس خصوصیت میں مخلوق میں سے کوئی

ان کا شریک و ہمیم نہیں ہے۔ اُن کی قبر پر سلام پڑھا جائے تو وہ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں :-

قال الشيخ الكبير ابو عبد الله القرشي سافرت الى الشام فلما وصلت الى قرية ضريح الخليل عليه وعلى نبينا افضل الصلوة والسلام تلقاني فقلت يا رسول اجعلني ضيافتی عندك الدعاء لاهل مصر فدعا لهم ففرح الله عنهم فقال ليا فني نقوله تلقاني الخليل قوله حق لا ينكره الا جاهل بمقت ما يرد عليهم من الاحوال التي يشاهدون فيها ملكوت السموات والارض وينظرون الانبياء احياء ردت اليهم امر واحمد بعد ما قبضوا واذن لهم في الخروج من قبورهم والتصرف في الملكوت العلوي والسفلي له ويمثل صورته الكريمة السامية صلى الله عليه واله وسلم كانه قائم في محله عالم به يسمع كلامه قال صلى الله عليه وسلم من صلى علي عند قبري سمعته له

ان عبارتوں سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فداہ امی وابی اپنے مزار مبارک میں اپنے جسد اطہر کے ساتھ حیات ہیں، جو اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ ہے۔ زائر کے صلوة و سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ اس لیے زید کا خیال صحیح نہیں ہے۔ جبکہ کقول اور اس کا عقیدہ صحیح اور اہلسنت و الجماعت کے مطابق ہے اور کتابوں میں یہ تصریح موجود ہے۔ مواہب لدنیہ، شرح زندقانی، انباء الاذکیار، الخصاص الکبریٰ، شرح اللباب، شفاہ السقام وغیرہ ذلک من الکتاب

بے شک اس عقیدے کے سلسلے میں زید اہل سنت کے عقیدے سے خارج

ہے کہ یہ اس کا عقیدہ اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے۔

سید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند ۲۵/۵/۵۸ھ

② — رأس الاختیار استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتی

دامت برکاتہم، خلیفہ اعظم حضرت مولانا ایشخ حسین علی والی پھر دی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام اولادِ آدم کو موت کا پیالہ پینا ہے۔ کل نفس ذائقۃ الموت اور اقلک
میت وانہم میتون۔ کل من علیہا فان اعلان خداوندی سے تمام نبی آدم
خواہ عام ہوں یا پیغمبر ہوں، ضرور ایک وقت مرتے ہیں۔ اس کے ساتھ موت
کے بعد بھی انسان میں ایک نوعِ حیات موجود رہتی ہے، جس سے وہ ثواب اور
عذاب سمجھتا ہے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ میت کو چار پائی پر قبرستان
لے جاتے وقت اگر مومن ہے تو ”قدمونی۔ قدمونی“ مجھے جلد پہنچا دو، کہتا ہے
اور اگر نافرمان اور کافر ہے تو کہتا ہے ”کہ اے مجھے ہلاکت ہو، مجھے کہاں لے
جا رہے ہو؟“ قبر میں سوال منکر نکیر میت سے دفن کے بعد لوگوں کے واپسی کے
وقت جو توں کی آواز سننا۔ قبر میں عذاب اور ثواب۔ یہ دلیل ہے کہ موت کے
بعد بھی انسان میں ایک قسم کی حیات موجود رہتی ہے۔ شہداء کے حق میں قرآن کا
اعلان ”احیاء“، ”حیاتِ میت“ کی دلیل ہے۔ اسی حقیقت کے ساتھ سردارِ انبیاء
خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں زندہ ہیں اور جو حیات ان کی شان
کے مناسب ہے، اللہ نے قبر میں وہ حیات ان کو دی ہے، جس پر اظہر قبر شریف
میں محفوظ ہے۔ مٹی کوئی اثر جس پر اظہر یہ نہیں کر سکتی۔ اگر قبر کے پاس کوئی مسلمان

درود شریف جہرا سلام ڈالے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں اور اگر کوئی دوسرے درود شریف پڑھے، تو فرشتے رسول اکرم کے پاس پہنچاتے ہیں۔

میں اس مسئلہ کو حق اور صحیح سمجھتا ہوں۔ احادیث شریف، فقہائے عظام، سلف صالحین سے بھی اس مسئلہ کی حقانیت اور صحت ثابت ہے۔ میں نے مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلے کا کبھی اختلاف نہیں سنا اور نہ ہی میں نے کبھی ان سے یہ پوچھا تھا، یہ تو ایک اہل سنت و الجماعت کا متفقہ حق مسئلہ ہے۔

مسکین نصیر الدین غور غشتوی

④۔ بقیۃ السلف، حجتہ الخلف، مجاہد کیر شیعہ ائمہ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری دابر کاہم

انبیاء علیہم السلام کی حیات فی البرزخ کے بارے میں میرا عقیدہ وہی ہے جو اکابر دیوبند کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اسی جسدِ عنصری سے زندہ ہیں جو اس دنیا میں تھا۔ وہ حیات باعتبار ابدانِ دنیوی بھی ہے اور باعتبار عالمِ برزخ برزخی بھی ہے۔

انبیاء کرام کا ابدانِ دنیوی کے ساتھ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہونا اہل سنت و الجماعت کا متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے۔ ہمارے اکابر دیوبند نے اس پر مفصل اور مدلل ارشادات ثبت فرمائے ہیں۔

جہاں تک مجھے علم ہے۔ یہ مسئلہ اکابر دیوبند میں کبھی مختلف فیہ نہیں رہا۔ میرے خیال میں ہر صاحبِ بعیرت اس عقیدہ حیات النبی کا منکر نہیں ہو سکتا۔ جن کی

باطن کی آنکھیں کھلی ہیں۔ ان کے نزدیک تو حضور بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روداد
اطہر کی حیات بدیہیات میں ہے۔

اختر الانام احمد علی عفی عنہ

⑧ — رائس الاتقیاء اسوۃ الصالحین شیخ امثلہ شیخ نصر مولانا عبدالقادر راپوری دست برکاتہم

میرا مسلک وہی ہے، جو اکابر دیوبند کا ہے۔ یہ لوگ بے کار وقت ضائع
کر رہے ہیں۔

(ارشاد حضرت رائے پوری بہ تحریر حضرت شیخ الحدیث کاندھلوی)

⑨ — دارالافتاء مدرستہ عربیہ امینیہ مفتی کفایت اللہ صاحب قائم شدہ ۱۹۱۵ء

بقلم شیخ الحدیث والفقہ علامہ محمد عبدالغنی صاحب دامت برکاتہم

اجواب :

مترجم صحیح اور قوی متفق علیہ حدیث میں ہے۔ الانبیاء احياء فی قبورہم۔ حضرت شیخ
عبدالحق محدث دہلویؒ نے جذب القلوب اور شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ جہود
علماء اہل سنت نے تصریح کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں جو بقعہ
نور اور در پہلے جنت میں۔ حقیقتاً زندہ ہیں۔ ان کو وہاں سے کہیں دوسری
جگہ نقل نہیں کیا جاتا۔ الا فی معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم شرح مشکوٰۃ میں لکھتے
ہیں ”حیات انبیاء متفق علیہ است۔ بیچ کس رادر خلافت نیست۔ حیات جہانی
دنیاوی جیتی نہ حیات معنوی روحانی۔ چنانکہ شہداء راست“ اور حضرت
محدث گنگوہیؒ نے بھی اپنے فتاویٰ میں کئی جگہ لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام
کے سماں میں کسی کو خلافت نہیں اور مزار مبارک کے پاس استشفاع بھی

کہتے ہیں۔ کیونکہ بالاتفاق سُنّتے ہیں۔ اس استثناع اور طلبِ دعا جنابِ
باری تعالیٰ میں کسی کو اختلاف نہیں۔

الحاصل حیاتِ انبیاء فی القبر کا عقیدہ ایک اجماعی عقیدہ ہے۔ اس کا انکار اجماع
کا انکار ہے اور سخت بدعتِ اعتقادی کا ارتکاب ہے۔ بہر حال اگر کسی نے علمی
کی وجہ سے انکار کیا، تو جہالتِ محضہ واجب الاعتناء ہے اور اگر احادیثِ کثیرہ
اور اجماعِ امت کو رد کرتے ہوئے انکار کیا تو اس بدعتی عقیدہ ضلالہ سے
توبہ واجب ہے۔ فقط

محمد عبدالغنی غفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی ۲۷ جون ۱۹۵۹ء

حیاتِ انبیاء کے قائلین پر یہ الزام کہ وہ آنحضرتؐ پر ورودِ موت کے قائل نہیں۔ اس کے
اذالہ اور حیاتِ بعد الرفات کے اثبات واستمرار پر یہ دسوال بیان لیجئے۔

⑩ — سلطان المناظرین عمدة المحققین بقية السلف حجة الخلف

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب دامت برکاتہم

پٹی ضلع لاہور سے ایک صاحب لکھتے ہیں۔

کسی کا یہ خیال کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک لمحہ کے لیے بھی روح مبارک حبِ طہر
سے جدا نہیں ہوئی، کہاں تک صحیح ہے؟ الفرقان کی قریبی اشاعت میں اس مسئلہ کی تحقیق فرما کر
مہزون فرمائیں۔

تحقیق: یہ غلط خیال ہے اور خصوصاً قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ اور شاید ایسا خیال
کرنے والوں کو مسئلہ حیاتِ انبیاء کی حقیقت سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم پر "موت" کا نفس ورود ایک ناقابلِ انکار بلکہ ناقابلِ شک و شبہ حقیقت ہے۔ قرآن مجید

لہ یہ ۵۸ کی تحریر ہے جب ملک تقیم نہیں ہوا تھا اور پٹی ضلع لاہور میں تھا۔

میں صاف نقطوں میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ کل نفس ذائقة الموت (ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے)، اور خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے۔ انک میت وانھم میتون (زمرہ ۴۴) اے رسول اللہ! آپ کو بھی ضرور موت سے دو چار ہونا ہے اور وہ بھی یقیناً مرنے والے ہیں۔ پھر احادیث بھی اس بات میں بکثرت ہیں، ازاں جملہ حضرات کے تخری وقت کے بیان میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت ہے کہ آنحضرتؐ کے سامنے اس وقت لکڑی کے ایک پیالہ میں پانی تھا۔ آپ بار بار اس میں ہاتھ ڈال کر چہرہ مبارک پر پھیرتے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔ لا الہ الا اللہ ان اللہوت سکرات اللہ تعالیٰ کے سرا کوئی معبود نہیں ہے بے شک موت کی کچھ سختیاں ہیں، حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ ثم نصب یداہ فجعل یقول فی الوفیق الاعلیٰ حتی قبض ومالت یداہ (صحیح بخاری) پھر آپ نے اپنا ہاتھ اوپر کی جانب اٹھایا اور فرماتے تھے ”آپ رفیق اعلیٰ ہیں“ یہاں تک کہ روح مبارک قبض کر لی گئی، اور آپ کا ہاتھ نیچے آگیا۔

نیز حضرت عائشہؓ اور حضرت عباسؓ دونوں سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ قال لما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وغسل اختلفوا فی دفنہ فقال ابو بکر ما نسیث ما سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما قبض اللہ بنیاً الا فی الموضع الذی یحب ان یدفن فیہ۔ ادفنوه فی موضع فراسہ للترمذی۔ (جمع الفوائد)

ترجمہ۔ دونوں فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک قبض کر لی گئی اور آپ کو غسل دے لیا گیا تو مقام دفن کے بارہ میں اختلاف آرام ہو گیا۔ اس وقت صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی تھی جس کو میں ابھی تک نہیں بھولا۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کی روح وہیں قبض کرتے ہیں جہاں ان کا دفن ہونا چاہتے

ہیں لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے بستر مبارک ہی کی جگہ دفن کرنا چاہیے۔

اور صحیح بخاری و شمائل ترمذی میں حضرت حسنؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری وقت کی تکلیف شروع ہوئی تو حضرت سیدہ فاطمہؓ کی زبان سے نکلا و اکرمہ (ہائے کیسی بے چینی ہے) تو حضورؐ نے ان سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا لا کرب علی ابیک بعد الیوم، اذ قد حضر من ابیک خالیں اللہ تبارک و احدًا۔ الحدیث (بھی آج کے بعد تمہارے باپ کو کوئی تکلیف نہیں ہونی ہے۔ اب تمہارے باپ کے لیے وہ وقت آگیا ہے جس سے اللہ پاک کسی کو بھی مستثنیٰ کرنے والا نہیں ہے)۔

اور وفات نبویؐ کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے جو کچھ اس باب میں ارشاد فرمایا ہے وہ تو نصوص قرآن و حدیث کے بعد اس بارہ میں مفید کن حیثیت رکھتا ہے۔ ازاں صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب صدیق اکبرؓ کو وفات نبویؐ کی خبر پہنچی تو آپؐ سیدہ حضرت کے پاس آئے۔ پہلے پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔ پھر آفرنگراتے ہوئے کہا۔

بانی انت و امتی لا یجمع اللہ علیک موتین اما الموتۃ التی کتبت علیک فقد متہا۔

ترجمہ۔ آپ پر میرے مال باپ قداہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دو دفعہ موت نہ دے گا۔ جو موت آپ کے لیے مقدر ہو چکی ہے وہ بہر حال آپ پر وارد ہو چکی ہے۔

غالباً حضرت صدیق اکبرؓ کا مقصد ان لوگوں کی تردید کرنا تھا جو اس وقت یہ سمجھ رہے تھے کہ حضرتؓ کی یہ وفات آخری وفات نہیں ہے بلکہ عنقریب آپؓ اٹھیں گے اور فلاں فلاں کاموں کی تکمیل جب خود آپ کے ہاتھوں سے ہو جائے گی۔ اس کے بعد آپ کو آخری وفات آئے گی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اس خیال کی تردید یوں فرمائی کہ ”ایسا نہیں ہو گا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر دو دفعہ موت کو وارد کرے۔ آپ کے لیے ایک ہی موت مقدر تھی جو آگئی“۔

ایک دوسرے مطلب حضرت صدیق اکبرؓ کے اس ارشاد کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگرچہ عوام الناس کے لیے دو موتیں ہیں پہلی دفعہ اس دنیا میں ان پر موت وارد ہوتی ہے، پھر قبر میں نکیرین کے سوال و جواب کے وقت ان کو زندہ کر دیا جاتا ہے اور اس سے فرغت کے بعد دوبارہ ان پر موت طاری کر دی جاتی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صرف اسی دنیا کی ایک موت مقدر تھی جو آپ پر وارد ہو گئی، اس کے بعد جب قبر مبارک میں آپ کو پھر حیات بخشی جائے گی تو وہ برابر قائم رہے گی اور عوام الناس کی طرح ان پر دوبارہ موت طاری نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم اور صحیح بخاری اور دیگر صحاح میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ وفات نبویؐ کے دن جب حضرت عمرؓ قسم کھا کھا کر فرما رہے تھے واللہ مامات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت وارد نہیں ہوئی) تو حضرت صدیق اکبرؓ نے ان کو خاموش کر کے خطبہ دینا شروع کیا جس میں خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا :-

مَنْ كَانَ يُعْبِدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا أَقْدَمَاتُ وَمَنْ كَانَ يُعْبِدُ اللَّهَ
فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ وَقَالَ «فَأَنْتَ مَيِّتٌ وَأَنْتُمْ مَيِّتُونَ» وَقَالَ
تَعَالَى «وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ
مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبِهِ
فَلَنُيْضِرَّ اللَّهُ شَيْئًا وَسَيُجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ»

ترجمہ :- جو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبادت کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت محمدؐ وفات پا گئے اور جو اللہ کا پرستار ہو تو اللہ تعالیٰ بے شک ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اس کے لیے موت نہیں دیکھو وفات نبویؐ کے ثبوت میں، آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "آپ کو بھی (اے رسول!) موت آتی ہے اور آپ کے بدخواہ دشمن بھی مرنے والے ہیں (نیز صدیق اکبرؓ نے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بس رسول ہی تو ہیں د کوئی جی د قیوم خدا تو ہیں نہیں، تو کیا
 اگر وہ وفات پامائیں گے یا شہید کر دیئے جائیں تو تم اُلٹے پاؤں گمراہی کی
 طرف پلٹ جاؤ گے؟ اور یاد رکھو جو بھی اس طرح پلٹے گا تو وہ خدا کو کوئی
 نقصان نہیں پہنچا سکے گا بلکہ خود اپنے کو برباد کرے گا، اور اللہ تعالیٰ اپنے شاکر
 بندوں کو ثواب دے گا۔

پھر واضح رہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ خطبہ صحابہ کرامؓ کے بھرے مجمع میں دیا۔ اور کسی
 نے اس کے کسی چیز پر کوئی تنقید نہیں کی۔ بلکہ خود حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ: ”ابو بکرؓ کے اس بصیرت
 افروز بیان نے خود میری آنکھیں کھول دیں اور میں نے اپنی غلطی کو محسوس کر لیا۔“

گویا ایک طرف تو یہ مسئلہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کے عام قانون کَلِّ
 نَفْسٍ ذَا نَلَّةٍ الموت کے ماتحت موت جاری ہوتی (اور دو موت ہندو قرآن و حدیث سے
 ثابت ہے۔ اور دوسری طرف گویا صحابہ کرامؓ کا اجماع بھی ہے۔ لہذا سوال میں کسی کا جو ”خیال“
 ذکر کیا گیا ہے اس کے لیے ہرگز کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

اور جیسا کہ عرض کیا گیا تھا ان صاحب کو یہ غلط فہمی مصنفین کے کلام میں ”حیات النبی“
 کی مراد نہ سمجھنے کے باعث ہوئی ہے۔ شاید انہوں نے سمجھا ہے کہ ”علماء کرام“ جو ”حیات النبی“
 کے قائل ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ حضور پر موت وارد ہی نہیں ہوتی۔ حالانکہ ان کا منشا یہ نہیں
 ہے۔ بلکہ ان حضرات کی مراد یہ ہے کہ اس موت کے بعد حضور اقدسؐ کو حیات بخش دی گئی
 ہے۔ غالباً متقدمین میں امام بیہقی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے مسئلہ حیات الانبیاء پر مستقل

۱۔ امام بیہقی شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں:-

من صلی علی عند قبری سمعته ومن علی نائیا ابلغته۔

ترجمہ: کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص میری قبر کے پاس درود شریف
 پڑھے گا میں خود اس کو سنتا ہوں اور جو دور سے درود شریف پڑھے گا وہ

رسالہ لکھا ہے۔ اور اس میں اس مسئلہ کے متعلق تمام احادیث جمع کی ہیں۔ انہوں نے خود اس کی تشریح اس طرح کی ہے۔

ان الانبياء بعد ما قبضوا ردت الہم ارواحہم فہم احياء عند ربہم
کالشہداء۔ (ذرقانی شرح مواہب جلد ۵ ص ۱۳۳)

ترجمہ۔ انبیاء علیہم السلام کی ارواح ان کی وفات کے بعد انہیں لوٹا دی گئیں ہیں وہ اللہ کے یہاں زندہ ہیں جیسے کہ شہدائے کرام۔

(فرشتوں کے ذریعہ) مجھ تک پہنچا دیا جائے گا۔

علامہ القاریؒ کی اپنی کتاب الدتۃ المصنیۃ فی زیارۃ المصطفویہ میں فرماتے ہیں۔

ومن اعظم فوائد زیارۃ ان الزائر اذا صلی وسلم علیہ عند قبرہ
سمعہ سماعاً حقیقیاً ورد علیہ من غیر واسطۃ بخلاف من یصلی
او یسلم علیہ من بعد فان ذلک لا یبلغہ الا بواسطۃ لما جاء
عنه بسند جید من صلی علی عند قبری سمعہ ومن صلی علی
من بعد اعلمتہ۔

ترجمہ۔ زیارۃ قبر اقدس کے بڑے فائدوں میں سے ایک یہ ہے کہ زائر جب آپ
کی قبر شریف کے پاس صلوٰۃ وسلم پڑھتا ہے تو آپ خود سنتے اور جواب عطا
فرماتے ہیں بجز اس شخص کے جو دور سے درود و سلام پڑھتا ہے وہ آپ کو نہیں
پہنچتا مگر بذریعہ فرشتوں کے بوجہ اس کے کہ عمدہ سند سے منقول ہے کہ جو شخص
میری قبر کے پاس درود شریف پڑھتا ہے میں اس کو سنتا ہوں اور جو شخص دور
سے پڑھتا ہے اس کی مجھے اطلاع دی جاتی ہے۔ (تعلیم القرآن مئی ۱۹۵۹ء)

علامہ قاری نے اس حدیث کو اس کی دوسری سند کے اعتبار سے جو ابوالشیخ کی ہے بسند جید
کہا ہے۔ اس سے امام بیہقی کی کمزور سند کی بھی توثیق ہو جاتی ہے۔ خالد محمود عفا اللہ عنہ

پھر بعد کے دور میں جن اکابر نے اس مسئلہ پر خاص توجہ کی ہے ان میں ایک علیل القدر شخصیت علامہ تقی الدین سبکیؒ ہیں۔ آپ نے اپنی مشہور کتاب ”شفار السقام“ میں مدحیات انبیاءؑ پر ایک مستقل باب لکھا ہے جس میں پوری قوت کے ساتھ مسئلہ کا ثبوت دیتے کے بعد خود ہی یہ شبہ وارد کیا ہے کہ ”قرآن عزیز صاف حضورؐ کی موت کا اعلان کر رہا ہے (انک میت وانہم میتون) اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: انی مقبوض (میں قبض کیا جاؤں گا)۔ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں: ان محمدًا قدمات (یعنی حضور اقدسؐ وفات پا گئے) اور ساری امت کا اجماع ہے کہ آپؐ کے متعلق موت کا لفظ بولا جاسکتا ہے۔ پھر خود ہی جواب دیتے ہیں:-

یقال انه موت غیر مستمر وانہ احيى بعد الموت۔ (شفار السقام ص ۱۴۲)
ترجمہ جواب میں کہا جائے گا کہ یہ موت غیر مستمر (کا ذکر) ہے اور حضورؐ کو اس موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے حیات عطا فرمادی۔

بہر حال حیات انبیاءؑ کا یہ مطلب کسی کے نزدیک بھی نہیں ہے کہ ان پر ”موت“ قطعاً طاری ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وفات کے بعد ان حضرات کو پھر حیات (مع الجسد) بخش دی جاتی ہے اور وہ صحیح و سالم قبر میں محفوظ رہتے ہیں جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔
هذا الجواب ویجوب اللہ علی من تاب۔ محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کا یہ مضمون ماہنامہ الفرقان کے جمادی الاولیٰ ۱۳۵۸ھ کے ماہنامہ میں شائع ہوا تھا۔ پھر یہ مضمون ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کی مئی ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں شائع ہوا اور اسی حاشیہ سے شائع ہوا جس میں سماع عند القبر الشریف کی حدیث کو سند جدید سے مانا گیا ہے۔ پھر تعلیم القرآن کی جولائی اور اگست ۱۹۶۰ء کی اشاعت میں اس کی تصدیق محدث کبیر حضرت مولانا عبدالرحمن کھیلپوری سے ان الفاظ میں منقول ہوئی:-
”میرے نزدیک مولانا محمد منظور صاحب کا مضمون جو مختلف رسائل میں طبع و شائع

ہو چکا ہے اس باب میں بہترین مضمون ہے، (تعلیم القرآن راولپنڈی)

یہ ان دس بزرگوں کی شہادات ہیں جو بقیہ حیات ہیں۔ وکفی بہم شرفاً وفضلاً۔
ان تمام مضامین میں حیات روح بالجسد مذکور ہے اور روضہ پاک کے پاس حضور کے سماع حقیقی کی
توثیق کی گئی ہے۔ وہو الحق والحق احق ان یقبح۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم وہ بزرگ ہیں جنہیں حضرت مولانا حسین علی
(دواں بچراں) نور اللہ مرقدہ نے سلا نوالی کے مناظرہ کے لیے بلایا تھا اور ان کی تقریرات سامنے
بیٹھ کر سنیں اور قرایا۔ مسکب دیوبند کی حقانیت مولانا منظور نعمانی کی زبان سے آج بہت کھل کر
بیگمٹنے آئی ہے اور بیشک انہی حضرات کا مسکب برحق ہے۔

حضرت مولانا منظور محمد نعمانی نے ایک مجلس میں بیان کیا کہ میں جب سلا نوالی کے مناظرہ کے لیے
چلا تھا تو میں نے ارادہ کیا تھا کہ مناظرہ سے پہلے حضرت مولانا حسین علی صاحب سے ملاقات نہ
کر دوں۔ وہ بطور مبصر مناظرہ میں میری تقریریں سنیں اور حضرت سے میری ملاقات
چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور علماء دیوبند کا مسکب حضرت مرحوم کے سامنے اس طرح آیا کہ اب آپ کے
بارے میں کوئی نہ کہے گا کہ حضرت مرحوم اور علمائے دیوبند کے مابین اختلافات ہیں۔ اگر اس میں
کچھ بھی حقیقت ہوتی تو حضرت مولانا نصیر الدین غشتوی کبھی کھلے بندوں حیات النبی کا اقرار نہ کرتے
اور حضرت مولانا عبدالرحمن کیمپوری جو کچھ عرصہ جمعیت اشفاقہ التوحید والسنۃ کے سرپرست
بھی رہے نہ کہتے کہ حیات النبی میں مولانا محمد منظور نعمانی کا بیان بالکل حق اور درست ہے۔

علمائے دیوبند کا عقیدہ کیا ہے۔ اسے ہم دس اکابر دیوبند سے جو اپنے خیمے جنت میں
لگا چکے ہیں اور دس ان بزرگوں سے جن کے نام اور کام سے آج دیوبندیت کا تعارف ہوتا ہے
آپ کے سامنے پیش کر چکے۔ ان میں بڑے مسلمانوں کی تشریح و تفصیل کے مقابلے میں ایک بدعی عقیدہ
کی اشاعت اور وہ بھی علماء دیوبند کے نام سے علم و دیانت کو کسی طرح زیب نہیں دیتی۔

سر خدا کہ زاہد و عابد کسے نہ گفت در حیرتم کہ بارہ فرموش از کجاستنید

صورة ماكتبه اكابر العلماء وجه ابذة الفضلاء من تولى لدس الافتاء في عقيدة حياة الانبياء

پاکستان کے دس اکابر مسک دیوبند کا متفقہ اعلان

حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہ محفوظ ہیں اور جسد منسوی کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور وہ حیات دنیوی کے مماثل ہے۔ صرف یہ کہ وہ احکام شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضۂ اقدس پر جو روڈ پڑھا جائے بلا واسطہ سنتے ہیں اور یہی مہر و محدثین اور مسکین اہل السنۃ والجماعۃ کا مسک ہے۔

اکابر دیوبند کے مختلف مسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تو مستقل تصنیف حیاء انبیاء پر آب حیات کے نام سے موجود ہے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں۔ ان کا رسالہ المہند علی المنہدی بھی اہل انصاف اہل بصیرت کے لیے کافی ہے اب جو اس مسک کے خلاف دعویٰ کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسک سے کوئی واسطہ نہیں۔ واللہ یقول الحق وهو یمہدی السبیل۔

○ محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ ○ عبدالحق عفا اللہ عنہ اکوڑہ خشک

○ محمد رسول خاں عفا اللہ عنہ ○ شمس الحق افغانی عفا اللہ عنہ

○ محمد ادریس کاندھلوی عفا اللہ عنہ ○ (مفتی) محمد حسن عفا اللہ عنہ

○ خیر محمد جالندھری عفا اللہ عنہ ○ (مفتی) محمد صادق عفا اللہ عنہ جامعہ عباسیہ بہاولپور

○ عبدالقدیر عفا اللہ عنہ ○ محمد عبداللہ در خواستی عفا اللہ عنہ (غانپور)

پنجاب کی رُبّ صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے کے بعد

دارالعلوم دیوبند کا تاریخی فیصلہ

مسئلہ حیات النبی میں اختلاف پنجاب سے آگے کسی طرف نہیں جاسکا۔ ہندوستان بشکے دیش برما اور سری لنکا میں دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتگان ہزاروں کی تعداد میں علم دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ مگر ان میں سے کسی نے پنجاب کے اس اختلاف سے کوئی اثر نہیں لیا۔ اور اکابر دیوبند کی پہلی تصریحات سے کہیں سرو مو بھی آگے نہیں نکلے۔ صوبہ سرحد آزاد قبائل اور افغانستان میں ہزاروں فضلاء دیوبند اپنا کام کر رہے ہیں۔ مگر ان میں کسی نے اکابر علماء دیوبند سے اس مسئلے میں اختلاف نہیں کیا۔

پنجاب میں یہ بات غلط طور پر مشہور ہوئی کہ اس مسئلے میں جماعت دیوبند میں تقسیم ہو گئی ہے۔ کچھ علماء حیاقی ہیں اور کچھ مماتی۔ پھر لطف یہ کہ مماتی لوگ عقیدہ حیات النبی کا کھلم کھلا انکار کرنے کے باوجود اپنے آپ کو دیوبندی کہتے ہیں اور پاکستان میں بیشتر حصوں میں انہیں دیوبندی ہی سمجھا جا رہا ہے۔

افسوس ہے کہ لوگ اس موضوع میں خود دیوبند کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ دارالعلوم دیوبند کوئی آثارِ قدیمہ میں سے تو نہیں کہ اس کی طرف رجوع نہ کیا جاسکے اور حقیقت حال معلوم نہ کی جاسکے۔

پنجاب میں یہ مسئلہ دیوبندی حلقوں میں بڑے زور سے چلا۔ فریقین نے اپنے اپنے موقف پر بھرپور کتابیں لکھیں اور ان کے ذریعہ دونوں طرف کے دلائل دارالعلوم دیوبند پہنچے وہاں کے علماء کے سامنے کوئی غرض اور کوئی مصلحت نہ تھی۔ وہ مسئلے پر محض علمی نقطہ نظر سے

غور کرتے اور فریقین کی معرکہ آرائی دیکھتے رہے۔

مقام حیات پہلی بار الذیعی الثانی ۱۳۸۰ھ میں چھپی۔ اس کے جواب میں قاضی شمس الدین صاحب نے مسالک العلماء لکھی۔ قاضی صاحب اس میں کسی ایک مسک پر حجم نہیں سکے اور ان کی یہ کمزوری خود اس کتاب کے نام سے عیاں ہے۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب جب پاکستان آئے اور قاضی صاحب کے سامنے اپنا دیوبندی عقیدہ لکھا تو قاضی صاحب نے تھبٹ اس پر دستخط کر دیئے۔ اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں مسئلہ زیر بحث میں اختلاف اتنا نہیں ہے جتنا انتشار ہے اور نہایت افسوس ہے کہ اب اس انتشار کی ہی اختلاف کے نام پر پرورش کی جا رہی ہے اور زیادہ لوگ نہیں جانتے کہ اختلاف کیا ہے۔

پنجاب کی اس معرکہ آرائی پر جب ربع صدی گزری اور پچیس سال حیاتی اور مماتی آپس میں معرکہ آرام رہے تو کچھ لوگوں نے یہ معاملہ پھر دیوبند لکھ بھیجا اور دارالعلوم دیوبند چھ سوال روانہ کیے۔ مفتی دارالعلوم دیوبند مولانا مفتی ظفر الدین صاحب نے نمبر ۶۸۴ کے تحت ۱۳۰۵ھ میں ان کا جواب لکھا۔ پھر دوسرے مفتی حضرات نے اس پر دستخط کیے اور دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کی مہر اس پر ثبت کر دی۔

پنجاب کی ربع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے اور مماتوں کی کتابیں اور تحریریں دیکھنے کے بعد علماء دارالعلوم دیوبند اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مماتوں کے پاس اس موضوع میں سوائے انتشار کے کچھ نہیں اور اگر ان کے پاس کوئی مادہ اختلاف ہوتا تو وہ ضرور ان کو کچھ نہ کچھ اہمیت دیتے۔ اب دارالعلوم دیوبند کا یہ حالیہ تاریخی فیصلہ سراسر عقیدہ حیات البنی کی تائید میں ہے اور اس لحاظ سے اس کی بہت اہمیت ہے کہ یہ پنجاب کی ربع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے کے بعد کا ہے اور اس سے مماتوں کی پوری عمارت دھڑام سے نیچے آگئی ہے۔

اس تاریخی فیصلے کو طرے سے پڑھیں۔ آپ غموس کریں گے کہ یہ فتوے مقام حیات کا ہی

ایک دوسرے مختصر پیرایہ ہے۔ ماتنا اللہ علیٰ هذه العقيدة اصلًا و فرعًا مؤلف محمد اللہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۶۸۲

ج

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

① — کیا علمائے دیوبند اور جمہور اہل سنت و اجماعت کا عقیدہ ہے کہ سرور دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روزنہ شریف میں دنیا کی ساری زندگی کے ساتھ زندہ ہیں؟

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ

اجواب ۹۲

ومنہ الصواب

حامداً ومصلياً

تہیید — سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ مسئلہ متفقہ میں بزرگان دیوبند کا مسلک بالکل صاف اور واضح ہے اور اس سے قبل بھی بار بار اس کی اشاعت ہو چکی ہے نیز علمائے دیوبند کے مختلف اور متعدد تصانیف میں مکرر سے بیان فرمایا گیا ہے اور وہ کتابیں تمام دنیا میں معروف و مشہور ہیں مثلاً ۱۔ آبِ حیات ۲۔ جمالِ قاسمی ۳۔ نشر الطیب ۴۔ الشہاب الثاقب ۵۔ المصالح العقلیہ ۶۔ فیض الباری ۷۔ المہند علی المفند ۸۔ تسکین الصدور ۹۔ متفقہ اعلان ۱۰۔ مقام حیات وغیر ذلک — پھر مسئلہ کے آخری حل اور نزاع کے تصفیہ کے لیے ۱۸ محرم ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۲ جون ۱۹۶۱ء کو راولپنڈی میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی فریقین کے ذمہ داروں نے درج ذیل عبارات پر دستخط بھی فرمادئے — عبارت مجوزہ یہ ہے :-

وفات کے بعد بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روحہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلاۃ و سلام سنتے ہیں۔

اس صاف اور صحیح عبارت پر اقراری دستخط کے باوجود اصل اور اجماعی مسئلہ سے انحراف جہاں امانت و دیانت کی دنیا میں حیرت زا ہے وہیں باعث صد افسوس بھی فیالجب ویا حسرتاہ۔

پھر یہ المیہ اس وقت مزید دوچند ہو جاتا ہے جب باہمی اتحاد و اتفاق، عزت و احترام کے بجائے تشنّت و افتراق، نزاع و جدال اور طعن و تشنیع کا طریقہ اختیار کیا جائے جو عزت نفس اور شرافتِ ضمیر کے قطعاً قطعاً منافی ہے۔ فالحسبہ اللہ المشتکیٰ۔

خدا اصلاح اعمال کی توفیق بخشے۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔
اس مہمید کے بعد اصل جواب ملاحظہ فرمائیں :-

① — جی ہاں —

تمام اہل سنت و الجماعت کا قرآن و حدیث کی روشنی میں اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام قبروں میں اجساد عنصریہ کے ساتھ حیات ہیں اور یہ حیات برزخی حیاتِ دنیوی سے کم نہیں ہے اور تلاوۃ نماز و دیگر عبادات میں مشغول ہیں۔ یہ حیات برزخی اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی، لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے۔ اس لیے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامۃ مومنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے۔

امت کا یہ اجماعی عقیدہ اصول شریعت، کتاب و سنت اور اجماع امت سے

ثابت ہے۔ چنانچہ ادلّہ ثلاثہ پیش ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں :-

عقیدہ حیات الانبیاء قرآن حکیم میں

قرآن حکیم میں بیشتر مقامات پر حیات الانبیاء کا ثبوت (اشارۃ، دلالت اور اقتضاء) ملتا ہے۔ ان تمام آیات کا احصاء مشکل بھی ہے اور موجب طول بھی۔ اس لیے اختصار کی غرض سے چند آیتوں کے ذکر پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

① **وَاسْأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ آلِهَةً يُعْبَدُونَ۔** (پہلا الزخرف)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس آیت سے انبیاء علیہم السلام کی حیات پر استدلال کیا گیا ہے۔ چنانچہ محدث العصر حضرت مولانا سید نور شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-
يستدل به على حيات الانبياء

② **وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُنْ فِي مَرْيَةِ مَنْ لَقَانَهُ۔** (پہلا المائدہ)

ترجمہ: اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اس کے ملنے میں شک میں نہ رہنا۔
حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:-
معراج کی رات میں ان سے ملے تھے اور بھی کئی بار۔ اور ملاقات بغیر حیات ممکن نہیں۔ لہذا اقتضاء النص سے حیات الانبیاء کا ثبوت ملتا ہے۔ یہاں اصول فقہ کا یہ مسئلہ بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ جو حکم اقتضاء النص سے ثابت ہوتا ہے وہ بحالت الفرد قوت و استدلال میں عبارتہ النص کے مثل ہوتا ہے۔

③ **وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ تَشْعُرُونَ۔**

(پہلا البقرہ: آیت ۱۵۴ ع ۱۹)

④ بل احياء عند ربهم يرزقون فراحين بما آتاهم الله من فضله (پہلے آیت ۱۲۹)
ان دونوں آیتوں کے بارے میں ماقظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا۔

واذا ثبت انهم احياء من حيث النقل فانه يقويه من حيث النظر كون
الشهداء احياء بنص القرآن والانبياء افضل من الشهداء

جب نقل کے اعتبار سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شہداء زندہ ہیں تو عقلی اعتبار
سے بھی یہ بات پختہ ہو جاتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام
تو شہداء سے بہر حال افضل ہیں۔

غور فرمائیے! ماقظ الدنیا کس قدر قوت کے ساتھ آیت کریمہ سے دلالت النص یعنی
درجہ اولویت سے حیات الانبیاء کو ثابت فرما رہے ہیں۔

⑤ فلما قضينا عليه الموت ما دلهم على موته الا دابة الارض تاكل
منسأته۔ (پہلے اسباب)

اس آیت سے بھی دلالت النص سے حیات الانبیاء کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے
کہ جب کیڑوں نے مضبوط اور سخت ترین حصائے سلیمانی کو کھا لیا تو جسم عنصری کا کھالینا اس سے
کہیں سہل تھا۔ اس کے باوجود جسم کا ٹکڑا رہنا بلکہ محفوظ رہنا حیات کی صریح دلیل ہے۔

حیات الانبیاء احادیث کی روشنی میں

① حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔
الانبياء احياء في قبورهم يصلون

حضرات انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

علامہ سبکیؒ اس حدیث کی سند کو نقل کر کے اس کے روایت کی توثیق کرتے ہیں اور

اس کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس سے اسناد لال کرتے ہیں۔ یہ روایت بدون سند
الخصائص البکری میں اور سند ابویعلیٰ کے پہلے راوی کے علاوہ بقیہ رواۃ کے ساتھ فتح الباریؒ
اور فتح الملہم میں بھی مذکور ہے۔

حدیث شریف کی صحت کے متعلق علماء اہل الرجال کی تفصیلی آراء

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ :-
وصححه الیہیقیؒ امام بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے
محدث العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں :-
ووافقه المحافظ فی المجلد السادس
امام بیہقی کی اس تصحیح پر حافظ ابن حجر نے اتفاق کیا ہے۔
علامہ عثمانیؒ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔
علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ :-
رجال ابی یعلیٰ ثقات
ابویعلیٰ کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔
علامہ عزیزیؒ لکھتے ہیں :-
وهو حدیث صحیح
یہ حدیث صحیح ہے۔
علامہ قاریؒ لکھتے ہیں :-
یصح خبر انبیاء احياء فی قبورهم
الانبیاء احياء فی قبورہم
علامہ الرزف منامیؒ لکھتے ہیں :-
هذا حدیث صحیح
یہ حدیث صحیح ہے۔

الخصائص البکری ص ۲۸۱ ۲۵۲ فتح الباری ص ۳۳۱ فتح الملہم جلد ۱ ص ۲۵۲ فیض الباری جلد ۱
فتح الملہم جلد ۱ ص ۲۲۹ مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۱۱ السراج النیر جلد ۲ ص ۱۳۲ مرقاة المفاتیح جلد ۲ ص ۲۵۲ فیض الباری جلد ۲ ص ۲۵۲

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں :-

ابویعلیٰ نقل ثقات از روایت انس بن مالکؓ آورده قال قال رسول الله
صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احياء فی قبورهم یصلون ۛ

امام ابویعلیٰ ثقہ راویوں کی نقل سے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے
ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور اپنی قبروں
میں نماز پڑھتے ہیں ۔

قاضی شوکانی ۛ لکھتے ہیں :-

انه صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبره وروحہ لا تفرقہ لما صح ان الانبیاء
احیاء فی قبورهم ۛ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی روح آپ کے
جسم مبارک سے جدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضرات انبیاء
علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں ۔
اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

وقد ثبت فی الحدیث ان الانبیاء احياء فی قبورهم رواہ المنذری
وصححه البیہقی ۛ

بلاشبہ حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں
میں زندہ ہیں۔ علامہ منذری نے یہ روایت نقل کی ہے اور امام بیہقی رحمہ نے
اس کی تصحیح کی ہے ۔
علامہ سمہودی لکھتے ہیں :-

رواہ ابویعلیٰ برجال ثقات ورواہ البیہقی وصححه ۛ

ابوعلی نے ثقہ راویوں سے یہ روایت کی ہے اور امام بیہقی نے اس کو صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں :-
اور یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں صحیح ہے بلکہ
آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ امام ابوعلی کے طریق سے جو روایت ہے اس کے تمام راوی
ثقلہ اور ثبت ہیں اور جمہور محدثین کرام اس کی تصحیح کرتے ہیں کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لیے
اصول حدیث میں اس سے زیادہ قوی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ ہوں
اور جمہور محدثین کرام اس کی تصحیح پر متفق ہوں۔

② حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :-
ما من احد یسلو علی الارۃ الا ۛ اللہ علی روحی حق اۛ علیہ السلام
کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کہتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر توہما
دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

حدیث کی صحت کے متعلق محدثین کرام کی آرا

امام سبکی فرماتے ہیں کہ : دھوا اعتماد صحیح ہے
(امام ابو داؤد اور امام احمد نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے) اور یہ اعتماد صحیح ہے۔
عافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ : رواۃ ثقات ہے
علامہ عزیزی لکھتے ہیں کہ : اسنادہ حسن ہے
عافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ : صححہ النووی فی الاذکار ہے

۱۔ فضائل درود شریف ص ۳۷۲ ابو داؤد جلد ۱ ص ۲۶۹ واللفظہ منہ احمد جلد ۲ ص ۵۲۴ ۲۔ ثغفار السقام ص ۱۵
۳۔ فتح الباری ص ۲۶۹ ۴۔ السراج المنیر جلد ۳ ص ۲۶۹ ۵۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۵۱۴

امام نوویؒ فرماتے ہیں۔۔ بالاسناد الصحيح۔
 حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں۔۔ وهو حدیث جید۔
 علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں۔۔ بالاسناد صحيح۔
 نواب صدیق صدیق حسن خاں صاحبؒ لکھتے ہیں۔۔
 قال النووي في الاذكار اسنادہ صحيح وقال ابن حجر رواه ثقات۔
 علامہ مہرؤیؒ فرماتے ہیں۔۔

وی ابو داؤد بسند صحيح۔
 مولانا نور شاہ صاحبؒ اور علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں۔۔ رواه ثقات۔
 امام سخاویؒ فرماتے ہیں۔۔

روى احمد وابوداؤد والطبرانی والبيهقي باسناد حسن بل صححه
 النووي في كتاب الاذكار وغیره۔

اور علامہ محمد بن محمد الفابی البوسٹویؒ فرماتے ہیں۔۔
 قال النووي في الاذكار ورياض الصالحين اسنادہ صحيح وصححه
 ايضا ابن القيم۔

اصول حدیث کی رو سے یہ روایت بالکل حسن اور صحیح ہے اور اس کے جملہ راوی ثقہ ہیں
 جیسا کہ آپ نے باحوالہ پڑھ لیا۔ اور محدثین کرام کی خاصی جماعت اس کی تحقین اور تصحیح کرتی ہے۔
 ③ حضرت اوس بن اوسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔

ان من افضل ايامكم يوم الجمعة فيه خلق آدم وفيه قبض وفيه النفخة
 وفيه الصعقة فاكثروا علي من الصلوة فيه فان صلواتكم معروضة

۱۔ کتاب الاذکار ص ۱۷۲ ۲۔ فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۴ ص ۳۱۲ ۳۔ زرقانی شرح مواہب ص ۳۸ ۴۔ دلیل الطالب ص ۸۴
 ۵۔ مفار الفار ص ۳۳ ۶۔ عقیدۃ الاسلام ص ۵۲ ۷۔ فتح المسلمین ص ۳۱ ۸۔ القول البلیغ ص ۸۹ ۹۔ حیاۃ الانبیاء البیہقی ص ۷۴

علی قال قالوا کیف تعرض صلوٰتنا علیک وقل ارممت قال . یقولون
 بلیت فقال ان الله حرم علی الارض ان تاكل اجساد الانبیاء
 بے شک تمہارے افضل ترین دنوں میں سے ایک جمعہ ہے۔ اسی میں حضرت
 آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی میں ان کی وفات ہوئی اور اسی میں نفخہ
 دیا ہوگا اور اسی میں نفخہ ثانیہ ہوگا۔ سو تم جمعہ کے دن بکثرت مجھ پر درود پڑھا
 کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح ہمارا درود آپ پر پیش کیا جائے گا جب کہ آپ ریزہ
 ریزہ ہو چکے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرات انبیاء علیہم
 السلام کے اجساد حرام کر دیئے ہیں (یعنی زمین ان کو کھا نہیں سکتی)

اب حدیث کی صحت اور محدثین عظام کے اقوال لیجئے

اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:-

وصححه ابن خزيمة وغيره

حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں:-

ومن تامل في هذا الاسناد لم يشك في صحته لشدة رواته وشهادتهم

وقبول الأئمة حديثهم

اور یہی الفاظ اس موقع پر علامہ ابن عبد الہادیؒ کے ہیں:-

علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:-

صح عنه صلى الله عليه وسلم ان الارض لا تاكل اجساد الانبياء

۱۔ ابوداؤد ص ۵۲۸ واللفظہ والدارمی ص ۱۹۵ والنسائی ص ۵۴۲ مستدرک ص ۲۴۸ ص ۵۲۲ موارد الطمان ص ۱۴۱ وابن ماجہ ص ۲۹
 ومنن کبریٰ ص ۲۳۹ المعنف لابن ابی شیبہ ص ۱۵۲ فتح الباری ص ۲۴۹ ج ۲ ج ۱۰ الاہام ص ۲۴۲ ص ۲۴۳ ص ۲۴۴ ص ۲۴۵ ص ۲۴۶ ص ۲۴۷ ص ۲۴۸ ص ۲۴۹ ص ۲۵۰ ص ۲۵۱ ص ۲۵۲ ص ۲۵۳ ص ۲۵۴ ص ۲۵۵ ص ۲۵۶ ص ۲۵۷ ص ۲۵۸ ص ۲۵۹ ص ۲۶۰ ص ۲۶۱ ص ۲۶۲ ص ۲۶۳ ص ۲۶۴ ص ۲۶۵ ص ۲۶۶ ص ۲۶۷ ص ۲۶۸ ص ۲۶۹ ص ۲۷۰ ص ۲۷۱ ص ۲۷۲ ص ۲۷۳ ص ۲۷۴ ص ۲۷۵ ص ۲۷۶ ص ۲۷۷ ص ۲۷۸ ص ۲۷۹ ص ۲۸۰ ص ۲۸۱ ص ۲۸۲ ص ۲۸۳ ص ۲۸۴ ص ۲۸۵ ص ۲۸۶ ص ۲۸۷ ص ۲۸۸ ص ۲۸۹ ص ۲۹۰ ص ۲۹۱ ص ۲۹۲ ص ۲۹۳ ص ۲۹۴ ص ۲۹۵ ص ۲۹۶ ص ۲۹۷ ص ۲۹۸ ص ۲۹۹ ص ۳۰۰ ص ۳۰۱ ص ۳۰۲ ص ۳۰۳ ص ۳۰۴ ص ۳۰۵ ص ۳۰۶ ص ۳۰۷ ص ۳۰۸ ص ۳۰۹ ص ۳۱۰ ص ۳۱۱ ص ۳۱۲ ص ۳۱۳ ص ۳۱۴ ص ۳۱۵ ص ۳۱۶ ص ۳۱۷ ص ۳۱۸ ص ۳۱۹ ص ۳۲۰ ص ۳۲۱ ص ۳۲۲ ص ۳۲۳ ص ۳۲۴ ص ۳۲۵ ص ۳۲۶ ص ۳۲۷ ص ۳۲۸ ص ۳۲۹ ص ۳۳۰ ص ۳۳۱ ص ۳۳۲ ص ۳۳۳ ص ۳۳۴ ص ۳۳۵ ص ۳۳۶ ص ۳۳۷ ص ۳۳۸ ص ۳۳۹ ص ۳۴۰ ص ۳۴۱ ص ۳۴۲ ص ۳۴۳ ص ۳۴۴ ص ۳۴۵ ص ۳۴۶ ص ۳۴۷ ص ۳۴۸ ص ۳۴۹ ص ۳۵۰ ص ۳۵۱ ص ۳۵۲ ص ۳۵۳ ص ۳۵۴ ص ۳۵۵ ص ۳۵۶ ص ۳۵۷ ص ۳۵۸ ص ۳۵۹ ص ۳۶۰ ص ۳۶۱ ص ۳۶۲ ص ۳۶۳ ص ۳۶۴ ص ۳۶۵ ص ۳۶۶ ص ۳۶۷ ص ۳۶۸ ص ۳۶۹ ص ۳۷۰ ص ۳۷۱ ص ۳۷۲ ص ۳۷۳ ص ۳۷۴ ص ۳۷۵ ص ۳۷۶ ص ۳۷۷ ص ۳۷۸ ص ۳۷۹ ص ۳۸۰ ص ۳۸۱ ص ۳۸۲ ص ۳۸۳ ص ۳۸۴ ص ۳۸۵ ص ۳۸۶ ص ۳۸۷ ص ۳۸۸ ص ۳۸۹ ص ۳۹۰ ص ۳۹۱ ص ۳۹۲ ص ۳۹۳ ص ۳۹۴ ص ۳۹۵ ص ۳۹۶ ص ۳۹۷ ص ۳۹۸ ص ۳۹۹ ص ۴۰۰ ص ۴۰۱ ص ۴۰۲ ص ۴۰۳ ص ۴۰۴ ص ۴۰۵ ص ۴۰۶ ص ۴۰۷ ص ۴۰۸ ص ۴۰۹ ص ۴۱۰ ص ۴۱۱ ص ۴۱۲ ص ۴۱۳ ص ۴۱۴ ص ۴۱۵ ص ۴۱۶ ص ۴۱۷ ص ۴۱۸ ص ۴۱۹ ص ۴۲۰ ص ۴۲۱ ص ۴۲۲ ص ۴۲۳ ص ۴۲۴ ص ۴۲۵ ص ۴۲۶ ص ۴۲۷ ص ۴۲۸ ص ۴۲۹ ص ۴۳۰ ص ۴۳۱ ص ۴۳۲ ص ۴۳۳ ص ۴۳۴ ص ۴۳۵ ص ۴۳۶ ص ۴۳۷ ص ۴۳۸ ص ۴۳۹ ص ۴۴۰ ص ۴۴۱ ص ۴۴۲ ص ۴۴۳ ص ۴۴۴ ص ۴۴۵ ص ۴۴۶ ص ۴۴۷ ص ۴۴۸ ص ۴۴۹ ص ۴۵۰ ص ۴۵۱ ص ۴۵۲ ص ۴۵۳ ص ۴۵۴ ص ۴۵۵ ص ۴۵۶ ص ۴۵۷ ص ۴۵۸ ص ۴۵۹ ص ۴۶۰ ص ۴۶۱ ص ۴۶۲ ص ۴۶۳ ص ۴۶۴ ص ۴۶۵ ص ۴۶۶ ص ۴۶۷ ص ۴۶۸ ص ۴۶۹ ص ۴۷۰ ص ۴۷۱ ص ۴۷۲ ص ۴۷۳ ص ۴۷۴ ص ۴۷۵ ص ۴۷۶ ص ۴۷۷ ص ۴۷۸ ص ۴۷۹ ص ۴۸۰ ص ۴۸۱ ص ۴۸۲ ص ۴۸۳ ص ۴۸۴ ص ۴۸۵ ص ۴۸۶ ص ۴۸۷ ص ۴۸۸ ص ۴۸۹ ص ۴۹۰ ص ۴۹۱ ص ۴۹۲ ص ۴۹۳ ص ۴۹۴ ص ۴۹۵ ص ۴۹۶ ص ۴۹۷ ص ۴۹۸ ص ۴۹۹ ص ۵۰۰ ص ۵۰۱ ص ۵۰۲ ص ۵۰۳ ص ۵۰۴ ص ۵۰۵ ص ۵۰۶ ص ۵۰۷ ص ۵۰۸ ص ۵۰۹ ص ۵۱۰ ص ۵۱۱ ص ۵۱۲ ص ۵۱۳ ص ۵۱۴ ص ۵۱۵ ص ۵۱۶ ص ۵۱۷ ص ۵۱۸ ص ۵۱۹ ص ۵۲۰ ص ۵۲۱ ص ۵۲۲ ص ۵۲۳ ص ۵۲۴ ص ۵۲۵ ص ۵۲۶ ص ۵۲۷ ص ۵۲۸ ص ۵۲۹ ص ۵۳۰ ص ۵۳۱ ص ۵۳۲ ص ۵۳۳ ص ۵۳۴ ص ۵۳۵ ص ۵۳۶ ص ۵۳۷ ص ۵۳۸ ص ۵۳۹ ص ۵۴۰ ص ۵۴۱ ص ۵۴۲ ص ۵۴۳ ص ۵۴۴ ص ۵۴۵ ص ۵۴۶ ص ۵۴۷ ص ۵۴۸ ص ۵۴۹ ص ۵۵۰ ص ۵۵۱ ص ۵۵۲ ص ۵۵۳ ص ۵۵۴ ص ۵۵۵ ص ۵۵۶ ص ۵۵۷ ص ۵۵۸ ص ۵۵۹ ص ۵۶۰ ص ۵۶۱ ص ۵۶۲ ص ۵۶۳ ص ۵۶۴ ص ۵۶۵ ص ۵۶۶ ص ۵۶۷ ص ۵۶۸ ص ۵۶۹ ص ۵۷۰ ص ۵۷۱ ص ۵۷۲ ص ۵۷۳ ص ۵۷۴ ص ۵۷۵ ص ۵۷۶ ص ۵۷۷ ص ۵۷۸ ص ۵۷۹ ص ۵۸۰ ص ۵۸۱ ص ۵۸۲ ص ۵۸۳ ص ۵۸۴ ص ۵۸۵ ص ۵۸۶ ص ۵۸۷ ص ۵۸۸ ص ۵۸۹ ص ۵۹۰ ص ۵۹۱ ص ۵۹۲ ص ۵۹۳ ص ۵۹۴ ص ۵۹۵ ص ۵۹۶ ص ۵۹۷ ص ۵۹۸ ص ۵۹۹ ص ۶۰۰ ص ۶۰۱ ص ۶۰۲ ص ۶۰۳ ص ۶۰۴ ص ۶۰۵ ص ۶۰۶ ص ۶۰۷ ص ۶۰۸ ص ۶۰۹ ص ۶۱۰ ص ۶۱۱ ص ۶۱۲ ص ۶۱۳ ص ۶۱۴ ص ۶۱۵ ص ۶۱۶ ص ۶۱۷ ص ۶۱۸ ص ۶۱۹ ص ۶۲۰ ص ۶۲۱ ص ۶۲۲ ص ۶۲۳ ص ۶۲۴ ص ۶۲۵ ص ۶۲۶ ص ۶۲۷ ص ۶۲۸ ص ۶۲۹ ص ۶۳۰ ص ۶۳۱ ص ۶۳۲ ص ۶۳۳ ص ۶۳۴ ص ۶۳۵ ص ۶۳۶ ص ۶۳۷ ص ۶۳۸ ص ۶۳۹ ص ۶۴۰ ص ۶۴۱ ص ۶۴۲ ص ۶۴۳ ص ۶۴۴ ص ۶۴۵ ص ۶۴۶ ص ۶۴۷ ص ۶۴۸ ص ۶۴۹ ص ۶۵۰ ص ۶۵۱ ص ۶۵۲ ص ۶۵۳ ص ۶۵۴ ص ۶۵۵ ص ۶۵۶ ص ۶۵۷ ص ۶۵۸ ص ۶۵۹ ص ۶۶۰ ص ۶۶۱ ص ۶۶۲ ص ۶۶۳ ص ۶۶۴ ص ۶۶۵ ص ۶۶۶ ص ۶۶۷ ص ۶۶۸ ص ۶۶۹ ص ۶۷۰ ص ۶۷۱ ص ۶۷۲ ص ۶۷۳ ص ۶۷۴ ص ۶۷۵ ص ۶۷۶ ص ۶۷۷ ص ۶۷۸ ص ۶۷۹ ص ۶۸۰ ص ۶۸۱ ص ۶۸۲ ص ۶۸۳ ص ۶۸۴ ص ۶۸۵ ص ۶۸۶ ص ۶۸۷ ص ۶۸۸ ص ۶۸۹ ص ۶۹۰ ص ۶۹۱ ص ۶۹۲ ص ۶۹۳ ص ۶۹۴ ص ۶۹۵ ص ۶۹۶ ص ۶۹۷ ص ۶۹۸ ص ۶۹۹ ص ۷۰۰ ص ۷۰۱ ص ۷۰۲ ص ۷۰۳ ص ۷۰۴ ص ۷۰۵ ص ۷۰۶ ص ۷۰۷ ص ۷۰۸ ص ۷۰۹ ص ۷۱۰ ص ۷۱۱ ص ۷۱۲ ص ۷۱۳ ص ۷۱۴ ص ۷۱۵ ص ۷۱۶ ص ۷۱۷ ص ۷۱۸ ص ۷۱۹ ص ۷۲۰ ص ۷۲۱ ص ۷۲۲ ص ۷۲۳ ص ۷۲۴ ص ۷۲۵ ص ۷۲۶ ص ۷۲۷ ص ۷۲۸ ص ۷۲۹ ص ۷۳۰ ص ۷۳۱ ص ۷۳۲ ص ۷۳۳ ص ۷۳۴ ص ۷۳۵ ص ۷۳۶ ص ۷۳۷ ص ۷۳۸ ص ۷۳۹ ص ۷۴۰ ص ۷۴۱ ص ۷۴۲ ص ۷۴۳ ص ۷۴۴ ص ۷۴۵ ص ۷۴۶ ص ۷۴۷ ص ۷۴۸ ص ۷۴۹ ص ۷۵۰ ص ۷۵۱ ص ۷۵۲ ص ۷۵۳ ص ۷۵۴ ص ۷۵۵ ص ۷۵۶ ص ۷۵۷ ص ۷۵۸ ص ۷۵۹ ص ۷۶۰ ص ۷۶۱ ص ۷۶۲ ص ۷۶۳ ص ۷۶۴ ص ۷۶۵ ص ۷۶۶ ص ۷۶۷ ص ۷۶۸ ص ۷۶۹ ص ۷۷۰ ص ۷۷۱ ص ۷۷۲ ص ۷۷۳ ص ۷۷۴ ص ۷۷۵ ص ۷۷۶ ص ۷۷۷ ص ۷۷۸ ص ۷۷۹ ص ۷۸۰ ص ۷۸۱ ص ۷۸۲ ص ۷۸۳ ص ۷۸۴ ص ۷۸۵ ص ۷۸۶ ص ۷۸۷ ص ۷۸۸ ص ۷۸۹ ص ۷۹۰ ص ۷۹۱ ص ۷۹۲ ص ۷۹۳ ص ۷۹۴ ص ۷۹۵ ص ۷۹۶ ص ۷۹۷ ص ۷۹۸ ص ۷۹۹ ص ۸۰۰ ص ۸۰۱ ص ۸۰۲ ص ۸۰۳ ص ۸۰۴ ص ۸۰۵ ص ۸۰۶ ص ۸۰۷ ص ۸۰۸ ص ۸۰۹ ص ۸۱۰ ص ۸۱۱ ص ۸۱۲ ص ۸۱۳ ص ۸۱۴ ص ۸۱۵ ص ۸۱۶ ص ۸۱۷ ص ۸۱۸ ص ۸۱۹ ص ۸۲۰ ص ۸۲۱ ص ۸۲۲ ص ۸۲۳ ص ۸۲۴ ص ۸۲۵ ص ۸۲۶ ص ۸۲۷ ص ۸۲۸ ص ۸۲۹ ص ۸۳۰ ص ۸۳۱ ص ۸۳۲ ص ۸۳۳ ص ۸۳۴ ص ۸۳۵ ص ۸۳۶ ص ۸۳۷ ص ۸۳۸ ص ۸۳۹ ص ۸۴۰ ص ۸۴۱ ص ۸۴۲ ص ۸۴۳ ص ۸۴۴ ص ۸۴۵ ص ۸۴۶ ص ۸۴۷ ص ۸۴۸ ص ۸۴۹ ص ۸۵۰ ص ۸۵۱ ص ۸۵۲ ص ۸۵۳ ص ۸۵۴ ص ۸۵۵ ص ۸۵۶ ص ۸۵۷ ص ۸۵۸ ص ۸۵۹ ص ۸۶۰ ص ۸۶۱ ص ۸۶۲ ص ۸۶۳ ص ۸۶۴ ص ۸۶۵ ص ۸۶۶ ص ۸۶۷ ص ۸۶۸ ص ۸۶۹ ص ۸۷۰ ص ۸۷۱ ص ۸۷۲ ص ۸۷۳ ص ۸۷۴ ص ۸۷۵ ص ۸۷۶ ص ۸۷۷ ص ۸۷۸ ص ۸۷۹ ص ۸۸۰ ص ۸۸۱ ص ۸۸۲ ص ۸۸۳ ص ۸۸۴ ص ۸۸۵ ص ۸۸۶ ص ۸۸۷ ص ۸۸۸ ص ۸۸۹ ص ۸۹۰ ص ۸۹۱ ص ۸۹۲ ص ۸۹۳ ص ۸۹۴ ص ۸۹۵ ص ۸۹۶ ص ۸۹۷ ص ۸۹۸ ص ۸۹۹ ص ۹۰۰ ص ۹۰۱ ص ۹۰۲ ص ۹۰۳ ص ۹۰۴ ص ۹۰۵ ص ۹۰۶ ص ۹۰۷ ص ۹۰۸ ص ۹۰۹ ص ۹۱۰ ص ۹۱۱ ص ۹۱۲ ص ۹۱۳ ص ۹۱۴ ص ۹۱۵ ص ۹۱۶ ص ۹۱۷ ص ۹۱۸ ص ۹۱۹ ص ۹۲۰ ص ۹۲۱ ص ۹۲۲ ص ۹۲۳ ص ۹۲۴ ص ۹۲۵ ص ۹۲۶ ص ۹۲۷ ص ۹۲۸ ص ۹۲۹ ص ۹۳۰ ص ۹۳۱ ص ۹۳۲ ص ۹۳۳ ص ۹۳۴ ص ۹۳۵ ص ۹۳۶ ص ۹۳۷ ص ۹۳۸ ص ۹۳۹ ص ۹۴۰ ص ۹۴۱ ص ۹۴۲ ص ۹۴۳ ص ۹۴۴ ص ۹۴۵ ص ۹۴۶ ص ۹۴۷ ص ۹۴۸ ص ۹۴۹ ص ۹۵۰ ص ۹۵۱ ص ۹۵۲ ص ۹۵۳ ص ۹۵۴ ص ۹۵۵ ص ۹۵۶ ص ۹۵۷ ص ۹۵۸ ص ۹۵۹ ص ۹۶۰ ص ۹۶۱ ص ۹۶۲ ص ۹۶۳ ص ۹۶۴ ص ۹۶۵ ص ۹۶۶ ص ۹۶۷ ص ۹۶۸ ص ۹۶۹ ص ۹۷۰ ص ۹۷۱ ص ۹۷۲ ص ۹۷۳ ص ۹۷۴ ص ۹۷۵ ص ۹۷۶ ص ۹۷۷ ص ۹۷۸ ص ۹۷۹ ص ۹۸۰ ص ۹۸۱ ص ۹۸۲ ص ۹۸۳ ص ۹۸۴ ص ۹۸۵ ص ۹۸۶ ص ۹۸۷ ص ۹۸۸ ص ۹۸۹ ص ۹۹۰ ص ۹۹۱ ص ۹۹۲ ص ۹۹۳ ص ۹۹۴ ص ۹۹۵ ص ۹۹۶ ص ۹۹۷ ص ۹۹۸ ص ۹۹۹ ص ۱۰۰۰ ص

حافظ ابن القیمؒ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

قد صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لا تاكل اجساد الانبیاءؑ

علامہ منتدیؒ فرماتے ہیں:- انہ حسنؒ

اور علامہ عبد الغنی النابلسیؒ لکھتے ہیں:- انہ حسن صحیحؒ

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:- حدیث صحیحؒ

علامہ الورثاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:-

فانه صح عنه صلی اللہ علیہ وسلم انه قال ان اللہ عز وجل حرم علی

الارض ان تاكل اجساد الانبیاءؑ

اصول حدیث کے اعتبار سے یہ روایت بھی بالکل صحیح (بلکہ امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں نے اس حدیث کو صحیح علی شرط البخاری کہا ہے اور ایک دوسرے مقام پر دونوں نے صحیح علی شرط الشیخین کہا ہے)۔

④ حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث میں ارشاد فرمایا:-

فنبی اللہ حی یرزق

پس اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہے اس کو رزق ملتا ہے۔

حدیث شریف کی صحت محدثین عظام کے اقوال کی روشنی میں

حافظ منذریؒ فرماتے ہیں:- اسنادہ جیدؒ

علامہ عزیزیؒ لکھتے ہیں:- ورجالہ ثقاتؒ

۱۔ کتاب الروح ۲۔ القول البدیع ص ۱۱۹ ۳۔ ترجمان السنۃ جلد ۳ ص ۲۹۴ ۴۔ ماریج البیروتہ ص ۹۳ ۵۔ خزائن

۶۔ مستدرک حاکم ص ۵۳ ۷۔ سنن ابن ماجہ ص ۱۱۹ ۸۔ ترجمان السنۃ ص ۲۹۴ ۹۔ السراج المنیر جلد ۱ ص ۱۲۹

علامہ منہادیؒ کا ارشاد ہے۔ قال الدمیری بحوالہ ثقاتؒ

علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں۔

رواہ ابن ماجہ برجال ثقاتؒ

ما فظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔ قلت رجالہ ثقاتؒ

اور علامہ سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ۔

رواہ ابن ماجہ باسناد جیدؒ

طاعلی قاریؒ ارشاد فرماتے ہیں۔

باسناد جید نقلہ میرک عن المنذری ولہ طرق کثیرہؒ

قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں۔ باسنادہ جیدؒ

اور مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ لکھتے ہیں۔ باسنادہ جیدؒ

⑤ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان لله ملئکتہ سیاحین فی الارض یبلغونی من اقطاع السلامؐ

حدیث شریف کی صحت کے متعلق

علامہ عزیزیؒ لکھتے ہیں۔ حدیث صحیحہؒ

علامہ ہشیمیؒ فرماتے ہیں۔

رواہ البزار و رجالہ رجال الصحیحہؒ

۱۔ فیض القدیر جلد ۲ ص ۸۰ ۲۔ زرقانی شارح مواہب ص ۳۳۶ ۳۔ تہذیب التہذیب ص ۲۹۸ ۴۔ خلاصۃ النفا
ص ۴۸ ۵۔ مرقاۃ ص ۱۱۳ ۶۔ نیل الاوطار جلد ۵ ص ۲۶۲ ۷۔ عون المعبود ص ۴۵ ۸۔ نسائی ص ۱۲۳ ۹۔ منہاج احمد
ص ۴۴ ۱۰۔ المصنف ابن ابی شیبہ ص ۵۱ ۱۱۔ دارمی ص ۳۱ ۱۲۔ موارد الطمان ص ۵۱۲ ۱۳۔ مشکوٰۃ ص ۸۶ ۱۴۔ البدایہ والنہایہ ص ۵۴ ۱۵۔ الجامع الصغیر
ص ۹۳ ۱۶۔ خصائص الکبریٰ ص ۲۸ ۱۷۔ السراج المنیر ص ۵۱۸ ۱۸۔ مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۲۳

امام حاکمؒ اور علامہ قسیمیؒ فرماتے ہیں۔ صحیح ہے۔
امام سخاویؒ فرماتے ہیں۔

رواہ احمد والنسائی والدارمی وابونعیم والبیہقی والبخاری وابن حبان والحاکم
فی صحیحہما وقال صحیح الاسناد۔

ائمہ حدیث کے ان بیانات سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث بھی صحیح ہے بلکہ علامہ سمہودیؒ
اور علامہ ابن عبدالبہادیؒ کے بیان کے مطابق امام نسائیؒ اور اسماعیل القاضیؒ نے مختلف طرق سے
اسانید صحیحہ کے ساتھ روایت نقل کی ہے۔
یہاں تک شاہ عبد الغزیز محدث دہلویؒ نے اس کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔
ومتواتر سیدہ اس معنی ہے۔

⑤ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔
من صلی عند قبری سمعته ومن صلی علی من بعیدا اعلتہ۔
جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا تو میں اسے خود سنتا ہوں اور جس نے
مجھ پر دُور سے درود پڑھا تو وہ مجھے (بواسطہ فرشتوں) کے بتلایا جاتا ہے۔

اس حدیث شریف کے سلسلہ میں بھی محدثین کرام کی آراء ملاحظہ ہوں۔

حافظ ابن حجرؒ حدیث کی سند بطریق ابوالشیخ کے متعلق فرماتے ہیں۔
بسنجد جید۔

علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں۔ وبسنجد جید۔
حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔ بسنجد جید۔

۱۔ مستدرک حاکم ص ۲۱۲ ۲۔ القول البدیع ص ۱۱۳ ۳۔ وفار الوفا ص ۲۲۴ ۴۔ الصارم المنکی ص ۱۶۸ ۵۔ فتاویٰ
عزیزی ص ۱۶۸ ۶۔ جلاء الافہام للحافظ ابن القیم ص ۱۹ ۷۔ فتح الباری ص ۲۵۲ ۸۔ القول البدیع ص ۱۱۳ ۹۔ مرقاۃ ص ۱۱۳

نواب صدیق حسن خاں صاحب بھی لکھتے ہیں۔ اسنادہ جیدہ۔

اور علامہ شبیر احمد عثمانی بھی اس کو بسند جید فرماتے ہیں۔

ان اکابرین محدثین کے (جن میں حافظ ابن حجرؒ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں) بیان سے واضح ہو گیا کہ یہ روایت جید اور صحیح ہے۔ ان دونوں نفلوں (جید اور صحیح) میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ چنانچہ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں:-

ان ابن الصلاح میری التسوية بين الجيد والصحيح۔

چونکہ حضرات اہل بیت علیہم السلام کی حیات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور ان احادیث کثیرہ صحیحہ سے ثبوت موجود ہے (یہاں اختصار کی غرض سے چہرہ امادیت صحیحہ کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے) اور امت کے ہر طبقہ میں اس کو تسلیم کیا گیا ہے، اس لیے امام سیوطیؒ نے تو اتر کا دعویٰ کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

حياة النبي صلى الله عليه وسلم في قبره هو شأن الانبياء معلومة عندنا
علماً قطعياً لما قام عندنا من الأدلة في ذلك وتواترت به الأخبار الدالة
على ذلك۔

ایک دوسرے مقام پر تو اتر کا دعویٰ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

ان من جملة ما تواتر عن النبي صلى الله عليه وسلم حياة الانبياء في قبورهم۔

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادیؒ نے بھی امام سیوطیؒ کی تائید کی ہے۔

غرض اس باب میں اس کثرت سے امادیت وارد ہیں کہ جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور علمائے اسلام

۱۔ دلیل الطالب ص ۸۴ ۲۔ فتح الملہم ص ۲۳۳ ۳۔ تدریب الراوی ص ۱۸۱ ۴۔ ابناء الاذکیاء ص ۲۴۵ ۵۔ امام سیوطی ص ۱۴۶

۶۔ انظم المتناتر من الحدیث المتواتر کذا فی شرح البرسنوی ص ۱۸۱ ۷۔ المنحة الوسیط ص ۱۸۱

ان احادیث صحیحہ اور دیگر دلائل شرعیہ سے علمائے امت نے جو کچھ سمجھا ہے اس مقام پر اس کا ذکر کرنا بھی ایک حد تک ضروری ہے تاکہ احادیث شریفہ کے صحیح مطالب کی تعین کے ساتھ امت کا اجماعی نظریہ بھی واضح ہو جائے۔ — جیسا کہ جواب کے آغاز میں عرض کیا جا چکا ہے کہ تمام اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں مجددہ موجود اور حیات میں — اور اہل السنۃ والجماعت کلی طور پر چار طبقوں میں منقسم ہیں۔ ۱۔ مفسرین۔ ۲۔ محدثین۔ ۳۔ مفسرین اور ۴۔ فقہاء۔ اس لیے آنے والے دلائل میں اسی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ لیکن مفسرین کے اقوال تقریباً ہر آیت کے بعد تفسیر کے طور پر ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ اب باقی تین طبقوں کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور محدثین عظام

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں۔

ان حیاته صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر لا یعقبها موت بل یستقر حیاً و
الانبیاء احياء فی قبورهمؑ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں زندگی ایسی ہے کہ جس پر موت وارد نہیں ہوگی بلکہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اس عبارت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی قبروں میں زندگی صریح الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ یہ زندگی دائمی اور مستمر ہے جس پر موت پھر طاری نہیں ہوتی۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد العینی الحنفیؒ فرماتے ہیں۔

غیر الانبیاء علیہم السلام فانہم لا یوتون فی قبورہم بل ہم احياء
ہاں! حضرات انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں وہ اپنی قبروں میں نہیں
موتے بلکہ وہ زندہ ہی رہتے ہیں۔

حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:-

ان الله جل شأه رة الانبياء ارواحہم فہم احياء عند ربہم كالشہداء
بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے ارواح ان کی طرف لوٹا
دیتے ہیں سو وہ اپنے رب کے یہاں شہیدوں کی طرح زندہ ہیں۔
حضرت ملا علی قاریؒ ارقام فرماتے ہیں:-

المعتقد المعتقد انہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی فی قبرہ کسائر الانبياء
فی قبورہم وہم احياء عندہم وان الارواحہم تعلقا بالعالم
العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی فہم بحسب القلب عرشون
وباعتبار القالب فرشیونؒ

قابل اعتماد عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں جس
طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں اور اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں
اور ان کے ارواح کا عالم علوی اور سفلی دونوں سے تعلق ہوتا ہے جیسا کہ دنیا
میں تھا۔ سو وہ قلب کے لحاظ سے عرشی اور جسم کے لحاظ سے فرشی ہیں۔
اس عبارت میں حیات انبیاء علیہم السلام کو قابل اعتماد عقیدہ قرار دیا گیا ہے
علامہ سمہودیؒ لکھتے ہیں:-

لا شک فی حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ وکذا سائر الانبياء علیہم
السلام احياء فی قبورہم حیاء اکمل من حیاء الشہداء التي احسنوا للہ

بہا فی کتابہ العزیز

وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں کوئی شک نہیں اور اسی طرح باقی تمام انبیاء علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات شہداء کی حیات سے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کیا ہے، بڑھ کر ہے۔
دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

وَمَا آدِلَةٌ حَيَاةِ الْأَنْبِيَاءِ فَمَقْتَضَاهَا حَيَاةُ الْأَبْدَانِ كَعَالَةِ الدُّنْيَا مَعَ
الِاسْتِغْنَاءِ مِنَ الْغِذَاءِ

بہر کیف! حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات کے دلائل اس کے مقتضی ہیں کہ یہ حیات ابدان کے ساتھ ہو جیسا کہ دنیا میں بھی مگر خوراک سے مستغنی ہیں۔

یعنی ان کی حیات جہاں شہداء کی منصوص حیات سے بڑھ کر ہے وہیں محض بوزخی اور روحانی ہی نہیں بلکہ جسمانی بھی ہے۔ مگر جس طرح دنیا میں اجسام عادیہ خوراک کے محتاج ہوتے ہیں قبر میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام طیبہ کو حتیٰ اور دنیوی خوراک کی ضرورت نہیں بلکہ اس سے وہ مستغنی ہیں۔ یہی بات شیخ الاسلام دہلویؒ فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو:-

ازیں احادیث معلوم شود کہ انبیاء زندہ اند در قبر بعد از وفات بحیات حتیٰ و اجساد ایشان نیز ثابت باشند و بوسیدہ نگردند۔ و اس حیات ہمچو حیات دُنیا باشد، با وجود استغناء از غذا۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

وقول نعمتار و مقرر جمہور ہم اینست کہ انبیاء بعد از اقامت موت زندہ اند بحیات دنیوی بگہ

اس عبارت میں جہاں حیات بعد الممات کہ جمہور کا قول بتلایا گیا ہے وہیں حیات کی

کیفیت بھی متعین کر دی گئی ہے کہ وہ حیات، دنیوی حیات کی طرح ہے۔ یعنی جس طرح دنیوی حیات میں ان کو ادراکِ علم اور شعور حاصل ہے۔ اس طرح اس حیاتِ برزخی میں بھی یہ چیزیں حاصل ہیں۔ انہیں امور کی وجہ سے اس کو دنیوی اور جسمانی حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

علامہ تاج الدین السبکیؒ حضرت انسؓ کی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

عن انسؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الانبياء احياء في قبورهم يصلون فاذا ثبت ان نبينا صلى الله عليه وسلم حي فالحق لا بد اما ان يكون عالما او جاهلا ولا يجوز ان يكون النبي صلى الله عليه وسلم جاهلا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو زندہ کے لیے لازم ہے کہ یا تو وہ عالم ہو یا جاہل، اور یہ بات تو ہرگز جائز نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جاہل ہوں (معاذ اللہ) تو لامحالہ آپ عالم ہوں گے۔ اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

لَا تَعْلَمُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى يَحْسَبَ وَيَعْلَمَ وَتَعْرِضُ عَلَيْهِ أَعْمَالُ الْأُمَّةِ وَيَبْلُغُ الصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ

ہمارے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں جس و علم سے موصوف ہیں اور آپ پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور آپ کو صلوة و سلام پہنچائے جاتے ہیں۔

غور کیجئے جس اور علم سے موصوف ہونا حیات کے لیے کس قدر واضح دلیل ہے۔

علامہ ابو الوفاء علی بن محمد بن عقیل احنبلؒ کا ارشاد ہے۔

وہو حیات فی قبرہ یصلیٰ بہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔
امام بدرالدین بعلی احنبلؒ جنہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ کا اختصار کیا
ہے۔ لکھتے ہیں۔

والانبياء احياء في قبورهم وقد يصلون

حضرت انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور بہا اوقات نماز بھی
پڑھتے ہیں۔

یعنی چونکہ تکلیفی زندگی تو رہی نہیں بلکہ وہ حضرات نماز تہذ کے طور پر پڑھتے ہیں۔ اس
لیے پابندی لازم نہیں۔ قد يصلون کہہ کر اسی حقیقت کو آشکارا کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ قد مضارع
پر داخل ہو کر اکثر تعقیل کا فائدہ دیتا ہے۔

علامہ غزنیؒ حدیث مامن احادیث علی الارواح اللہ علی روحی کی تشریح کرتے
ہوئے فرماتے ہیں۔

الارواح اللہ علی روحی، احرار علی نطق لانہ حی دائماً وروحہ
لا تفارقه لان الانبياء احياء في قبورهم

اور روح سے مراد نطق ہے۔ کیونکہ آپ دوامی طور پر زندہ ہیں۔ آپ کی روح
مبارک آپ سے الگ نہیں ہوئی۔ کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں
میں زندہ ہیں۔

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔

لہ الروضۃ البہیۃ ص ۱۲ لہ مختصر الفتاویٰ جلد ۱ ص ۱۷۸ لہ روضۃ جلد ۲ ص ۲۸۸ ، متن متین ص ۲۸

لہ السراج المہینر جلد ۲ ص ۲۷۸

فالجواب ان الانبياء احياء في قبورهم^۱

پس جواب کا حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اور علامہ احمد بن محمد الخفاجی المصری الحنفیؒ محدث شریف سے مسئلہ حیات الانبیاء کا استنباط کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

وفيه دليل على انه صلى الله عليه وسلم حي حياة مستمرة^۲۔

اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کو اپنی طور پر زندہ ہیں۔

مندرجہ بالا عبارات میں آپ نے دیکھ لیا کہ جمہور محدثین بیک زبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات حسی جسمانی دائمی کے قائل ہیں۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمہور متکلمین کی آراء کی روشنی میں

علامہ تاج الدین سبکیؒ متکلمین اشاعرہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :-

ومن عقائدنا ان الانبياء عليهم السلام احياء في قبورهم^۳۔

ہمارے عقیدہ میں یہ بات داخل ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

امام ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری اشاعرہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

وعندهم محمد صلاوة الله عليه حيا في قبره^۴۔

اشاعرہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں۔

ان عبارات میں صاف تصریح ہے کہ اہل سنت و الجماعت کے امام ابو الحسن الاشعریؒ کے

نزدیک مسلم عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر طہر میں زندہ ہیں۔ — یہاں یہ اصل بھی

پیش نظر رہنی چاہیے کہ جب علم کلام میں لفظ اشاعرہ بولا جائے تو کلام کے معنی مکتبہ فکر اشعری

اور ماتریدی مراد ہوتے ہیں باب مطلب صاف ہے کہ اہل سنت و الجماعت کے دونوں طبقے اشعری

اور ماتریدی کا مجموعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں — چنانچہ امام ابو منصور
طاہر الشافعی البغدادیؒ لکھتے ہیں :-

قال المتكلمون المحققون من اصحابنا ان نبينا صلى الله عليه وسلم
حي بعد وفاته بسر بطاعات امته^۱

ہمارے اصحاب کے مکملین محققین یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات
کے بعد زندہ ہیں اور آپ اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔
اصحابنا سے مکملین کی جماعت مرد ہو یا شوافع کی بہر صورت ان میں محققین کا مسلک
اور تحقیق یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اپنی قبر میں زندہ ہیں۔

فقہائے اسلام اور مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فقہ وقت علامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالیؒ لکھتے ہیں :-

ولما هو مقرر عند المحققين انه صلى الله عليه وسلم حي يرزق متمتع
بجميع الملاذ والعبادات غير انه حجب عن الابصار القاصر من من
شريف المقامات^۲

محققین کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔
آپ کو رزق دیا جاتا ہے اور تمام لذتوں اور عبادتوں سے متمتع ہیں۔ مگر ان
نگاہوں سے اوچھل ہیں جو ان ارفع مقامات تک رسائی سے قاصر ہیں۔

اس عبارت میں محققین کا یہ مسلک بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور رزق
و عبادات سے منتفع ہیں۔ لیکن یہ رزق دنیوی اور حسی نہیں۔ بلکہ عالم غیب اور دوسرے جہاں
کا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں :-

ان الانبياء احياء في قبورهم كما ورد في الحديث

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔
علامہ ابن عابدین شامیؒ جو متاخرین حنفیہ میں معتمد السکال ہیں کس طرح مراحت کے ساتھ
حدیث شریف سے استدلال کر کے حیات الانبیاء کا نظریہ پیش کر رہے ہیں۔

علمائے دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ تمام اہل سنت و الجماعت کا قرآن و حدیث کی روشنی میں
عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح تمام دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اجسام منصریہ
مبارکہ کے ساتھ قبروں میں موجود اور حیات ہیں۔ علمائے دیوبند جو خالص اہل سنت و الجماعت
ہیں اور اس صدی میں اہلسنت کے سب سے بڑے ترجمان۔ اس لیے قدرتی طور پر اس بات پر
کل بزرگان دیوبند کا وہی عقیدہ ہے جو جمہور کا ہے۔ ذیل میں علمائے دیوبند کے ایسے حوالے
نقل کیے جا رہے ہیں جن سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے تمام علمائے دیوبند متفقہ طور پر
حیات الانبیاء کے قائل ہیں۔ دلائل کے ذکر کرنے میں یہاں بھی وہی ترتیب قائم رہے گی جو پہلے
محدثین یعنی سب سے پہلے محدثین پھر متکلمین اور اس کے بعد فقہاء کے اقوال نقل کیے جائیں گے۔
ملاحظہ ہو۔

محدثین دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء

حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوریؒ محشی بخاری فرماتے ہیں :-

والاحسن ان يقال ان حياته صلى الله عليه وسلم لا يتعقبها موت بل يسبق

حیاء الانبیاء احياء فی قبورهم^۱

بہتر بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ایسی ہے کہ اس کے بعد موت وارد نہیں ہوتی بلکہ دوامی حیات آپ کو حاصل ہے اور باقی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب بہار پوریؒ لکھتے ہیں:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی فی قبرہ کما ان الانبیاء احياء فی قبورهم^۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبروں میں زندہ ہیں جس طرح کہ دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد مبارکہ قبروں میں بالکل محفوظ ہیں تو قبر میں حیات کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ روح مبارک کا جسم اطہر سے تعلق ہے اور اس کی بدولت حیات حاصل ہے

حضرت علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں:-

فدلالت النصوص الصحیحہ علی حیاة الانبیاء^۳

نصوص صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں حضرات انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر بھی علامہؒ فرماتے ہیں:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی کما تقر وانہ یصلی فی قبرہ باذان واقامة^۴

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں جیسا کہ اپنی جگہ یہ ثابت ہے اور آپ اپنی قبر میں اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

اس عبارت میں جہاں یہ تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں وہیں یہ بات

بھی ثابت کی گئی ہے کہ آپ اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں اور اذان و اقامت سے نماز

پڑھنا حیات کی صریح دلیل ہے۔

حضرت علامہ سید محمد نور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:-

ان كثير من الاعمال قد ثبت في القبور كالاذان والاقامة عند الدارمی وقراءة القرآن عند الترمذیؒ

قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے جیسے اذان و اقامت کا ثبوت دارمی کی روایت میں۔ اور قرأت قرآن کا ثبوت ترمذی کی روایت میں۔ غور کیجئے! قبر میں اذان و اقامت کا ثبوت اسی طرح قرأت قرآن کا ثبوت حیات نبوی کی کس قدر صریح دلیل ہے۔

حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ آپ بنصرِ حدیث زندہ ہیں۔
حضرت اقدس مولانا ابوالحسین عبدالہادی محمد صدیق صاحب نجیب آبادیؒ لکھتے ہیں:-

انهم اتفقوا على حيوته صلى الله عليه وسلم بل حيا في الانبياء عليهم السلام متفق عليهما لا خلاف لاحد فيه۔

محدثین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی حیات متفق علیہا ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ عبارت بھی اپنے مدلول و مفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات متفق علیہ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

غور فرمائیے! حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ مظلہ العالی حدیث مامن احدی سلم علی الارضا للہ علی روحی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

علاوہ ازیں انبیاء کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ایک مسلم حقیقت ہے۔

آگے فرماتے ہیں:-

اتنی بات سب کے نزدیک مسلم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبر میں حیات حاصل ہے۔ حضرت اقدس قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حدیث شریف و نبی اللہ حتیٰ یرزق سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں و نبی اللہ حتیٰ یرزقؐ
مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں:-

پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے۔ حضرت مولانا محمد منظر نعمانیؒ مظلہ العالی حدیث ان اللہ ملت کتہ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ:-

اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہو گئی کہ فرشتوں کے ذریعہ آپ کو صرف وہی درود و سلام پہنچتا ہے جو کوئی دُور سے بھیجے لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک کے پاس پہنچا دے اور وہ وہاں حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کرے تو آپ اس کو بنفس نفیس سنتے ہیں اور جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے ہر ایک کو جواب بھی عنایت فرماتے ہیں بلکہ

متکلمین دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ متفقہ طور پر علمائے دیوبند کی ترجمانی کرتے ہوئے اجماعی عقیدہ بیان فرماتے ہیں:-

عندنا و عند مشائخنا حیاة حضرة الرمالہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیویۃ

۱۔ معارف الحدیث ص ۳۸۲ ۲۔ ہدایۃ الشیعہ ص ۳۶ ۳۔ نشر الطیب ص ۱۱۱ ۴۔ معارف الحدیث ص ۳۸۲

من غیر تکلیف وہی مختصہ بہ صلی اللہ علیہ وسلم وجميع الانبياء صلوات
 اللہ علیہم والشہداء لا برزخية كما هي لسائر المؤمنين بل لجميع الناس كما
 نص عليه العلامة السيوطي في رسالة انباء الاذكياء بحياة الانبياء
 حيث قال: قال الشيخ تقي الدين سبكي حياة الانبياء والشهداء في القبر
 كحياة تم في الدنيا ويشهد له صلوة موسى عليه السلام في قبره فان
 الصلوة تستدعي جسدًا حيًا (الآخر ما قال قضيت بهذا ان حيواته دنيوية
 برزخية لكونها في عالم البرزخ)۔

ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک
 میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات
 مخصوص ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے
 ساتھ برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو چنانچہ
 علامہ سیوطیؒ نے اپنے رسالہ انباء الاذکیاء بحیوة الانبیاء میں بتقریح لکھا ہے فرماتے
 ہیں کہ علامہ تقي الدين سبكيؒ نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام و شہداء کی قبر میں
 حیات ایسی ہے کہ جیسی دنیا میں تھی اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا
 اس کی دلیل ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے اگرچہ اس سے ثابت ہوا کہ
 حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کو برزخی بھی کہ عالم برزخ
 میں حاصل ہے۔

یہ عبارت رسالہ المہند علی المفند سے ماخوذ ہے۔ یہ رسالہ علمائے حرمین شریفین زاد ہما اللہ
 شرفا کے ان پھیلے اعتقادی سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے جو اتفاقی اور اجماعی عقیدے
 کہلاتے ہیں جسے سرخیل علماء محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے مرتب کیا۔

اور جس پر اپنی جماعت دیوبند کے تئیں بزرگوں دجن میں خصوصیت سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب صدر مدرس و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا میر محمد حسن صاحب اسروہی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری، حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب دیوبندی، حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی وغیرہم قابل ذکر ہیں، کی تقدیقات لکھو اگر علماء حرمین شریفین اور دیگر ممالک اسلامیہ کو بھیجیں۔ وہ حضرات ان کے تسلی بخش جوابات دیکھ کر مطمئن ہو گئے۔ اس طرح یہ رسالہ اور یہ جواب علمائے دیوبند کا اجماعی جواب ہے۔ اس اجماعی اور سرکاری جواب کے بعد مزید کچھ لکھنا یا کہنے کی مطلقاً ضرورت باقی نہیں رہتی۔ تاہم مزید چند حوالے اطمینان خاطر کے لیے ملاحظہ ہوں۔

حضرت الامام مولانا محمد قاسم نالوتویؒ فرماتے ہیں:-

حضرات انبیاء زندہ ہیں ان کی موت ان کے حیات کے لیے سارے رافع حیات اور دافع حیات نہیں بلکہ

واضح رہے کہ حضرت نالوتویؒ نفس موت کو اعتقاد لازم اور ضروری سمجھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت فرماتے ہیں:-

میں انبیاء کرام کو انہی اجسام دنیوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔ چرچہ ہدایت کل نفس ذائقۃ الموت اور انک میت وانہم میتون۔ تمام انبیاء کرام کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضروری ہے اور اس ظاہری موت کی وجہ سے حضرات انبیاء کرام کا قبروں میں مستور ہو جانا بمنزلہ چلہ کشی یا پردہ نشینی یا گوشہ نشینی سمجھا جائے گا۔ لیکن انبیاء کرام کی زندگی زیر پردہ موت ظاہر بینوں کی نظر سے مستور ہے۔ بمثل امت کے ان کی موت میں روال نہیں ہے بلکہ

اور دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

① اور دلیل یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام مبارکہ کا حسب سابق صحیح و سالم رہنا اور تغیر ارغنی سے بالکل محفوظ رہنا۔

② اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کی ازواج مطہرات کے نکاح کا حرام ہونا۔

③ اور ان کے اموال میں میراث کا جاری نہ ہونا۔

امور ثلاثہ میں سب سے اہم حیات انبیاء کرام پر شاہد عدل ہے اور اس امر کی صریح دلیل ہے کہ ازواج طیبہ کا اجسام مبارکہ سے تعلق منقطع نہیں ہوتا۔ بلکہ موت کے بعد بھی انبیاء کرام کا اپنے بدن سے اسی قسم کا تعلق ہے جس قسم کا پہلے تھا۔

شیخ الاسلام مولانا السید حسین احمد مدنیؒ حیات کی نوعیت متعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-
آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سے وجوہ سے اس سے قوی تر ہے۔

حضرت مدنیؒ کی مراد لفظاً ہر حیات جسمانی اور دنیوی سے یہ ہے کہ آپ کی روح مہلک کا تعلق جسم مثالی سے قائم نہیں ہوتا جیسا کہ بعض صوفیائے کرام کا نظریہ ہے بلکہ روح کا تعلق دنیوی جسم سے قائم ہوتا ہے اور بایں معنی یہ حیات جسمانی اور دنیوی ہے۔ چنانچہ حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحب نالوتویؒ نے ایک مقام پر صاف نقطوں میں اس کی تصریح فرمائی ہے :-
انبیائے کرام علیہم السلام کو ابدان دنیا کے حساب سے زندہ سمجھیں گے۔

فقہائے دیوبند اور حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں :-

آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔ ونبی اللہ حیات یزق بکے

حضرت مولانا اشرف علی صاحب مہتافویؒ فرماتے ہیں:-

پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ لکھتے ہیں:-

اور انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شہداء کی حیات سے افضل و اعلیٰ ہے اور سبقت اس کی طویل ہے۔

حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب پاکستان ہی کے ایک استفتاء میں فرماتے ہیں:-
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں سجدہ موجود اور حیات ہیں۔

حیات انبیاء کرام علیہم السلام اور اصحابِ ظواہر

اس سے قبل جتنے حوالے نقل کیے گئے ہیں وہ ان حضرات کے ہیں جو فردعی مسائل میں میں کسی نہ کسی امام کے مقلد تھے کوئی حنبلی تھا، کوئی مالکی اور کوئی شافعی تھا تو کوئی حنفی۔ سبخر قاضی شوکانیؒ اور ثواب صدیق حسن خاں کہ وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تمام محبت کے لیے ہم اس مقام پر اصحابِ ظواہر حضرات کے کچھ حوالے بھی نقل کر دیں تاکہ حیات انبیاء کرام کی حقیقت بلا تامل روشن ہو جائے اور اجماع امت کا دعوے بھی صاف ہو جائے۔
قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں:-

وقد ذهب جماعة من المحققين الى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم حي

بعد وفاته وانہ ليس بطاعات امتہ وان الانبياء لا يسلون مع ان مطلق

الاحد انك كالعلم والسمع ثابت لسان الموتى (الى ان قال) ورد النص في

كتاب الله في حق الشهداء انهم احياء بين ذنون وان الحیوة فیہم متعلقہ

بالجسد فكيف بالانبياء والمرسلين وقد ثبت في الحديث ان الانبياء
احياء في قبورهم رواه المنذرى وصححه البيهقي في صحيح مسلم عن
النبي صلى الله عليه وسلم قال مررت بموسى ليلة اسرى جب عند
الكثيب الاحمر وهو قائم يصلي ۛ

بے شک محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں
اور یہ کہ انبیاء کرام کے اجسام پوسیدہ نہیں ہوتے حالانکہ مطلق ادراک جیسے
علم اور سماع وغیرہ تو یہ سب مردوں کے ثابت ہے (پھر آگے فرمایا کہ) اور اللہ
تعالیٰ کی کتاب میں شہداء کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے کہ وہ زندہ ہیں
اور ان کو رزق ملتا ہے اور ان کی حیات جسم سے متعلق ہے تو حضرات انبیاء
اور مرسلین کی حیات جسم سے کیوں متعلق نہ ہوگی۔ اور حدیث سے یہ بھی
ثابت ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ امام منذری نے اس کو روایت
کیا اور امام بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات نثرخ رنگ کے ٹیپے کے پاس
موسے علیہ السلام کو قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

قاضی شوکانیؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ وہ شہداء کی حیات جسمانی تسلیم کرتے ہیں
اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کی زندگی بطریق اولیٰ جسمانی ہے اور یہ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ
حضرات انبیاء کرام کی وفات تو ہوتی ہے لیکن وہ اس کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔
ایک دوسری جگہ پر فرماتے ہیں :-

انہ صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ فی قبرہ بعد موتہ کما فی حدیث الانبياء

احیاء فی قبورہم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔
استاد ابو منصور البغدادیؒ فرماتے ہیں:-

قال المتكلمون المحققون من اصحابنا ان نبينا صلی اللہ علیہ وسلم حي بعد وفاته ويؤيد ذلك ما ثبت ان الشهداء احياء يرزقون في قبورهم والنبی صلی اللہ علیہ وسلم منهم

ہمارے اصحاب میں متکلمین محققین کا ارشاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد زندہ ہیں اور اس کی تائید یہ بات بھی کرتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور قبروں میں ان کو رزق دیا جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندہ ہیں۔
شیخ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ اپنا عقیدہ یوں بیان فرماتے ہیں:-

والذی نعتقد ان رتبة نبينا صلی اللہ علیہ وسلم اعلى مراتب المخلوقين على الاطلاق وانه حي في قبره حياة مستقرة ابلغ من حيات الشهداء المنصوص عليها في التنزيل اذ هو افضل منهم بلا ريب وانه يسمع من يسلّم عليه

جس چیز کا ہم اعتقاد کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ مطلقاً ساری مخلوق سے بڑھ کر ہے اور آپ اپنی قبر میں حیات دائمی سے مستصف ہیں جو شہداء کی حیات سے اعلیٰ اور ارفع ہے جس کا ثبوت قرآن کریم سے ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ شہداء سے افضل ہیں اور جو شخص آپ پر (عند القبر) سلام کہتا ہے آپ اس کو سنتے ہیں۔

اس عبادت سے آفتاب نیمروز کی طرح یہ بات ثابت ہو گئی کہ علمائے نجد کا بھی یہی نظریہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں دائمی طور پر زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات شہداء کی مخصوص حیات سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ علمائے نجد جو لوگوں میں دہائی کے نام سے مشہور ہیں اپنے عقیدہ کے اختیار کرنے میں اپنے بزرگوں کے اعتقاد پر کئی اعتماد کرتے ہیں۔

اما الکلام علی حیوة النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاعتقادنا فی ذلک اعتقاد
سلف الامة واثمتنا وھما الاموۃ۔

بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے بارے میں ہمارا وہی اعتقاد ہے جو سلف امت اور ہمارے ائمہ کا اعتقاد ہے اور وہی اس میں ہمارے مقتدا ہیں۔

متاخرین اصحابِ نطو اسر حضرات کے شیخ الکمل مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی لکھتے ہیں:-
اور حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر ورود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں۔

اور مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادی لکھتے ہیں:-
ان الانبیاء احياء فی قبورهم۔

حضرات انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

ذمہ دار اصحابِ نطو اسر بھی جملہ اہل الرائے حضرات کے ساتھ اس امر پر متفق کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبور اور بزمخ میں زندہ ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور امام بیہقی وغیرہ نے اس مسئلہ پر صرف باب ہی قائم نہیں کیا بلکہ مستقل رسالہ اور کتاب لکھ کر اس کو اجاگر کیا ہے۔ اسی طرح دیگر کتب حدیث، شروح حدیث اور کتب فقہ وغیرہ

میں اس مسئلہ پر خاصا مواد اور دلائل موجود ہیں جن سے انصاف و دیانت کی دنیا میں علمی طور پر انماض و اعراض نہیں کیا جاسکتا۔

اجماع امت اور حیات الانبیاء

”علماء امت اور حیات الانبیاء“ کے عنوان کے تحت آپ نے تفصیل سے دیکھ لیا کہ اجماع پر خاصی روشنی پڑ چکی ہے۔ بلکہ سطر سطر سے اجماع کا ثبوت ہو چکا ہے۔ تاہم مزید اطمینان قلب کی خاطر اجماع سے متعلق چند صریح حوالے نقل کیے جا رہے ہیں۔
امام شمس الدین محمد بن عبد الرحمن السخاویؒ لکھتے ہیں کہ:-

مَنْ تَوَثَّقَ بِأَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ فِي زَقْفٍ فِي قَبْرِهِ وَأَنَّ جَسَدَهُ الشَّرِيفَ لَا تَأْكُلُهُ الْأَرْضُ وَالْإِجْمَاعُ عَلَى هَذَا

ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق ملتا ہے اور آپ کے جسد اطہر کو زمین نہیں کھا سکتی اور اس پر اجماع معتقد ہے۔

اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر مبارک میں زندہ ہونا اور آپ کو رزق ملنا اور جسد اطہر کا محفوظ رہنا اجماع امت سے ثابت ہے۔ اگر بالفرض قرآن و حدیث سے اس کا کوئی ثبوت نہ بھی ہوتا تب بھی امت مسلمہ کا اجماع شرعی دلائل میں ایک مذنی دلیل ہے۔ علامہ محمد عابد سندھیؒ لکھتے ہیں:-

أَمَّا هُمْ فَيُخَيَّرُونَ لَوْ شَاءَ فِيهَا وَلَا خِلَافَ لِأَحَدٍ مِنَ الْعُلَمَاءِ فِي ذَلِكَ وَالْحَيَّانِ قَالَ مِنْهُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ عَلَى الدَّوَامِ

بہر حال حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور علماء میں سے

کسی کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے (پھر آگے فرمایا) پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوامی طور پر زندہ ہیں۔

کسی کا کوئی اختلاف نہ ہونا یہی اجماع سکوتی ہے۔
شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:-

حیات متفق علیہ است، یہی کس را دروے خلاف نیست۔

شیخ محدث دہلویؒ ایک وسیع النظر عالم ہونے کے باوجود کس وضاحت سے اجماع کا دعوے کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

نواب قطب الدین خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں، یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی اور دنیا کی سی ہے۔

نواب صاحب دنیا کی سی کا جملہ بول کر یہ حقیقت بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی یہ حیات من کل الوجوہ دنیوی نہیں ہے کہ حسی کھانے پینے کی حاجت ہو بلکہ بعض وجوہ سے دنیوی ہے مثلاً ادراک علم اور شعور وغیرہ میں۔

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادیؒ لکھتے ہیں:-

والحاصل ان حياة الانبياء ثابتة بالاجماع۔

حاصل یہ ہے کہ انبیاء کرام کی حیات بالاجماع ثابت ہے۔

بزرگان دیوبند کا اقرار اجماع بر حیات الانبیاء

مولانا ابوالعزیز عبد الہادی صاحب نجیب آبادی لکھتے ہیں:-

انهم اتفقوا على حيواته صلى الله عليه وسلم بل حياة الانبياء عليهم السلام

متفق علیہا الاخلاق لاحد فیہ ۱۰

محدثین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بلکہ تمام حضرات انبیاء کرام کی حیات متفق علیہا ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ :-

تمام اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز و عبادات میں مشغول ہیں اور حضرات انبیاء کرام کی یہ برزخی حیات اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے اس لیے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامہ مومنین بلکہ ارجح کفار کو بھی حاصل ہے ۱۱

اصحابِ طواہر حضرات اور اجماعی حیات الانبیاء علیہم السلام

مشہور ظاہری عالم مولانا محمد اسماعیل صاحب سلمیٰؒ لکھتے ہیں :-
اہلسنت کے دونوں مکاتب فکر اصحابِ ثلاثے اور اہل حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ شہداء اور انبیاء زندہ ہیں برزخ میں (آگے فرماتے ہیں) انبیاء کی زندگی کے متعلق سنت میں شواہد ملتے ہیں صحیح احادیث میں انبیاء کے متعلق عبادات وغیرہ کا ذکر آتا ہے ۱۲

قیاس صحیح اور حیات الانبیاء

ما فظ ابن حجر عسقلانی رحمہ الباری فرماتے ہیں :-

واذا ثبت انهم احياء من حيث النقل فانه يقويه من حيث النظر

کون الشهداء احياء بنص القرآن والانبیاء افضل من الشهداء۔

اور جب نقل کے لحاظ سے ان کا زندہ ہونا ثابت ہے تو دلیل عقلی اور قیاس بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ وہ یہ کہ شہداء نص قرآنی کی رو سے زندہ ہیں اور حضرات انبیاء کرام اور شہداء سے اعلیٰ اور افضل ہیں (اس لیے بطریق اولیٰ ان کو حیات حاصل ہوگی)۔

غور فرمائیے۔ جب شہداء کی زندگی نص قرآن سے ثابت ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں تو حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حدیث انس رضی اللہ عنہ کی رو سے تو حضرات انبیاء کرام کی حیات ثابت ہی ہے عقلی اور فطری طور پر دلالت النص سے بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت ہے۔ اس لیے کہ وہ شہداء سے افضل ہیں تو لا محالہ ان کی حیات بھی شہداء سے افضل اور برتر ہوگی۔ لہذا نقل و عقل سے حضرات انبیاء کرام کی حیات ثابت ہے۔

سوال ۷۔ جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سردار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں محض بے جان اور مردہ ہیں اور آپ کی دنیا کی سی زندگی کا انکار کرتے ہیں یہ کس فرقہ کا عقیدہ ہے۔ نام متعین فرمائیں۔

جواب: تاریخ اسلام میں سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے اس عقیدہ کا انکار کیا ہے۔ چنانچہ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن المعروف بہ علامہ قشیریؒ فرماتے ہیں کہ:-
ان امور سے جن کی بناء پر فقہاء نے حجاج بن یوسف پر کفر کا فتوے دیا تھا۔
اس کا ایک بڑا جرم یہ تھا کہ حجاج جب مدینہ آیا اور زائرین حرم اطہر کو دیکھا کہ وہ پر وانیہ وار روئے اطہر کے ارد گرد جمع ہو رہے ہیں تو اس نے کہا کہ تم لوگ لکڑیوں اور گلی
سڑی ہڈیوں کا طواف کر رہے ہو۔ اس پر علماء نے ان پر کفر کا فتوے لگا دیا۔

اسی طرح فرقہ متقشفہ کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء کرامؑ کو بشمول جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موت کے بعد نبوت سے معزول کر دیا جاتا ہے۔ نعوذ باللہ یہ عقیدہ درحقیقت اس بات کا انکار ہے کہ نبی علیہ السلام کو موت ظاہری کے بعد حیات دائمی حاصل ہے۔ اسی طرح فرقہ کرامیہ بعض معتزلہ اور رافضیہ کا بھی عقیدہ عدم حیات کا ہے۔

سوال ۱۳: حیات النبیؑ کا عقیدہ رکھنے والے کی نماز منکر حیات النبیؑ کے پیچھے کیا حکم رکھتی ہے؟

جواب ۱: بلا تاویل حیات النبیؑ کا منکر بدعتی ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے علامہ حنفیؒ فرماتے ہیں:-

(وبکرہ املۃ) مبتدع ای صاحب بدعة۔^۱

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں:-

بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔^۲

سوال ۱۴: حجاج کرام کا سر درود عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ شریف کی زیارت کے لیے نہ جانا اس عقیدہ کی بناء پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ و سلام نہیں سنتے کیا حکم رکھتا ہے؟

جواب ۱: پہلے سوال کے جواب میں آفتاب نیمروز کی طرح ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور قبر اطہر کے قریب پڑھا جانے والا درود شریف سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم خود بلا واسطہ سنتے ہیں۔ اس لیے اسلام کے چودہ سو سالہ دور میں مسلمانوں کا عمل اسی عقیدہ پر رہا ہے کہ جس نے حج کیا اس نے مدینہ منورہ کی زیارت ضرور کی تاکہ سید و عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صلوٰۃ و سلام کا تحفہ پیش کر سکے مسلمانوں کا یہ عمل احادیث کثیرہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

زیارتِ روضہ اطہر احادیث شریفہ کی روشنی میں

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-
 من زار قبری وجبت له شفاعتیؐ

جس نے میری قبر کی زیارت کی تو بلاشبہ اس کے لیے میری شفاعت لازم ہوگئی۔
 ایک دوسری روایت میں ہے :-

من زار بعد مماتی فکأنما زارنی فی حیاتیؐ
 جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی ہی
 میں زیارت کر لی۔

غور فرمائیے! کس قدر مبالغہ کے ساتھ زیارت کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ وعدہ
 کے بعد وعید کی روایتیں بھی ملاحظہ فرمائیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :-
 من حج البیت ولم یزدح ففقد جفائیؐ

جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے بلاشبہ میرے
 ساتھ زیادتی کی۔

انہی وعدہ و وعید کی روایات کی بنا پر پوری امت نے یہ سمجھا کہ روضہ اقدس کی زیارت
 گو اعتقادی اعتبار سے سنت ہے تاہم عملی اعتبار سے واجب کے قریب ہے چنانچہ محقق علی
 الاطلاق شیخ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں :-

ان زیارة قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم مستحبہ وقریۃ من الواجب نظرًا
 الی هذا النزاع وهو الحق عندی فان الاف الاول من السلف کانوا

لہ صحیح ابن خزیمہ۔ دارقطنی بیہقی باسناد حسن بحوالہ آثار السنن ص ۱۳۱ طحاوی علی المراقی الفلاح ص ۵۴۳ ایضاً
 فصل فی زیارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ابن عدی بسند حسن مرقات المفاتیح)

يَشُدُّونَ رَحَالَهُمْ لَزِيَارَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُزَعِّمُونَ زِيَارَتَهُ
أَعْظَمَ الْقُرْبَاتِ بِهِ

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں :-
انها قربة من الوجوب لمن له سعة

مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ فرماتے ہیں :-

تقریح کردہ است در بعض کتب بوجوب آل بدلیل قوی آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم من حج ولعیزونی فقد جفائی رواہ ابن عدی بسند جید حسن. و نیز
مروئی است از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرمود من زار قبری وجبت
لہ شفاعتی رواہ الدارقطنی والطبرانی والبزار وصححه عبد الحق.
و نیز فرمود او صلی اللہ علیہ وسلم من زار قبری بعد موتی کمن زارنی فی
حیاتی رواہ ابوسعید بن منصور والد دارقطنی. و وارد شدہ اند در فضل
زیارت اعماد بیت و آثار بسیار کہ اکتفاء کردہ می شود از آنہا بریں مقدار
طلبنا للاختصار

اجماع امت اور زیارت روضہ اقدس

میساکہ عرض کیا جا چکا ہے کہ زیارت نبوی جہاں اعماد بیت کثیرہ صحیحہ سے ثابت ہے
وہیں بغیر کسی اختلاف کے تعامل امت کے ساتھ اجماع امت سے بھی یہی ثابت ہے چنانچہ
مخدوم ہاشم سندھیؒ فرماتے ہیں :-

بدانکہ اجماع کردہ اند مسلماناں برآنکہ زیارت حضرت پیغمبر علیہ السلام از اعظم قربات
و افضل طاعات و اکد سنن و مندوبات است

لہ بحوالہ مذکورہ بالا لہ فیض الباری جلد ۲ ص ۴۳۳ لہ شامی جلد ۲ ص ۲۹۸ لہ حیات القلوب ص ۲۹۸ لہ ایضاً

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ فرماتے ہیں :-

اعلم ان زیارة سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم باجماع المسلمین من غیر
عبرة بما ذکرہ بعض المخالفین من اعظم القربات وافضل الطاعات فنج المسائل
لنیل الدرجات قریبة من درجة الواجبات بل قیل انہما من الواجبات
لمن له سعة وتركها غفلة عظيمة وجفوة كبيرة وفيه إشارة الى
حدیث استدل به علی زیارة وقوله صلی اللہ علیہ وسلم من حج ولم
یزرني فقد جفاني رواہ ابن علی بسند جید قال بعض المالکية بان المشي
الى المدينة افضل من الكعبة وبیت المقدس ۛ

اس عبارت میں جہاں یہ تصریح ہے کہ زیارت نبویؐ اجماع امت سے ثابت ہے وہاں
یہ بات بھی واضح ہے کہ بعض کے اختلاف سے اجماع متاثر نہیں ہوگا۔ نیز درجہ کی تقین کے ساتھ
ترک زیارت کو عظیم غفلت اور بڑی زیادتی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ یہ بھی بتلایا گیا
کہ بعض مالکیہ کے نزدیک مدینہ مانا کعبہ اور بیت المقدس جانے سے بھی بہتر ہے۔ ہمارے
فقہائے احناف نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر فرض حج کے لیے گیا ہے تو پہلے حج کرے (بعد میں
زیارت کرے) اور اگر حج فرض نہیں ہے تو پھر اختیار ہے خواہ پہلے زیارت کرے اور بعد
میں حج کرے یا پہلے حج کرے اور بعد میں زیارت کرے :-

قالوا ان كان الحج فريضاً قدمه عليها والا تخير ۛ

پھر مدینہ جانے میں بھی بہتر یہ ہے کہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی

نیت کرے :-

والاولی فی زیارة تجرید النية لزیارة قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم ۛ

الحاصل۔ مسلمانوں کا یہ عمل امت محمدیہ کا عظیم اجماع ہے جس پر دورِ محابہ سے لے کر

ۛ بذل المجہود جلد ۳ ص ۲۷۲ طحطاوی علی المراقی الفلاح ص ۳۴ ۛ ایضاً

آج تک اس پر عمل ہو رہا ہے۔

اتفق مالک والشافعی وابوحنیفۃ واحمد علی ان زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ

وسلم من افضل المندوبات۔

لہذا اس نظریہ کی بنیاد پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سُننتے — روحہ اطہر کی زیارت کے لیے نہ جانا جہاں ان احادیث صحیحہ کا — جن میں سماع البنی عند القبر اور زیارت نبوی کی تصریح ہے — انکار ہے اور اجماع امت سے انحراف جس کی امانت و دیانت کی دنیا میں قطعاً قطعاً گنجائش نہیں ہے — احاذنا اللہ منہ — وہیں سخت محرومی اور حرمان نصیبی بھی ہے چنانچہ بذل المجہود کی عبارت گزر چکی ہے۔

علامہ سندھی فرماتے ہیں :-

وترک کردن زیارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع الامکان غفلتے است عظیمہ

و شناختی قبیحہ۔

اس لیے گنجائش کے باوجود زیارت کے لیے نہ جانا موجب وعید شدید ہے۔

سوال ۵: منکرین حیات الانبیاء علیہم السلام فی القبور قائلین حیات الانبیاء فی القبور کو دجال و کذاب و مشرک کہتے ہیں۔ آیا یہ منکرین حیات الانبیاء فی القبور دیوبندی کہلانے کے مستحق ہیں؟
جواب: منکرین حیات الانبیاء دیوبندی تو کجا بعض علماء نے تو ان کو اہلسنت و اجماعت سے بھی خارج قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو :-

حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند ایسے شخص کو

اہل سنت و اجماعت سے بھی خارج قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں — اس باب

(حیات الانبیاء) میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے اور جو

شخص اس کا انکار کرتا ہے وہ بدعتی اور اہلسنت و اجماعت سے خارج ہے۔

اس فتوے پر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور، حضرت مولانا مفتی محمد صیاد الحق صاحب صدر مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور اور استاذ اہل سنت حضرت مولانا محمد رسول خاں صاحب ہزاروی کے بھی دستخط ہیں۔ پھر طرفہ یہ ہے کہ خود ایسے لوگ (منکرین حیاۃ الانبیاء) دوسرے صحیح العقیدہ مسلمانوں کو خصوصاً مسلمانوں کو کافر مشرک اور دجال کہیں، یہ ایک حیرت انگیز بات ہے۔

نااطقہ سر بگڑیاں ہے اسے کیا کہیے

سوال ۱۱: منکرین ثواب و عذاب قبر کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: جملہ اہلسنت و الجماعت اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ قبر (برزخ) میں اہل ایمان اور اصحاب طاعات کو لذت و سرور نصیب ہوتا ہے اور کفار و منافقین کو نیز گناہگاروں کو عذاب اور تکلیف ہوتی ہے، اس میں کس شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ قرآن و سنت اور اجماع امت کے صریح دلائل کے پیش نظریہ عقیدہ اتنا مضبوط ہے کہ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے عذاب قبر کے منکر کو کافر کہا ہے۔ حالانکہ وہ تکفیر کے مسئلہ میں بڑے محتاط ہیں اور ان کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر کسی ایک کلمہ میں مثلاً سو معافی کا احتمال پیدا ہو سکتا ہے جن میں ننانوے پہلو کفر کے نکلتے ہوں اور صرف ایک ہی پہلو اسلام کا پیدا ہوتا ہو تو قاتل کی تکفیر نہیں کی جائے گی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ قاتل کی مراد اسلام ہی کا پہلو ہو۔ ہاں! اگر خود ہی وہ کفر کا کوئی معنی اور پہلو متعین کر دے تو پھر کفر کے فتویٰ سے اس کو کوئی تاویل نہیں سچا سکتی۔ مسئلہ کی وضاحت کے لیے مسلم حضرات فقہاء کرام میں سے چند بزرگوں کی شہادت ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔

عذاب و راحت قبر کا منکر اور فقہائے اسلام

علامہ طاہر بن احمد الحنفیؒ لکھتے ہیں:-

ولا يجوز الصلوة خلف من ينكر شفاعته النبي صلى الله عليه وسلم وينكر الكرام

الکاتبین وعذاب القبر کذا من ينکر الرویة لانه کافر^۱

جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور کرام الکاتبین اور عذاب قبر اور رویت باری تعالیٰ کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ کافر ہے۔

یہ عبارت اپنے مفہوم و مدلول کے لحاظ سے بالکل روشن ہے کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں ہے۔

محقق علی الاطلاق عاقل ابن الہمام محمد بن عبد الواحد کھنقی السیر اسی فرماتے ہیں :-
ولا تجوز الصلوة خلف منکر الشفاعۃ والرویة وعذاب القبر والکرام
الکاتبین لانه کافر لتوارث هذه الامور من الشارع صلی اللہ علیہ وسلم^۲
شفاعت اور اللہ تعالیٰ کے دیدار اور عذاب القبر اور کرام کاتبین کے افکار
کرنے والے کی اقتدار میں نماز درست نہیں ہے۔ کیونکہ وہ کافر ہے اس لیے
کہ یہ امور شارع علیہ السلام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔

یہ حوالہ بھی اپنے مدلول میں صریح ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں بھی انکار عذاب
قبر کو کفر لکھا ہے۔^۳

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن بکر الانصاری الخزری الاندلسی القرطبی ارشاد فرماتے ہیں :-
فاعلموا ایہا الاخوان ان عذاب القبر ونعیمہ حق کما صرح بہ الاحادیث
الصحیحة ولكن الله تعالى ياخذ بابصار الخلاق واسماہم من الجن
والانس عن روية عذاب القبر ونعیمہ لحكمة المیة ومن مثک فی
ذلك فهو ملحد^۴

۱۔ خلاصۃ الفتاویٰ جلد ۱ ص ۱۴۹ فتح القدیر مصری جلد ۲ ص ۲۴۳ ۲۔ فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ ص ۳۱ طبع مصری
۳۔ مختصر تذکرۃ القرطبی لعبد الوہاب الشحرانی ص ۲۲ طبع مصری

اے بھائیو! تم بخوبی جان لو کہ قبر کا عذاب اور اس کی راحت برحق ہے جیسا کہ
صحیح اعمادِ صریحت سے اس پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی محکمات
مخلوق میں سے جنوں اور انسانوں کی آنکھوں اور کانوں سے قبر کے عذاب و
راحت کو اوجھل رکھتا ہے کیونکہ حکمتِ الہی کا تقاضا ہی یہی ہے اور جو شخص
اس کا انکار کرے تو وہ ٹکڑے ہے۔

علامہ عبدالشکور السالمیؒ فرماتے ہیں:-

فَمَا عَذَابُ الْعَبْرِ لِلْمُؤْمِنِينَ حَقٌّ لِلْكَافِرِينَ مِنَ الْوَاجِبَاتِ وَاللَّهُ تَعَالَى
يَقُولُ النَّارِيعِ ضُونَ عَلَيْهِمَا عَذَابًا وَعَشِيًّا يَعْنِي فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ دَلَّ اللَّهُ
كَانَ صَحِيحًا فِي أَيْ مَوْضِعٍ وَعَلَى أَيْ حَالٍ وَمِنْ أَنْكَرِ هَذَا يُصِيرُ كَافِرًا
وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِهِ

عذابِ قبرِ مؤمنین کے لیے جائز اور کافروں کے لیے واجب ہے۔ اللہ کا فرمان
ہے کہ فرعون اور اس کی قوم صبح و شام آگ پر پیش کی جاتی ہے۔ یہ ارشاد
دلالت کرتا ہے کہ عذابِ صحیح ہے، جس جگہ میں ہو اور جس حالت میں ہو۔ جو
اس کا منکر ہو سو وہ کافر ہے۔ واللہ اعلم

مولانا عبدالعلی بھرا العلوم انجمنیؒ لکھتے ہیں:-

منكر الشفاعة لاهل الكياسة والزُّوية وعذاب العبر وكرام
الكاتبين كافرين

ترجمہ: اہل کبار کی شفاعت کا منکر۔ رویتِ باری تعالیٰ کا منکر۔ عذابِ قبر کا منکر اور
کرامِ کاتبین کا منکر سب کافر ہیں۔

مہر دارالافتاء جامعہ اسلامیہ دیوبند ۲۲ شعبان ۱۴۰۵ھ

دستخط حضرات مفتیانِ کرام